یہودیت اور عیسائیت سے اسلام لانے والے مردوں کے ایمان افروز حالات

ہم نے کیوں اسلام قبول کیا؟

تحقیق و ترتیب

محمد انور بن اختر

مکتبہ ارسلان

اردو بازار، کراچی۔

موبائل: 0333-2103655

یہودیت اور عیسائیت سے اسلام لانے والے مردوں
کے ایمان افروز حالات

ہم نے کیوں اسلام قبول کیا؟

تحقیق و ترتیب
محمد انور بن اختر

RS:- 200

مکتبہ ارسلان کراچی، پاکستان
موبائل 0300-3602654

کتاب کا نام : ہم نے کیوں اسلام قبول کیا؟
مؤلف : محمد انور بن اختر
سن اشاعت : 2007ء
باہتمام : خاور افتخار
ناشر : ادارہ اشاعت اسلام کراچی
قیمت : 210

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں اس کی تصحیح واصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو آپ سے گزارش ہے کہ ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔

منجانب: ادارہ اشاعت اسلام

اسٹاکسٹ

نفیس اکیڈمی قصر مریم، گوالی لین نمبر 3 نزد مسجد مقدس، اردو بازار، کراچی۔ فون 2722080(021)

ملنے کا پتہ

کراچی:
1) زمزم پبلشرز اردو بازار
2) مکتبہ السعید، شاہ فیصل کالونی
3) نور محمد کارخانہ، آرام باغ
4) بیت القرآن، اردو بازار
5) علمی کتاب گھر اردو بازار
6) ڈسکاؤنٹ بک شاپ، اردو بازار
7) کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال
8) ادارۃ الانوار، بنوری ٹاؤن
9) بیت الکتب گلشن اقبال
10) مکتبہ العربیہ، بنوری ٹاؤن
11) مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی

لاہور:
12) مکتبہ رحمانیہ، لاہور
13) المیزان اردو بازار لاہور
14) مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور
15) اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور
16) مکتبہ الحرمین انارکلی بازار
17) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
18) ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
19) مشتاق بک کارنر اردو بازار
20) کشمیر بکڈپو تلہ گنگ روڈ چکوال
21) شمع بک ایجنسی اردو بازار

حیدرآباد:
22) مکتبہ اصلاح وتبلیغ
23) مکتبہ دار الخیر اردو بازار

اکوڑہ خٹک:
24) مکتبہ حمیہ
25) مکتبہ علمیہ

راولپنڈی:
26) کتب خانہ رشیدیہ
27) مکتبہ صفدریہ
28) مکتبہ محمودیہ

ملتان:
29) مکتبہ امدادیہ

کوئٹہ:
30) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ

التجا
الحدیث
اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بندہ وہ ہے جو
اللہ کے بندوں کی فکر میں لگا رہتا ہے۔
جن احباب کو اس کتاب
سے نفع ہو وہ میرے مرحوم بھائی
حافظ محمد اکبر
عمر ۲۶
کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں
اور
ہو سکے تو فی الفور ایک درود شریف میرے بھائی
کو ھدیہ کر دیں
جو ہو گا مہربان اہلِ زمیں پر
خدا مہربان ہو گا عرشِ بریں پر

پیش لفظ

محترم قارئین مسلمان ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے مقابلہ میں دنیا جہاں کی تمام نعمتیں ہیچ اور بے حیثیت ہیں۔ اسلام کتنی عظیم نعمت ہے اس کا احساس مجھے اور زیادہ بڑھ گیا جب بندہ نے مختلف رسائل میں یہودیت اور عیسائیت سے اسلام لانے والوں کے حالات کو پڑھا اس وقت بندہ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان نومسلموں کے ایمان افروز اور سحر انگیز حالات کو کتابی شکل دی جائے۔

تاکہ لوگوں میں ان حالات کو پڑھ کر اللہ کے شکر کا داعیہ پیدا ہو اور لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے دین اسلام میں کفار کس تیزی سے داخل ہو رہے ہیں، اس وقت اسلام دنیا میں سب تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے جس کے سائے میں دنیا بھر کے مسلم جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔

حال ہی میں امریکی سفیر نے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، امریکہ میں اسلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے وہاں ہر سال ایک لاکھ پینتیس ہزار غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں۔ اس وقت صرف امریکہ کی جیلوں میں اسلام کو قبول کرنے والوں کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے اور اس وقت امریکہ میں دو ہزار سے زائد مساجد ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں عیسائیت دم توڑ رہی ہے اس کے پیروکار دن بدن گھٹ رہے ہیں، اتوار کے دن گرجا گھروں میں عبادات میں دن بدن کمی ہو رہی ہے، نئی نسل عبادات سے کوسوں دور نظر آتی ہے اس وجہ سے کئی گرجا گھر ویران ہو چکے ہیں اور ان میں سے بعض مسجد بننے کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور بعض تجارتی اسٹوروں میں تبدیل ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

اب رہا یہ سوال لوگ جوق در جوق اسلام میں کیوں داخل ہو رہے ہیں؟ تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب باطلہ ہیں ان میں آپس میں تضاد ہے، ان کی کتابوں تک میں تحریف کر دی گئی ہے۔ ان مذاہب

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکون قلب صرف دین اسلام میں رکھا ہے۔ اور اس کا اعتراف مغربی دانشور بھی کرتے ہیں۔ ایک امریکن نے اسلام قبول کرنے کی یہ وجہ بتلائی کہ امریکہ میں سکون حاصل کرنے کے لئے میں نے ہر طرح کی عیاشیوں کو اختیار کیا حالانکہ میرے پاس ڈالر کی فراوانی تھی لیکن مجھے حقیقی سکون ملا تو صرف اور صرف اسلام سے ملا۔ اسی طرح ایک جرمنی کے نومسلم نے لکھا ہے کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں مجھے مسلمانوں کی عبادات میں نماز کا پتا چلا تو میں نے نماز پڑھی تو مجھے نماز میں بے حد سکون اور آرام ملا، اسی سکون کی خاطر میں دو گھنٹے تک نماز پڑھتا رہا۔

اسی طرح کچھ مرد وعورتوں کو دین اسلام کے داعیوں نے قرآن مجید دیا اور انہوں نے اس کے ترجمے کو پڑھا جس کو پڑھ کر ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اتر گئی۔ اور بعض لوگ تو پادریوں کے اعمال، ان کے آپس کے اختلافات اور ان کے جنسی کرتوت کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ بعض لوگ مسلمانوں کے کردار، اخلاق اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور اعمال صالحہ کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔

لہٰذا میری تمام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام جیسی نعمت عطا کی ہے تو اس نعمت کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کریں اور زبانی شکر کے ساتھ ساتھ "بدنی شکر" بھی ادا کریں۔ بدنی شکر یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں ہماری چال، رہن سہن، اوڑھنا بچھونا، کاروبار ہر چیز سنت کے مطابق ہوگی تو اسلام جیسی نعمت کا حقیقی شکر ہوگا اور پھر انشاء اللہ لوگ ہمیں دیکھ کر اسلام کے سائے میں آتے چلے جائیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ یہ کتاب تاریکی میں روشن چراغ ثابت ہوگی۔

جن حضرات کو اس کتاب سے نفع ہو ان سے میری گذارش ہے کہ احقر راقم الحروف اور معاونین کتاب کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔

محمد انور بن اختر

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیٔ

1/5/2001

فہرست

غیر مسلم مردوں کے قبول اسلام کے مختصر واقعات

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا؟

(غلام احمد حریری۔ ایم اے صدر شعبہ عربی واسلامیات اسلامیہ کالج لائل پور)

دین اسلام پر مشرکین کے اعتراضات

اعدائے دین کی شروع سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ دین اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور لوگوں کو اس کے دائرہ میں داخل ہونے سے باز رکھا جائے۔ مشرق شناسان مغرب اس ضمن میں سب سے گویا سبقت لے گئے۔ انہوں نے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ''گراں بہا احسانات'' کئے مسلمان ان کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جب اپنے آپ کو عربی سے ناآشنا پا کر دینی مصادر وماخذ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور علوم اسلامیہ کے موضوعات پر مستشرقین کی لکھی ہوئی تصانیف سے اپنی علمی پیاس بجھاتا ہے۔ ایک جانب ٹھوس دینی معلومات کی قلت اور دوسری طرف مستشرقین کی بظاہر نظر نہ آنے والی اسلام دشمنی اور نیش زنی ایسے لوگوں کے لئے لغزش پا کی موجب ثابت ہوتی ہے اور وہ دین اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے خام ذہنوں کے لئے یہود ونصاریٰ مستشرقین کی تصانیف سم قاتل سے کسی طرح کم نہیں۔ ان کتب کا مطالبہ اگر جائز ہے تو ایسے راسخ العلم لوگوں کے لئے جو ٹھوس دینی معلومات رکھتے ہوں اور مستشرقین کی تصانیف کو ناقدانہ نگاہ سے پڑھتے ہوں۔

مستشرقین کی عنایت فرمائیاں مسلمانوں پر یوں تو کم نہیں۔ مگر ان میں سے نمایاں ترین ان کا یہ کارنامہ ہے کہ ''دین اسلام میں بذات خود کوئی خوبی نہیں۔ اسلام کی سرعت اشاعت کا راز مسلمانوں کی قوت بازو اور شمشیر زنی میں مضمر ہے۔'' وہ اس کو ثابت کرنے کے لئے غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بڑے تفصیلی انداز میں اور بڑے آب ورنگ کے ساتھ کرتے ہیں۔ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں جو

''دلچسپی'' ہے وہ محض غزوات کی حد تک ہے۔ یہ بات جتنا بھی طول پکڑتا چلا جائے، ان کے لئے باعث صد فرحت وانبساط ہے۔ محض سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی ہموار کردہ راہ پر رواں دواں ہے اور تاریخ کے ہر دور میں لوگوں کو بزور تلوار اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ جاری وساری رہا۔

اگر دشمنان دین کی یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دین اسلام کا دامن حق وصداقت سے عاری ہے۔ اس میں بذات خود کوئی جاذبیت نہیں، جو حق کے کسی طالب کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ ظاہر ہے کہ مستشرقین کے لئے اس سے زیادہ آخر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسلام کو اوصاف ومحاسن سے تہی دامن قرار دیا جائے۔

مگر اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مستشرقین نے اس الزام کو جس قدر اچھالا ہے یہ حق وصداقت اور عدل وانصاف کے تقاضوں سے اسی قدر دور ہے۔ قرآن عظیم کے اس واضح اعلان کے بعد کہ

لا اکراہ فی الدین. (البقرہ . رکوع ۳۴ پارہ ۲۵)

ترجمہ:...... ''دین میں کسی پر جبر نہیں۔''

صرف وہی شخص اس الزام کو دہرا سکتا ہے جو حد درجہ کا معاند ہو اور جس کے دل میں حق کو قبول کرنے کی استعداد سرے سے ہی موجود نہ ہو۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین.

ترجمہ:۔ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے تاکہ وہ ایمان لے آئیں؟'' (سورۃ یونس رکوع ۱۰، پارہ ۱۱)

مسلمانوں کی بے تعصبی

نجران کے عیسائی جب مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور مصالحت کر کے جزیہ دینا قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد نامہ لکھ کر ان کو دیا اس میں

مسلمانوں کی جانب سے یہ اقرار تھا کہ نصاریٰ نجران کو کسی طرح تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے گا اور نہ ان سے عشر لیا جائے گا۔ (فتوح البلدان مطبوعہ مصر ص ۷۵)

یہ ہے ارشاد خداوندی اور یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل۔ اس واضح قول وعمل کے بعد ایک مسلم کسی کو جبراً مسلمان بنانے کا مرتکب آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر اس کا فعل دین اسلام سے کس حد تک ہم رنگ و یک آہنگ ہوگا؟ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس حکم کی پوری پابندی کی۔ یہی وجہ ہے کہ گو اسلام نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھتے ہی نہایت قلیل عرصہ میں ممالک روم و شام و مصر و عراق کی کایا پلٹ دی اور ان کو تہذیب و تمدن کے اصولوں کی تعلیم دے کر اسلام کے محاسن کا گرویدہ بنا دیا۔ مگر کسی ایک جگہ کے متعلق یہ ثبوت نہیں ملتا کہ وہاں کے باشندوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا ہو۔ بخلاف ازیں اس ضمن میں سلاطین اسلام کی شان بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اشاعت اسلام کے لئے کسی جگہ نہ مشن قائم کئے گئے نہ پیشہ ور واعظوں اور مبلغوں کا تقرر عمل میں آیا۔ اسلامی سلطنت نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہود و نصاریٰ اسی آزادی کے ساتھ مذہبی رسوم ادا کرتے تھے جیسے مسلمان۔ ان کو ممالک اسلامیہ میں وہی حقوق حاصل تھے جو خود مسلمانوں کو۔ ان کی جان و مال کی وہی قدر و قیمت تھی جو مسلمانوں کی۔ ایک معاہد و ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل کر دینا اسلام کا خاص مسئلہ ہے۔

یہ مسلمہ صداقت ہے کہ اگر اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے اس قسم کی تدبیر اختیار کی جاتیں جو عیسائیت کے لئے ہوئیں یا ہو رہی ہیں تو بلاد اسلامیہ میں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کا وجود ہی باقی نہ رہتا۔ اسلام کے ذاتی محاسن کے ساتھ ساتھ اگر سامان رغبت بھی جمع کر دیا جاتا تو ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہتا جو اسلام کو قبول نہ کر لیتا۔ اور کیا جس طرح اندلس جیسا وسیع ملک جہاں کروڑوں مسلمان آباد تھے، جہاں سات آٹھ صدیوں تک اسلامی جھنڈا لہراتا رہا، بہت جلد اسلام کے نام لیواؤں سے خالی ہو گیا۔ روم و شام، مصر و عراق، ہند و سندھ اور خود اندلس کا بھی یہی حال نہ ہوتا کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ اسلام نے حریت فکر

ونظر اور مساوات کے وہ اصول قائم کیے جن کی وجہ سے سلطنت کے عین شوکت وشباب کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ بلکہ مجوس تک مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو رہتے اور مناصب جلیلہ حاصل کرنے میں مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ برصغیر ہندوپاک پر اسلام کا جھنڈا قریباً ایک ہزار سال تک لہراتا رہا، اگر یہاں کے سلاطین اسلام جبر وکراہ سے کام لیتے تو دوسرے مذاہب سرزمین ہند سے حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہوتے۔ مگر یہاں دیگر مذاہب کے حاملین نہ صرف موجود رہے بلکہ اقتدار میں برابر کے شریک رہے اور ان میں کبھی یہ احساس اجاگر نہ ہو پایا کہ وہ کسی دیگر مذہب کے محکوم ومغلوب ہیں۔

مغرب میں پھیلتی ہوئی اسلام کی کرنیں

اس وقت دنیا میں صلیبی سپر پاور کا تسلط اور دیگر بڑی طاقتیں بھی اسلام سے ہمدردی کی بجائے معاندانہ رویہ رکھتی ہیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ میں صیہونیوں (عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں) کا موثر کنٹرول ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ سے اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری ہے اور اسلام کا چہرہ مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ عیسائیوں کو نہ صرف عالمی سطح پر سیاسی اقتدار حاصل ہے بلکہ سائنس سمیت دیگر ہر قسم کے علوم میں انہیں برتری ہے۔ کوسوو، بوسنیا، چیچنیا، ارکان، فلسطین، کشمیر، بھارت، مورد ہر جگہ مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ امریکہ، یورپ اور دیگر خطوں میں مسلمانوں کو لامتناہی مسائل کا سامنا ہے۔ بعض مسلمان ملکوں میں بھی اسلامی شعائر کے سلسلے میں کئی رکاوٹیں ہیں۔ ترکی میں پردہ اور داڑھی رکھنا مشکل بنا دیا گیا ہے۔

اس مادہ پرست دور میں لالچ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ عیسائی مشنریوں نے دنیا کے ہر خطے میں لالچ کے جال پھیلائے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود نو عیسائیوں کی نسبت نومسلموں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ بھارت میں ہندومت اور میانمار (برما) میں بدھ مت کو بندوق کی نوک پر پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود اسلام کے پھیلاؤ کی رفتار سب سے زیادہ ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں مسلمان تقریباً ایک ارب تیس کروڑ ہیں۔ امریکہ میں بھی اسلام دیگر مذاہب کی نسبت تیز ترین رفتار سے پھیل رہا ہے۔ امریکہ

میں مسلمانوں کی تعداد ۶۰ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہونے والی رپورٹوں کے مطابق امریکہ میں ہر سال اوسطاً ایک لاکھ پینتیس ہزار نوے مسلمانوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ نو مسلم اپنے لئے اسلامی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں۔

اسلام کے پھیلاؤ کی سب سے زیادہ رفتار امریکی جیلوں میں ہے۔ جیلوں میں اسلام قبول کرنے والے افراد کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ ایک سروے کے مطابق جیلوں میں اس وقت اوسطاً پینتیس ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ امریکہ کی ایک جیل میں ۳۰۰۰ میں سے ۱۹۰۰ افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ایک بھارتی جریدے نے گزشتہ سال امریکہ میں اسلام کے تیز ترین پھیلاؤ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ۱۹۶۰ء تک امریکہ میں صرف ۵ لاکھ مسلمان تھے۔ جبکہ ۱۹۹۸ء میں ان کی تعداد ۶۰ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ امریکہ میں رومن عیسائی ۱۹۷۳ء میں پانچ کروڑ تھے جو ۱۹۹۸ء میں ۶ کروڑ ہیں۔ بھارتی جریدہ لکھتا ہے کہ یہودیوں کی تعداد میں گزشتہ ۱۴ سال میں ۱۰ لاکھ کا اضافہ ہوا۔

امریکہ میں اسلام کی طرف آنے والوں کی بڑی تعداد امریکی عورتوں کی ہے۔ ڈینی بلیک جو امریکی انڈین ہے، جس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام لانے والے دیگر اہل علم کی طرح ڈینی بلیک نے بھی مذاہب کی خوب تحقیق کی اور اس نے کئی مذہبی گروپوں میں شمولیت اختیار کی۔ وہ کہتی ہے، میں نے اپنی زندگی کا آغاز عیسائیت سے کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے بدھ مت قبول کیا اور پھر Pentecostal تحریک میں شامل ہو گئی۔ مگر سچائی کی متلاشی ڈینی بلیک کو کسی مذہب میں اطمینان نہ ملا۔ وہ آخر کار اسلام کے قریب آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے سچا راستہ دکھلایا۔ مارچ ۱۹۹۷ء میں اسلام قبول کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا شوہر بھی مسلمان ہو گیا۔

امریکہ میں اس وقت ۲۰۰۰ مساجد، اسلامک سینٹرز اور اسکولز ہیں۔ امریکہ میں پہلی باقاعدہ مسجد ۱۹۱۵ء میں ہیڈ فورڈ میں بنائی گئی۔ گزشتہ چند سالوں میں بڑی تعداد میں مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ ۷ جولائی ۱۹۹۸ء کو لاس اینجلس میں ایک بڑی مسجد کا افتتاح ہوا جو ۲۰۰۷ مربع میٹر رقبہ پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس مسجد میں آٹھ ارب دس کروڑ یعنی ۸۱ بلین

ڈالر خرچ ہوئے ہیں۔ غیر مسلموں کو مساجد اور اسلامی سینٹروں میں بلایا جاتا ہے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

شمالی امریکہ میں WEMEN ISLAMIC CENTER (عورت اسلامی مرکز) ۱۹۹۳ء میں قائم ہوا۔ ۳۰ سالہ علی عزام اس کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اوسطاً چالیس خطوط روزانہ وصول ہوتے ہیں۔ جن میں نومسلم اور غیر مسلم ہردو اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ادارہ کی طرف سے اب تک ۷ لاکھ افراد تک اسلام کا ضروری لٹریچر پہنچایا جاچکا ہے۔ امریکہ میں آباد ھسپانوی بھی بڑی تعداد میں اسلام میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ شاید یہ لوگ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ جن کو جبراً عیسائی بنالیا گیا تھا۔ ان کے لئے ہسپانوی زبان میں لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔

برطانیہ یورپ کا اہم ترین ملک ہے۔ یہاں بڑی تعداد میں اسلامی تنظیمیں کام کررہی ہیں۔ گزشتہ سال ۲۵۰ تنظیموں نے مل کر مسلم کونسل آف برطانیہ تشکیل دی۔ مقصد زیادہ تعداد میں غیر مسلم تنظیموں کے منفی اثرات سے مسلمانوں کو بچانا، باہم مل کر مثبت کام کو آگے بڑھانا تھا۔ برطانیہ میں کسی غیر مسلم یورپی ملک کی نسبت مساجد کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں لندن میں ایک بڑی مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس وقت برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل ۶ لاکھ تھی جو اب اللہ کے فضل وکرم سے ۲۰ لاکھ سے بڑھ چکی ہے۔

اسلامی سوسائٹی آف برطانیہ ۱۹۷۳ء میں قائم ہوئی۔ یہ تنظیم تحقیق، تعلیم، دعوت وتبلیغ، اسلامی ثقافت کے احیاء اور تربیت کے شعبوں میں بھرپور کام کررہی ہے۔ سوسائٹی کافی تعداد میں پرائمری، انٹرمیڈیٹ، سیکنڈری اسکولز بھی قائم کرچکی ہے۔ اسلامی مطالعہ کے لئے کتب بھی سوسائٹی نے شائع کی ہیں۔ سوسائٹی نے اب تک ۲۰۰ کتب شائع کی ہیں۔ سوسائٹی بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ دے رہی ہے۔ ان کا ایک انٹرویو گزشتہ سال سعودی اخبار ''الجزیرہ'' میں شائع ہوا، جس میں انہوں نے بتایا کہ سوسائٹی کے دعوۃ ورکرز نے ۳۳۰۰۰ ہزار افراد کو اسلام کی طرف لانے کا کام کیا ہے۔ سوسائٹی نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لئے کلاس رومز بھی فراہم کرتی ہے۔

۲۰۰۲ء میں برطانیہ میں چرچ جانے والے عیسائیوں کی تعداد مسجدوں میں جانے والے مسلمانوں کے مقابلے میں کم ہوجائے گی۔ کرچن ریسرچ ایسوسی ایشن لندن کے تازہ سنڈے کے مطابق برطانیہ میں ۲۰۰۲ء تک عبادات گزار مسلمانوں کی تعداد، گرجا جانے والے عیسائیوں سے بڑھ جائے گی۔ اگلی صدی کے آغاز پر برطانیہ میں چرچ جانے والے عیسائیوں کی تعداد ۷۵۶۰۰۰ ہوجائے گی، جبکہ مسجد میں جانے والے مسلمانوں کی تعداد برطانیہ میں ۷۶۰۰۰۰ ہوجائے گی۔ ۱۹۹۵ء میں چرچ جانے والے عیسائیوں کی تعداد ۷۵۴۰۰۰ تھی، جبکہ مسجد میں جانے والے مسلمانوں کی تعداد ۵۳۶۰۰۰ تھی، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۴ء کے دوران میں مسجد جانے والے مسلمانوں کی تعداد میں اوسطاً ۳۲۰۰۰ ہزار سالانہ اضافہ ہوا، جبکہ گرجا جانے والے عیسائیوں کی تعداد میں ۱۴۰۰۰ سالانہ کی کمی ہوئی۔ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ جن میں ۱۰ لاکھ الجزائری ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی کتانی کے مطابق ۱۹۸۲ء میں فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ لاکھ تھی۔ اس حساب سے اب فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ فرانس میں ۴۰۰ سے زیادہ مسجدیں ہیں۔ ڈاکٹر کتانی کے مطابق ۱۹۶۸ء تک فرانس میں عملاً مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں تھی اور ۱۹۳۰ء میں جو مسجد بنائی گئی تھی وہ بھی مسلم کمیونٹی کے کنٹرول میں نہ تھی۔ اب کئی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔ ایک تنظیم .N.F.M.F (نیشنل فیڈریشن مسلم فرانس) ایک اور تنظیم .U.F.M (یونین فرنچ مسلم) اس کے صدر محمد بشاری ہیں۔ فرانس کے مسلمانوں میں اب تبدیلی آچکی ہے۔ پہلے آپ کا کام صرف اپنے اور پیچھے گھر میں اپنے خاندان کے لئے سامان زیست کے حصول کو یقینی بنانا تھا مگر اب بیشتر مسلمانوں کی تعداد دوسری نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ فرانس میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہودی لابی کا دباؤ ہے۔ حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ سخت معاندانہ رویہ ہے۔

جرمنی:

جرمنی میں مسلمانوں اور مسجدوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔

جرمنی میں اس وقت ۲۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان ہیں۔ جرمنی کے بارے میں مختلف جرائد کی رپورٹوں کے مطابق جرمن خواتین اسلام کی جانب راغب ہو رہی ہیں۔ دو سال پہلے ایک نیوز ایجنسی کے مطابق ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ گزشتہ چار سالوں میں ۸۰۰۰ سے زیادہ جرمن خواتین اسلام قبول کر چکی ہیں۔ ایک جرمن ہفتہ روزہ نے لکھا تھا کہ ۱۹۹۶ء میں ایک لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا ہے جن میں نصف تعداد خواتین کی ہے۔ جرمنی میں ۷۰۰ مسجدیں بتائی جاتی ہیں۔ جرمنی کے عیسائی اسلام کو جرمنی کا سب سے خطرناک مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ عیسائی تنظیموں کا کہنا ہے کہ جرمنی میں ۱۳ انتہا پسند تنظیمیں ہیں۔ جن کے ممبران کی تعداد ۳۷ ہزار بتائی جاتی ہے۔ جرمنی حکومت کا رویہ مسلمانوں سے معاندانہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق مسجد اور اسلامی مراکز میں ویڈیو کیمرے لگے ہوئے ہیں۔

اسلامی تنظیموں کی کوشش سے عوام کے ذہن میں تبدیلی آ رہی ہے۔ جرمنی کے شہر ''بون'' میں ایک اخبار De Fuch نے سروے کروایا۔ سروے کا عنوان تھا ''اسلامی مطالعہ تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے یا نہیں؟'' ۱۰۰۰ اپیلوں میں ۵۲٪ نے اس بات کی حمایت کی کہ تعلیمی اداروں میں اسلامی مطالعہ پڑھایا جائے۔ صرف ۳۹٪ نے مخالفت کی ہے۔ اکثریت نے اسلامی مطالعہ جرمن زبان میں پڑھانے کے لئے کہا۔

اسپین میں ایک بار پھر اسلام کا جھنڈا بلند ہو رہا ہے

اسپین میں اسلامی اقتدار کے خاتمے کو پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ پانچ سو سال کے بعد ایک مرتبہ پھر مذہب اسلام کا فروغ شروع ہوا ہے۔ گزشتہ آٹھ سالوں میں ۱۰۰ سے زیادہ مسجدوں کا اضافہ ہوا ہے اور صرف ایک سال ۱۹۹۷ء میں ۲۵ نئی اسلامی تنظیموں نے اپنے نام رجسٹرڈ کروائے ہیں۔ اسپین میں اس وقت ۵ لاکھ سے زائد مسلمان ہیں۔ سڑکوں پر داڑھی والے مرد اور پردہ پوش عورتیں نظر آنے لگی ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں تقریباً پانچ ہزار اسپینی باشندے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ایک اسپینی ماہر فیڈرو مارٹیسو کا کہنا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں یورپ سب سے زیادہ

مسلمان شہریوں کا حامل ملک بن جائے گا۔

ہالینڈ میں ۱۹۵۰ء میں صرف ۱۵ ہزار مسلمان تھے۔ جن کی تعداد ۱۹۷۱ء میں ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ ۱۹۷۴ء میں یہ تعداد ۴ لاکھ تک پہنچ گئی اور ۱۹۹۵ء میں ۶ لاکھ ہوگئی۔ ۱۹۷۳ء میں مسجدوں کی تعداد ۵ تھی اب ۱۹۹۰ء میں تین سو سے بڑھ گئی ہے۔ بیشک ہالینڈ کے مسلمانوں میں بڑا اضافہ باہر سے آنے والے مسلمانوں سے ہوا، مگر مقامی طور پر بھی پندرہ ہزار سے زیادہ ولندیوں نے اسلام قبول کیا۔

براعظم افریقہ میں عیسائیوں نے ہر طرح کے وسائل جھونکے ہیں۔ حکومتی سطح پر بھی مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں۔ عیسائی وحشت گردوں کے مسلح گروپ بھی ہیں۔ مگر اس کے باوجود عیسائیت کا پھیلاؤ مسلمانوں کے مقابلے میں کم ہے اور یہ دنیا کا واحد براعظم ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ ہلال وصلیب کی لڑائی کا سب سے بڑا معرکہ اسی براعظم میں لڑا جا رہا ہے۔

مغربی ممالک میں خفیہ طور پر اسلام

پیرس فرانس کے ایک شہر میں جہاں ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ جو کہ ہمارے حضرت والد صاحبؒ کے یہاں پاکستان میں شریک کار بھی رہ چکے تھے، پوری دنیا کے مایہ ناز اسلامی اسکالر تھے، بہت بڑے محقق اور یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے اور ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، ان کا کہنا تھا کہ فرانس میں اس وقت ایک بڑی تعداد کروڑ پتی، ارب پتی، تاجروں، سیاسی لیڈروں اور ماہرین تعلیمات کی ایسی ہے کہ جو میرے ہاتھ پر خفیہ طور پر مشرف با اسلام ہو چکی ہے۔ لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرتے۔

برطانیہ اور فرانس میں یہی کچھ ہو رہا ہے کہ عیسائی چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان انہیں خرید خرید کر مساجد اور مدارس بنا رہے ہیں۔ چنانچہ بہت سی ایسی مساجد میں ہم نے خود نماز پڑھی جو کسی وقت چرچ تھے۔

یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے

امریکہ کے قریباً ۸۰ لاکھ مسلمانوں کی اندازاً نصف تعداد نومسلموں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے غالب ترین اکثریت میں سیاہ فام مسلمان ہیں جو قریباً نومسلموں کی کل تعداد کا ۹۰ فیصد ہیں۔ (امریکہ کے نومسلموں کے حوالے سے یہ اعداد و شمار ہفت روزہ ''نئی دنیا'' انڈیا کے شمارہ ۲۴ مئی ۱۹۹۹ء سے لئے گئے ہیں)۔

امریکہ میں اسلام بہت تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے، اس امر کا اعتراف اور گواہی امریکی سفیر متعینہ پاکستان ولیم بی مائیلم نے ۳۱ مارچ ۱۹۹۹ء کو اسلام آباد میں ''اسلام اور مغرب'' کے زیر عنوان منعقدہ سیمینار میں اپنے خطاب میں یوں دی ہے:

''امریکہ میں اسلام انتہائی تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے۔''

(بہ حوالہ سنڈے ''پاکستان'' شمارہ ۱۱ اپریل ۱۹۹۹ء)

امریکہ میں اسلام کے نفوذ کا یہ عالم ہے کہ وہاں ہر سال قریباً ایک لاکھ ۳۵ ہزار نومسلموں کو اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ میں اسلام کے اس پھیلاؤ کی سب سے زیادہ تیز رفتار امریکی جیلوں میں نظر آتی ہے۔ امریکی جیلوں میں اسلام کو قبول کرنے والے افراد کی تعداد الحمد للہ ۳ لاکھ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ وہاں جیلوں میں سالانہ اندازاً ۳۵ ہزار افراد اسلام کو قبول کر رہے ہیں۔ یہ امر یقیناً ہم سب کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث بنے گا کہ وہاں صرف ایک جیل کے ۳۰۰۰ قیدیوں میں سے ۹۰۰ سے زیادہ قیدی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ! (بہ حوالہ ماہنامہ ''بیدار ڈائجسٹ'' لاہور، شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء)

برطانیہ میں (جو یورپ کا ایک اہم ملک ہے) تمام یورپی ممالک کی نسبت اسلامی سینٹرز اور مساجد کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد اس وقت ایک ہزار ہے۔ فرانس میں مساجد کی تعداد ۴۰۰ ہے، صرف پیرس (دارالحکومت) میں ۸۰ مساجد موجود ہیں، جبکہ اسپین (اندلس) میں مساجد کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ (اسپین کی ان مساجد میں ۱۰۰ مساجد نئی بنی ہیں) اسی طرح ہالینڈ میں ابتدا میں ۵ مساجد تھیں، جو ۱۹۹۰ء میں ۳۰۰ سے

زیادہ تعداد میں ہو چکی تھیں۔ روس کے علاقہ تاتارستان میں چند سال قبل صرف ۱۸ مساجد موجود تھیں، اب ان کی تعداد آٹھ سو سے تجاوز کر چکی ہے۔ اسی طرح دیگر تمام غیر مسلم ممالک میں مساجد اور اسلامی مراکز کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ (حوالہ :ایضاً)

یہ تو مساجد اور اسلامک سینٹرز کے حوالے سے چند ممالک کا ایک مختصر جائزہ تھا، اب ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم ممالک میں نومسلموں کی تعداد میں شرح اضافہ کیا ہے؟

اس حوالے سے ایک بات تو تمام غیر مسلم ممالک کے درمیان مشترکہ ہے کہ وہاں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب (دین) اسلام ہے۔

☆ امریکہ:

امریکہ میں نومسلموں کی شرح اضافہ کے حوالے سے ہم قبل ازیں کچھ معلومات کا ذکر کر چکے ہیں۔

☆ برطانیہ:

برطانیہ میں اس وقت کم از کم ۶۰ ہزار سے زیادہ نومسلم موجود ہیں۔ ''سنڈے ٹیلی گراف'' میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے مطابق ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۸ء تک برطانیہ میں ۲۰ ہزار افراد مسلمان ہو چکے تھے۔

☆ جرمنی:

ایک جرمن ہفت روزہ نے ستمبر ۱۹۹۶ء میں اپنی ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ جرمنی میں اب تک ایک لاکھ افراد نے اسلام کو قبول کیا ہے، جن میں نصف تعداد خواتین کی ہے۔

☆ اسپین:

اسپین میں قریباً ۵ ہزار اسپینی افراد اسلام کی طرف واپس آ چکے ہیں۔ یہاں ہم نے ''واپس آنے'' کے الفاظ اس لئے استعمال کیے ہیں کہ قریباً اسپین پر صلیبی قبضہ کو پانچ

سوسال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ عیسائیوں نے اسپین پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے قتل عام اور بدترین تشدد کے ذریعہ سے مسلمانوں کا صفایا کیا تھا۔ تب ہزاروں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا، چنانچہ اس تشدد اور ظلم و جور سے بچنے کے لئے بڑی تعداد میں مسلمان مجبوراً عیسائی بن گئے تھے۔ کیونکہ اس وقت کسی انسان کے لئے مسلمان بن کر زندگی گزارنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ اب ظلم کی وہ لہر موجود نہیں ہے، اس لئے لوگ پھر اسلام کی طرف واپس آرہے ہیں۔

☆ ہالینڈ:

اب تک ۵ ہزار سے زائد ولندیزی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ (بحوالہ: ہم کیوں مسلمان ہوئے)

امریکہ اور برطانیہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے

امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ان کی دینی سرگرمیاں اور نئے نئے قائم ہونے والے ادارے روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ جس روز میں کینیڈا پہنچا، اس سے صرف دو روز پہلے (یعنی ۱۰ دسمبر ۱۹۹۴ء کو) کیلیفورنیا کے مشہور اخبار "لاس اینجلس ٹائمز" نے مغرب میں مسلمانوں کے حالات پر ایک مفصل سروے رپورٹ شائع کی تھی۔ جس کی سرخی میں یہ کہا تھا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا میں دین اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اب تک امریکہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف اندازے لگاتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد عموماً چھ سے آٹھ ملین تک بتائی جاتی ہے، لیکن "لاس اینجلس ٹائمز" کا کہنا ہے کہ یہ اندازے کسی سائنٹفک سروے پر مبنی نہیں تھے۔ اس سروے کے مطابق امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد اگرچہ صرف پانچ لاکھ بیان کی گئی ہے لیکن سروے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ صرف ان مسلمانوں کی تعداد ہے جو امریکی مسجدوں میں پابندی سے نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ سروے کرنے والوں نے امریکہ کی ایک ہزار چھیالیس مسجدوں کے منتظمین سے مسجد میں پابندی سے آنے والوں کی تعداد معلوم کی اور ان کو جمع

کیا۔ اس حساب کے نتیجے میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہر مسجد میں باقاعدہ نماز ادا کرنے والوں کی تعداد اوسطاً ۴۶۵ ہے۔ ساتھ ہی سروے میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا صرف دس فیصد حصہ باقاعدگی سے مسجدوں میں نماز ادا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی حقیقی تعداد پانچ ملین یعنی پچاس لاکھ سے کم نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں ہوگا کہ جو نوے فیصد مسلمان باقاعدگی سے مسجدوں میں نہیں جاتے، وہ نماز سے بالکلیہ محروم ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ میں مسجدیں بہت طویل فاصلوں پر بنی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر آدمی کے لئے باقاعدگی سے مسجد میں پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان یا تو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں یا انہوں نے مختلف محلوں میں ایسی نماز گاہیں بنا رکھی ہیں جو باقاعدہ مسجد نہیں ہیں لیکن محلے کے لوگ وہاں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

''لاس اینجلس ٹائمز'' کے اس سروے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہر سال کم از کم ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمانوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ جن میں دوسرے ملکوں سے آ کر آباد ہونے والے مسلمان بھی شامل ہیں اور وہ امریکی باشندے بھی جو اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اخبار کا کہنا ہے کہ اگر مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی رفتار یہی رہی تو آئندہ صدی کے آغاز تک امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد امریکی یہودیوں سے بڑھ جائے گی اور عیسائیت کے بعد اسلام امریکہ کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہوگا۔

امریکہ کے بعض مسلم حلقوں نے ''لاس اینجلس ٹائمز'' میں شائع ہونے والے اس سروے کی صحت پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس سروے میں مسلمانوں کی تعداد حقیقت سے کم دکھائی گئی اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی تعداد اس وقت بھی یہودیوں سے زیادہ ہے۔ لیکن اگر ''لاس اینجلس ٹائمز'' کی اس رپورٹ ہی کو درست سمجھا جائے تب بھی یہ بات واضح ہے کہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی جس رفتار سے ہو رہی ہے وہ مغربی صحافت کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گزشتہ ربع صدی میں امریکہ کے تقریباً ہر خطے میں شاندار مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ بچوں کی دینی تعلیم کے مراکز قائم ہوئے ہیں اور مختلف اسلامی اداروں کی تعداد میں روز

بروز اضافہ ہورہا ہے۔

یہ ایک موقر امریکی جریدے کی رپورٹ تھی۔ اتفاق سے اس رپورٹ کی اشاعت سے ٹھیک ایک سال پہلے لندن کے مشہور روزنامے ''ٹائمز'' نے اپنی ۹ نومبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں برطانیہ میں اسلام کے بارے میں ایک بہت مفصل مضمون شائع کیا تھا، جس کا عنوان تھا ''برطانوی خواتین اسلام کیوں قبول کررہی ہیں؟'' اس مضمون پر یہ سرخی بھی لگائی گئی تھی کہ ''مغربی میڈیا کی معاندانہ روش کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کررہا ہے'' اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ جس بھاری تعداد میں برطانوی باشندے آج کل اسلام قبول کررہے ہیں، اس کی کوئی نظیر ماضی میں نہیں ملتی، اگرچہ برطانیہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں آباد ہوگئے ہیں، لیکن اب اس تعداد میں خود برطانوی نژاد نومسلموں کا بھاری تعداد میں اضافہ ہورہا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ آئندہ بیس سال کے دوران برطانوی نومسلموں کی تعداد ان تارکین وطن کے مقابلے میں بڑھ جائے گی جو آبائی طور پر مسلمان تھے۔ اور ترک وطن کرکے برطانیہ میں آباد ہوگئے۔

''لندن ٹائمز'' نے لکھا ہے کہ اگرچہ مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ منفی تصویر پیش کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود برطانوی باشندوں میں اسلام قبول کرنے کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان برطانوی نومسلموں میں بھاری اکثریت خواتین کی ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے اور برطانیہ میں بھی نومسلموں بھاری اکثریت انہی کی ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ:

It is even more ironic that most British converts should be women, given the widespread view in the West that Islam treats women poorly.

''یہ اور بھی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اکثر برطانوی نومسلم
عورتیں ہیں۔ حالانکہ مغرب میں یہ نظریہ بہت پھیلا ہوا ہے کہ اسلام

عورتوں سے گھٹیا سلوک کرتا ہے"۔

مغرب میں اسلام پھیلنے کی اس تیز رفتاری کی وجوہات پر بھی اخبار نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ جب سے سلمان رشدی کے معاملے نے شہرت پائی ہے اس وقت سے لوگوں میں اسلام کا مطالعہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ دوسری طرف خلیج کی جنگ اور بوسنیا میں مسلمانوں کی حالت زار بھی اسلام سے ہمدردی کا سبب بنی، نیز مغربی تعلیمی اداروں میں تقابل ادیان کے موضوع پر تعلیم میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس کے علاوہ برطانوی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بے تکان پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اور اس نے ہر اسلامی چیز کو برا کہنے کو جو پالیسی اختیار کی ہوئی ہے اس کا بھی بہت سے لوگوں پر الٹا اثر ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے ہیں۔ آخر میں اخبار لکھتا ہے کہ:

Westerners despaining of their own society, rising crime, family breakdown, drugs and alcohalism have come the admire the discipline and security of Islam.

> "مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں، جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دور دورہ ہے۔ بالآخر وہ اسلام کے دیئے ہوئے نظم وضبط اور تحفظ کی تعریف کرتے ہیں۔"

بہت سے نومسلم پہلے عیسائی تھے۔ وہ چرچ کی غیر یقینی کیفیت سے برگشتہ اور عقیدہ تثلیث وغیرہ سے غیر مطمئن تھے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جو بذات خود مذہب پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ لیکن انہیں اس تصوف نے اپیل کیا جسے وہ "اسلام کے بم کے خول میں چھپے ہوئے ہیرے" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اخبار نے یہ بھی لکھا ہے کہ نام نہاد آزادی فکر کے اس دور میں بھی اسلام قبول کرنے والوں کو برطانیہ میں اپنی برادری اور اپنے معاشرے کی طرف سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خواتین کی بہبود کے لئے جو ادارہ قائم ہے اس کو ٹیلیفون کر کے فریاد کرنے والی خواتین میں تقریباً ایک چوتھائی

خواتین نومسلم ہوتی ہے۔

اس کے بعد ''لندن ٹائمز'' نے ایسی بہت سی خواتین کے انٹرویو بھی شائع کئے ہیں جو برطانوی نژاد ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے پوری طرح بصیرت کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔ ایک انتالیس سالہ خاتون، جس نے اپنا اسلامی نام میمونہ رکھا ہے، شروع میں عیسائی تھی۔ پھر اس نے عیسائیت کے تمام فرقوں پر ریسرچ کی اور پھر اس نے یہودیت، بدھ مت اور ہری کشنا کا گہرا مطالعہ کیا۔ بالآخر اس نے اسلام کو منتخب کیا۔ متعدد نومسلم خواتین نے بتایا کہ ہم کلیسا کی رسمی درجہ بندیوں کے خلاف ہیں اور اسلام کی یہ ادا ہمیں پسند آئی ہے کہ مسلمان براہ راست اپنے خدا سے رشتہ قائم کرسکتا ہے۔ ایک اٹھائیس سالہ برطانوی خاتون جو ہدیٰ خطوب کے اسلامی نام سے مشہور ہے اس نے مسلم خواتین کے لئے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ یہ دس سال پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

''عیسائیت'' ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہو جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہے، یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہی ہیں۔ اسی طرح دن میں پانچ وقت کی نمازوں کے احکام میں تسلسل ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس دل میں رکھتا ہے اور اس طرح آپ کے پاس ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک بنیاد موجود رہتی ہے۔

اگرچہ عام تاثر یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں اور اپنی اس خواہش سے دست بردار ہونا ان کے لئے بہت مشکل ہے لیکن برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے ''لندن ٹائمز'' نے گفتگو کی اس میں ان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے۔ جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے۔ ان کے نزدیک مغرب کی ''تحریک نسائیت'' (Feminism) درحقیقت

عورت کے ساتھ بغاوت تھی۔ ''تحریک آزادی نسواں'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ:

Women copying men, an exercise in which womanhood has no intrinsic value.

''عورتیں مردوں کی نقالی کریں، اور یہ ایک ایسا عمل ہے
جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی خاص قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔''

اسکاٹ لینڈ کی ایک چھتیس سالہ خاتون کو ۱۹۷۴ء میں قرآن کریم کی بعض آیات (العیاذ باللہ) ایک ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملیں۔ جنہیں اس نے اٹھایا اور انہیں پڑھ کر اس کے دل میں اسلام کا داعیہ پیدا ہوا، وہ مسلمان ہوئی اور اس نے اپنا اسلامی نام ''نوریہ'' رکھا ہے۔ ایک گفتگو کے دوران ''نوریہ'' نے مغربی خواتین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

Most of the women in this country are traitors to their sex. it's almost as if we have been defeminised.

اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں اور یہ طرز عمل تقریباً ایسا ہے جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے۔

نوریہ ہی کی ایک سہیلی جس نے اپنا نام ''حسانہ'' رکھا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مسلمان ہوئی۔ حجاب کے احکام کی پابند ہے اور کہتی ہے کہ:

''کم از کم میں اپنی صنف کی باغی نہیں ہوں۔''

پردہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ ''اس سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے اور ہماری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ نوریہ نے کہا کہ ابھی تک مغرب میں یہ بحث جاری ہے کہ شادی کے موقع پر اس کے بعد بھی عورت کا نام تک مرد کے تابع ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمیں اسلام میں مردوں سے بالکل الگ حقوق عطا کئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں اس نے جائیداد، وراثت، بچوں کی تحویل وغیرہ کے بارے میں اسلامی احکام کا تذکرہ کیا اور کہا'' حالات جس طرح جارہے ہیں مجھے اس ملک (برطانیہ) میں عورت کا

کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔ انجام آخر عورت ہی کے حق میں برا ہوتا ہے۔

Seratch any new man and you find an old man trying to get out; men will always be the same. Women are changing much faster, but they are not trying to get what they want. Everything the feminist movement is aiming for, except abortion and lesbianism, we have get.

''کسی بھی ''نئے مرد'' کو کھرچ کر دیکھئے، اس کے اندر ایک پرانا مرد برآمد ہوتا نظر آئے گا۔'' مرد ہمیشہ ایک جیسے ہی رہیں گے۔ عورتیں کہیں زیادہ تیز رفتاری سے بدل رہی ہیں۔ لیکن جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتی ہیں اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ نسائیت کی تحریک جن مقاصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس میں سے اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کے سوا سب چیزیں میں پہلے ہی ''اسلام'' میں حاصل کر چکی ہوں۔''

''لندن ٹائمز'' لکھتا ہے کہ بہت سی نو مسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں اور ان کے نزدیک مغرب کی ''تحریک آزادی نسواں'' کا اس کے سوا نتیجہ نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے۔ اخبار کے الفاظ یہ ہیں کہ:

Many Muslims contrast the status of women in Islam with what they see as the dismal plight of women in the West. They note that here women work full-time out of financial necessity, remaining lumbered with the housework and children care. It is a puzzling version of emancipation.

''بہت سے مسلمان اسلام میں عورت کے رتبے کا مقابلہ

مغرب میں نظر آنے والی عورت کی افسوسناک حالت زار سے کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں (مغرب میں) عورتیں اپنی معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہمہ وقتی معاشی پیشے اختیار کرتی ہیں اس کے باوجود خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بدستور دبی ہوئی ہیں۔ ''یہ تحریک آزادی نسواں'' کا ناقابل فہم رخ ہے۔''

''لندن ٹائمز'' نے اس طرح کے متعدد انٹرویو اپنی اشاعت میں شائع کئے ہیں۔ جن میں برطانوی نومسلم خواتین نے مغربی زندگی سے اکتاہٹ اور اس کے مقابلے میں اسلام کے اطمینان وسکون کا اعتراف کیا ہے۔

امریکہ میں بارہ سو مساجد اور ساٹھ لاکھ مسلمان ہیں

پاکستان میں متعین امریکی سفیر ولیم میلام نے دانشوروں پر زور دیا ہے کہ وہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان حقیقی اور تصوراتی اختلافات کے خاتمہ کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ قائداعظم یونیورسٹی کے تحت تیسری امریکن مطالعاتی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ امریکہ کے بارے میں بہتر سوجھ بوجھ پیدا کر کے ہی ماہرین تعلیم دونوں ممالک کے عوام میں ذہنی اور سماجی وثقافتی تعلقات کو فروغ دے سکتے ہیں۔ ''امریکہ میں اسلام'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اسلام امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ امریکہ میں 1200 مساجد اور 60 لاکھ مسلمان ہیں اور جیسا کہ یہاں خیال کیا جا رہا ہے کہ امریکی پالیسی اسلام دشمنی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس بارے میں امریکی مسلمانوں کو پتہ چلے تو وہ حیران رہ جائیں اور سب سے پہلے وہ آپ کو بتائیں گے کہ امریکہ میں اسلام کا احترام اور عزت کی جاتی ہے۔

امریکی سفیر نے کہا کہ وہ تصور کر سکتے ہیں کہ اس وقت یہاں موجود تمام افراد کا کوئی نہ کوئی عزیز یا دوست امریکہ میں ضرور رہتا ہے اور امریکہ کا خواب دیکھتا ہے۔ وہ

خواب جو تمام عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں نے مشترکہ طور پر تشکیل دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں مسلمانوں نے ہر سطح پر معاشرے کی ترقی کے لئے عظیم کردار ادا کیا ہے اور وہ اس وقت بڑے حیران ہوئے جب مقبول ترین کھلاڑی جیسے محمد علی اور کریم عبدالجبار مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ کئی مسلمان امریکہ میں اہم ترین عہدوں پر کام کر رہے ہیں اور پالیسی سازی میں بھی ان کا بڑا اہم حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں کوئی بھی اسلام کو ماضی کے حوالے سے نہیں دیکھتا۔ یہ اسلام کا مستقبل ہے جو امریکہ میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ امریکی مستقبل کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں بھی کرپشن اور جرائم ہیں لیکن وہاں قانون کی حکمرانی ہے۔ جس کی وجہ سے ایسے رویئے وہاں قبول عام کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے اور قانون کی حکمرانی کی وجہ سے امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔ تقریب سے ڈاکٹر رفعت حسین، ڈاکٹر رسول بخش رئیس نے بھی خطاب کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور۔ 11 اکتوبر 1998ء)

دو ہزار امریکی فوجیوں کا قبول اسلام

کویت پر عراقی حملہ کے بعد سے خلیج کے بحران پر بحث و مباحثہ کے لئے ڈاکٹر احمد رائف کے گھر پر نشستوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس میں عرب اور مصری اہل قلم اور مفکرین کا چیدہ اور منتخب طبقہ شرکت کرتا ہے۔ انہیں نشستوں میں سے ایک نشست کا واقعہ ہے کہ تمام لوگ صدام حسین کی ضد کی وجہ سے امت مسلمہ اسلامیہ جس سیاسی اور تہذیبی بحران میں مبتلا ہو گئی ہے اس کے حل کی تلاش میں مختلف خبروں کا جائزہ لے رہے تھے، اسی درمیان ڈاکٹر زغلول نجار (جو کہ جامعہ کے استاذ اور اسلام کے ایک داعی ہیں، جن کو سعودی حکومت نے حفر الباطن میں موجود غیر ملکی افواج کے سامنے لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا تھا) نے کہا کہ آپ لوگوں کو اس تاریک صورتحال میں ایک مبارک خبر سنانا چاہتا ہوں...... امریکہ فضائیہ کے قائد نے مجھے مدعو کیا تھا تا کہ میں علاقہ کی تہذیب و ثقافت اور عقائد کے موضوع پر ایک لیکچر دوں، اور فطری بات ہے کہ میں اپنے لیکچر میں

انہیں اسلامی قدروں سے واقف کراتا۔ فوجی جرنل نے بہت ہی احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا، اہم بات یہ ہے کہ میں نے اپنا محاضرہ ختم بھی نہیں کیا تھا کہ ایک امریکی پاکٹیٹ اپنے ہزاروں ساتھیوں کے درمیان اٹھا اور اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ پھر اس نے بتایا کہ کئی سال سے مجھے اپنے اندر کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا تھا، اور میں اس چیز کی تلاش میں تھا، اس درمیان میں نے پانچ سو سے زیادہ کتابیں پڑھیں، اور ایک سو سے زیادہ گرجا گھروں میں گیا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ نے ابھی اسلام کے بارے میں جو معلومات دی ہیں مجھے انہیں کی تلاش تھی۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ اپنے قبول اسلام کا اظہار کیسے کروں۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ کی ادائیگی کریں، اس نے فوراً کلمہ پڑھا اور لیکچر ہال سے میرے نکلنے سے پہلے کئی بار دہرایا۔

فوج کے کرنل نے کہا کہ حفر الباطن میں اسلام قبول کرنے والے فوجیوں کی تعداد دو ہزار سے بڑھ گئی ہے۔

جامعۃ الامام محمد بن سعود کے استاذ ڈاکٹر محمد الراوی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا کہ یہ تعجب کی بات نہیں ہے، میں چند دنوں پہلے امریکہ کے سفر سے واپس آیا ہوں، اور امریکہ میں اسلامی تحریک کے قائدین نے مجھے بتایا کہ اسلام کالے، گورے اور تمام بنی نوع انسان کے درمیان مساوات کی داعی اپنی اعلیٰ قدروں کی وجہ سے ہر روز سینکڑوں امریکیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جب اسلام کو اپنے نام لیواؤں میں ایسے لوگ نہیں مل پاتے جو اس کی قدر و قیمت پہچانیں اور اس کے احکام پر عمل کریں تو وہ دوسری قوموں میں اپنی قدر و قیمت پہچاننے والے لوگوں کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

میں مجلس سے نکلا تو میں خوشی و مسرت اور رنج و غم کے ملے جلے احساسات سے دوچار تھا۔ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا ہم پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا کہ اس نے ہمارے علاوہ دوسرے لوگ چن لئے، اور کیا نو منتخب امریکن ہوں گے یا انگریز؟ خصوصاً اس لئے بھی کہ ڈاکٹر راوی نے اپنی گفتگو کے دوران یہ بھی بتایا تھا کہ امریکی

مسلمانوں کی تعداد آٹھ ملین سے بڑھ چکی ہے، اور میں سوچ رہا تھا کہ ایسا کیوں نہ ہو...... اللہ تعالیٰ پندرہ صدیوں تک ہماری کوتاہیوں سے درگذر کرتا رہا، اب تک ہم نے اس دین کی قیمت نہ سمجھی، اور ہم نے اسلام کے لئے اپنے کرتوتوں، ظلم واستبداد، سستی و کاہلی کی وجہ سے سوائے ایک پچھڑی ہوئی ان پڑھ اور ناتوان قوم کے کچھ نہیں پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب دنیا کی تمام قومیں ہم پر چڑھ دوڑی ہیں، ہم اپنے درمیان بہت طاقتور ہوتے ہیں، لیکن دشمنوں کے خلاف بہت کمزور ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ بلند کرنے اور دشمنانِ اسلام کے کلمہ کو زیر کرنے کے لئے دوسروں کو کیوں نہ پسند کرے۔

گھر لوٹتے وقت یہ آیت میرے ذہن کو برابر جھنجھوڑتی رہی، وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونو نوا امثالکم. (آخر ساعۃ مصر)

امریکی فوج میں مسلمانوں کی تعدادہ اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی

امریکی افواج میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً اٹھارہ ہزار ہے۔ جبکہ صرف بحری فوج میں ان کی تعداد آٹھ ہزار ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت نومسلم ہے۔ جنہوں نے عرصہ ملازمت کے دوران اسلام کا مطالعہ کیا اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے کردار اور اخلاق کو دیکھ کر اسلام سے متاثر ہوئے۔

نیوی کے ایک مسلمان افسر یحییٰ نے بتایا کہ نیوی میں ڈاکٹروں اور انجینئروں کی اکثریت مسلمان ہے۔ بعض میڈیکل یونٹس کے سربراہ بھی مسلمان ہیں۔ کچھ مسلمانوں کی کارکردگی انتہائی شاندار ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے سپاہیوں اور افسران میں اسلام کو جاننے کا تجسس پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں اسلام کے بارے میں عدم واقفیت سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مقامی لوگ اسلام کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں رکھتے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں

امریکہ مشہور جریدے ''لائف'' کے ایڈیٹر نے اسلام کی خوبیوں پر جو مضمون لکھا تھا اس کے چند اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں الکسن لوازون کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو فصاحت و بلاغت، شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا یہ وہ مقدس قرآن ہے جو اس وقت تمام دنیا کے ۶ / ۱ حصہ میں معتبر اور مسلّم سمجھا جاتا ہے۔ جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزور علم حل کیا یا ہنوز وہ زیر تحقیق ہیں، وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں۔''

کرنل انگر سال امریکہ کے مشہور دہریہ ہیں جن کو اسلام کی تو کجا عیسائیت اور دنیا کے کسی مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں، کہتے ہیں کہ:

''ہندسے کا رواج الجبرا، علم المثلث کے کُر، علم پیمائش، ستاروں کے نقشے، زمین کا حجم، اعوجاج طریق شمس، سال کی صحیح مدت، الات ہیت وغیرہ مختلف قسم کے کلاک، علم والکیمیا، علم المائعات، علم المناظر وغیرہ جنہوں نے اس قدر ایجادات اور اختراعات کیں اور علوم وفنون کو اس قدر نشو و نما دی وہ عیسائی نہ تھے ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ سائنس کا سنگ بنیاد پیروان اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے، جو کسی مفید کام کے لئے عیسائیت یا کلیسا کے منت پذیر نہیں ہیں۔''

گارڈ فرے ہیگنس کہتے ہیں کہ:

''قرآن غریبوں کا دوست اور غم خوار ہے اور سرمایہ داروں کی زیادتیوں کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔''

۹ جون ۱۹۷۰ء کے نوائے وقت کو اٹھایئے اور سر راہے کہ یہ سطور غور سے

پڑھیے جن کو بی بی سی نے براڈ کاسٹ کیا ہے۔ گارڈین جیسے مسلم دشمن اخبار کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ لندن اسکول آف اکنامکس کے دو پروفیسروں کا بیان ہے، دونوں پروفیسر انگریز ہیں، اسلام اور عیسائیت کی آویزش سے واقف ہیں۔ سر ولیم میور صحابہ کرام کی پختگی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تیرہ برس موعظ نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیح کی ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت معلوم ہوتا ہے۔''

قرآن مجید غیر مسلموں کی نظر میں

ڈاکٹر مورنس فرانسیسی کہتے ہیں کہ:

''یہ کتاب (قرآن عظیم) تمام آسمانی کتب پر فوقیت رکھتی ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان میں بہترین کتاب ہے، اس کے نغمے انسان کی خیر وفلاح کے لئے فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں بہتر ہیں، اس کا ہر ہر حرف خداوند عالم کی عظمت کے ذکر سے لبریز ہے۔ قران علماء کے لئے ذخیرۂ لغات وشعراء کے لئے عروض کا مجموعہ اور حکمرانوں کے لئے دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔''

ایڈورڈ ڈینی راس۔ سی۔ آئی۔ ای اسلام کی اصلح اور انفع تعلیمات سے مسحور ہو کر کہتے ہیں کہ:

''قرآن (شریف) اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا جائے۔''

مسٹر اے ڈی ماریل نے ۱۹۱۲ء میں رائل سوسائٹی آف آرٹس میں ایک لیکچر ''شمالی نائیجیریا'' پر دیتے ہوئے کہا:

''قرآن نے نظام تہذیب وتمدن پیدا کیا، شائستگی کی روح

چونکہ سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود وعدالت کے قیام میں (اسلام) بڑا معاون ثابت ہوا ہے، جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی لوگوں کے فائدے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس (اسلام) کو قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔''

مسٹر ارنلڈ وہایت کہتے ہیں کہ:

''قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی وخیرات وفیاضی بھی، قرآن نے وہ اصول فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔''

نامور انگریز پروفیسر کارلائل کتنی صفائی سے اقرار کرتے ہیں کہ:

''قرآن کے احکام اس قدر عقل اور حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے، شریعت اسلام اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے، یہ کتاب سب سے اول اور سب سے آخر جو خوبیاں ہو سکتی ہیں اپنے اندر رکھتی ہے۔''

نپولین بوناپارٹ کا تاثر قرآن کی بابت:

مشہور وفاتح یورپ اور سیاستدان نپولین بوناپارٹ قرآن کی حقانیت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر کہتا ہے کہ:

''میں پُر امید ہوں کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ میں دنیا کے تمام ممالک کے عقلمند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اس مقصد کے لئے متحد کر سکوں کہ ایک مشترک (عالمی) نظامِ حکومت قرآن کے اصولوں پر قائم کیا جائے کیونکہ قرآنی اصول ہی سچ اور صحیح ہیں اور صرف انہیں کے ذریعے انسانیت کو خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے۔''

(Charms of Islam ترجمہ)

اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

دنیا بھر کے افراط' زر کے مسئلے کو دین اسلام کا صرف ایک رکن زکوۃ تھوڑی سی مدت میں حل کر سکتا ہے۔ یہ دنیا کا بہترین نظام ہے اور مغربی ممالک کو ٹھنڈے دل سے نظام زکوۃ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہی وہ نظام ہے جو دنیا کو افراط' زر سے بچا سکتا ہے۔

اسلام کی حقانیت اور مدار نجات ہونا اس کی تعلیمات میں بے انتہا خوبیاں عدل وانصاف اور نظم وضبط کی بے پناہ دولت جو داخلی وخارجی، عقلی ونقلی شہادتوں سے مسلّم اور نا قابل انکار ہونے کے ساتھ مخالف ترین دشمن کو بھی تسلیم ہے۔ ان کو محض کسی لینن یا مارکس یا کسی دوسرے متعصب کے محض جھوٹے پروپیگنڈے کی وجہ سے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا تو کام جھوٹ افتراء پردازیاں اور عوام کو دھوکہ وفریب دینا ہے اور اپنے مدعا کو حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی دروغ گوئی پر نہیں شرماتے، کیا کسی میں یہ شعور نہیں کہ آخر دیکھے تو سہی کہ اسلام دنیا کو کیا درس دے رہا ہے۔ اور اس کا وہ کون سا قانون ہے جس میں ظلم یا وحشت پائی جاتی ہے، کیا یہ کوئی انصاف اور عقل مندی ہے کہ کسی کی تنقید یا تنقیص کو صرف جھوٹے پروپیگنڈوں کی بنیاد پر تسلیم کیا جائے۔

بلاشبہ جو کوئی تعلیمات اسلامیہ کا تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر غیر جانبداری سے مطالعہ کرے گا، اسلام کی صداقت اور بے شمار خوبیاں اس پر کھل جائیں گی اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھے گا

''اگر ہم قران مجید کی عظمت اور فضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو ہم عقل ودانش سے بیگانہ ہوں گے۔''

(بحوالہ ہفت روز ولندن ۱۳ اپریل ۱۹۳۲ء)

مشہور فرانسیسی مؤرخ والٹر تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور بے عقل ہوں گے جو مذہب اسلام پر اتہامات والزام عائد کرتے ہیں۔'' (بحوالہ محمدؐ)

مسٹر جارج برنارڈ شاہ کہتے ہیں کہ:

''ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت وتعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، انہوں نے تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی، انہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا، میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔''

پروفیسر کارلائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناقابل انکار و فضائل کا انکار انصاف کا خون کرنا اور حق پسندی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانا ہے۔''

ڈاکٹر جے، ایم برجز کی رائے:

''اسلام کے بنیادی اجزا دو ہیں دُعا (عبادت) اور عمل۔ ان کی حدود پیغمبر اسلام نے یوں بتائی ہے:

''تم یوں عبادت کرو، گویا تم اسی کام کے لئے پیدا ہوئے ہو، اور یوں کام کرو گویا عبادت شغل بے کاراں ہے، اسلام کا پیغام وہی ہے جو پہلے انبیاء نے دیا تھ، اس کا مقصد انسان کو منشائے ایزدی سے ہم آہنگ بنانا ہے۔''

گوئٹے نے کہا:

''اسلام کبھی ناکام نہیں ہو سکتا، اس کی تعلیمات انسان کو ان بلندیوں تک پہنچا سکتی ہیں جو انسانی تصور سے بھی پرے ہیں۔''

پروفیسر گب (آکسفورڈ) کی رائے:

''اسلام بین الاقوامی تعاون کی بہترین روایات کا حامل ہے، دنیا میں کوئی اور ایسا معاشرہ موجود نہیں جس نے مختلف اقوام و قبائل کو متحد کر کے انہیں ہر حیثیت سے برابر سمجھا ہو۔ جاپان، افریقہ، چین، ایشیا اور یورپ میں اسلام کا وجود اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام ہر رنگ، ہر نسل اور ہر نسب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر یورپ نے اسلام سے کوئی فائدہ اٹھایا اور یہ قوت ایشیا و افریقہ کے پاس چلی گئی تو یورپ پٹ جائے گا، اگر یورپ اپنی سوسائٹی میں روحانی اور اخلاقی اقدار کی ترویج چاہتا ہے تو اسے اسلام کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔''

قرآن پاک کی حقانیت کے دلائل

کائنات کے چپے چپے میں ایک ہی کتاب ہونے میں تو کسی کو دشمن کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں مخالفین اسلام کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں، کیونکہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ ہی خود قرآن پاک نازل کرنے والے نے لیا ہے چنانچہ جب حجاج بن یوسف کے پاس چند یہودی علماء، مناظرے کی غرض سے آئے اور حجاج سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے دعوے کے مطابق جس طرح تورات اور انجیل میں تحریف ہوتی آئی ہے تو قرآن میں بھی ممکن ہے وہ کیونکہ تحریف سے پاک رہ گیا؟

حجاج نے اس خام خیالی کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''ماضی میں تو درکنار قرآن کی حفاظت کے بارے میں ہمارے رب کی طرف سے اب بھی اور آئندہ کے لئے بھی یہی اعلان ہے چنانچہ دونوں فریق اس پر رضامند ہو گئے کہ یہودی اپنی کتاب میں ایک آیت تبدیل کر کے شائع کریں گے اور حجاج قرآن کی ایک مکمل آیت تو درکنار صرف ایک حرف کے ایک نقطے میں ردوبدل کرے گا، پھر دونوں کے ردعمل پر فیصلہ ہوگا، چنانچہ مذکورہ معاہدے کے مطابق

جب تورات کی تبدیل شدہ آیت یہودی قاریوں کی نظر سے گزری تو وہ
اس تبدیلی کو محسوس بھی نہ کر سکے کیونکہ یہ تحریف کوئی نئی بات نہ تھی، لیکن
دوسری طرف قرآن پاک کا وہ نسخہ جس میں حسب معاہدہ ''فاابو'' کی
بجائے ''فاتو'' ۔(الکہف آیت ۷۷)

لکھا تھا جو مسلمان قاری کی نظروں سے گزرا وہ قاری چراغ پا ہو گیا، اور بہت سے مسلمان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح حجاج کے محل کے گرد جمع ہو گئے آخر حجاج بن یوسف نے صحیح صورت حال کی وضاحت کر کے ان کی تسلی کر دی۔

اس طرح ایک پادری حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے پاس آیا اور کہا کہ تمہارے خیال میں حدیث پاک:

عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لو جعل القرآن فی اهاب ثم القی فی النار ما احترق۔ (رواه الدارمی)

کی رو سے قرآن پاک پر آگ اثر نہیں کرتی آیئے آج تجربہ کر لیں تم قرآن لے کر اور میں انجیل لے کر آگ کے شعلوں میں ڈال دیں گے (واضح رہے کہ وہ پادری انجیل کے اوراق پر فائر پروف (Fire proof) مصالحہ لگا کر لایا تھا جس پر آگ اثر نہیں کر سکتی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرمانے لگے ''نہیں بلکہ تم انجیل کو اور میں قرآن کو اپنے اپنے گلے میں آویزاں کر کے آگ میں چھلانگ لگا دیں گے جب کتاب پر آگ اثر نہیں کرتی تو حامل کتاب پر بھی اثر نہیں کرے گی لیکن پادری اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز آ گیا۔

دوسری طرف تورات اور انجیل کا حال یہ ہے کہ مشہور مؤرخ سپنگلر لکھتا ہے:
پادری کا کہنا بائبل میں اختلافات دس لاکھ سے زیادہ ہیں:

''جب حضرت مسیح علیہ السلام کے دوست اور شاگرد بوڑھے ہو گئے اور یروشلم میں اس جماعت کا سردار آپ کا بھائی تھا ان قصص اور روایات کو جو عام طور پر زبان زد خلائق تھیں یکجا مرتب

کر کے آپ کی سوانح عمری کی تصنیف کی یہی انجیل ہے۔''

(زوال مغرب ص ۲۱۴)

جوزف لکھتا ہے کہ:

''بائبل چونکہ خدا پرست انسانوں کا کارنامہ ہے اس لئے ان میں خدائی اور انسانی دونوں عناصر شامل ہیں لیکن ہر شے جو انسانی ہوگی غیر مکمل ہوگی اس لئے ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ ان آسمانی کتابوں میں خدا کی صداقت صحیح طور پر پیش کی گئی ہے''

لیبک پاؤل اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''عہد نامہ عتیق یا جدید سائنٹیفک اصطلاح میں خدا کے الفاظ نہیں یہ تو صرف انسان کی اس کوشش کا ریکارڈ ہے جو خدا تک پہنچنے کے لئے کی گئی ہے اس لئے یہ خدا کے متعلق انکشافات ہیں وحی نہیں''

(دی اپنی ہیلش آف مین ۱۷۵)

اسقوف بٹلر (لدرڈ پادری) لکھتا ہے:

''انگلستان میں ایک بھی فاضل نہیں جو پاک نوشتوں کے الہام کا قائل ہو''

(قربت الہی ص ۴۹ روسن چھاپہ خانہ الہ آباد مشن پریس ۱۸۶۸ء، باہتمام پادری والش)

ہارون صاحب لکھتے ہیں

''گریسباخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلافات عبارات نکالے ہیں۔''

(انٹروڈکشن ج ا ص ۱۲۶ مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اسکرپچر کے بیان میں مرقوم ہے ''ولسٹیس ٹمین ایسے اختلافاتِ عبارات دس لاکھ سے زیادہ جمع کیے ہیں''

غور کا مقام ہے کہ یہ اختلافات بھی کوئی مسلمان نہیں بتا رہا بلکہ خود یہ عیسائی دنیا کے محقق اور فاضل مؤرخ اور پادری بتا رہا ہیں۔

افریقہ میں فروغِ اسلام کے اسباب

مہاتما گاندھی

اسلام اپنے نہایت وسیع عہد میں بھی غیر رواداری مذہب نہیں تھا بلکہ ساری دنیا اس کی تعریف کر رہی تھی، اس وقت جب ساری دنیائے مغرب تاریکی میں روپوش تھی۔ مشرقی افق سے ایک درخشاں ستارہ چمکا جس نے بے چین دنیا کو روشنی اور امن و راحت کا پیغام دیا۔ اسلام جھوٹا مذہب نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھی اس کا اسی طرح مطالعہ کرنا چاہیے جس طرح میں نے کیا ہے، پھر وہ بھی میری طرح اس سے محبت کرنے لگیں گے۔

میں پیغمبر اسلام (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی کا مطالعہ کر رہا تھا جب میں نے کتاب کا دوسرا حصہ بھی ختم کر لیا تو مجھے افسوس ہوا کہ اس عظیم الشان مقدس زندگی کا مطالعہ کرنے کے لئے اب میرے پاس اور کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ اب مجھے پہلے سے بھی زیادہ اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ تلوار کی طاقت نہیں تھی جس نے دنیا میں اسلام کے لئے فتح و کامرانی کا راستہ کشادہ کر دیا بلکہ یہ اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سادہ زندگی، آپ کے بے غرضی و بے نفسی، وفائے عہد اور بے خوفی تھی آپ کا اپنے دوستوں اور پیروؤں سے محبت اور شفقت کا برتاؤ اور خدا پر اعتماد اور توکل تھا، یہ تلوار کی قوت نہیں تھی بلکہ یہی سب خوبیاں تھیں جس سے تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دشواریوں پر فتح حاصل کر لی۔

مجھ سے کسی نے کہا تھا جنوبی افریقہ میں جو یورپین آباد ہیں وہ اسلام کی اشاعت و ترقی سے کانپ رہے ہیں، اسی اسلام سے جس نے اسپین کو تہذیب کی دولت بخشی، اسی اسلام سے جس نے مراکش میں روشنی پھیلائی اور دنیا کے رہنے والوں کو بھائی بھائی بن جانے کی تعلیم دی، بے شک جنوبی افریقہ کے یورپین اسلام سے ڈرتے ہیں لیکن دراصل وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر افریقہ کے قدیم باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو سفید فام قوموں سے برابری کا حق مانگنے لگیں گے۔ آپ ان کو ڈرانے

دیجئے، اگر بھائی بھائی بننا پاپ ہے، اگر وہ اس بات سے پریشان ہیں کہ ان کا نسلی غرور باقی نہ رہ سکے گا تو ان کا ڈرنا فطری ہے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ایک ''زولوں'' عیسائی ہو جاتا ہے تو وہ سفید فام عیسائیوں کے برابر نہیں ہو سکتا، لیکن جیسے ہی وہ مسلمان ہو جاتا ہے بالکل اسی وقت وہ اسی پیالے میں پانی پیتا یا کھاتا ہے۔ تو اصل یہ ہے جس سے یورپین کانپ رہیں ہے۔ (تجلّت مہرشی ص۲)

اسلام یہودیت کا عظیم محسن

ایک یہودی مفکر کے تاثرات

''داؤد بن عمران مصر کے ایک یہودی مفکر اور اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں اسلام کے محاسن پر ان کے طویل عربی مقالہ کا ایک حصہ درج ذیل ہے۔''

میں اگرچہ مذہباً یہودی ہوں لیکن سچے دل سے اسلام کا احترام کرتا ہوں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسلام میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں جو مشکل ہی سے کسی مذہب میں پائی جاسکتی ہیں۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مذہب روز اوّل ہی سے مظلوموں اور مصیبت کے ماروں اور پریشان حالوں کا پشت پناہ بنا رہا ہے۔ جس چنانچہ اس مذہب نے اپنے متبعین کو سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر مظلوم کے کام آئیں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی اس مذہب نے محبت کے سلوک کی ہدایت کی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام سے قبل دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ غلاموں کی زندگی گزار رہا تھا، اور پوری دنیا کے آقا اور مالک چند طاقتور افراد اور قبائل بنے ہوئے تھے جن کے ہاتھوں باقی مخلوق خدا کے ساتھ ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا تھا۔ لیکن اسلام نے جلوہ گر ہونے کے بعد نہ صرف غلامی کو ختم کر دیا بلکہ غلاموں کو سہارا دے کر انہیں تخت شاہی تک پہنچا دیا، اور یہ اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے جسے دنیا کسی حالت

میں بھی فراموش نہیں کر سکتی۔

خود یہودیوں کے ساتھ اسلام نے جس رواداری اور محبت کا ثبوت دیا ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے، یہ بات کسی تاریخی شہادت کی محتاج نہیں ہے، کہ ظہور اسلام سے قبل عیسائی حکومتوں میں یہودی حیوانوں سے بھی زیادہ بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے انہیں کسی ایک عیسائی ریاست میں بھی عام شہری حقوق حاصل نہیں تھے، چنانچہ عیسائیوں کی حکومتوں میں رہنے والا کوئی یہودی بھی اپنی عزت آبرو جان اور مال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ جب دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا تو یہ صورت حال بالکل بدل گئی اور چونکہ اس دور میں یہودی ہی سب سے زیادہ مظلومیت کی زندگی گزار رہے تھے اس لئے اسلام کے ظہور کی بدولت انہیں ہی سب سے زیادہ فائدہ بھی پہنچا۔

اسلام نے اپنی دعوت کی بنیاد خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یہ اسلامی تصور مذہب سے کہیں زیادہ بنی نوع انسان اور انسانی معاشرہ کی اصلاح اور استحکام کے خیال پر مبنی تھا، اور اسلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرانے کے بعد انسان کے ذہن کو اس طرح لے جانا چاہتا تھا کہ جب پوری کائنات کا خالق اور مالک ایک ہی ہے تو اس کے نام پر مخلوق کے درمیان نفرت اختلاف اور کشیدگی کا وجود باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

ظہور اسلام کے وقت دنیا میں جو مذاہب موجود تھے انہوں نے کبھی مذہبی اختلافات سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کی بنیاد پر بنی نوع انسان کو متحد ہونے کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ ان نبیوں کے ماننے والے ایک دوسرے سے نہ صرف نفرت ہی کرتے تھے بلکہ مذہب کے نام پر دوسروں کو تکلیف پہنچانا کو ایک قسم کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کی یگانگت کا نعرہ بلند کر کے بنی نوع انسان کے روبرو ایک نئی راہ کھول دی تھی۔

پھر اسی قدر ہی نہیں کہ اسلام نے ایک روشن نظریہ ہی پیش کیا ہو بلکہ اس نے اپنے ماننے والوں کا جو حلقہ قائم کیا تھا اس حلقہ نے اپنے عمل سے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ اسلام کا یہ نظریہ عمل کی صورت بھی اختیار کر سکتا اور اس تعلیم سے ہر انسان کو خواہ وہ کسی

مذہب، قوم یا ملک سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ بے اندازہ فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

اسلام نے انسانوں کی مساوات عمومی کا جو نظریہ پیش کیا ہے تھا اس کے نتائج کا صحیح اندازہ ان ملکی فتوحات سے کیا جا سکتا ہے کہ جو مسلمانوں نے تھوڑی سی مدت میں حاصل کر لی تھیں۔ ان فتوحات نے اسلامی مملکت کی حدود کو جنوب مغربی یورپ، شمالی افریقہ، اور مشرقی افریقہ نیز مغربی اور وسطی ایشیا تک وسیع کر دیا تھا۔ اور اسلام کی ہمہ گیر مملکت میں ہر نسل اور ہر مذہب و قوم کے لوگ آباد تھے، لیکن مسلمانوں نے ان سب لوگوں کو مذہبوں کا احترام کیا تھا ان کے شہری حقوق کو نہ صرف برقرار رکھا تھا بلکہ ان کے تحفظ کی یقین دہانی بھی کی تھی، اور اپنی علمی اور عملی ترقیوں میں ان سب لوگوں کے برابر کے حقوق مقرر کیے تھے۔ اور چونکہ اس دور میں یہودی ہر جگہ مظلومیت اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے انہیں مسلمانوں کی اس مذہبی حکمت عملی سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔

پھر اگر ہم ماضی کے طرف سے اپنی آنکھوں کو بند بھی کر لیں تب بھی ہم اسلام کے حسن سلوک سے انکار نہیں کر سکتے۔ بیسویں صدی بیداری جمہوریت کی صدی ہے، لیکن اسی صدی میں یورپ کے تقریباً تمام عیسائی ملکوں میں یہودی قوم پر جو مظالم توڑے گئے ہیں ان کا اندازہ زار کے زمانہ کے روس اور ہٹلر کے زمانہ کے جرمنی میں پیش آنے والے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔ اس زمانہ میں یورپ کے ملکوں میں یہودیوں کو غلاموں اور اچھوتوں سے بدتر سمجھا جاتا تھا، انہیں آبادیوں کے بدترین حصوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا اور ان کے گھروں کو لوٹنا اور انہیں بے عزت کرنے کے لئے باقاعدہ طور پر پروگرام بنائے جاتے تھے اور یہودیوں پر ظلم کا یہ طریقہ ''پوگرم'' کہلاتا ہے لیکن اسی زمانے میں کسی اسلامی ملک میں کسی ایک یہودی کو بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ چنانچہ تمام اسلامی ملکوں میں امن اور عزت کی زندگی بسر کرتے رہے اور آج بھی اطمینان اور عزت کے ساتھ ان ملکوں میں آباد ہیں۔

دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ اسلام کا معاملہ احسان اور فائدہ بخشی کا معاملہ رہا ہے اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہودیوں کو اسلام کی حکمت عملی سے اس لئے سب سے

زیادہ فائدہ پہنچا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مظلوم تھے اس لئے اگر اسرائیل نے آج اسلام اور مسلمانوں کی اس فراخدلی کو نظر انداز کر دیا ہے تو یہ امر احسان فراموشی کے ایک زبردست واقعہ کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔ اور اس پر سب ہی یہودیوں کو شرم محسوس کرنی چاہیئے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے، اور یہودی تو آج اسلام کی بدولت ہی دنیا میں زندہ اور برقرار ہیں ورنہ نہ جانے اس مظلوم قوم کا کیا حشر ہو چکا ہوتا۔

اسلام نے مغرب کی ثقافت کو متاثر اور مالا مال کر دیا

ایڈورڈ بی جیری جیان (امریکی نائب وزیر خارجہ)

- امریکہ میں اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ (ہیلری کلنٹن)
- حکومت امریکہ اسلام کو ہرگز کوئی نیا ازم نہیں سمجھتی جو مغرب سے متصادم ہو اسلام امن کا مذہب ہے۔ (سفیر ولکاکس)
- مستقبل میں مسلمانوں کے بارے میں امریکیوں کا طرز عمل ڈرامائی طور پر بہتر ہو جائے گا۔
- امریکہ میں مذہب زیادہ موثر قوت بنتا جا رہا ہے۔
- امریکی اسلام کو ایک عظیم مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔
- تشدد اور دہشت گردی کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

پادریوں کی رنگین مزاجی کے واقعات

ہم جنس پسندی اور خواص

صحافیوں کی حاصل کردہ معلومات کے مطابق نیویارک میں طعام آخریں کی ہفتہ واری تقریب کے معزز شرکاء، پادریوں میں ہم جنس پسندی کی نہ صرف حمایت کرتے ہیں بلکہ ایسی ہی ایک تقریب میں کلیسا سے متعلق تقریباً تین سو صالحین میں ''عشائے ربانی'' کی میز کے نگران جیسویٹ فادر رابرٹ کارٹر سمیت آدھے درجن ہم جنس پسند پادری بھی تھے۔ اب کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ اعلیٰ علمی تربیت گاہ کے سابق پروفیسر کارٹر اپنی ہم جنس پسندی کو صیغہ راز میں بھی نہیں رکھتے لیکن تربیت گاہ سے سبکدوشی کے بعد ان کو ذریعہ معاش کے لئے سائیکو تھراپسٹ کا پیشہ اختیار کرنا پڑا کیونکہ ان کے خیال میں ایک رنگین مزاج پادری کے لئے روزی کمانے کے چند طریقوں میں سے ایک یہ ہے۔ شرکاء میں سے ایک اور پادری فادر جم نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ایک پادری کے لئے اپنا عہدہ برقرار رکھنے کے لئے ہم جنس پسندی کو چھپانا اشد ضروری ہے۔ انہوں نے تقریب کے اختتام کے بعد شگفتگی کے انداز میں کہا۔ ''یہ بات اگر میں صاف صاف کہہ سکتا تو اس سے عوام کو اس قدر تقویت ملتی، لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان کے اعلیٰ عہدیدار اس سے واقف ہو جائیں تو ان کا ہاتھ اسی طرح کاٹ ڈالیں گے۔

اہل کلیسا اور ہم جنس پسند پادری

مضمون نگاروں نے لکھا ہے کہ خواہ پروٹسٹنٹ ہوں، خواہ کیتھولک، دونوں فرقے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ یہ بات (جنسی بے راہ روی) کلیسائی خلوت خانوں تک محدود رہے۔ لیکن اب اخفاء ناممکن ہو چکا ہے۔ دوسرے عوام الناس میں ہم جنس پسندی پھیلنے کے بعد پادریوں کے متعلق بھی یہ سوال اٹھنا لازمی ہو گیا۔ کیونکہ رومن

کیتھولک گرجاؤں میں پادریوں کی جانب سے نوعمروں کی ایذا رسانی کے واقعات کی بڑی تشہیر ہوئی۔ نیز چند پادریوں کے ایڈز کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد کلیساؤں کے ذمہ دار افراد کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ پادریوں میں نہ صرف ہم جنس پسند موجود ہیں بلکہ ان کو کلیسا کی حمایت کی بھی حاصل ہے۔

ہم جنس پادریوں کے اعداد و شمار

اگرچہ رنگین مزاج پادریوں سے متعلق قابل اعتماد اعداد و شمار نہیں ملتے لیکن میری لینڈ کے ایک نفسیاتی ماہر اور سابق پادری رچرڈ سائپ کی ۸۵-۱۹۶۰ء کے دوران حاصل کردہ معلومات کے مطابق ستاون ہزار کیتھولک پادریوں میں ۲۰ فیصد ہم جنس پسندی سے متفق ہیں اور ان میں سے نصف اس پر عمل پیرا بھی ہیں۔ یہ اندازا ۱۵ سو پادریوں سے استفسارات پر مبنی ہے لیکن رچرڈ سائپ کا خیال ہے کہ ۱۹۷۸ء کے بعد اس تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے اور اب صحیح تعداد چالیس فیصدی تک پہنچ چکی ہے۔ سان فرانسسکو اور نیویارک کے کلیسائی حلقوں میں عیسائیوں کے مقابلتاً ایک چھوٹے فرقے اپیسکوپل کے پادریوں میں تو یہ شرح پچاس فیصدی تک پہنچ چکی ہے۔ لہذا ہوسٹن میں نفسیاتی امراض کے علاج کرنے والے ادارے شیلوم سینٹر کے فادر جیمز ہرن نے کہا "اہل کلیسا کو چاہئے کہ وہ پادریوں میں ہم جنس پسندی کا گہرا مطالعہ کریں۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ "مجھے معلوم نہیں کہ ان میں ایسا کرنے کی جرات بھی ہے یا نہیں۔"

پادریوں کی یتیم لڑکوں سے بدفعلی:

"کینیڈا کے جریدہ میکلیز کی اطلاع کے مطابق نیوفاؤنڈ لینڈ کے حلقوں میں برسوں سے رومن کیتھولک پادریوں اور دیگر مذہبی کارندوں نے بار بار جواں سال لڑکوں کے ساتھ لونڈے بازی کی، جس میں سے اکثریت یتیموں کی تھی جو اپنے محافظوں ہی کا شکار بنے اور پھر یہ رسوائی صرف صوبہ نیوفاؤنڈ لینڈ کا مقدر نہیں۔ کینیڈا ہی میں کیتھولک رہنماؤں کی جنسی ہوس کی بھینٹ چڑھنے والے بچوں کے کم از کم چھ اور المیوں کا بھی پتہ چلا ہے۔ بیس سے زیادہ واقعات امریکہ میں ہوئے۔ ہر سال جنسی استحصال کی بڑھتی

ہوئی خبروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷ا پادری اور ان سے ملحقہ افراد ملزم پائے گئے۔ جس سے اکثر کیتھولک مسیحیوں کا اپنے پادریوں پر سے اعتماد متزلزل ہوگیا ہے۔ کتنے دکھ کا مقام ہے کہ مذہبی رہنماؤں پر جنسی زیادتی کا الزام بڑی دیر سے لگایا جارہا ہے۔ عموماً اس کی پردہ پوشی کی جاتی اور بدکار پادری کو بس کہیں اور تبدیل کردیا جاتا، جہاں بعض اوقات یہی مکروہ دھندا از سرنو چل پڑتا۔ ردعمل میں لوگوں نے اپنے بیٹوں کو قربان گاہ پر کام کرنے اور پادری کے اعتراف سننے کے کمرہ میں جانے سے روک دیا ہے۔ سینٹ جان کیتھولک اسکول بگورڈ کے وائس چیئرمین پال سیٹپل ٹن کے الفاظ میں کبھی رومن کیتھولک پادری کا عہدہ باعث فخر سمجھا جاتا تھا، جواب پریشانی اور شک وشبہ کا نشان بن کر رہ گیا ہے۔ تازہ واقعات کی روشنی میں لوگ کھسر پھسر کے ساتھ ساتھ پادریوں کی کھلم کھلا مخالفت بھی کرنے لگے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے آپ اور خدا کے علاوہ کسی پر اعتماد نہ کریں۔ (بحوالہ ماہنامہ ''المذاہب'' لاہور، جون ۱۹۹۲ء)

وضاحت

''اعتراف بھی کیتھولک شیوہ ہے۔ ہمارے یہاں پادری صاحب اونچی کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے نصب تختہ میں سر کو نکالنے کو بڑا سا گول سوراخ ہوتا ہے۔ گناہ گار قطار بنائے باری باری پچھلے اعتراف کے بعد کی گئی بداعمالیاں بتاتے ہیں، جنھیں پادری صاحب از راہ لطف وکرم مراحم الہیانہ سے معاف فرمادیتے ہیں۔ مغربی ممالک میں اعتراف سننے کی غرض سے ایک خاص کمرہ ہوتا ہے جہاں وظیفہ جنسی ادا کرنے کے لئے مکمل اور مطلوبہ تنہائی میسر ہوتی ہے۔ اس کمرہ میں لونڈے بازی کے علاوہ اعتراف کرنے والی جواں سال خواتین سے پادریوں کی زناکاریوں کے تاریخی ریکارڈ بھی موجود ہیں۔ (بحوالہ ''ماہنامہ المذاہب'' لاہور)

ہم دنیا بھر کے سامنے شرمندہ ہیں:

مشہور امریکی روزنامہ نیویارک ٹائمز کی ۲۰ جولائی ۹۰ء کی ایک سرخی تھی ''کینیڈا کا سب سے بڑا مذہبی رہنما پادریوں کے جنسی چکر میں عہدہ چھوڑتا ہے۔'' کہانی

کیا تھی؟ یہی کہ مذہبی رہنماؤں کی جنسی بدنامیوں میں ایک اور اضافہ ہوا۔ یہ اسکینڈل نیو فاؤنڈ لینڈ کینیڈا میں دریافت ہوا ہے۔ پادری رومن کیتھولک تھے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

ٹائمز کی رپورٹ ہے کہ "تین سال سے کیتھولک پادریوں اور ان کے معاونین کے خلاف قربان گاہ پر کام کرنے والے لڑکوں، یتیم اور دوسرے نوجوانوں سے لونڈے بازی کے الزامات لگ رہے تھے۔ لیکن کیتھولک پیشوائیت چشم پوشی سے کام لیتی رہی یا اس کیس میں موثر اقدامات کرنے میں ناکام رہی جس پر نیو فاؤنڈ لینڈ کے آرچ بشپ نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں صریح بے حیائی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ایک پادری پر ۳۶ جرائم ثابت ہوگئے۔ چنانچہ اسے ۴ سال قید کی سزا ملی تھی۔

عموماً ایسے معاملات کو رفع دفع کر دیا جاتا ہے اور ضابطہ کی کوئی معقول کارروائی نہیں کی جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ پادری کو کسی دوسرے حلقہ میں تبدیل یا نئی ڈیوٹی پر لگا دیا۔ جہاں یہی بدچلنی پھر جاری ہو جاتی۔ اس موقع پر آرچ بشپ یہ کہہ کر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوگیا "ہم لوگ گناہ گار ہیں، ننگے ہیں، ہمارا غصہ، ہمارا درد، ہماری روحانی اذیت، ہماری شرم سب پر عیاں ہے۔"

عدالتی تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ مکروہ دھندہ ۱۵ برس سے جاری تھا۔ لیکن پولیس اور سرکاری حکام نہ صرف "بدکاروں کے خلاف فیصلہ کن قدم اٹھانے" میں ناکام رہے تھے۔ بلکہ وہ مظلوموں کی دادرسی کی بجائے ظالموں کو بچانے کی فکر میں رہے۔"

(بحوالہ "ماہنامہ المذاہب")

امریکہ کے سب سے بڑے ٹیلی ویژن کے پادری کے فحش کرتوت

پادریوں کے کرتوت

پادری صاحب اچھی طرح اس بات کو جانتے ہوں گے کہ چرچ اور گرجا گھروں میں کیا کچھ ہوتا رہا اور ہوتا ہے۔ مخلوق خدا کی رہنمائی کرنے کے دعویدار پادری نیز عفت وعصمت کی دھجیاں بکھیرنے کے بعد بھی شرافت واخلاق کا بلند و بانگ دعوئ کرنے لگے ہیں بلکہ شیطانی کتاب وخرافات پر پابندی کے خلاف ہیں۔

ہم نے کچھ عرصہ قبل ''از ابلا'' نامی کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔ جس میں ایک پادری کی بیٹی نے اس سارے فحش کرتوتوں کا بھانڈا بیچ چوراہے پر لا کر پھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح چند ماہ قبل ایک خبر روزنامہ سن (SUN) نے شائع کی تھی۔ جس میں ایک پادری کا استعفیٰ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ لکھا تھا کہ یہ پادری اپنے ہی چرچ میں غیر اخلاقی حرکتوں میں ملوث تھا اور ننگی فلموں کو دکھا کر اس کا کاروبار کرتا تھا۔ (۸۹۔۷۔۳۱)

لیجئے ایک اور تازہ خبر جو امریکہ کے دو بڑے مشہور پادریوں اور مذہب عیسائیت کے ممتاز اسکالر اور مناظر سے متعلق ہیں۔ جن کا کام ہی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف نفرت کے بیج بونا اور اسلامی تعلیمات بالخصوص خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ (معاذ اللہ) ان دونوں نے اخلاق وشرم و حیا کا جنازہ کس دھوم دھام سے نکالا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

امریکہ کا سب سے بڑا پادری اور جنسی زندگی

''جم بیکر امریکہ کے سب سے بڑے ٹیلی ویژن کے پادری تھے۔ ان کا ٹی وی اسٹیشن دنیا میں سو سے زیادہ شہروں میں دیکھا جاتا تھا۔ جس پر بیکر تبلیغ عیسائیت کرتے

تھے۔ان کی شہرت میں اضافہ ہوا تو لالچ اور بے راہ روی بھی حد سے تجاوز کرنے لگی۔ انہوں نے ٹی وی منسٹری کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کردیا۔ان کا ماہانہ چندہ تیس لاکھ امریکی ڈالر سے بھی تجاوز کر گیا۔ جم بیکر نے اس مال مفت دل بے رحم پر تعیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عالیشان محلات کی تعمیر ہوئی اور چہرے کی پلاسٹک سرجری کرائی گئی۔

جنسی بے راہ روی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ عورتوں اور مردوں سے یکساں جنون کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔ پادری کے پاکباز چہرے پر سے اس وقت نقاب اٹھا جب ایک کال گرل نے اپنے اور جم بیکر کے تعلقات کا ذکر کیا۔ جیسیکا ہان نامی کال گرل کا کہنا ہے کہ اسے ان بوڑھے مردوں اور عورتوں پر رحم آیا جو اپنی عاقبت بہتر بنانے کی غرض سے خود فاقے کرتے رہے اور پوری پینشن کی رقم جم بیکر صاحب کے ہاتھوں میں دیتے رہے۔

اس کال گرل کا دھماکہ کرنا تھا کہ کئی عورتوں اور مردوں نے بھی جم بیکر سے اپنے ویسے ہی تعلق کا اقرار کیا۔ پادریوں کی کمیٹی نے بیکر کو اپنے گروپ سے خارج کر دیا اور بائیکاٹ کیا۔ لیکن بیکر آزاد تھا۔ کیونکہ امریکی قانون کے مطابق دو مردوں یا مرد و عورت کے ناجائز تعلقات جرم نہیں۔

اس کی بدنامی بے انتہا ہوئی لیکن وہ قانونی طور پر آزاد تھا۔اس پر خرد برد اور فراڈ کا مقدمہ دائر کیا گیا۔ انکوائری شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ چرچ کے کروڑوں ڈالر خرد برد کئے ہیں اور وہ چندہ جو چرچ کی تعمیر اور عیسائیت کی تبلیغ کے لئے جمع کیا گیا تھا، عالیشان محلات کی تعمیر اور کال گرل کی نذر ہو گیا ہے۔

اس بات کا ثبوت ملتے ہی جم بیکر کو گرفتار کر لیا گیا۔ سال بھر تک کیس کی سماعت ہوتی رہی۔ جم بیکر نے اپنے آپ کو نفسیاتی مریض ثابت کرنے کے لئے بھی ڈرامے رچائے، مگر ناکام ہوئے۔ چنانچہ ۴۵ برس قید اور پانچ لاکھ ڈالر جرمانہ کی سزا ہوئی اور ایک معتبر ترین عیسائی پادری ایک بدنام ترین شخص ثابت ہوا۔

جم بیکر کی اس گرفتاری اور جنسی اسکینڈل میں ملوث کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اس کے رقیب پادری جیمز سواگرٹ کا ہے جو اس کے بعد سب سے بڑے پادری بن

گئے ہیں۔ ان کا پروگرام بھی ٹی وی کے کئی اسٹیشنوں سے نشر کیا جاتا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ ٹی وی پر تبلیغ کرتے ہیں تو جب چاہتے ہیں رو لیتے ہیں جب چاہتے ہیں ڈانس کر لیتے ہیں۔ رلانا ہنسانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ مسٹر سواگرٹ کے جنسی اسکینڈل بھی کوئی مخفی راز نہیں۔ عام معلوم ہیں۔ مگر ثبوت نہیں ملتا۔

چنانچہ ان کے پیچھے بھی ایک خفیہ مشن شروع ہوا اور چند روز میں ہی ثبوت مل گیا۔ جونہی سواگرٹ کو اس کا پتہ چلا تو ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ قبل اس کے اس ثبوت کو منظر عام پر لایا جاتا مسٹر سواگرٹ نے ٹی وی پر اقرار جرم کر لیا اور زار وقطار رو رو کر خدا سے معافی مانگنی شروع کر دی۔ میں نے گناہ کیا، میرے اندر شیطان آ گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

تاہم جیمز سواگرٹ پر کوئی ایسا جرم ثابت نہ ہوا جو امریکی قانون کے تحت پولیس کی دسترس میں ہو۔ اسی لئے وہ ابھی تک آزاد ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لندن۔ ۲ دسمبر ۱۹۸۹ء، ص ۵)

ہم اس خبر پر تبصرہ کرنے کے بجائے پادری صاحب کی خدمت میں صرف اتنا عرض کریں گے، چرچوں اور گرجا گھروں کو غیر اخلاقی حرکات کی آماجگاہ نہ بنائیں

یہاں سیکس کے موضوع پر درس دینے کے بجائے اخلاق وشرافت کے اصول سمجھائیں اور برطانوی حکومت کو مجبور کریں کہ وہ اس قسم کی تمام مخرب اخلاق وحیا سوز رسائل وجرائد، کتاب وفلم پر کڑی پابندی عائد کر کے انہیں خلاف قانون قرار دے اور اس کے مرتکب کو کڑی سزا دے تاکہ سوسائٹی ایک اچھی سوسائٹی بن جائے۔

کمسن بچوں سے زیادتی، جنسی حملے، ۴۰۰ ملین ڈالر کا جرمانہ

۹۵ فیصد امریکی پادری غیر شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی مانع حمل اشیاء استعمال کرتے ہیں اور اپنی ہوس کا نشانہ راہباؤں اور بدکار عورتوں کو بناتے ہیں۔ ایک تعداد جنسی تشدد میں مبتلا ہے۔ امریکی ٹی وی کے دسویں چینل نے ایک سروے میں انکشاف کیا کہ ۲۰ فیصد پادری کم سن بچوں کا استعمال کرتے ہیں۔ خواتین کے ساتھ تو کلیسا

کے تمام ہی ذمہ داروں کی سرگرمیاں ایسی عام ہوگئی ہیں، جن کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ امریکی ٹی وی نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۳ء تک امریکی کلیسا کو چار سو ملین ڈالر اس جرمانہ کے طور پر ادا کرنا پڑے جو کمسن بچوں اور بچیوں نے پادریوں کی طرف سے ہونے والے جنسی حملوں کے خلاف امریکی عدالتوں میں مقدمات دائر کر کے معاوضے طلب کئے تھے۔ (بحوالہ ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ)

ایک کلیسائی عقیدہ

اعتراف گناہ کی جارج رچرڈز کہانی

''ہوش سنبھالنے پر مجھے ایک کیتھولک بوائز اسکول میں داخل کرایا گیا۔ وہاں کی زندگی کا ایک خاص پہلو جو میرے حافظے کی لوح سے چپکا رہتا ہے اور جس نے میری زندگی کو ایک نئے رخ پر ڈالنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے وہ ''اعتراف گناہ'' کی ہفتہ وار محفل تھی۔ سب لڑکوں کو قطاروں میں کھڑا کر دیا جاتا اور باقاعدہ فوجیوں کی طرح مارچ کرتے ہوئے ہم لوگ چرچ کی طرف روانہ ہو جاتے جو اسکول سے تقریباً دو میل دور تھا۔ چرچ کے اندر ہم باری باری ایک ایک کر کے اعتراف والے کمرے میں داخل ہوتے۔ یہ مربع شکل کا ایک کمرہ تھا جس کے درمیان پردہ تھا۔ پردے کے دوسری جانب پادری صاحب بیٹھتے تھے اور اس طرح لکڑی کے ایک تخت پر طالب علم دو زانو ہو کر پردے کے سامنے بیٹھ جاتا اور اپنے ہفتے بھر کے گناہوں کا اعتراف کرنے لگتا۔ پھر وہ نادیدہ پادری طالب علم کی طرف سے مختصر سی دعا کرتا اور کفارے کے طور پر بائبل کی چند آیتیں پڑھنے کی ہدایت کرتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اتفاق سے ہفتہ بھر مجھ سے کوئی گناہ نہ ہوتا یا وہ میرے حافظے میں محفوظ نہ رہتے تو میں سخت فکر مند ہوتا کہ گناہ کا اعتراف نہ کرنا بذات خود گناہ شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ مجھے زبردستی کا کوئی چھوٹا موٹا گناہ کرنا پڑتا۔ مثال کے طور پر میں ماں کی نظر بچا کر چینی کا چمچہ چرا لیتا یا کسی پھل فروش کا گرا ہوا آم غائب کر لیتا۔ اندازہ کریں کہ ہم سب ساتھی نئے اور دلچسپ گناہوں کے

ارتکاب میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بائبل کا اپنے طور پر مطالعہ کرنا اور کسی دوسرے چرچ میں جانا ہم سب کے لئے سختی سے ممنوع تھا مگر میں نے اس کی پابندی نہ کی اور جب اسکول میں میرا آخری سال تھا، ایک روز میں نے بائبل میں پڑھا کہ ''جب دو افراد خدا کو حاظر ناظر جان کر ایک دوسرے کے سامنے اپنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔'' میری سوچ کو پر لگ گئے۔ ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ گزشتہ کئی سالوں سے میں تو اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا ہوں مگر پردے کے عقب میں ''فادر'' نے کبھی بھی اپنے کسی گناہ کا اقرار نہیں کیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میرے گناہ بھی معاف نہیں ہوئے۔'' میں نے پادری کے سامنے اپنی اس خلش کو بیان کرنے کا تہیہ کرلیا۔

اور آئندہ ہفتہ کو میں نے ایسا ہی کیا اور جب میری باری آئی تو میں نے معذرت کے بعد یہ سوال دھرایا۔ پردے کے پیچھے ایک لمبا سکوت طاری رہا۔ پھر فادر نے کہا، ابھی باہر چلے جاؤ اور صحن میں میرا انتظار کرو۔ میں فارغ ہوکر آؤں گا۔ اور اطمینان سے تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ میں باہر گیا اور Confession ختم ہونے کے بعد ایک گھنٹہ تک صحن میں فادر کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آئے میں گھر چلا گیا اور پھر کبھی اس چرچ کا رخ نہ کیا۔

میں نے عیسائیت کے بارے میں وسیع مطالعہ شروع کردیا اور غور وفکر بھی کرتا رہا۔ جس کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگیا کہ اس مذہب کو انسان کی انسان پر حاکمیت کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

(وسطی امریکہ کے قریب بحر اوقیانوس میں واقع جزیرہ جمیکا سے تعلق رکھنے والے محترم عبدالمجید ابراہیم صاحب (نومسلم جن کا آبائی نام جارج رچرڈ تھا) کے انٹرویو سے اقتباس۔ (بحوالہ ''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' از ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ص ۳۰۰)

حق بولتا ہے

پوپ جان پال دوم کے نائب نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اسلام کا انتہا پسندی یا تشدد سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام ایک دین، ایک ثقافت اور ایک طرز حیات ہے۔ آج یہ انہی خوبیوں کی بناء پر دنیا میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عیسائی اپنا روزہ بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں کے روزے اور عبادت پر حیرت اور مرعوبیت ظاہر کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام اب یورپ میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔

برطانیہ میں پادریوں نے عیسائیت کو ترک کیا

برطانیہ میں اسلام کے تعلق سے حال ہی میں جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں وہ کلیسا کے لئے نہایت تشویش کا باعث ہے۔ گزشتہ ۵ برس میں ۵ لاکھ سے زیادہ عیسائیوں نے کلیسا کو ترک کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ۳ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت برطانیہ میں عیسائیوں کے دو فرقوں میتھوڈسٹ اور پروٹسٹنٹ کی مجموعی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو چکی ہے۔ گزشتہ ۵ برسوں میں ساڑھے تین سو گرجا گھر بند ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اس دوران ۳۱۴ مساجد کا اضافہ ہوا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق برطانیہ کے کل ۱۵ لاکھ مسلمانوں میں نو مسلموں کی تعداد ۲۰ ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے اور مبصرین کا خیال ہے کہ آئندہ ۲۰ برسوں میں یہاں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد موجودہ مسلم تارکین وطن کی تعداد سے تجاوز کر جائے گی جن کی تعداد ۱۵ لاکھ ہے۔

فحاشی کا عذاب ایڈز

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی

حمد وستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔
ایک حدیث میں نبی کریم سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لم تظهر الفاحشة في قوم قط، حتى يعلنوا بها الآ فشا فيهم لطاعون، والاوجاع التحالم تكن مضت في اسلافهم الذين مضوا۔

''جب بھی کسی قوم میں فحاشی کا رواج بڑھتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گذرے ہوئے اسلاف کے زمانے میں موجود نہیں تھیں۔''

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۴۰۱۹، باب العقوبات)

آج دنیا میں نئی سے نئی بیماریاں سامنے آرہی ہیں، بہت سی بیماریاں تو ایسی ہیں، جن کا پہلے نہ کوئی تصور تھا، نہ ان کا نام کہیں سنا گیا تھا، اور بہت سی ایسی ہیں کہ پہلے کہیں اکا دکا کسی کو ہو جائیں تو ایک انہونے عجوبے کی طرح ان کا شور مچ جاتا تھا۔ لیکن آج وہ بستی بستی پھیل گئی ہیں اور ان میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ ان تمام ہی بیماریوں کو مذکورہ بالا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ دنیا میں جس رفتار سے فحاشی بڑھ رہی ہے، اسی رفتار سے ان بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ابھی تک اس بیماری کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا، بڑی کدوکاوش کے بعد جو چند دوائیں ایجاد ہوئی ہیں وہ صرف عارضی تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے عوارض

کی مدت میں وقتی افاقہ ہوجاتا ہے، لیکن مرض ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں سے بعض دوائیں کچھ اور پیچیدگیاں پیدا کردیتی ہیں۔ جن میں خون کی بے حد کمی اور غشی وغیرہ داخل ہیں۔ بعض دواؤں کے استعمال کے دوران ہر ہفتے مریض کے جسم کا سارا خون تبدیل کرنا لازمی ہوتا ہے۔

دوسری طرف یہ عارضی اور وقتی علاج بھی اس قدر مہنگا ہے کہ امریکہ میں ایڈز کے مریضوں کی دیکھ بھال پر آنیوالے اخراجات کا تخمینہ دس کروڑ ڈالر سے زیادہ ہے اور اندازہ یہ ہے کہ اخراجات ۱۹۹۱ء تک ایک ارب چار کروڑ ڈالر سالانہ تک پہنچ جائیں گے۔ (ٹائم کا مذکورہ شمارہ، صفحہ ۲۸، کالم ۲)

ایک اور تحقیق کے مطابق امریکہ میں ایڈز کے دس مریضوں کے علاج پر چار لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا خرچ آتا ہے۔ یہ رقم افریقی ملک زائر کے سب سے بڑے اسپتال کے پورے سال کے بجٹ سے بھی زائد ہے۔ (ص ۲۲، کالم ۲) اس طرح ایڈز کی اس بیماری میں مبتلا ملکوں کے لئے ایک معاشی چیلنج بھی بنتی جارہی ہے۔

اس بیماری سے حفظ ماتقدم کا بھی کوئی یقینی طریقہ دریافت نہیں ہوا، امریکی محکمہ صحت کے مطابق ''ہر وہ شخص جو کسی نئے ساتھی کے ساتھ جنسی عمل میں مشغول ہو، یا کسی ایسے پرانے ساتھی کے ساتھ جس کا ماضی نامعلوم ہے، ایڈز کے خطرے کا شکار ہے۔ (ص ۲۵، کالم ۲)

امریکی معاشرے میں بلا امتیاز جنسی تعلقات کا جو گھناؤنا سیلاب اُمڈا ہے، اس کی بنا پر بسا اوقات شوہر اور بیوی کو بھی ایک دوسرے کا ''جنسی ماضی'' معلوم نہیں ہوتا۔ ''ایڈز'' کی وہ مہلک بیماری ہے جس کا چرچا آج کل اخبارات ورسائل میں بکثرت ہوتا رہتا ہے۔ یوں تو اس بیماری میں یکا یک وزن گھٹتے جانا، بخار، دست وغیرہ کی علامات نمایاں ہوتی رہتی ہیں، دماغ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس بیماری کی خوفناک ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مریض کے جسم سے ہر قسم کی قوت مدافعت ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد خفیف سے خفیف بیماری کا بھی اس میں تحمل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سا عارضہ بھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بیماری میں مبتلا ہونے کو

موت کا پیغام سمجھا جاتا ہے۔ اس بیماری کا کوئی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔ اور اطباء اب تک کی تحقیق وجستجو سے جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس بیماری کا سب سے بڑا سبب رگ کے انجکشن کے ذریعے منشیات کا استعمال اور جنسی اختلاط کی کثرت ہے اور یہ یا تو ہم جنسی (غیر فطری عمل) سے پیدا ہوتی ہے، یا ایسے مردوں کو لگتی ہے جو کسی امتیاز کے بغیر زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہوں۔ نیز ایسی عورتوں کو جو زیادہ مردوں سے جنسی تعلق استوار کرتی ہوں۔

جب سے امریکہ میں یہ بیماری پیدا ہوئی ہے، وہاں کے اخبارات و رسائل میں اس موضوع پر ایک کہرام مچا ہوا ہے۔ ان کے تقریباً ہر دوسرے تیسرے شمارے میں ''ایڈز'' کی خبریں، اس پر تبصرے اور اس سلسلے میں لوگوں کے تاثرات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ امریکی رسالہ ''ٹائم'' نے اپنی ۱۶ فروری کی اشاعت میں اس موضوع پر تین بہت مفصل مقالے شائع کیے ہیں اور ان کی اہمیت کے پیش نظر انہی میں سے ایک مقالے کے عنوان کو اپنے ٹائٹل پر جلی الفاظ میں چھاپا ہے۔

عنوان یہ ہے

''لرزہ خیز خطرہ''

''زیادہ مخلوط جنسی تعلقات رکھنے والے کس طرح ایڈز کے منہ میں جا رہے ہیں؟''

ایک مضمون ''ٹائم'' کی ایک خاتون ایسوسی ایٹ ایڈیٹر مارتھا سلیجس نے لکھا ہے اور دوسرا ایک ایسوسی ایٹ ایڈیٹر کلاڈیا والس نے لکھا ہوا ہے، ان دونوں نے یہ مضامین ''ایڈز'' اور اس کے اثرات کے ایک صحافیانہ سروے کے بعد لکھے ہیں۔ تیسرا مضمون مکائیل ایس سیرل کا ہے۔ جس نے افریقہ میں اس بیماری کی تباہ کاریوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان مضامین میں دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت امریکہ میں تیس ہزار سے زائد افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اٹلانٹا کے طبی مرکز کے مطابق جو لوگ بلا امتیاز مختلف افراد سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہیں، ان میں اس بیماری کی بناء پر اموات کی شرح ۱۹۸۶ء کے مقابلے میں دوگنی ہوگئی ہے۔ لیکن اس بیماری کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اس کا جرثومہ جسم میں داخل ہونے کے بعد ظاہری مرض کی شکل اختیار کرتے

کرتے مختلف افراد میں مختلف موتیں لے لیتا ہے۔ بعض ماہرین کے خیال کے مطابق یہ موت دس سال تک وسیع ہو سکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس جنسی عمل کے ذریعے بیماری کا جرثومہ جسم میں داخل ہوا، ضروری نہیں کہ اس کے بعد جلد ہی اس کے اثرات بیماری کی شکل میں ظاہر ہو جائیں، بلکہ بعض اوقات یہ اثرات دس سال بعد بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے محکمہ صحت کا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت امریکہ میں دس لاکھ سے زیادہ افراد ایڈز کے جراثیم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سے نوے فیصد افراد کو اپنے بارے میں اس ہولناک حقیقت کا علم بھی نہیں ہے۔

امریکہ کے علاوہ براعظم افریقہ میں بھی یہ بیماری تیزی سے پھیل رہی ہے اور افریقہ میں بیس لاکھ سے پچاس لاکھ کی تعداد ایڈز میں مبتلا ہو چکی ہے۔ امریکہ کے ''محکمہ صحت وانسانی خدمات'' کے سیکریٹری اوٹس باون کا کہنا ہے کہ ''اگر ہم بیماری کی روک تھام میں کوئی مؤثر پیش رفت نہ کر سکے تو آئندہ دس سالوں کے اندر دنیا کے کروڑوں افراد کے لئے ایک عالمگیر پیغام موت کا خوفناک اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔'' اور جان ہاپ کنس یونیورسٹی کے ماہر وبائی امراض بی فرینک پاک نے کہا ہے کہ ''بعض ملک اپنی آبادی کا ۲۵ فیصد حصہ اس وبائی مرض میں گنوا بیٹھیں گے۔''

اٹلانٹا کا طبی مرکز اس وقت ایڈز کے سدباب کے سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم ہے اور مارتھا مجلن نے اپنے مضمون میں اس کے ایک ذمہ دار افسر کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:

> ''ہم اپنے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں کئے ہوئے گناہوں کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ جب حالت یہ تھی کہ ایک رات آتی تھی تو کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر جنسی عمل کا ارتکاب ایک دل کش فیشن سمجھا جاتا تھا۔'' (ص ۲۵، کالم ۲۲)

بعض لوگ اب اس نہج پر سوچنے لگے ہیں اور اس صورتحال کا دیرپا علاج اسی میں سمجھتے ہیں کہ بلاامتیاز جنسی تعلقات قائم کر کے فطرت کے ساتھ بغاوت کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہئے۔

مارتھا مجلس لکھتی ہے:

''تاہم ہر سطح پر محکمہ صحت کے افسران اس بات کی وکالت کر رہے ہیں جو قریب قریب ایک سماجی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے، امریکی محکمہ صحت وانسانی خدمات'' کے سیکریٹری اوٹس آر بادن کہتے ہیں کہ ''طریق زندگی میں تبدیلی لانے کی ناگزیر ضرورت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ ۱۹۸۰ء کے مابعد کے امریکہ کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ ربع صدی میں جو جنسی انقلاب آیا تھا، اسے منسوخ کر دیا جائے۔'' (ص ۲۵، کالم ۱)

جن لوگوں کو بے امتیاز جنسی اختلاط کے نتیجے میں اپنے اندر اس بیماری کا شبہ پیدا ہو گیا ہے، اب وہ ہر جنسی عمل سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ بعض افراد نے اپنے اندر ایڈز کی بیماری موجود ہونے کی خبر سنتے ہی اس کی اذیتوں کے خوف سے خودکشی کر لی ہے۔ اٹلانٹا کا طبی مرکز جو ایسے لوگوں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے، اس میں صبح و شام ایسے لوگوں کے فون آتے رہتے ہیں۔ مرکز کی ڈائریکٹر میری ملیمنگ کہتی ہیں کہ:

''میں جنسی اختلاط رکھنے والی عورتوں میں شدید خوف کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جو اب باقی ماندہ زندگی میں تجرد اختیار کرنے کا فیصلہ کر رہی ہیں۔'' (ص ۲۵، کالم ۳)

ایڈز کا مہلک مرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتدائی تنبیہ ہے۔ اس صورت حال میں مغربی فکر و نظر سے متاثر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا آزادی فکر و عمل کے نظریہ نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر لا کر کھڑا نہیں کیا؟ حتیٰ کہ لندن کا لنگ بابت ماہ مارچ ۱۹۸۷ء میں بی بی سی کے میڈیکل پروڈیوسر کو ''ایڈز'' کے حوالہ سے واشگاف الفاظ میں خبردار کرنا پڑا:

''جب تک جنسی طرز عمل کو نہ بدلا جائے گا پوری کی پوری آبادیاں تباہی کے دہانے پر کھڑی رہیں گی۔''

مغربی ممالک میں خودکشی کے واقعات

سری لنکا سے ایک صاحب ہمارے دارالعلوم میں قرآن حفظ کرنے کے لئے آئے تھے، جب وہ حفظ کر چکے تو وہ پیرس میں مقیم ہوگئے اور اعلیٰ ترین امتحانات میں اعلیٰ ترین کامیاں اپنی ذہانت کی وجہ سے حاصل کیں اور اب وہاں تجارت کر رہے ہیں اور تبلیغ میں بھی سرگرم ہیں، چند سال پہلے ان کے ساتھ ایک ترکی مسلمان آئے تھے، انہوں نے بتایا کہ غیر مسلموں میں خودکشی کے واقعات بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور بتایا کہ فرانس میں ٹی وی کی سرکاری نشریات میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۹۹۱ء میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کا اوسط ہر پانچ منٹ کے بعد ایک خودکشی ہے۔ اب جب میں وہاں گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ پچھلے سال تمہارے فرانس میں کیا حال رہا؟ تو وہ کہنے لگے کہ پچھلے سال ۱۹۹۶ء میں ٹی وی نے سرکاری طور پر اس کے جو اعداد و شمار نشر کئے ہیں وہ یہ ہے کہ ستر ہزار خودکشیاں تو وہ ہیں جس میں خودکشی کرنے والے کامیاب ہوگئے اور بیس ہزار ایسے ہیں جنہوں نے خودکشی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکے بلکہ وہ پکڑ لئے گئے، جبکہ سترہ ہزار کی تعداد اس خودکشی کے علاوہ ہے جو لوگوں نے ایکسیڈنٹ کے ذریعے کی ہے۔ کیونکہ اس میں یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کس نے خودکشی کی ہے؟ اور کس کا واقعی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کو بے روزگاری نے ستا رکھا ہے یا کوئی مالی پریشانی یا فقر وافلاس ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہاں کے لوگوں کی مالی حالت تو بہت اچھی ہے لیکن بہت زیادہ تحقیق کے بعد اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں بے چینی ہے۔ لیکن اب یہی بے چینی چین کی تلاش میں انہیں اسلام کی طرف لا رہی ہے۔ وہاں کے مفکرین کہتے ہیں کہ اگر اپنی عمر بڑھانا چاہتے ہو اور صحت اور خوشی چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی مذہب تھام لو۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اب مذہب کی تلاش شروع ہوگئی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کونسا مذہب اختیار کیا جائے؟ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلام کو روشناس کرائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا عملی نمونہ لوگوں کو دکھائیں۔ جس سے لوگ کھنچ کر اسلام میں داخل ہوں۔

یورپ میں خودکشی کا رجحان

ہر پانچواں امریکی شدید ذہنی واعصابی صدمے کا شکار ہے۔ یا اس کے قریب پہنچنے والا ہوتا ہے۔ اس نتیجے کی بنیاد معقول شواہد اور تجزیے ہیں۔ ۱۹ سے ۷۹ سال کی عمر کے بالغ امریکیوں کا تجزیہ کیا گیا تو ان کی تعداد لاکھوں میں تھی اور یہ گیارہ کروڑ دس لاکھ امریکیوں کے نمائندے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں تین کروڑ انیس لاکھ مریضوں کا ذہنی علاج ہوا۔ ایک کروڑ امریکی شراب پینے کی وجہ سے مختلف بیماریوں کا شکار ہوئے۔

سویڈن میں خودکشی کرنے والے، شراب پینے والے اور ذہنی امراض کے شکار لوگ بہت بڑی تعداد میں ہیں، جبکہ قومی آمدنی، شرح تعلیم، روزگار اور سماجی تحفظ کے معیار کے لحاظ سے بھی یہ ملک سب سے آگے ہے۔

۱۹۶۷ء میں سویڈن میں ایک ہزار سات سو دو خودکشیاں رجسٹرڈ ہوئیں۔ ۱۹۶۶ء کے سال سے یہ اضافہ نو فیصد زیادہ تھا اور ۱۹۶۰ء میں تیس فیصد۔

۱۹۶۸ء میں عالمی ادارہ صحت نے مختلف ممالک کے درمیان خودکشی کی شرح کے تناسب کے گوشوارے جنیوا سے شائع کئے۔ اس فہرست میں پہلی آٹھ پوزیشنیں مغربی جرمنی، آسٹریا، کینیڈا، ڈنمارک، فن لینڈ، ہنگری، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ نے حاصل کیں۔

ان آٹھ ممالک میں مردوں کی فوتیدگی کی تیسری وجہ خودکشی ہے، جن کی عمر ۱۵ اور ۴۵ سال کے درمیان تھی، پہلی وجہ دل کی بیماریاں تھیں، اور دوسری وجہ کینسر کا مرض۔

یہ کہنا تو بہر حال ناانصافی ہوگا کہ یہ مظاہر صرف مغربی ثقافت کے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید تمدن نے جس صورت میں، جس جگہ بھی ترقی کی ہے اس کا نتیجہ بہر حال یہی برآمد ہوا ہے۔ امریکہ، جرمنی، برطانیہ یا سویڈن کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ جاپان کے متعلق بھی صحیح ہے، اگرچہ وہ دنیا کے نقشے میں دوسری سمت میں واقع ہے اور اس کا منطقہ بالکل الگ ہے۔ جاپان کے معاملے میں اعداد و شمار اگر کچھ الگ ہیں تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں معاشرتی روایات اور خاندانی نظام کسی حد تک باقی ہے۔

(اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش ص ۱۲۲ تا ۱۳۳ سے ماخوذ)

داستان عبرت

میں نے امریکہ جا کر کیا پایا کیا کھویا

میں اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کے لئے اپنی آپ بیتی بیان کر رہا ہوں تا کہ وہ عبرت پکڑیں اور پھونک پھونک کر قدم اٹھائیں۔ آج کل لوگوں کو امریکہ فوبیا ہو گیا ہے۔ ہر شخص امریکہ جانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ گرین کارڈ، جنت کارڈ سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ بھیڑ نہایت خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ لوگ اپنی نوخیز اور نوجوان لڑکیوں کو اس آزاد عریاں اور بارونق سرزمین پر لے جاتے ہیں۔ میرے بعض غیر محتاط اہل وطن اپنی بیویوں کو وہاں لے جا کر ان کو نوکریاں کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ان کی بیٹی یا بیوی غلط راہ اختیار کر لے تو سر پکڑ کر روتے ہیں۔ یاد رکھئے امریکہ میں ایسی لڑکی یا عورت کا بھٹکنا بہت آسان ہے جس کے ذہن میں تھوڑی سی بھی آزادی یا خود مختاری کی خو ہے۔ میں بھی اسی آزاد معاشرے کا مارا ہوا بدقسمت آدمی ہوں۔ آج میں گرین کارڈ ہولڈر ہوں۔ مگر میرے خسارے اور بدنصیبی کا اندازہ اس سے کریں کہ ایک سال قبل میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ہمراہ امریکہ گیا تھا مگر جنوری ۱۹۹۵ء کے تیسرے ہفتے میں تن تنہا پاکستان لوٹا۔ میرا وہاں دل نہ لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہاں کا ماحول میرے بچوں کی تربیت سازی میں مانع ہوگا اور خاص طور پر میری بڑی بیٹی جس کی عمر ۱۴ سال ہے اس کے لئے سم قاتل ثابت ہوگا۔ نیز میں نے دیکھا کہ میری بیوی کی فرمانبرداری اور شوہر پرستی میں بھی فرق آ رہا ہے۔ میں نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا مگر میرے بیوی بچوں نے واپس پاکستان آنے سے انکار کر دیا۔ میں نے بیوی پر زور دیا تو اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔

میں کراچی میں کمپیوٹر ایجوکیشن کی تدریس اور اردو کمپوزنگ کا ذاتی کاروبار کرتا تھا۔ اپنا مکان تھا، اپنی دکان تھی۔ مالی حالت تو بہت زیادہ قابل رشک نہ تھی مگر میں مطمئن تھا۔ دس بارہ ہزار ماہوار آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ میرا چھوٹا بھائی جو پندرہ

سال قبل امریکہ گیا تھا۔ امریکی نیشنل ہے اس نے سات آٹھ سال پہلے نقل مکانی (امیگریشن) کے لئے امریکہ میں میرا کیس داخل کیا تھا۔ ۱۹۹۳ء میں میرے کاغذات آگئے تھے۔ لیکن میں ذاتی طور پر امریکہ جانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ جبکہ میری بیوی کو جانے کا انتہائی شوق تھا۔ اسی شش وپنج میں، میں نے امریکی قونصل خانہ میں ایک سال کی توسیع کی درخواست دے دی۔ ۱۹۹۴ء میں میری بیوی کا اصرار ہو گیا کہ گرین کارڈ کی حصولیابی کے موقع کو ضائع نہ کرو۔ ادھر بھائی کا بھی امریکہ سے خط آیا کہ پاکستان کے سیاسی حالات دن بدن مخدوش ومنتشر ہو رہے ہیں، نیز یہ کہ بچوں کی تعلیم وہاں اچھی ہو جائے گی۔ تم فوراً امریکہ آجاؤ۔ چنانچہ میں نے جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اپنی کار بیچی، چلتا ہوا کاروبار فروخت کیا اور اپریل ۱۹۹۴ء میں امریکہ (نیویارک) کی سرزمین پر قدم رکھا۔ مجھے معاشی طور پر کچھ زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نیویارک میں مجھے ایک اردو اخبار پاکستان پوسٹ میں پونے تین سو ڈالر ہفتے کی نوکری مل گئی۔ بھائی بروکلین کے علاقے کناریسی میں رہتا تھا۔ ہم شروع میں اسی کے ساتھ رہائش پذیر ہوئے۔ اس نے ہر طرح ہمارا خیال رکھا۔ مگر اس کی بیوی ڈورین بلیک امریکن ہے۔ اس لئے ہمیں وہاں رہتے ہوئے ایک جھجک اور تکلف سا رہتا تھا۔ لہٰذا ہم نے جلد ہی اپنے کرائے کا ایک چھوٹا مکان کوئنز کے علاقے جیکسن ہائٹس میں لے لیا۔ اس مکان میں آنے کے بعد مالی پریشانی بڑھ گئی کیونکہ امریکہ میں رہائشی مسئلہ سب سے بڑا مالی بوجھ ہوتا ہے۔ مکان کا ماہانہ کرایہ مع بجلی وگیس ۶۲۵ ڈالر تھا۔ میں نے بیوی کو کفایت شعاری کا درس دیا اور کم میں گذر کرنے کی تلقین کی۔ مگر اس نے ایک نہ مانی۔ نت نئے جوڑے بناتی رہی۔ میک اپ کے سامان کا ڈھیر لگا دیا۔ میرے اوپر اقتصادی بوجھ بڑھا تو ایک دن کہنے لگی۔

میں تمہارا معاشی سہارا بنوں گی۔

کیا مطلب؟

مجھے یہ پسند نہیں کہ عورت نوکری کرے اور وہ بھی امریکہ میں۔

غرض اس کی ضد کے آگے میری ایک نہ چلی۔ مجھے ایک دن معلوم ہوا کہ اس

نے میری مرضی کے خلاف ایک ریسٹورنٹ میں جاب کرلی ہے۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جاب سے آئی تو میں نے سخت سست کہا۔ اس نے چرب زبانی اختیار کی۔ میری ڈانٹ ڈپٹ کے جواب میں اس نے پولیس کو فون کرنے کی دھمکی دی۔ مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ پاکستان نہیں ہے امریکہ ہے۔ یہاں مرد کی بہ نسبت عورت کو حقوق حاصل ہیں۔ دوسرے دن میں نے سمجھانے کے انداز میں اپنی بیوی سے پاکستان چلنے کے لئے کہا۔ اس نے کھرا جواب دیا کہ ''تم کو جانا ہے تو چلے جاؤ میں تو یہیں رہوں گی...... زیادہ دھونس جماؤ گے تو طلاق لے لوں گی۔''

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور یہ کہ بچوں نے بھی میرے ساتھ پاکستان جانے سے انکار کردیا۔ امریکہ میں میرا دم گھٹا جارہا تھا۔ رہ رہ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا کہ ناحق امریکہ آیا۔ آخر جنوری ۱۹۹۵ء کے وسط میں تقریباً ایک برس امریکہ رہ کر وطن واپس آگیا۔ ہماری پندرہ سالہ پرانی شادی کا یہ انجام ہوا۔ امریکہ جاکر وہ آپے سے باہر ہوگئی۔ پرانے رشتے ناطے سب بھلادیئے اور نئی سرزمین کی مدہوش کن رونقوں میں کھوگئی۔ نسوانی آزادی کی پرفریب کشش نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کردیا۔ میری روک ٹوک اس کو ناگوار گذرتی، لیکن آخر کب تک حقیقت سے آشنا نہ ہوگی۔ ابھی تو ابتدائی معاملہ ہے۔ نئی زندگی کی نئی روشنیوں میں اس کی چکاچوند آنکھیں سحرزدہ ہوچکی ہیں۔ صرف ظاہری چمک دمک کو دیکھ رہی ہے۔ اس تہذیب کے پس پردہ چھپی ہوئی غلاظتیں اس کی نظروں سے اوجھل ہیں یا یہ کہیے کہ جان بوجھ کر اس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ وہ پچھتائے گی، سر پکڑ کر روئے گی، مگر جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔

مغربی دنیا میں مرد و زن کے مساوات کے نظریے نے اور وہاں کی نسوانی آزادی نے خاندان کے نظام کو تہہ وبالا کردیا ہے۔ یورپ و امریکہ کے دانشور اس کے ہولناک نتائج سے نہایت پریشان ہیں۔ وہ محسوس کررہے ہیں کہ اگر خاندانی ہیئت کے نظام کو انتشار سے نہیں بچایا گیا تو اس کا نتیجہ لازماً سلطنت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جس گوشت پوست سے مرد بنا ہے اسی گوشت پوست سے عورت

بنی ہے۔ دونوں یکساں قدر و منزلت رکھتے ہیں لیکن طریق پیدائش کی ظاہری یکسانی کے باوجود آخر عورت، عورت ہے اور مرد، مرد، دونوں کے جسم کی ساخت الگ الگ ہے۔ دونوں کے مشاغل اور دلچسپیاں مختلف ہیں۔ دونوں کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں بھی جدا گانہ ہیں اور اسی لئے عورت و مرد کے فرائض کا حدود اربعہ بھی الگ الگ ہے۔ عورت کو دفتر، کلبوں اور ہوٹلوں میں لا کر اور اس پر معاشی ذمہ داری کا بوجھ ڈال کر ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ ظلم کیا ہے۔ آپ مغربی عورت کی ظاہری وضع قطع پر نہ جائیں اس کے چہرے پر بکھری میک اپ کی فضولیات کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کریں۔ اس کی معاشرتی زندگی کا تجزیہ کریں تو آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ۷۵ فیصد عورتیں پریشان، غیر مطمئن اور عدم تحفظ کے احساس کی ماری ہیں۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے بیشتر پاکستانی بہنیں، بھائی وہاں جا کر امریکی معاشرے سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بغیر نتائج جانے وہاں کی تہذیبی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔ (جسارت)

صداقت اسلام کا عظیم الشان مظاہرہ

شیخ احمد دیدات اور امریکہ کے بشپ اعظم کے درمیان مناظرہ

شیخ احمد دیدات اور جمی سواگرٹ کے درمیان ۳ نومبر کو امریکہ کی لویزیانا یونیورسٹی میں ہونے والے مناظرے میں شیخ احمد دیدات کی کامیابی کی مختصر خبر تکبیر کے گذشتہ شمارے میں اس وقت تک موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق شائع ہو چکی ہے۔ اس کی مزید تفصیلات جو روزنامہ الاتحاد ابوظہبی کے ۱۷ نومبر کے شمارے سے ماخوذ ہیں ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ الاتحاد کو یہ تفصیلات جامعہ لویزیانا میں بسلسلہ روزگار مقیم ڈاکٹر نجیب حسین نے فراہم کی ہیں۔ اخبار کے مطابق ''کیا بائبل کلام الٰہی ہے؟'' کے موضوع پر اس مناظرے کا آغاز جس کی دھوم ہفتوں سے مچی ہوئی تھی، ۳ نومبر کو شام چھ بجے لویزیانا یونیورسٹی کی سب سے بڑی سماعت گاہ میں ہوا۔ وقت مقررہ تک ہزاروں عیسائیوں، مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والے حاضرین سے اجتماع گاہ کھچا کھچ بھر چکی تھی۔

جمی سواگرٹ چونکہ امریکہ کا بشپ اعظم اور مبلغ ہے، کئی کتابوں کا مصنف ہے مناظرے اور گفتگو کے فن کا ماہر ہے، ہر اتوار کو تین گھنٹے امریکی ٹیلی ویژن پر اس کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے، لہٰذا ذہنوں پر اس کی علمیت اور لیاقت کا سحر طاری ہے۔ اس لئے عام تاثر یہ تھا کہ شیخ دیدات کے لئے یہ مقابلہ نہایت کٹھن ثابت ہوگا، یہی سبب تھا کہ مسیحی سامعین بہت پُر اعتماد اور مطمئن نظر آ رہے تھے اپنا اپنا مؤقف پیش کرنے کے لئے مناظرین میں سے ہر ایک کے لئے ۳۰ منٹ کا وقت مقرر تھا۔

مناظرے کا آغاز جمی سواگرٹ نے جارحانہ انداز میں ان الفاظ سے کیا کہ:

''میں ابتداء میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور نہ محمد اللہ کے نبی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ اسلام کے بارے میں اس نے بہت زیادہ نہیں پڑھا ہے اور اس معاملے میں اس کی معلومات سطحی نوعیت کی ہیں۔ اس طرح

بیک وقت جارحانہ اور دفاعی انداز اختیار کرتے ہوئے وہ اصل موضوع پر آیا یعنی یہ کہ ''بائبل اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟'' شیخ دیدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا: ''میں نے اس شخص کی کتاب پڑھی جس کا نام ''کیا بائبل کلام الٰہی ہے؟'' مجھے توقع تھی کہ اس میں مضبوط دلائل کی بنیاد پر بات کی گئی ہوگی لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا اس کے بعد اس نے عیسائیت کے نقطہ نظر سے انجیل کے کلام الٰہی ہونے کے حق میں بعض دلائل اور اپنی تائید میں چند آراء پیش کیں پھر اس نے شیخ دیدات کی مذکورہ بالا کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہ اس میں کہا گیا ہے کہ بائبل پہلی بار شاہ جیمز کے زمانے میں ۱۶۱۱ء میں طبع ہوئی اور یہ اپنے سے پہلے کی بائبلوں سے مختلف تھی اس موقع پر بائبل کے تمام سابقہ نسخے نذر آتش کر دیے گئے، سواگرٹ نے کہا کہ یہ بیان گمراہ کن ہے، موجودہ انجیل بالکل درست ہے اور شاہ جیمز نے اس کا صحیح ترین نسخہ طبع کرایا تھا۔

اس کے بعد اس نے کوئی علمی دلیل دینے کے بجائے عیسائی سامعین کی نفسیات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''حاضرین کرام! اگر انجیل واقعی اللہ کا کلام نہیں ہے جیسا کہ اس شخص کا دعویٰ ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دنیا کے کروڑوں عیسائی تباہ و برباد ہو گئے اور گرد و غبار بن کر ہوا میں اڑ گئے۔'' اس کے بعد اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' ہونے کے مسیحی عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ''مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور اس معاملے میں بالکل منفرد ہیں۔ وہ فرشتوں کو حکم دیا کرتے تھے۔'' جمی سواگرٹ نے اس مرحلے پر جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''اے مسلمانو! اگر تم کہتے ہو کہ بائبل اللہ کا کلام نہیں ہے تو ہم بھی کہتے ہیں قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود تمہارے ہاں یہ روایات موجود ہیں کہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور موجودہ قرآن وہ ہے جو عثمان بن عفان کے عہد میں لکھا گیا اور ان کے حکم پر اس وقت موجود قرآن کے تمام نسخے نذر آتش کر دیے گئے'' اس نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج قرآن کے مختلف ترجمے مسلمانوں میں رائج ہیں امریکہ میں انگریزی کا سب سے مشہور ترجمہ یوسف علی کا ہے اس کے علاوہ مارماڈیوک

پکتھال کا ترجمہ بھی رائج ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک نہیں بلکہ مختلف قرآن موجود ہیں'' وقت پورا ہو جانے کے سبب اس مرحلے پر سواگرٹ کا بیان ختم ہو گیا۔

اب شیخ دیدات کی باری آئی جو اپنے ساتھ بائبل کے دس مختلف اور عیسائیوں کی جانب سے بیک وقت درست قرار دیے جانے والے نسخے سے لے کر آئے تھے اور اپنے ساتھ رکھ کر بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے کیا اور پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی:

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشترو بہ ثمناً قلیلا، فویل لھم مما کتبت ایدیھم و ویل لھم مما یکسبون • ﴿البقرہ: ۷۹﴾

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لئے موجب ہلاکت۔''

شیخ دیدات نے عربی میں یہ آیت پڑھنے کے بعد انگریزی میں اس کا ترجمہ بیان کیا جو ''کیا بائبل کلام الٰہی ہے؟'' نامی ان کی کتاب میں اصل عربی متن کے ساتھ درج ہے پھر کہا کہ بہتر ہوگا کہ ہم ابتداء میں اپنی گفتگو کی کچھ بنیادیں متعین کرلیں پھر ان کے ذریعہ کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کریں، انہوں نے کہا کہ وہ بنیادی باتیں یہ ہیں۔

○ کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تمام انبیاء و رسل اور ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش پر یقین نہ رکھتا ہو۔

○ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت سے عقائد مشترک ہیں، ان کے درمیان اصل اختلاف حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش کی تفصیلات اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دینے کے بارے میں ہے۔

ان بنیادی امور کو بیان کرنے کے بعد شیخ دیدات نے قرآن کے مختلف نسخوں کے بارے میں جمی سواگرٹ کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ قرآن تمام مسلمانوں کے درمیان ایک ایک حرف کی صحت کے ساتھ متفق علیہ ہے اور وہ آج بھی ٹھیک ان ہی الفاظ میں اور اسی عربی زبان میں دنیا بھر میں موجود ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا۔ قرآن کے سات قرائتوں پر نازل ہونے سے مراد وہ مختلف لہجے ہیں جو اہل عرب میں رائج تھے۔ ان میں الفاظ کا اختلاف نہ پہلے کبھی تھا نہ آج ہے۔ آج جو قرآن مسلمانوں کے درمیان موجود ہے وہ ٹھیک وہی نسخہ ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا۔ یہی نسخہ حضرت عثمان کے دور میں مروج تھا اور اسلامی ریاست میں مسلسل وسعت کی بناء پر قرآن میں ترمیم اور اضافے کے خدشے کا سدباب کرنے کے لئے ان لاکھوں صحابہ کی موجودگی میں، جن کی زندگیوں میں قرآن نازل ہوا حضرت عثمان نے ان کے مشورے سے ایک معیاری نسخہ تیار کرا کے اس کی نقول تمام مفتوحہ علاقوں میں تقسیم کرائیں۔ تاکہ وہ اپنی صحیح شکل میں محفوظ رہے۔ شیخ دیدات نے مزید کہا کہ جہاں تک انگریزی اور دوسری زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تعلق ہے تو یہ اصل قرآن نہیں قرآن کے معانی کا ترجمہ ہے۔ تمام مسلمان اصل قرآن ٹھیک ان ہی الفاظ میں جن میں وہ نازل ہوا، عربی زبان میں پڑھتے ہیں جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ اس سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں جو عربی نہیں جانتے وہ اپنی زبانوں میں قرآن کے تراجم کے ذریعے الفاظ قرآنی کے معانی سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اس لئے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں میں قرآن کے مختلف نسخے رائج ہیں۔

اب شیخ دیدات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ میں گذشتہ چالیس برس کے دوران بہت سے پادریوں اور عیسائی علماء سے پوچھ چکا ہوں کہ مسیح ''ابن اللہ یا ابن المولود اللہ'' یعنی خدا کے بیٹے تھے یا ''صنع اللہ'' یعنی خدا کی تخلیق کردہ تھے۔ اس سوال کا جواب مجھے ہمیشہ یہ ملا کہ مسیح ''ابن المولود اللہ تھے ''صنع اللہ'' نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ جواب پانے کے بعد میں ہمیشہ یہ پوچھتا رہا کہ ''دونوں

کے معنی میں کیا فرق ہے؟ لیکن کوئی بھی جواب دینے کے لئے اپنا منہ کھولنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ لیکن آج یہ امریکی پادری کہتا ہے کہ مسیح ''ولداللہ'' تھے جبکہ یہ بات صریحاً اللہ کی شان کی خلاف ہے توالد وتناسل وہ افعال ہیں جنہیں انسان اور حیوان انجام دیتے ہیں اللہ رب العالمین خالق اور صانع ہے وہ تخلیق اور صناعی کا کام انجام دیتا ہے توالد وتناسل کے وظائف کو اللہ سے منسوب کرنا اس کی شان میں کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے اس حیوانی فعل کو اللہ سے کس طرح نسبت دی جاسکتی ہے؟

سواگرٹ کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا جواب دینے کے بعد شیخ دیدات مناظرے کے اصل موضوع پر آئے اپنے سامنے رکھے ہوئے بائبل کے دس مختلف نسخوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ تمام نسخے اپنے مندرجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیک وقت مروج ہیں اب ہمیں بتایا جائے کہ ان میں سے ہم کسے سچا تسلیم کریں؟

انہوں نے مزید کہا کہ بائبل پہلی بار شاہ جیمز اول کے عہد میں ۱۶۱۱ء میں طبع ہوئی اور اس موقع پر اس سے پہلے کی بائبلوں کے قدیم نسخے بھی شامل تھے جو نذر آتش کردیئے گئے، اور اب ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے شیخ دیدات نے کہا کہ اگر معاملہ یہیں تک رہتا تب بھی غنیمت تھا لیکن اس کے بعد بھی بائبل میں ترامیم واضافے کا سلسلہ بڑے پیمانے پر جاری رہا چنانچہ ۱۹۵۲ء اور پھر ۱۹۷۲ء میں بائبل کے نئے اصلاح شدہ ایڈیشن منظر عام پر آئے اب ہمیں بتایا جائے کہ ہم ان میں سے کسے درست سمجھیں؟ جب ہم ان مختلف انجیلوں کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ تو ہمیں شدید باہمی اختلافات اور تضادات سے پُر نظر آتی ہیں اس لئے آخر ہم ان میں سے کس کو اللہ کا کلام قرار دیں؟

اس موقع پر شیخ دیدات نے یہ وضاحت بھی کہ بائبل سے عیسائیوں کے نزدیک وہ کتاب مراد ہے جو تورات اور انجیل کا مجموعہ ہے اور کتاب کے یہ دونوں حصے بالترتیب عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ دیدات نے علمی دلائل دیتے ہوئے کہا کہ بائبل میں تین قسم کا کلام موجود ہے ایک تو وہ جو بظاہر خدا کے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے اپنے

شاگردوں سے کی جانے والی گفتگو، انہیں دی جانے والی تعلیم اور ان کی طرف سے بیان کی جانے والی مثالوں اور حکایات پر مبنی ہے، تیسری قسم کا کلام وہ ہے جو کسی تیسرے شخص، کسی راوی یا کسی مؤرخ کا بیان نظر آتا ہے اور اسے کسی طرح بھی اللہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے باوجود دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بائبل اللہ کا کلام ہے جبکہ ہم مسلمانوں کے ہاں تینوں قسموں کے یہ کلام الگ الگ محفوظ ہیں۔ اللہ کا کلام قرآن کی شکل میں، رسول کی ہدایات و تعلیمات مجموعہ ہائے احادیث کی صورت میں اور راویوں اور مؤرخوں کے بیانات تاریخ کی کتابوں میں مدون ہیں۔

اب اپنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے شیخ دیدات نے کہا کہ اس کتاب میں جو بائبل کہلاتی ہے ایسی ایسی شرمناک عبارتیں موجود ہیں جنہیں کسی طرح اللہ کا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ بیانات اتنے فحش ہیں کہ انہیں کوئی آدمی اپنے گھر والوں، اپنی بیٹیوں اور بچوں کے سامنے پڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ مثلاً صحیفہ حزقی ایل ۲۳ واں باب لے لیجیے جس میں دو بدکار بہنوں کی حکایت، کلام الٰہی کے طور پر اتنے غلیظ اور فحش انداز میں بیان کی گئی ہے کہ ہمیں اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور ایک حیادار آدمی کے لئے اس کی تلاوت بھی مشکل ہے۔

شیخ دیدات نے اپنی جیب سے سو ڈالر نکالتے ہوئے کہا کہ اگر پادری سواگرٹ اس عبارت کو اس مجمع میں پڑھ کر سنا دیں تو میں یہ سو ڈالر دینے کو تیار ہوں، انہوں نے مزید کہا کہ اگر استطاعت ہوتی تو میں ان کی خدمت میں ایک ہزار ڈالر پیش کرتا لیکن میں ایک غریب انسان ہوں۔ شیخ دیدات کی اس پیشکش کے باوجود سواگرٹ نے اس عبارت کو پڑھنے کی جرأت نہیں کی، شیخ دیدات کے پیہم اصرار پر جمی سواگرٹ نے اس عبارت کو شکست خوردہ اور پست آواز میں بڑی خجالت کی کیفیت میں پڑھا، اس دوران انتہائی شرمندگی کی بناء پر تمام عیسائی سامعین اپنے چہرے اپنے ہاتھوں سے چھپاتے رہے اور سماعت گاہ میں کامل سکوت طاری رہا۔

اس کے بعد شیخ دیدات نے پوچھا کہ کیا یہی وہ کلام ہے جسے تم کلام الٰہی قرار دیتے ہو؟ کیا یہ الفاظ اللہ رب العالمین کے شایان شان ہیں؟ جمی سواگرٹ اس سوال کا

جواب دینے کی بجائے خاموش کھڑا رہا اور اس طرح اسلام اور عیسائیت کا یہ مناظرہ حق اور سچائی کی شاندار کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

مناظرے کے بعد عیسائی سامعین کو عام طور پر یہ اعتراف کرتے ہوئے پایا گیا کہ مسلمانوں کی جانب سے گفتگو بڑے علمی انداز میں اور مسکت دلائل کے ساتھ ہوئی، شیخ دیدات، سواگرٹ کی طرح لفاظی کے مظاہروں اور نفسیاتی حربوں کو اختیار کرنے کی بجائے موضوع پر پوری طرح جم کر بولے اور اپنی برتری تسلیم کرانے میں کامیاب رہے۔ اس تاثر کا عملی مظاہرہ اس طرح ہوا کہ سماعت گاہ کے باہر ہزاروں کی تعداد میں انجیل کے جو نسخے برائے فروخت رکھے گئے تھے بیشتر مسیحی سامعین نے اس سمت جانے کی بجائے نہایت دلچسپی کے ساتھ شیخ دیدات کی کتاب حاصل کی جس کا نام *IS THE BIBLE GOD'S WORD?* ہے

غیر مسلموں کو دعوت اسلام

سوال:...... کیا اسلامی دنیا نے تہذیب وثقافت کے حوالے سے دنیا کو عظیم الشان ورثہ دیا ہے؟

جواب:...... جی ہاں! دنیا میں جو تہذیب وثقافت، عدل وانصاف، معیشت وعمرانیات اور سیاسی ترقیات نظر آرہی ہیں ان سب کا مبداء اور آغاز قرآن کریم کی تعلیم سے ہوا۔ سب سے پہلے رب العالمین نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

> **اقراء باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقراء وربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○** ﴿پ ۳۰ العلق﴾

> ''اس رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے سب مخلوق بنائی انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا، سب سے زیادہ معزز اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ علوم سکھائے جنہیں وہ نہ جانتا تھا۔''

اس وقت تمام دنیا ظلم وستم کا شکار اور جہالت کے اندھیروں میں گمشدہ تھی

عرب جہلاء قتل و غارت، بے حیائی اور فحاشی، توہم پرستی کے علاوہ زندہ بچوں کو قبر میں دفن کر دیتے تھے بڑے چھوٹے کی پہچان اور اصول و قانون کی پاسداری نہیں تھی ہر طاقتور کمزور پر مظالم ڈھاتا تھا ان میں حکومت یا تہذیب و ثقافت کا تک تصور نہ تھا جبکہ اس وقت کی بین الاقوامی کسریٰ (ایران) اور قیصر (روم) جیسی سپر طاقتوں میں باہمی جنگ و جدال کے علاوہ امن و انصاف اور شرف و کمال کی کوئی چیز نہ تھی مظلوم دنیا سے اللہ نے اسی ظلم و ستم کے ازالہ اور عادلانہ انقلاب کے لئے قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مسلم قوم کو اٹھایا تو ظلم سے زبردست مقابلہ کے لئے حوصلہ یوں دلایا:

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین O ﴿آل عمران پ۴﴾

''کمزور نہ بنو اور غم نہ کرو تم ہی سب پر غالب آؤ گے اور اگر تم ایماندار ہو''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت سنائی کہ اللہ نے یمن میرے ہاتھوں فتح کر دیا کسریٰ اور روم کی حکومت اور خزانے بھی رب العالمین میری امت کے حوالے کر دے گا (لشکر فاروق ان کا فاتح ہے) نیز فرمایا میرا دین کوٹھی والے اور جھونپڑی والے (امیر و غریب سب) تک پہنچے گا (امن اتنا ہو گا) کہ دور دراز سے سونے سے لدی ہوئی عورت تنہا مدینہ آئے گی تو اسے بری نگاہ سے کوئی نہ دیکھے گا۔ خلافت راشدہ اور تاریخ اسلام نے یہ بشارتیں سچ کر دکھائیں۔ سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انسانی حقوق و عملی مساوات اور بے لاگ انصاف کا حجۃ الوداع میں چارٹ دیا۔ سنو! کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، کسی امیر کو غریب پر اور کسی ہاشمی سید کو غیر ہاشمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر یہ کہ وہ خدا پرستی اور پرہیزگاری میں اس سے افضل ہو گا یہی کچھ خلافت راشدہ کے بانی امام اول بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے خطبہ امارت میں فرمایا۔ تمہارا سب سے بڑا طاقتور میرے ہاں سب سے کمزور ہے اور سب سے کمزور بڑا طاقتور ہے میں طاقتور سے کمزور کو اس کا حق دلا کر رہوں گا۔ یہی عدل و انصاف فاتح کسریٰ و قیصر خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا تاج درخشاں ہے۔

فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ فرات کے کنارے اگر کوئی کتا بھوک سے مرجائے تو مجھ سے اس کا مواخذہ نہ ہوجائے (تاریخ اسلام) یہی مساوات اور اسلامی ثقافت مسلمانوں کے امیر ترین اور سخی خلیفہ سوم ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ کا طرۂ امتیاز تھا کہ اپنی دولت قرآن حکیم کے مطابق سب رشتہ داروں اور قومی خزانہ تمام رعایا پر تقسیم کرتے اور خود سادہ لباس پہنتے اور سادہ کھانا کھاتے ہیں اور رعایا میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا۔ یہی عدل وقانون کی بالادستی مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی پہچان ہے کہ قاضی کے فیصلہ پر اپنی زرہ یہودی کو دے دیتے ہیں اور وہ اسلام کی قانون نوازی دیکھ کر مسلمان ہو جاتا ہے، ایسی خلافت راشدہ اور بعد کی عادل مسلمان حکومتوں کے سایہ عدل میں دنیا کی اقوام نے پناہ لی آج نصف مسلم دنیا اسی کا شاہکار ہے۔ سائنسی اور مادی ترقی اور تہذیب وثقافت میں مسلمانوں کی خدمات بیسیوں ضخیم عربی انگریزی اردو کتب میں موجود ہیں۔

عہد خلافت راشدہ بنوامیہ بنوعباس اور آل عثمان ترکوں کی تمدنی ترقیات سائنسی ایجادات، عمرانی علوم فلکیات، علم ریاضی، طبعیات، حیاتیات، علم جغرافیہ، علم کیمیا، فن تعمیر، علم خطاطی، طب وجراحت، تاریخ نویسی، سیاسی استحکام میں کمال تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے اور مغربی اقوام نے خود مسلمانوں اور عربوں سے یہ علوم حاصل کرکے فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ میڈرڈ یونیورسٹی کی پروفیسر یہودا نے اعتراف کیا ہےکہ:

> ’’یورپ پر عربی تمدن کا احسان ہے جس سے مسلمان، عیسائی، یہودی یکساں مستفید ہوتے تھے انہوں نے بتایا کہ لوگ اب اس حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں کہ یورپ میں سائنسی اور عمرانی علوم کا سرچشمہ عربی تمدن ہی تھا جس کا اثر موجودہ تہذیب میں بھی پایا جاتا ہے۔‘‘

درخ پٹی فرانسیسی لغت اور ادب کی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:

> ’’ہمارے تمام علوم وفلسفہ، ریاضی، ہیئت جہاز رانی، آتش

گیر مادوں کی ترکیب، طب کیمیا کے سلسلے میں عربوں کے ہم پر احسانات ہیں بہت سی چیزوں کے اصل عربی نام تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ اب بھی محفوظ ہیں اور ان کی تعداد اتنی ہے کہ فرانسیسی زبان میں ان کا ایک بڑا مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔''

(بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ ۱۴ صدیاں ص ۳۱۴)

اب مسلمانوں کی مادی کمی کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا مسلمانوں کا اصل مطمح نظر آخرت ہے اور کفار کا صرف ترقی دنیا ہے۔ فرعون وہامان، نمرود وشداد ان باتوں میں ہوشیار اور ترقی یافتہ تھے وکانوا مستبصرین عادو ثمود وغیرہم دنیوی دانشور ہی تھے۔ نیز فرمایا یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا یہ لوگ بس ظاہر دنیا کی زندگی ہی جانتے ہیں وھم عن الاخرۃ ھم غافلون اور آخرت سے بے خبر ہیں۔

مومنین تو ہر دور میں حسب ضرورت یہ علوم وفنون حاصل کرتے رہے پھر ایک ملعون دشمن اسلام کے انگیخت پر ہلاکو خان تاتاری کے بغداد پر حملے نے مسلمانوں کو مفلوج کر دیا اور دریائے دجلہ ان کے خون سے اٹد کر ہر قسم کی دینی ادبی عمرانی اور سائنسی ثقافتی علوم کی کتب کے بہالے گیا پھر عہد صفوی میں ۴۰ لاکھ مسلمانوں کو ذبح کر کے ایران وعراق کو نئی تہذیبی اسٹیٹ بنا دیا گیا اور اسی دور میں مغلیہ مسلم ہندوستان کی تباہی نادر شاہ درانی کے ہاتھوں ۱۰ لاکھ مسلمانوں کے قتل عام کی شکل میں سامنے آئی تو ان دو حادثات کی وجہ سے مسلمانوں کی عمرانی اور سائنسی علوم کی طرف سے توجہ ہٹ کر باہمی جنگ و جدال میں مرکوز ہو گئی اور ہمارے علوم وفنون پر مغربی اقوام قابض ہو گئیں۔ مسلمان آج بھی اگر اپنے دوست اور دشمن کو پہچان لیں اپنی خودداری اور غیرت وشعور کو بیدار کریں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خلافت راشدہ کے نظم ونسق سے ایک مسلم قوم بننے کی کوشش کریں۔ ۵۴ مسلم ممالک اپنی اسلامی کونسل اور متحدہ بلاک بنائیں غیروں کی نقالی اور ان سے بھیک طلبی چھوڑ دیں تو یہ تہذیب وتمدن جو ان کا اپنا گمشدہ ورثہ ہے خود مختاری پھر ان کے قدم چومے گی۔

سوال:...... کیا اسلامی انتہا پسندی ترقی کی راہ میں مشکلات پیدا کر رہی ہے؟

جواب:...... ہرگز نہیں اسلام تو معتدل اور متوازن ہر قوم کے لئے مناسب حال کارآمد اور قابل قبول قواعد وضوابط کا نام ہے، رب العالمین کا ارشاد ہے:

''ظالم و بے انصاف لوگ بن سمجھے اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہیں اسے کون سمجھائے جسے اللہ بھٹکا دے ایسوں کا کوئی مددگار نہیں، پس آپ اپنا چہرہ صرف خدا کے دین پر سیدھا رکھیں یہی وہ فطرت اور بناؤ سنگار ہے جس پر اللہ نے سب لوگوں کو بنایا خدا کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں یہ مضبوط دین ہے لیکن اکثر لوگ (اپنی فطرت) نہیں سمجھتے۔'' (روم ع ۷ پ ۲۱)

جیسے ننگا کپڑے کا محتاج ہے، بھوکا خوراک کا، پیاسا پانی کا، مقیم مکان کا، مسافر سواری کا، مظلوم انصاف کا، جاہل ظلم کا، اور تھکا ماندہ آرام و نیند کا محتاج ہے یہ اس کی فطرت ہے اس کی اپنی ضروریات کا اس کے خالق نے بصورت اسلام آسان ترین زندگی گزارنے کا بندوبست کر دیا ہے، مگر اکثر لوگ شیطان یا اس کے پیروکاروں کا اتباع کرتے ہیں اور عیب سے پاک فطری زندگی سے منہ موڑ لیتے ہیں ورنہ اللہ تو ترقی اور بام عروج ہی پسند کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

''اگر وہ توراۃ وانجیل کا (اور اسی طرح اب قرآن وسنت کا) قانون رائج کرتے تو اپنے اوپر (آسمانوں) سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے (آسمان وزمین کے خزانے ان پر کھل جاتے) ان میں کچھ لوگ میانہ رو ہیں اور بہت سے لوگ برے کام کر رہے ہیں۔''

بس اب یہی خدا کے منکر و مخالف مادہ پرست عیاش چاہتے ہیں کہ جنگلی جانوروں کی طرح آوارہ زندگی گزاریں کسی عدل و قانون کے پابند نہ ہوں مہذب سوسائٹی میں آرام و سکون سے رہیں بس مار دھاڑ عیاشی و فحاشی سے لبریز دھوکہ اور جھوٹ سے بھرپور زندگی گزاریں کوئی قانون ان کو گرفتار نہ کرے اگر اسلام یا کوئی آسمانی معتدل قانون ان پر قدغن لگائے تو یہ عالمی میڈیا سے شور مچا دیں کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو گئی جمہوریت کے حقوق غصب ہو گئے ترقی کی راہ میں اسلام نے رکاوٹ ڈال

دی ہے وغیرہ وغیرہ۔

جب دنیا کا ہر قانون ہر مذہب ہر پولیس ایسے پاگل صفت جرائم پیشہ لوگوں کو گرفتار کر کے رہے گی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے قانون کی پابندی کراتے ہیں مجرموں کی ترقی کی راہ مسدود کرتے ہیں اور پبلک کو امن وامان کی راہ پر چلاتے ہیں یہی فطرت ہے کہ اپنے دانت ہاتھ اور اعضاء سے اتنا فائدہ اٹھاؤ کہ دوسرا زخمی نہ ہو ورنہ قانون حرکت میں آئے گا ارشاد ہے:

> "جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ بے انصاف ہیں۔" نیز فرمایا "جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حد شکنی کی اسے خدا آگ میں داخل کرے گا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اسے ذلیل کن عذاب دیا جائے گا۔"
>
> (پ ۴ ع ۱۴)

سوال:...... کیا مغربی تہذیب کے لئے اسلام خطرات کا ایک سلسلہ ہے؟

جواب:...... ہرگز نہیں اسلام سے خطرہ شیطان اور اس کے پیروکاروں کو ہے جس کا دشمن ہر آدمی ہے کیونکہ اسی نے حضرت آدم اور ان کی اولاد سے دشمنی کی اور خدا کے سامنے ڈٹ کر کہا کہ "اگر تو نے مجھے تا روز قیامت مہلت دی میں اس کی اولاد کی جڑیں کاٹوں گا سوائے چند افراد کے، اللہ نے فرمایا ان میں سے جو تیرے تابعدار ہوں گے تو تم سب کو جہنم میں بھرپور سزا دوں گا۔" (پ ۱۵ ع ۷)

مغربی اقوام اگر بالکل دہریہ اور اپنے انبیاء کرام کے دین کی منکر نہ ہوں اور شیطان کو اپنا دشمن اور برا جانیں تو اسلام کا خطرہ انہیں ہرگز نہیں کیونکہ جب وہ سب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو مانتے ہیں جنہیں خدا نے بڑا نیک کہا اور ان کی ملت پر چلنے کا حکم دیا یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کو خدا نے اپنا خالص نبی اور رسول بتایا ہے (پ ۱۶ مریم) مسیحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا ہادی مانتے ہیں جنہیں خدا نے اپنا رسول اور اس کا کلمہ کہا جسے مریم کے ... ڈالا اور روح اللہ ہیں پس تم اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ (پ ۶ ع ۴)

ہاں صرف اتنی بات ہے کہ ان تمام انبیاء کرام کی صداقت اور ان کی تعلیمات پر ایمان لانے کے باجود مسلمان اس کے پابند ہیں اور تمام قوموں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تاجدار ختم نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں جیسے ہر ملک کے باشندوں کو اپنے آئین و دستور کو ماننا اور وقت کے حاکم کی تصدیق کر کے اس کی فرمانبرداری کرنا لازمی ہے ورنہ وہ ملک کا غدار قرار پائے گا چنانچہ رب الانبیاء والمرسلین کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص بھی اسلام کے سوا کوئی اور (سابقہ لاحقہ) دین اپنائے گا ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔" (آل عمران پ ۳ ع ۱۷)

اب جبکہ خدا اور رسل کو ماننے والی ہم سب قومیں خدا کا قانون ماننے منوانے کی پابند ہیں تو برائی کی تمام اقسام کو مٹانا اہل مذاہب کا مشترکہ فریضہ ہے امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس وغیرہ مغربی اقوام نے اپنا فریضہ اصلاح معاشرہ چھوڑ کر الٹا اسلام کو اپنے لئے خطرہ کیوں بنالیا ہے جبکہ بے حیائی اور جنسی تسکین میں امریکی تین کھرب ۱۲۰ روپے (۸۰ ملین ڈالر) خرچ کرنے لگے ہر ہفتہ ۱۵۰ کے قریب فحش ویڈیو فلمیں ریلیز ہورہی ہیں ایک کمپنی نے گذشتہ برس ۵ لاکھ ویڈیو کیسٹ فروخت کیں ۲۶۵ ملین ڈالر آمدنی ہوئی امریکی صدر اس فحاشی کے خلاف جنگ میں شکست کھا گئے ہیں۔ (نیویارک جنگ فارن ڈیسک بحوالہ جنگ لاہور ۱۱ مارچ ۱۹۹۷ء)

سوال:...... کیا وجہ ہے کہ اسلام ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور افریقہ میں پھیل رہا ہے؟

جواب:...... ظاہر ہے کہ یہ اقوام اگرچہ ترقی یافتہ ہیں اور ان کو ہر قسم کی فراوانی حاصل ہے مگر وہ ذہنی سکون اور دل کی تسلی حاصل نہیں جو اللہ کی یاد سے اور اللہ والوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے ارشاد الٰہی ہے:

"راہ ہدایت خدا ان کو سمجھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کریں، یہ لوگ ایمان لائے اور خدا کی یاد سے ان کے دلوں کو چین ملا، سنو! خدا کی یاد سے ہی دلوں کو چین اور اطمینان ملتا ہے۔" (پ ۱۳ ع ۱۰)

یہ نعمت جسے مل گئی دنیا بھر کی مشقتیں اس پر آسان ہوگئیں گھر بار وطن اور اولاد سب کچھ کا چھوڑنا آسان ہے مگر دین نہیں چھوٹ سکتا۔ حضرت جعفر طیارؓ کی ہجرت حبشہ والی تقریر آپ کے دلوں کو اطمینان بخشے گی۔

''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسائیوں کو ستاتے تھے بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اسی اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے ناواقف نہ تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑیں، سچ بولیں، خون ریزی سے باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسائیوں کو آرام دیں، پاکدامن عورتوں پر داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں ہم اس پر ایمان لائے، شرک و بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال سے باز آئے اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اس گمراہی پر واپس آجائیں۔ شاہ حبشہ نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہیں سے پڑھو حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کہا خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں یہ کہہ کر سفراء قریش کو واپس کر دیا اور کہا میں ان مظلوموں کو واپس نہ دوں گا۔'' (سیرۃ النبی از علامہ شبلی)

بائبل اختلافات سے لبریز ہے

ماخوذ از کتاب اظہار الحق

بائبل غیر مستند و غیر الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے

مسیحیت کے ابتدائی دور میں مروجہ چار انجیلوں کے علاوہ اور بھی بہت سی انجیلیں موجود تھیں جنہیں قسطنطین اعظم اور تھوڈوڈیس بادشاہ نے جلا دینے کا حکم دیا جس کی بناء پر بہت سی انجیلیں جلا دی گئیں، اسی طرح ''لیون اول'' جو ۴۴۰ء سے ۴۶۱ء تک پوپ اعظم کے عہدہ پر رہا اس نے بھی اس قسم کی متروک اناجیل کو جلا دیا، مقدس ''جیروم'' کی کتابوں اور پوپ ''بے لارڈ'' کے محاکمہ سے بہت سی انجیلوں کا سراغ ملتا ہے۔ ''فیریس'' نے پچاس متروک انجیلوں کی کیفیت لکھ کر شائع کی، خود لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ:

''چوں کہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کا جو ہمارے درمیان واقع ہوئے ہیں ان کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے انہوں نے ہم کو پہنچایا۔''

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوقا کی انجیل سے پہلے بہت سے انجیلیں تالیف ہو چکی تھیں۔ جس طرح مسیحیت کے ابتدائی دور میں بہت سی انجیلیں تھیں اسی طرح حواریوں کی تبلیغی مساعی کے سلسلے میں اعمال رسول کے نام سے بہت سی کتابیں تھیں جیسے یوحنا کے اعمال، اندریاس کے اعمال، لوقا کے اعمال وغیرہ۔ اسی طرح ایک بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی بھی تھی جو حورایوں کی طرف منسوب تھے ۳۲۸ء تک منعقد ہونے والی کونسلوں نے ان مکتوبات و اعمال میں سے بعض کو کبھی کتاب مقدس سے خارج قرار دیا اور پھر کبھی دوسری کونسل میں ان کو کتاب مقدس میں شامل کر لیا، اوھیڑ بن کا یہ سلسلہ ۳۸۲ء تک چلتا رہا، لیکن ۳۸۲ء میں روم میں جو کونسل منعقد ہوئی اس نے موجودہ عہد جدید کے

پورے مجموعہ کو مستند تسلیم کیا اور پوپ گلاسیوس نے باضابطہ طور پر انہیں سند قبولیت عطا کی اس کے بعد مسیحی دنیا کے سواد اعظم نے ایک مکمل بائبل پر اتفاق کیا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ "بائبل" کو مستند قرار دینے کی وجہ اس کا الہامی ہونا نہیں ہے بلکہ مخالفین کے سامنے تعلیمات مسیح کے بارے میں زبردستی ثبوت فراہم کرنا ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انجیلوں اور اعمال رسول اور حواریوں کے خطوط کے انبار میں سے صرف انجیل متی ومرقس ولوقا ویوحنا، اور اعمال رسول لوقا، پولس کے چودہ خطوط اور یعقوب کا ایک خط پطرس کے دو خط اور یوحنا کے تین خط اور یہودا کا ایک خط اور مشاہدات یوحنا کے منتخب کرنے اور ان کو مستند تسلیم کرنے اور بقیہ اناجیل اور اعمال رسول اور خطوط کو غیر مستند قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ دراصل کلیسا اپنے لئے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ وہ مخالفین کے سامنے تعلیمات مسیح کا ثبوت فراہم کرے اور ثابت کرے کہ یہ تعلیمات ومعجزات حضرت مسیح کے ہیں۔ اس مدعا پر جب گواہی کی ضرورت پیش آئی تو کلیسا نے مرقس ومتی ویوحنا کو اپنے اعتقاد کے موافق اور قریب تر پا کر ان کی انجیلوں کو بھی قبول کر لیا، اور ان تمام انجیلوں کو کلیسا نے متروک قرار دیا جن سے تثلیث کی جڑ کٹتی تھی یا جو موسوی شریعت کی اطاعت کو لازم کہتی تھیں۔ کلیسا کے اس انتخاب میں کتابوں کے مضامین کے الہامی ہونے اور ان کے مؤلفین کے مامور من اللہ ہونے کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر الہامی ہونے کی بات ہوتی تو اس کے لئے ایک انجیل کافی تھی چند انجیلیں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ خدا کا خطاب عام ہوتا ہے، انبیاء سابقین پر بھی کوئی کتاب مکرر نازل نہیں ہوئی، ورنہ لازم آئے گا کہ (نعوذ باللہ) خدا کو ایک مرتبہ الہام کے بعد اطمینان نہیں ہوا تو اس نے پھر دوبارہ الہام کیا۔

بائبل کے الہامی ہونے کی مزید تردید

بائبل جس کے بارے میں عیسائی لوگ الہامی وآسمانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اختلافات وتضادات سے اس قدر لبریز ہے کہ خود عیسائی محققین ومفسرین بھی اس

کے اختلاف وتضادات کو تسلیم کرنے اور ایک عبادت کو درست اور دوسری کو جعلی اور من گھڑت قرار دینے پر مجبور ہیں چنانچہ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' میں ہے کہ:

''بہت سے مسیحی علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ تمام اقوال واحوال جو ''کتب مقدسہ'' (بائبل) میں موجود ہیں سب کے سب الہامی نہیں ہیں اور جو لوگ ''کتب مقدسہ'' (بائبل) کی تمام باتوں کے الہامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے پر قادر نہیں ہیں۔''

دیکھیے جو کتاب خود بعض مسیحی علماء کے نزدیک بالکلیہ الہامی نہیں ہے وہ اوروں کے نزدیک کیسے الہامی ہوسکتی ہے؟ جب کہ اس کے الہامی ہونے کے لئے ایک عظیم مانع بھی موجود ہے، اور وہ ہے بائبل کا اختلافات وتضادات سے غیر محفوظ ہونا۔

''بائبل'' کے اختلافات و تضادات کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اپنی کتاب ''اظہار الحق'' میں نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جن کی تعداد ۱۲۴ ہے۔ ہم یہاں پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب سے چند اختلافات وتضادات آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ ''بائبل'' میں کس قدر متضاد ومتناقض مضامین موجود ہیں، اور پھر اس کے اختلافات و تضادات پر نظر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ یہ کتاب الہامی و آسمانی نہیں بلکہ جعلی اور من گھڑت باتوں کا مجموعہ ہے۔

خدا کا الہام اختلافات وتضادات سے پاک ہوا کرتا ہے یہ عیب تو صرف غیر اللہ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

ولو كان من عند غير الله لو جدوا فيه اختلافاً كثيراً ٥

﴿پارہ ۵، رکوع ۷، آیت ۸۲﴾

نوٹ: واضح رہے کہ آگے جو اختلافات کے نمونے آرہے ہیں وہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' (عربی) سے ماخوذ ہیں (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) البتہ ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' سے لیا گیا ہے جو مکمل اظہار الحق کا اردو ترجمہ ہے اور مفید حواشی پر مشتمل ہے۔

چاروں انجیلوں کے چند مجموعی اختلافات

پطرس کا انکار، اختلاف نمبر ۱

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار کے سلسلے میں آٹھ لحاظ سے اختلاف کر رہے ہیں۔

۱:...... متی اور مرقس کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں، اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی روایت کے مطابق ایک باندی اور دو مرد تھے۔

۲:...... پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق ''پطرس'' مکان کے صحن میں تھا اور لوقا کے بیان کے مطابق مکان کے درمیان تھا، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں تھا، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر۔

۳:...... پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

۴:...... مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا جب کہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد۔

۵:...... متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔

۶:...... پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا۔ متی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ: ''میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے'' اور یوحنا کی روایت مطابق صرف ''میں نہیں ہوں'' تھا اور مرقس کی روایت کے بموجب ''میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے'' اور لوقا کے موافق ''اے عورت میں اس کو نہیں جانتا''

۷:...... متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا ''میں اس آدمی کو نہیں جانتا'' اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ ''میں

نہیں ہوں''، مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق ''میاں میں نہیں ہوں۔''

۸:...... کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

اختلاف نمبر ۲

پہلی تین انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۶ بجے کے قریب صلیب پر تھے اور انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اس وقت پیلاطیس بنطی کے دربار میں تھے۔

اختلاف نمبر۳ مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پکار

متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے کہ:

''تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا "ایلی، ایلی لما سبقتنی" یعنی اے میرے خدا، اے میرے اخدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟''

اور انجیل مرقس باب ۱۵ میں ہے کہ:

''الوھی، الوھی لما سبقتنی جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

اس کے برخلاف لوقا باب ۲۳ میں یہ الفاظ ہیں:

''اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں''

بائبل کی دیگر کتابوں سے چند اختلافات

اختلاف نمبر۱

سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ میں آیت: ۹ میں یوں ہے:

''یوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے جو شمشیر زن تھے، اور ''یہودا'' کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔''

اس کے برخلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱، آیت ۵ میں ہے:

''یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ

شمشیر زن مرد، اور یہوداہ کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے۔''

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر کرتی ہیں۔ بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ اور یہوداہ کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت پایا جاتا ہے۔

اختلاف نمبر ۲

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ میں اس طرح ہے کہ:

''سو جاد نے داؤد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کہ کیا تیرے ملک میں سات برس قحط رہے؟''

اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ میں آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ:

''یا تو قحط کے تین برس''

دیکھئے عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے۔

۲۲ برس یا ۴۲ برس؟ اختلاف نمبر ۳

کتاب ''سلاطین ثانی'' باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:

''اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔''

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:

''اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔''

دیکھئے دونوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیوں کر نہ ہو، جب اس کے باپ ''یہورام'' کی عمر بوقت وفات کل چالیس سال تھی، اور اخزیاہ اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد تخت نشین ہو گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے۔

آٹھ یا اٹھارہ ؟ اختلاف نمبر ۴

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے کہ:

"یھویا کین" جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا۔"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:

"یھویا کین" آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔"

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے، چنانچہ اس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے۔

کیا مصریوں کے سب چوپائے مرگئے تھے؟ اختلاف نمبر ۵

کتاب خروج باب ۹ میں ہے:

"اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب میں اس کے خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"سو فرعون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا، اور جنہوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا انہوں نے اپنے نوکروں او چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا۔"

ملاحظہ کیجئے کتنا زبردست اختلاف ہے۔

عیسائیت کے عقیدہ کفر

اس قسم کے بے مثال اصول باعث قبول اسلام ثابت ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ کشش اسلام کے ماسوا عیسائیوں میں کچھ متلاشیان حق نے میسحیت سے اپنی بیزاری کے اسباب بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے ان کی تحقیق نے جو میسحیت میں نا قابل فہم اور لا ینحل عقیدے معلوم کئے وہ حسب ذیل ہیں۔ قارئین کرام ان پر تعصب کی عینک اتار کر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پھر نتیجہ نکالیں۔

۱:...... ''دنیا کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے ایک پیغمبر خدا (حضرت مسیح) سولی چڑھ جانے کو ماننے کے لئے میری روح رضامند نہ ہوئی۔''

(لارڈ ہیڈلے انگلینڈ)

۲:...... ''(الف) خدا کی تشکیل تین عناصر (خدا، مسیح، روح القدس) پر ہے جسے تثلیث کہا جاتا ہے۔

(ب) خدا اور انسانوں کے درمیان پادریوں کا توسّل ضروری ہے۔

(ج) پوپ کی ہستی معصوم ہے۔

ان عقائد کے تسلیم کرنے سے میرے ذہن نے قطعی انکار کر دیا۔''

(ویلا جزسکی، پولینڈ)

۳:...... ''اس عقیدہ نے کہ انسان برے کام کرنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی سے نجات پالے گا مجھے قائل نہ کیا۔''

(مسٹر فریک امریکہ)

۴:...... ''مسیح مذہب میں تین خدا کے متعلق تثلیث کے تصور نے میرے ذہن کو مطمئن کرنے میں کامیابی حاصل نہ کی۔ (سر آر جی ہملٹن)

۵:...... ''خدا کی ہستی کو مختلف عناصر میں تقسیم کرنا خدا کی ذات کے منافی ہے۔ اس کی تقسیم یا اس کے اختیارات میں شرکت کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا۔" (مسٹر ڈوڈلارائٹ، انگلستان)

۶:...... "اسلام کی اس تعلیم سے واقف ہو کر میں بالکل حیران ہو گیا جو کہ اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دی ہے۔ برخلاف اس کے عیسائی لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے نہ صرف حضرت عیسیٰ کے عظیم نبی ہونے کی تصدیق کی ہے بلکہ ان بہتانوں کی تردید کی ہے جو کہ یہودیوں نے ان پر اور ان کی والدہ پر لگائے۔"

(مسٹر البرٹ، آکسفورڈ، انگلستان)

۷:...... "یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ خدا نے تمام گناہوں کے بدلے اپنے بے گناہ بیٹے عیسیٰ کی قربانی قبول کر لی، اس کو پھانسی دلوائی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی جان لے کر بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اب عیسائی چاہے کیسے ہی برے کام کریں وہ جنت میں جائیں گے، اسی وجہ سے مجھے عیسائی مذہب سے نفرت ہو گئی۔" (مسٹر ویب سٹر، لندن)

۸:...... "مسیحی مذہب میں ذریعہ نجات خدا نہیں چرچ ہے، رومن کیتھولک عیسائی چرچ کے بڑے پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں پھر پادری گناہ معاف کر دیتا ہے میں نے معلوم کیا کہ اسلام میں گناہ معاف کر دینے کا کام خدا کے اپنے اختیار میں ہے۔ یہ بات مجھے مدلل معلوم ہوئی۔ پھر مسیحی مذہب میں حضرت مسیحی علیہ السلام کو ابن اللہ مانا جاتا ہے یہ ایک عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود بھی کبھی ایسا نہیں کہا، البتہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔" (موسیو جیکب، فرانس)

۹:...... "عیسائیت نے مجھے یہ تعلیم دی کہ سوائے حضرت مسیح کے کسی نبی یا پیغمبر کو نہ مانا جائے، برخلاف ازیں اسلام ایک واحد مذہب ہے جس

نے نہ صرف تمام نبیوں اور پیغمبروں کی تصدیق کی بلکہ مساوی احترام کا حکم دیا ہے یہ اسلام کی رواداری کی ایسی مثال ہے جو کہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، اس لئے میں اسلام کی قائل ہوگئی۔''

(مس۔جے۔پی۔ڈراوان گرن، ہالینڈ)

۱۰:...... ''خدا نے حضرت عیسیٰ کو اس لئے سولی پر چڑھا دیا کہ ساری دنیا کی گناہ دھو دیئے جائیں۔ میری سوچ بچار اس تعلیم کا راستہ روکتی تھی خدا تعالیٰ کا یہ کیا انصاف ہے کہ ایک بے گناہ ہستی کو گنہگاروں اور سیاہ کاروں کے بدلے موت کے گھاٹ اتار دیا۔'' (مسٹر شبلی، مغربی جرمنی)

۱۱:...... ''مسیحی عقیدہ کی رو سے جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ گناہوں سے پاک نہیں ہوتا، اس طرح دنیا میں آنے والا ہر شخص گنہگار ہوتا ہے، گناہوں میں زندگی بسر کرتا ہے، ان کی نجات کا دارومدار پادریوں پر ہوتا ہے، میرا دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتا تھا، میرے خیال میں اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو نہ صرف انسان کو پیدائشی طور پر بے گناہ ہونے کا یقین دلاتا ہے بلکہ اس کے نیک اعمال کی بنیاد پر اسے نجاتِ اُخروی کی خوشخبری دیتا ہے۔'' (مسز میری اولو، انگلینڈ)

۱۲:...... ''ہم عیسائی تمام دنیا میں پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں لیکن مسلمان عیسائیت کی مخالفت کے باوجود نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرتے ہیں، بلکہ اس اعتراض کی تردید کرنے میں بھی پیش پیش رہتے ہیں جو یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق کیا جاتا ہے اس لئے عیسائیت کے مقابلے میں اسلام زیادہ صلح کن مذہب ہے اس کے ساتھ ہی اس معاملہ کا ایک اور پہلو بھی میرے سامنے آیا کہ ہم عیسائی مباحثوں میں اس امر کا حوالہ دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ ہم عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

متعلق اسلام کی شہادت معتبر سمجھتے ہیں لیکن شہادت کے قانون کے مطابق ہم ایک ہی گواہ کی ایک بات کو صحیح مانتے ہوئے دوسری کو غلط قرار نہیں دے سکتے۔

اس لئے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسلام کی تصدیق قابل قبول ہے تو خود اپنے متعلق اسلام کے تمام دعوے بلاشبہ سچے اور قابل اعتبار ہیں۔ پس میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اسلام امن، اور عافیت کا داعی ہے وہ زندگی کا ضابطہ پیش کرتا ہے جس پر چل کر انسان دین و دنیا میں سُرخرو ہو سکتا ہے۔ (مارس لیبر، فرانس)

یہ ہے ہندو مذہب

مذہب، بھارت میں زندگی اور ثقافت کا بنیادی پتھر ہے ڈھائی ہزار سال سے زیادہ ہوئے یہ ملک زندگی سے کنارہ کشی کرنے والوں کی ایک منظم جماعت کا وطن رہا ہے، زندگی سے ان کنارہ کشی کرنے والوں کو سادھو، یا سنیاسی، یوگی، منی، رشی، تپسوی، تیاگی، بابا اور گرو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ویدوں کی روحانی وراثت کے پرستار اور ہندو روحانیت کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں ان سادھوؤں کو ان کی پیشانی پر تلک اور ان کے لباس کی وضع قطع سے آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق سادھوؤں کے کس گروہ یا فرقہ سے ہے۔

ناگے NAGAS جو ہر اعتبار سے منفرد ہیں ہندوؤں کے دونوں بڑے فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بالکل مادر زاد برہنہ رہتے ہیں، لیکن اگر کبھی ان کو آبادی میں آنا ہوتا ہے تو یہ اعضائے مخصوصہ کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہ لوگ بالوں سے متعلق سخت ضوابط کے پابند ہوتے ہیں ان کے لئے صرف دو راستے ہیں یا تو جسم کے پانچوں مخصوص حصوں پر بال رکھیں یا پانچوں جگہوں پہ سے بال قطعی صاف کریں۔

عمومی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیوا SHAIVA فرقہ کے سادھوؤں کے سلسلہ میں داخل ہونے والے کے لئے یہ لازمی ہے کے وہ اولا اس ذیلی سلسلہ کے گرو کو یہ یقین دلادے کہ وہ اس سلسلہ کے سادھوؤں سے متعلق قواعد و ضوابط کی سختی سے پابندی کرے گا

اس کے بعد شیوا سلسلہ میں داخل ہونے والے افراد اکٹھے ہو کر خداوند تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے ایک ایک کر کے سب اپنے گرو کے آگے سجدہ ریز ہو کر اس سے برکتوں کی درخواست کریں گے پھر وہ اپنے آپ کو مقدس دریا میں غسل سے پاک کریں گے۔ غسل کے دوران وہ تین بار لازمی طور سے ڈبکیاں لگائیں گے اور سورج دیوتا کی پوجا کریں گے۔ اور اپنا سابق لباس اتار پھینکیں گے ان کی نئی زندگی نئے لباس سے شروع ہوگی۔ یہ نو وارد شلوک (ہندو مذہبی عبارتیں) گاتے ہوئے متبرک دروا DURVA گھاس اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے دیوتا کو پنڈ دان جو کی روٹیاں جو میت کیلئے دی جاتی ہیں) کریں گے۔ یعنی پنڈ دان کی رسم ادا کریں گے اس رسم میں ہر نو وارد گیہوں رجو کے آٹے کی ۴۸ پینڈیاں اپنے اسلاف کی روحوں کے ثواب کے لئے پیش کرتا ہے یہ رسم عموماً مرنے والے کے لئے ادا کی جاتی ہے، لیکن اس موقع پر اس رسم کی ادائیگی سے مقصد خود نو وارد کو اپنی دنیاوی موت سمجھ کر اس روحانی زندگی میں داخل ہونا ہے۔ جس کے لئے وہ خود کو واقف کر دیتا ہے۔ بعد ازاں اس رات کو آخری اور خفیہ رسومات ادا کی جاتی ہیں اور اس طرح نو وارد کی اس سلسلہ میں شمولیت پکی ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ آگے چل کر جب اس سادھو کی حقیقی معنی میں موت واقع ہوتی ہے تو پھر اس کے لئے کوئی رسم ادا نہیں کی جاتی اور اس کے انتقال پر سادھو کے جسم کو یا تو دفن کر دیا جاتا ہے یا اس کی میت کو دریا میں بالخصوص دریائے گنگا میں بیٹھی ہوئی حالت میں بہا دیا جاتا ہے۔

عام طور پر سادھوؤں کے کسی سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے کوئی سال مخصوص نہیں ہے، لیکن برہنہ سادھوؤں کے ڈگمبر (Digambar) سلسلہ میں داخلہ صرف کمبھ کے میلہ میں ہوتا ہے جو ہر بارہ سال کے بعد الہ آباد کے قریب ''پریاگ'' کے مقام پر شمالی بھارت میں منعقد ہوتا ہے ''پریاگ'' کے مقام پر تین دریا (گنگا، جمنا اور سرسوتی) ملتے ہیں۔ مونڈن (Mundana) کی رسم کی ادائیگی کے موقع پر داڑھی اور دیگر مقامات پر بال صاف کرنے کے بعد کپڑے غریبوں کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر کوئی لینے والا نہ ہو تو جلا دیئے جاتے ہیں۔ اس موقع پر وہ صرف لنگوٹ پہنتے ہیں۔

کنجو میلہ

کنجو میلہ دنیا کا سب سے بڑا مذہبی میلہ ہے جو ہر بارہ سال بعد منعقد ہوتا ہے اس کو سادھوؤں کی پارلیمنٹ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میلہ میں شرکت کے لئے بھارت کے کونے کونے کے علاوہ دیگر ممالک سے بھی سادھو آتے ہیں۔ اس موقع پر سادھوانہ زندگی کی بوالعجبیوں اور وسعتوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر ۱۹۸۹ء کے ''پریاگ'' کے مقام پر کنجو میلہ میں ۴۳ سالہ پٹن بھارتی سے (جو آنند اکھاڑے کا سادھو ہے) برکتیں حاصل کر سکتے تھے۔ پٹن بھارتی ۹ سال سے ایک پیر پر کھڑا ہے اس کو ہندی زبان میں ایستادہ سادھو کہا جاتا ہے یہ شخص کھڑے کھڑے سو جاتا ہے اور اس کے علاوہ اس نے چپ رہنے کی قسم کھائی ہے۔ اس کی خوراک صرف پھل یا سنگھاڑے یا کوٹو ہیں، وہ سبزیاں اور دودھ بھی استعمال کرتا ہے اور ضلع مونگھیر (بہار) میں اس کی کٹیا ''اشوک دھاما لکھیاروی'' کے مقام پر ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ وشنو فرقہ میں ۱۹ قدامت پسند اور ۳۳ روشن خیالی ذیلی فرقے ہیں ان کے علاوہ تین جنگجو سادھوؤں کی جماعتیں ہیں جو گروکل کے ورزش خانوں (اکھاڑوں) میں تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور ان کا مقصد ہندو مذہبی اور اس کے ذیلی فرقوں کی حفاظت ہوتا ہے وشنو سادھو ماتھے پر جو تلک لگاتے ہیں اس کی سولہ قسمیں ہوتیں ہیں اور جسم پر جو نقش بناتے ہیں وہ چودہ قسم کے ہوتے ہیں اس طرح شیوا کے نام سے وابستہ آٹھ قدامت پرست اور دو اصلاح پسند فرقے ہیں۔ ان کے یہاں ۲۴ طرح کے تلک لگائے جاتے ہیں اور گیارہ امتیازی نشانات ہوتے ہیں۔

دشنامی اکھاڑوں کے ننگے قرون وسطی میں مسلمان حملہ آوروں کے مقابلہ میں پیش پیش تھے۔ جونا اکھاڑے والے تو خصوصی طور پر برطانوی اقتدار کے دو سو سالہ دور میں آزادی کی جنگوں میں شریک رہے ہیں دشنامی سادھو تو مذہبی جنگوں کے لئے خاص طور پر معروف ہیں۔ شری مہاراجہ ورتا کسی ہور پوری نے بتلایا کہ یہ ننگے یوگا کی شدید مشقوں سے اپنے عضو مخصوص اور جسم کے دوسرے اعضاء پر حیرت انگیز کنٹرول

حاصل کرلیتے ہیں جس کا مظاہرہ وہ کمبھ میلے کے موقع پر کرتے ہیں ان مظاہروں میں وزن اٹھانا، چلی ہوئی موٹروں کو روک لینا شامل ہیں۔

ان دنیا تج کرنے والوں کے دنیاوی آرام وآسائش سے انکار کو ہندوؤں کے یہاں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے رکئی اگھوری سادھو جس طرح مہذب زندگی کے طور طریقوں کے خلاف کرتے ہیں اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس سلسلہ کے سادھو صرف شمشان بھومی (وہ جگہ جہاں ہندو مردے جلاتے ہیں یہ عموماً دریا کے کنارے ہوتی ہے) میں رہتے ہیں۔ یہ سادھو اپنا کھانا جلی ہوئی چتا (میت) پر پکاتے ہیں اور کسی مردے کی کھوپڑے (Skull) کو کھانے پینے کے لئے پیالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی چیز حرام نہیں۔ یہ گندگی وغلاظت (پیشاب پخانہ وغیرہ) حتی کہ مردے کا گوشت تک کھالیتے ہیں پیشاب پی لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ یہ سادھو ہڈیوں یا انسانی کھوپڑیوں کا ہار بنا کر پہنتے ہیں اور شمشان بھومی میں ارتھی (ہندو جنازہ) پر سے شال اتار کر بستر کے لئے استعمال کرتے ہیں اپنے بدن پر چتا (جلی ہوئی میت) کی راکھ ملتے ہیں یہ زیادہ تر قطعی مادر زاد برہنہ رہتے ہیں اور ستر پوشی کے لئے کبھی کبھی درختوں کی چھال استعمال کرتے ہیں اگھوری قسم کے سادھو انسان کی کھوپڑی کی آنکھوں کے حلقوں سے ذرا اوپر سے کاٹ کر مذہبی رسومات میں نیز پانی پینے یا کھانے کے لئے کٹورے کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے قواعد وضوابط کے مطابق یہ کھوپڑی مرد کی ہونی چاہیئے۔ عام سادھوؤں کے پاس ایک کٹورا خیرات ڈالنے کے لئے ہوتا ہے اور پانی پینے کے لئے کمنڈل ہوتا ہے، لیکن اگھوری سادھو انسانی کھوپڑی سے تراشیدہ پیالہ ہر مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں جس میں فرضی خداؤں کی پوجا پاٹ بھی شامل ہے جس کے ذریعہ وہ خفیہ منتروں کی روحانی طاقت کے حصول کی بھی امید رکھتے ہیں۔

کنبھ میلہ صدیوں سے دنیا بھر میں مرد اور عورتوں کا سب بڑا میلہ رہا ہے یہ مقدس لوگوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے جس میں دنیا بھر سے سادھو آتے ہیں اور دریا کنارے ایک جم غفیر ہوتا ہے جو ایک چھوٹی سی وقتی آبادی کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

کنجو میلہ کا نقطہ عروج وہ منظر ہے جب میلہ کی چھ سعد تاریخوں میں سادھو شاہانہ غسل کرتے ہیں ان تاریخوں میں سب سے پہلے سادھو اشنان (غسل) کرتے ہیں اور ان کے بعد عوام کا نمبر آتا ہے گزشتہ سالوں میں اشنان میں ترجیح کا مسئلہ کشت وخون کا باعث ہوا اور اب حکومت نے ترجیحات مقرر کر دی ہیں۔ جس کے اعتبار سے ناگوں (شیو کے پرستاروں) کو وشنو کے پرستاروں پر ترجیح دی گئی ہے وشنو کے ناگوں کے بعد اداسی نیا اکھاڑہ کا نمبر آتا ہے اور اس کی بعد اداسی پرانا اکھاڑہ، نانک پنتھی اور نرملا سادھوؤں کا نمبر آتا ہے شیو کے اکھاڑوں میں بھی ترجیحات ہیں۔ شاہی اشنان اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے انتہائی تعجب خیز ہیں۔

شاہی اشنان کے ابتدائی وقت منجم متعین کرتے ہیں یہ اشنان گجردم شروع ہوتے ہیں، لیکن طلوع آفتاب سے قبل کی تاریکی کا سینہ ان مشعلوں سے چھلنی ہو جاتا ہے جو سادھوؤں کے ہمراہ ہوتی ہیں۔

یہ منظر سادھوؤں کے پرستاروں کے لئے بہت تابناک ہوتا ہے وہ سادھوؤں کے گزر جانے کے بعد زمین پر پڑے رہتے ہیں اور اپنی پیشانیوں کو سادھوؤں کے پیروں کی خاک سے آراستہ کرتے رہتے ہیں۔

نوٹ: ''شیو'' ہندو تثلیث کا ایک ممبر ہے اور اسی طرح وشنو۔ ان کی مزید تفصیلات اخلاق سوز ہیں جن کے بیان سے احترام لازم ہے۔ تفصیلات کے خواہشمند ''تحفۃ الہند'' سے رجوع کر سکتے ہیں جو صدیقی ٹرسٹ کراچی پر دستیاب ہے

برطانیہ کے مہذب جنگل میں

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

مجھے قانون کی اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں تین دفعہ لندن جانا پڑا۔ پہلے ۱۹۷۱ء میں، پھر ۱۹۸۲ء کے دوران اور آخری بار ۱۹۸۶ء میں۔ برطانوی اور ہمارے نظام تعلیم میں بہت فرق ہے۔ بہت وسیع مطالعہ کیا جائے تب وہاں کی یونیورسٹیوں سے ڈگری ملتی ہے۔ مطالعہ کرتے کرتے مجھ پر تھکاوٹ طاری ہوتی تو باہر سیر کے لئے نکل جاتا۔ میں ایک پرچی پر ضروری پوائنٹ لکھ لیتا تھا اور سیر کے دوران انہیں دہراتا رہتا۔

ایک شام گھومتے پھرتے میں ایک بازار سے گزرا تو ایک ادھیڑ عمر انگریز نے مجھے روک لیا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' اس نے جواب میں کہا۔ "I am living in a park." (میں ایک پارک میں رہتا ہوں۔) میں نے دوبارہ پوچھا کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ اس نے پھر وہی الفاظ دہرا دیئے کہ ''میں ایک پارک میں رہتا ہوں۔''

میں سمجھ نہ سکا کہ وہ پارک میں کیوں رہتا ہے اور وہاں کیا کرتا ہے۔ پھر یہ سوچ کر کہ شاید یہ شخص وہاں ملازم ہوگا میں نے اسے الوداع کہا، تاہم اس کی نگاہیں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا۔

لندن میں جگہ جگہ پارک ہیں، مثلاً ہمارے سفارت خانے کے پاس بھی ایک پارک ہے جسے ہائیڈ پارک کہتے ہیں۔ اس کے ایک طرف مشہور آکسفورڈ اسٹریٹ ہے۔ موسم بہار میں گلہائے رنگ کے پھول ہائیڈ پارک میں عجب سماں دکھاتے ہیں۔ اہل ثروت وہاں گھڑ سواری بھی کرتے ہیں۔ اس میں ایک خوبصورت جھیل بھی ہے۔ لوگ اس کے کنارے بیٹھ کر تیرتی بطخوں کا نظارہ کرتے ہیں۔

وہاں ایک جدید ریسٹورنٹ جھیل کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ ویک اینڈ پر مختلف جوڑے اس پارک میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔

لندن میں برف باری بھی نہایت خوبصورت ہوتی ہے۔ علی الصبح نکلیں تو ہر طرف برف کی سفید چادر نظر آتی ہے جیسے فطرت ساری دھرتی پر بکھیر دیتی ہے۔ موسم بہار اپنی جگہ دلکش ہوتا ہے۔ صبح نکلیں تو سفید اور گلابی پھول شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔ تازہ ہوا اور پارک، سبزہ ہی سبزہ...... ایک ننھی منی جنت ہر سو بکھری نظر آتی ہے۔

میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے ہوسٹل سے نکلتا اور لنکولن کے نزدیک ایک پارک میں جا پہنچتا۔ ان دنوں میں یونیورسٹی آف لندن کے انٹرنیشنل ہال میں ٹھہرا ہوا تھا۔ صبح ٹریفک بھی کم ہوتی تھی۔

ایک صبح میں اس پارک میں پہنچا تو درخت کے نیچے فرج سائز میں گتے کا ایک بڑا سا ڈبہ دیکھا۔ ادھر ادھر اس طرح کے اور بھی کئی ڈبے پڑے نظر آئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ لندن کے شہری بہت مہذب ہیں۔ صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کہیں کاغذ پھینکتے ہیں نہ سگریٹ کے ٹکڑے، پھر یہاں گتے کے بڑے بڑے ڈبے کیوں بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک ڈبے نے ہلنا شروع کر دیا۔ میں گھبرایا کہ نہ جانے کیا ہو رہا ہے۔ پھر اچانک اس میں سے ایک انگریز نمودار ہوا۔ اس نے اپنی ٹائی درست کی، جمائی لی اور پارک سے باہر چل دیا۔ دیکھتے دیکھتے دوسرے ڈبوں میں یکے بعد دیگرے حرکت پیدا ہوئی۔ ان میں انگریز نمودار ہوتے، ٹائیاں درست کرتے، ہیٹ پہنتے اور پارک سے باہر نکل جاتے۔ تھوڑی دیر بعد ایک وین آئی۔ وین کے ڈرائیور نے موسیقی بجائی۔ یہ سب انگریز اس کی طرف لپکے۔ وین ان کے لئے ناشتا لے کر آئی تھی۔ وہ چائے یا کافی بسکٹوں کے ساتھ لیتے، ناشتہ کرتے اور پارک کو خدا حافظ کہتے جاتے۔ ان کا ایک ساتھی پارک میں لوٹ کر آتا۔ گتے کے سب ڈبے اکٹھے کرتا اور ایک درخت کے نیچے سلیقے سے ڈھیر لگا دیتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں، اب تو موسم بہتر ہے، کیا یہ لوگ جاڑوں کی برفانی راتوں میں بھی ان ڈبوں میں رہتے ہیں؟ بات پوری سمجھ میں نہ آسکی اور نہ میں نے کسی سے پوچھنا مناسب جانا۔

چند روز بعد میں برطانیہ کا عائلی قانون پڑھ رہا تھا۔ پروفیسر کریٹنے کی کتاب

فیملی لاء کے ایک باب میں ایک مقدمہ پڑھا۔ اس کے مختصر واقعات یہ تھے کہ ایک انگریز خاتون نے اپنے خاوند کو طلاق دے کر اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ خاوند بے آسرا تھا، اسے کونسل کا بھی کوئی گھر نہ ملا۔ اس نے پارک میں رہنا شروع کر دیا۔ جب میں نے اس بے آسرا اور مظلوم خاوند کا مقدمہ پڑھا تو مجھے وہ ادھیڑ عمر انگریز یاد آ گیا جو سرِ راہ ملا تھا اور کہتا تھا: ''میں ایک پارک میں رہتا ہوں۔'' دراصل وہ انگریز مالی لحاظ سے پریشان تھا اور خیرات چاہتا تھا۔

اب میں پارک میں رکھے ہوئے گتے کے ڈبوں میں شب بسری کرنے والے انگریز مردوں کا سارا معاملہ سمجھ گیا۔ وہ سب واقعی ظالم دوشیزاؤں سے تنگ آ کر پارک میں راتیں گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پروفیسر کریٹے کے بیان کردہ عائلی قوانین اور عائلی نظام کی عملی شکل میں نے لندن کے اس پارک میں پڑے گتے کے ڈبوں میں بے بس انگریز مردوں کی شکل میں دیکھ لی تھی۔

سابقہ نام: ڈاکٹر سوامی شوشکتی سروپ مہاراج **سابقہ مذہب**: ہندو
اسلامی نام: ڈاکٹر اسلام الحق **ملک کا نام**: بھارت

ایک عظیم مہنت اور اچاریہ کا قبول اسلام

۱۰ مئی ۱۹۸۶ء کو ہندو دھرم کی ایک اہم ترین شخصیت ڈاکٹر سوامی شوشکتی سروپ مہاراج اداسین، اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بھوپال میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اب ان کا اسلامی نام ڈاکٹر اسلام الحق، بیوی کا نام خدیجہ اور صاحبزادی کا نام عائشہ حق رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم آشرم میں ہوئی۔ پھر الہ آباد یونیورسٹی سے اورنیٹلزم میں ایم اے کیا، گروکل کانگڑی سے اچاریہ کی ڈگری حاصل کی، اور آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ سے ڈی۔ڈی یعنی (Doctor of Dirinity) دنیا کے دس بڑے مذاہب میں اور پی۔ایچ۔ڈی اس طرح ڈبل پی۔ایچ۔ڈی کے بعد پوپ پال ششم کی دعوت پر اٹلی گئے جہاں پر انہوں نے سات مختلف موضوعات پر تقریریں کیں جن سے متاثر ہو کر پوپ پال نے انہیں (O.F.M.C.AP) کے اعزاز سے نوازا۔ ڈاکٹر صاحب بارہ زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں جن میں انگریزی، سنسکرت، گریک، ڈبرو، ہندی، پراکرتک، پالی، گورمکھی، مراٹھی، گراتی، اردو اور عربی شامل ہیں۔ ان زبانوں میں سے انگریزی، سنسکرت، ہندی، گورمکھی اور عربی سے انہیں زیادہ دلچسپی ہے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے دنیا کے دس بڑے مذاہب کا براہ راست مطالعہ کر رکھا ہے اور ان میں ڈگری یافتہ ہیں اس لئے اسلام کی حقانیت وصداقت کے وہ پہلے ہی سے معترف تھے۔ ان کے ہمعصروں میں ہندو دنیا کے بڑے بڑے جگت گرو، شنکر اچاریہ، مثلاً رام گوپال شال والے، پوری کے شنکر اچاریہ، اکھنڈانند جی، ٹھرد گو الکر باباصاحب، دیشمکھ، بال ٹھاکرے، نانا صاحب، دیشمکھ، ونوبا بھاوے، وغیرہ ہیں اور یہ سب ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اچاریہ ونوبا بھاوے نے ۱۹۸۱ء میں انہیں اپنے آشرم پرم دھام میں تقریر کے لئے مدعو کیا تھا اس وقت وہاں ہندو دھرم کے بڑے بڑے مہنت موجود تھے

جن میں ایک دادا دھرم ادھیکاری بھی ہیں۔ دادا دھرم ادھیکاری نے اس موقع پر ڈاکٹر صاحب سے ایک دن یہ غیر معمولی سوال کر لیا کہ سوامی جی آپ نے دنیا کے تمام دھرموں کا مطالعہ کیا ہے آپ کو انسان کے لئے سب سے بہتر دھرم کونسا لگا ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا کہ اسلام۔ اس پر وہ بولے کہ اسلام تو بہت بندھا ہوا دھرم ہے اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو بندھا ہے وہی آزاد کرتا ہے اور جو پہلے سے ہی آزاد ہے وہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیتا ہے اس لئے دھرتی پر آدمی کو ایک عرصے سے بندھے ہوئے دھرم کی ضرورت ہے جو اسے دنیا میں اچھی طرح باندھ کر پر یوک میں کھولے اور ایسا دھرم میری نظر میں صرف اسلام ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۸۴ء میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑی جماعت میرا پیچھا کر رہی ہے اور میں اس کے خوف سے بھاگ رہا ہوں اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا ایک لمحے کے بعد انجانے ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا۔ اٹھ کر میں اس روشن اور تابناک چہرے کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا لیکن پہچان نہیں پا رہا تھا کہ یہ کون ہے جس نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا پاس ہی کھڑے ایک صاحب نے کہا کہ یہ محمد رسولؐ ہیں مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی آپ نے فرمایا کلمہ پڑھو اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر جیسے جیسے وہ پڑھتے گئے میں بھی پڑھتا گیا اور پھر آپ نے مجھے سینہ سے لگایا اس طرح کا خواب اسی رات کو میری اہلیہ نے بھی دیکھا۔ اسی دن سے ہم اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح باقاعدہ کلمہ پڑھا جائے آخر کار قسمت نے علما کے شہر بھوپال میں پہنچا دیا۔ اور ۱۰ مئی ۱۹۸۶ء رمضان المبارک کی چند رات میں میری اہلیہ اور میری جوان سال بیٹی اس مبارک مذہب اسلام میں داخل ہوگئے، اس وقت ڈاکٹر صاحب تبلیغ دین کی کوشش میں مصروف ہیں اور علمی طور پر مندرجہ ذیل امور کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

۱:...... دفاع وتحفظ اسلام

۲:...... مسلمانوں کو دینی و دنیوی قدروں کے دائرے میں سنبھالے رکھنا۔

۳:...... پورے عالم اسلام کو ان ہی کی زبان میں دعوت دین پہنچانا۔ (بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

سابقہ نام: جوناتھن برٹ **اسلامی نام**: یحییٰ **ملک کا نام**: برطانیہ

بی بی سی کے چیف جان برٹ کے بیٹے نے اسلام قبول کرلیا

بی بی سی لندن کے سخت گیر ڈائریکٹر جنرل جان برٹ کے بیٹے جوناتھن برٹ نے اسلام قبول کرلیا ہے اور ایک ۲۴ سالہ صحافیہ فوزیہ بورا سے شادی کرلی ہے، اس نے اپنا اسلامی نام یحییٰ رکھا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس کے نام جوناتھن کا یہ عربی ترجمہ ہے۔ نومسلم یحییٰ کی ملاقات فوزیہ سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی ایک دوست نے بتایا کہ ایک لیکچر سننے کے لئے جب دونوں یکجا ہوئے تو۔

''فوزیہ کے اسلامی طور طریقے دیکھ کر یحییٰ اسے بڑی عقیدت سے چاہنے لگا، فوزیہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور (دور وسطیٰ کی مصری تاریخ میں) ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لئے تعلیم حاصل کررہی ہے، اس سے قبل وہ اسی یونیورسٹی سے انگریزی زبان میں فرسٹ کلاس آنرز ڈگری لے چکی ہے۔ اسلام سے رغبت اور اسلام قبول کرنے پر جوناتھن کی آمادگی کی وجہ اس کا ایک مسلمان دوست بنا ہے، اس مسلم دوست نے مذہب کے تعلق سے جوناتھن (یحییٰ) کا رویہ اور نقطہ نظر بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اور وہ خود بھی رکھ رکھاؤ، طور طریقوں، نشست و برخاست میں بدلتا چلا گیا، اس مسلم دوست سے اس کا تعلق اس طرح قائم ہوا کہ یہ مسلم دوست اسی کے ساتھ ایک ہی فلیٹ میں رہتا تھا، تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوناتھن (یحییٰ) نے ایک اسلامی مرکز پر کام کرنا پسند کیا، کیونکہ اس نے سوچا کہ اس طرح اسے اسلام کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اس مرکز پر واحد یورپی شخص ہے جو لوگوں کو عربی زبان اور اسلامی ادب و تاریخ

اور دوسرے اسلامی موضوعات سے متعلق کتابوں کی معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس مرکز پر اس کا کام موسم گرما کی تعطیلات تک ہے۔ جس کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہو کر اپنی یونیورسٹی میں تعلیم پھر شروع کرے گا۔ اس نے اپنا مغربی طور طریقہ، یورپی رنگ ڈھنگ، سب ترک کر دیا ہے۔ اور اپنا نام یحییٰ رکھ لیا ہے۔ اب جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اللہ کا نام اور قرآن کریم کی آیات کا حوالہ بھی اس میں ہوتا ہے۔ ہندوستانی خاتون فوزیہ سے اس کی شادی گذشتہ ماہ ہوئی تھی جس کے بعد ان دونوں نے شام، اردن، مشرق بیت المقدس کا دورہ کیا تھا۔ بی بی سی کے ڈائیریکٹر جنرل جان برٹ نے بتایا کہ اب ان کا بیٹا تبلیغ اسلام میں مصروف رہتا ہے۔ اس نے اپنا مغربی لباس بھی ترک کر دیا ہے اور شلوار قمیض میں نظر آتا ہے۔ سر پر ہمیشہ ٹوپی رہتی ہے اور اکثر آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تسبیح بھی ہاتھ میں رہتی ہے۔

سابقہ مذہب: عیسائی **ملک کا نام**: امریکہ ٹیکساس

عیسائی مذہب کے اختلافات میرے قبول اسلام کا باعث بنے

’’چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں، ان میں سے نمایاں ترین اسلام کا یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جواب دہ ہے۔ دوسری یہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں مجھے کبھی بھی مطمئن نہ کرسکیں اور تیسری وجہ یہ کہ قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہرہ سے انسانیت کو موصول ہوا آج بھی اسی خالص حالت میں موجود اور محفوظ ہے اور عربی زبان میں جو آج بھی اسی طرح زندہ اور مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام کے زمانہ میں تھی، جبکہ بائبل تحریف شدہ ہے۔ میرے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ترین دور ہے۔ نومسلم کے ایمان افروز تاثرات۔‘‘

میں گریگ نوح (GregNaaks) فورٹ ورتھ ٹیکساس کے ایک پروٹسٹنٹ (عیسائی) گھرانے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا، ایک عیسائی بچے کی حیثیت سے چرچ میرے لئے اخلاقی اقدار و رہنمائی کا ایک اہم ذریعہ تھا اور ایک کسوٹی تھی جو صحیح کو غلط سے اور اچھائی کو برائی سے الگ کر کے دکھاتی تھی۔ جس عیسائی فرقے سے میرا تعلق تھا وہ معقول حد تک آزاد خیال تھا، تاہم چرچ میری ذہنی یا سماجی سرگرمیوں کا لازمی جزو نہ تھا۔ شاید یہ اس لئے بھی میری دلچسپی کا مرکز نہ تھا کہ اس میں جو کچھ اتوار کو بتایا جاتا،

اس کا باقی ہفتے، یعنی عملی روزمرہ زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

کالج جانے کا وقت آیا تو میں نے ورجینا یونیورسٹی کا انتخاب کیا، یونیورسٹی کا شعبہ تعمیرات و ڈیزائن جس میں میرا داخلہ ہوا کئی طرح کے معاشرتی علوم اور بیرونی زبانوں کے کورسز بھی کرواتے تھے، تاریخ میرے لئے ہمیشہ سے پسندیدہ موضوع رہا ہے، اس لئے اس موضوع پر کورسوں کی فہرست کا جائزہ لیکر میں نے شرق اوسط کی تاریخ پر تعارفی کورس کرنے کی ٹھانی، کالج میں داخلے کے وقت عرب اور مسلم دنیا کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مزید برآں یونیورسٹی اور مذکورہ علاقے کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا، پھر بھی مجھے خیال آیا کہ یہ کورس میرے لئے مفید ثابت ہوگا، میں نے دوران تعلیم اسکول میں فرانسیسی زبان پڑھی تھی اور اب تبدیلی کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان کا کورس بھی کرنے کا فیصلہ کرلیا، یوں عربی زبان کی صورت میں ایک واضح تبدیلی میسر آگئی۔ اس طرح دن گزرنا شروع ہوگئے حتیٰ کہ شرق اوسط میں میری دلچسپی فن تعمیر سے بھی زیادہ ہوگئی اور ایک سال بعد یہ عالم ہوگیا کہ میں اپنے شعبے کو چھوڑ کر شعبہ تاریخ میں منتقل ہوگیا، جہاں پر اب میرے کورس اور تحقیق کا محور عرب دنیا بن گئی۔ بعدازاں میں گریجویٹ اسکول چلا گیا اور شرق اوسط کے علوم میں داخلہ لے لیا جس میں شمالی افریقہ کا وسیع علاقہ بھی شامل تھا، واشنگٹن پورٹ میں میرے نیوز ایڈیٹر بننے کے بعد سے لیکر گریجویشن تک شرق اوسط کے حالات وواقعات کا مطالعہ جاری رہا۔

ان چند کورسوں اور ان کو پڑھانے والے پروفیسروں نے درحقیقت میری زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق کلاسیں پڑھنے اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنے کو کہا گیا، یوں پہلے جو کچھ محض کورس کا نصاب تھا، بتدریج میری ذات کے لئے ایک اور طرح سے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا اور جوں جوں اسلام سے متعلق میرا مطالعہ وسیع ہوتا گیا، اسی تناسب سے اسلام میرے لئے دلچسپ اور دلکش ہوتا چلا گیا۔

کوئی تین سال کے مطالعے، جستجو اور غور وخوض کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، ایک دم سے نہیں بلکہ میں نے خود سے کہا کہ فیصلہ سے پہلے خوب سوچ لو کہ اسلام قبول کرنے سے مراد کیا ہے اور ساتھ ہی عقیدہ کے علاوہ اسلام کے عملی

پہلوؤں پر بھی غور کر لو جس کے متعلق ابھی تک مجھے کافی علم نہیں تھا۔ مجھ پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ کلمہ شہادت میری زندگی کا سب سے اہم ترین واقعہ ہوگا چنانچہ میں اپنی لگن اور اہلیت کا یقین کر لینا چاہتا تھا تا کہ واقعی اس عہد کو نبھا سکوں جسے ایمان لانے کی صورت میں کرنے والا تھا۔ بالآخر ۱۹۸۹ء کے موسم گرما میں، میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ یہ سوال کہ میں مسلمان کیوں ہوا، اکثر مسلمانوں اور غیر مسلموں سے گفتگو کے دوران مجھ سے کیا جاتا ہے، یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں اسلام کی خوبیوں کی ایک مشینی انداز میں فہرست گنوانا، اسلام کی خوبصورتی اور دلکشی گہنانے کے مترادف ہے کیونکہ چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں۔

تاہم تین نمایاں ترین باتیں یہ ہیں:

یہ اسلام کے یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جوابدہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا عدل جس میں رحمت کا پہلو بھی موجود ہو، اس کائنات کی سب سے قیمتی شے ہے، ہمیں غلط اور صحیح میں امتیاز کر کے اس کے مطابق عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور اہلیت دی گئی ہے، ہمارے تمام اعمال اور ارادے کسی نہ کسی مقصد کے حامل ہوتے ہیں، بے مقصد نہیں ہوتے، اسلام کے مطابق ان کے اچھے یا برے نتائج کا سامنا انسان کو کرنا پڑے گا۔

میں نے اسلام اور عیسائیت کی اخلاقی اقدار میں کافی حد تک مماثلت پائی اور اسلام نے مذہب سے متعلق کئی ایک سوالوں کے تسلی بخش جواب فراہم کر دیئے جن کا جواب عیسائی کے بس کی بات نہیں تھی، مثلاً توحید باری تعالیٰ نہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں جو کبھی بھی اطمینان بخش طریقے سے خود کو مجھ پر واضح نہ کر سکیں، جو محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہیں۔

ایک اور نہایت اہم بات یہ کہ ہر مسلمان بغیر کسی پادری وغیرہ کے درمیانی سہارے کے، اللہ تک رسائی رکھتا ہے اور آخری بات قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہرہ سے انسانیت کو

موصول ہوا، آج بھی اسی خالص حالت میں محفوظ ہے اور عربی زبان میں ہے جو کہ اسی طرح زندہ اور مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتوں میں تھی۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان میں بولتے تھے لیکن بائبل یونانی زبان میں لکھی گئی، پھر لاطینی زبان اور بعد میں انگریزی، فرانسیسی، اسپینی، جرمن اور دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا مگر اس کی اپنی زبان محفوظ نہیں ہے جو کہ قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔ دو مختلف زبانیں جاننے والا شخص جس نے کبھی ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہو جانتا ہے کہ اس ترجمے کے دوران میں کچھ نہ کچھ ضرور ترجمہ ہونے سے رہ جاتا ہے مزید برآں جملوں کے معنوں میں ترجمہ شدہ بائبل کے کسی اقتباس کا حوالہ دے کر قطعیت کے ساتھ کہا جائے کہ یہ عیسیٰ یا ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ یا تعلیمات ہیں؟ اس کے برعکس مسلمان اپنے اللہ کے فرامین تک براہ راست رسائی رکھتے ہیں اور اس طرح اپنے خالق کی منشا کی خالص ترین شکل میں پیروی کر سکتے ہیں۔

بات صرف اتنی نہ تھی کہ مجھے مذہب کی اہمیت کا احساس ہو گیا تھا اور اسلام مسلمانوں، جن سے متعلق پہلے کچھ علم نہ تھا معلومات حاصل ہو گئی تھیں، بلکہ اہم بات یہ تھی کہ انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، جسے ایمان کہتے ہیں، سے میرا اولین تعارف اب ہوا تھا۔ میں نے مزید کرید کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لکھی ہوئی کتب زیر مطالعہ آئیں۔ الغرض میں نے اس تناظر میں جتنا ممکن تھا کوشش کی، اس سلسلے میں کیمپس میں موجود مسلمان طالب علموں سے بھی جا جا کر ملا۔ مگر جس چیز نے واقعی میری توجہ کو گرفت میں لیا وہ چند لکھنے والوں کی تحریریں تھیں جن میں خاص طور پر چارلس لیگائے اسٹز کی معرکۃ الآراء تحریر ''اسلام اور تقدیر انسانی''، فضل الرحمن کی ایمان سے متعلق تجزیاتی تحریر جو ''اسلام'' کے سادہ سے ٹائٹل میں طبع ہوئی غیر مسلموں میں سے مارشل ہو جس کی تین جلدوں پر مشتمل شامل ہیں۔ میں بعض اوقات آج بھی اپنے آپ کو کتابی مسلمان کہتا ہوں، کیونکہ میں نے جستجو کے ذریعے سے جانا کہ اسلام وہ دین ہے جس میں ایسی اخلاقی تعلیمات کا پرچار ہے جو ان تعلیمات کے قریب تر ہیں جو مجھے میرے والدین نے دیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان، تکریم انسانیت، صداقت، حسن خلق، غمگساری اور خودداری وغیرہ لیکن جو چیز اسلام کو ایک آفاقی مذہب بنا دیتی ہے وہ اس کا

واضح اور بھرپور نظام حیات ہے، جس میں تمام اعلیٰ اقدار آپس میں گندھی ہوئی اور مربوط ہیں۔ بظاہر اسلامی تعلیمات سادہ اور آسان مگر درحقیقت نہایت پر مغز اور ارفع درجے کی ہیں ''لاالہٰ الا اللہ'' یوں تو چند الفاظ ہیں جو زبان سے تین سیکنڈ میں ادا ہو جاتے ہیں مگر ایک انسان اس کی حقیقت کو پانے میں زندگی کھپا سکتا ہے۔

جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، میرے علم میں وسعت آئی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ ایمان کس چیز کا نام ہے حالانکہ میں ابھی اسلام کہ ہمہ گیر تعلیمات کا محض اجمالی مطالعہ کر سکا ہوں۔ نیز میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم امہ کے ہمہ جہتی پہلوؤں اور مسلمانوں کے مختلف نظریات و آراء سے بھی متاثر ہوا ہوں جو مختلف جغرافیائی، نسلی اور لسانی پس منظر رکھنے کے باوجود ایک امت ہیں۔ یہ وسعت اور ہمہ گیری اس تصور کے برعکس ہے جو اسلام لانے سے پہلے میں رکھتا تھا اور اسلام کو محض چند رسموں تک ہی محدود خیال کرتا تھا۔ اب معاملہ قطعاً مختلف ہے اور میں اس قابل ہوں کہ اسلام کی ہمہ گیری کا ادراک کر سکوں، ایک ایسے دین کا جو تمام وقتوں کے تمام لوگوں کے لئے ہے اور میری طرح اسلام لانے والوں (جنہوں نے اسلام کا انتخاب ترجیحاً کیا ہے) کے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ترین ہے۔

سابقہ نام: تاولیس ادیب الدین **سابقہ مذہب:** عیسائیت

اسلامی نام: تاولیس **ملک کا نام:** امریکہ

اسلام اندھیرے میں روشنی کی کرن

''میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ شراب، جوا اور شادی کے بغیر جنسی تعلقات کو بائبل نے حرام قرار دیا تھا لیکن عیسائیوں نے ان کو حلال کرلیا تھا، انتہا یہ ہے کہ میرے والدین نے بھی کبھی ان باتوں سے منع نہیں کیا، دوسری جانب اسلام میں یہ تمام چیزیں حرام تھیں اور اسلام پر پورا عمل کرنے والے مسلمان ان تمام خرابیوں سے بچتے تھے۔ نومسلم تاولیس ادیب الدین کے تاثرات۔''

میرا نام تاولیس ادیب الدین ہے میں امریکی شہر انڈیانا پولس میں پیدا ہوا، میری والدہ ٹینیسی میں پلی بڑی، اور میتھوڈسٹ کرسچن تھیں، انہوں نے اسی چرچ کے تحت میری مذہبی تربیت کی، میرے والد مذہبی آدمی نہیں تھے اور چرچ باقاعدگی سے نہیں جاتے تھے، میری والدہ کٹر مذہبی عیسائی تھیں اور نہ صرف خود باقاعدگی سے چرچ جاتی تھیں بلکہ اپنے تمام بچوں کو بھی ساتھ لے جایا کرتی تھیں، میں نے ابتدائی تعلیم ایک کرسچن پرائیوٹ اسکول ''نواح آرک'' میں حاصل کی، یہ ایک سنڈے اسکول کی طرح تھا، میری بہن نے بھی اسی اسکول میں پڑھا اور ہم بائبل کی آیات یاد کرتے اور چرچ کے نغمے گاتے تھے، اتوار کو ہم لوگ بہترین کپڑوں میں چرچ جایا کرتے تھے، میں اتنا چھوٹا تھا کہ سوائے گانے اور سر ہلانے کے کچھ نہیں کرتا تھا، اپنے لڑکپن کی عمر کو پہنچنے تک میں کبھی یہ شعور حاصل نہیں کرسکا کہ ہم کیوں چرچ جاتے ہیں؟ درحقیقت ہم وہی کرتے تھے جو میری والدہ کہتی تھیں اور چرچ جانا بھی صرف والدہ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چرچ جانا کم ہوتا چلا گیا، جب میں پانچویں

گریڈ میں تھا تو صرف کرسمس، ایسٹر اور مدرس ڈے پر چرچ جانے لگا، اس دوران میں نے ایک چیز شدت سے محسوس کی کہ کوئی منسٹر زیادہ عرصہ چرچ میں نہیں رہ سکتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ عام طور پر اسے چندہ کرکے اپنے روزمرہ کے اخراجات پورا کرنے کے لئے رقم دی جاتی تھی اور وہ بے حد تنگی سے وقت گزارتا تھا۔

میں ہمیشہ کرسمس کو پسند کرتا تھا، اس کی وجہ مذہبی نہیں تھی بلکہ اس موقع پر بچوں کو تحائف ملا کرتے تھے۔ بچپن میں ہمیں سکھایا گیا کہ یہ تحائف ایک گلابی گالوں، سفید بالوں اور داڑھی والا آدمی سانتا کلاز جو ہوا میں اڑتا ہوا آتا ہے، بچوں کے لئے لاتا ہے، ہم کرسمس سے پہلے والی رات کو کرسمس کے درخت سجاتے، کرسمس کے کھانے پکاتے اور جلدی سو جاتے تاکہ سانتا کلاز رات کو کسی وقت ہمارے لئے تحائف لیکر آئے، کچھ عرصہ کے بعد ہمیں پتا چل گیا کہ سانتا کلاز کا کوئی وجود نہیں ہے اور والدین ہی ہمارے لئے تحائف خرید کر رکھتے ہیں۔ اس سے مجھے بڑا جذباتی صدمہ ہوا، اسلام سے میرا پہلا تعارف گیارہ سال کی عمر میں ہوا جب میں نے سوشل اسٹیڈیز کے مضمون میں مختلف مذاہب کے بارے میں پڑھا۔ میں چند مشہور مسلمانوں مثلاً محمد علی کلے اور باسکٹ بال کے امریکی کھلاڑی کریم عبدالجبار کے بارے میں جانتا تھا، جب میں نے مڈل اسکول میں داخلہ لیا تو پہلی مرتبہ میرا واسطہ سفید فاموں کی نسلی نفرت سے پڑا۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ ایک سفید فام کے روپ میں پیش کیا جاتا تھا۔ اللہ کا بیٹا بھی سفید فام تھا، مجھے احساس ہوا کہ اسی وجہ سے سیاہ فاموں کو معاشرے میں کم درجہ دیا جاتا ہے، مڈل اسکول میں سیاہ فاموں اور سفید فاموں کے درمیان واضح امتیاز برتا جاتا تھا، سفید فام لڑکے سیاہ فاموں کی بے عزتی کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے، اس بے عزتی کے جواب میں یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اللہ کے بیٹے سے جو سفید فام تھا محبت کرتا؟ آہستہ آہستہ میں اللہ کے بیٹے کو بھی نسل پرست تصور کرنے لگا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں عسکریت پسند اور متشدد ہو گیا، لیکن مجھے تشدد کے راستے پر ڈالنے والے سفید فام تھے، آہستہ آہستہ میں نے تعلیم میں دلچسپی لینا چھوڑ دی۔ سیاہ فام لڑکے کتنے ہی ذہین اور قابل ہوتے سفید فام استاد ان کی بے عزتی کرتے اور انہیں کبھی

موزوں نمبر نہ دیتے۔ سفید فاموں کے رویئے کی بناء پر مجھے سفید فام خدا کے بیٹے سے اتنی نفرت ہوگئی کہ میں نے چرچ جانا ترک کردیا۔

جب میری عمر پندرہ سال ہوئی تو میری ملاقات ایک سیاہ فام سے ہوئی جو مسلمان تھا اور میری طرح نسل پرستی کا مارا ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے مجھے بتایا کہ سور کے گوشت میں کیا خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے مسلمان سور کا گوشت نہیں کھاتے، سور کا گوشت سیاہ فاموں کی روزمرہ کی غذا میں شامل تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ سفید فام اسے گھٹیا اور معمولی خوراک تصور کرتے تھے، وہ خود مرغی، گائے اور بکری کا گوشت کھاتے اور سیاہ فاموں کو سور کا گوشت کھلاتے تھے۔

میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ شراب، جوا اور شادی کے بغیر جنسی تعلقات کو بائبل نے حرام قرار دیا تھا لیکن عیسائیوں نے ان کو حلال کرلیا تھا، انتہا یہ ہے کہ میرے والدین نے بھی کبھی مجھے ان باتوں سے منع نہیں کیا دوسری جانب اسلام میں یہ تمام چیزیں حرام تھیں اور اسلام پر پورا عمل کرنے والے مسلمان ان تمام خرابیوں سے بچتے تھے، خدا کے سفید فام ہونے کے تصور کی بناء پر میں خدا سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اسلام سے متعارف ہونے کے بعد میں نے دوبارہ خدا پر ایمان رکھنا شروع کردیا۔ اگرچہ میں نے اسلام قبول کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، لیکن میں خدائے واحد کی عبادت کرنے لگا اور اس سے دعائیں کرنے لگا، تاہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں میرے دل کی کدورت اس وقت بھی دور نہ ہوئی کیونکہ وہ سفید فام تھے۔

سفید فام یہودی بھی سیاہ فام یہودیوں سے نفرت کرتے تھے، جبکہ سیاہ فام یہودی خود کو حقیقی یہودی تصور کرتے تھے، امریکہ میں مسلمانوں کو دہشت گرد اور ظالموں کے روپ میں پیش کیا جاتا تھا، لیکن میں جن مسلمانوں سے ملتا تھا وہ بے حد مخلص اور نرم دل نظر آتے تھے، اس کے مقابلے میں سفید فام عیسائی زیادہ بڑے دہشت گرد اور نسل پرست تھے، اسی زمانے میں، میں نے کچھ مضامین نومسلموں کے بارے میں پڑھے، وہ زیادہ تر ویسے ہی حالات سے گزرے تھے جیسے حالات سے میں گزرا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کا نسخہ قریبی بک اسٹور سے حاصل کیا، جب میں نے اس کا پورا مطالعہ کرلیا تو

میرے ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف ہوگئی، میں بچپن ہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور سانتا کلاز کے بارے میں پڑھتا آیا تھا لیکن قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ دوسرے انداز میں آتا تھا، انہیں ایک عظیم پیغمبر کے روپ میں پیش کیا گیا تھا، جس نے اپنی قوم تک اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچائے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے کا پیغام پہنچایا۔ میں بار بار قرآن مجید پڑھتا اور اس میں دی گئی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرتا، کہیں کوئی تضاد نہیں تھا کہیں ایسی بات نہیں تھی جو سمجھ میں نہ آتی ہو۔

اگرچہ میں نے اسلام کی حقانیت کو جان لیا تھا لیکن میں یہ سوچتا تھا کہ میرے اسلام قبول کرنے سے میری والدہ کے دل پر کیا گزرے گی، میں دلی طور سے اسلام پر ایمان لے آیا تھا، لیکن اعلان کرنے سے ڈرتا تھا، تاہم اپنی والدہ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے میں نے اسلام کے بارے میں مضامین انہیں پڑھانے شروع کر دیے۔
۱۹۹۵ء کے موسم گرما میں، میں نے انٹرنیٹ پر اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ستمبر ۱۹۹۵ء میں میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کے یلو پیجز میں سے ایک مسجد کا فون نمبر تلاش کیا، لیکن فون کرنے پر مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری مسجد کے فون نمبر کو گھمانے پر ایک خاتون کی آواز سنائی دی میں نے اسے بتایا کہ میں اسلام کے بارے میں جاننے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ خاتون نے جواب میں کہا کہ اس کا شوہر اس وقت ملازمت پر گیا ہوا ہے لیکن وہ اس تک پیغام پہنچا دے گی وہ مجھ سے رابطہ قائم کر لے گا۔ رات کے وقت خاتون کے شوہر کا ٹیلی فون میرے پاس آیا اس نے خود بھی بیس سال پہلے اسلام قبول کیا تھا اور وہ ان تجربات سے گزر چکا تھا، جس سے میں اس وقت گزر رہا تھا، اس نے مجھے بدھ کی رات اسلامی مرکز میں آنے کی دعوت دی۔ اتفاق سے اس رات بارش ہوتی رہی، میں اسلامی مرکز پہنچنے والا واحد شخص تھا تاہم ہم دونوں ایک گھنٹہ تک بیٹھ کر باتیں کرتے رہے میں نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا، اب میں ویرانے میں بھٹکنے والا آوارہ پرندہ نہیں تھا، مجھے ہدایت کا راستہ مل گیا تھا، میں نے یہاں عربی زبان کی کلاسوں میں بھی داخلہ لے لیا، میرے والدین میری تمام سرگرمیوں سے واقف تھے۔ بالآخر وہ وقت

آ گیا کہ جب مجھے کلمہ شہادت پڑھ کر قبول اسلام کا اعلان کرنا تھا۔ یہ میرے لئے ایک انتہائی جذباتی واقعہ تھا، میں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع جب اپنی والدہ کو دی تو انہوں نے خوشدلی سے میرے اس فیصلے کو قبول کرلیا، یہ میری ساری زندگی کی جدوجہد کا حاصل تھا، اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ اسلام میرے لئے اندھیرے میں روشنی کی کرن ثابت ہوا، اگر اللہ کی مہربانی مجھ پر نہ ہوتی تو میں ایک نسل پرست سیاہ فام کے طور پر اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا رہتا اور دونوں جہاں کی ذلت وخواری میرا مقدر ہوتی۔ اللہ تعالیٰ مجھے صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سابقہ نام: ابان لن سبن **اسلامی نام**: محمد یوسف **ملک کا نام**: برطانیہ

برطانوی نومسلم

محمد یوسف (ابان لن سبن) سے ملاقات

میں اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، اس لئے کہ میں ایسے معاشرہ میں زندگی گزارتا تھا جو اسلام سے ناواقف بلکہ مخالف تھا، یہ بات ایک انگریز نومسلم محمد یوسف نے کہی، اسلام میں داخل ہونے سے قبل ان کا نام (ابان لن سبن) تھا۔ انہوں نے کہا. کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل میں گمراہی پر تھا۔ میری زندگی بے مقصد تھی، جس معاشرہ میں رہتا تھا وہ اسلام سے ناواقف تھا اور ایسے رسم و رواج اور طریقہ زندگی کا عادی تھا جس کو عقل قبول نہیں کرتی تھی۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اسلام کی دولت بخشی۔

وہ کہتے ہیں کہ میرا اسلام میں داخل ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہے اس سے بہت قبل مجھ میں اپنی روش زندگی سے بے اطمینانی اور ایک نئی زندگی کی تلاش کی فکر پیدا ہوگئی تھی۔ وہ باتیں جن کو میرا قدیم مذہب جائز قرار دیتا تھا، چاہے وہ فیشن ہو یا اس کا اختلاط ہو مجھ کو کھلتے تھے۔ لیکن مجھ میں ان کو چھوڑنے کی طاقت نہیں تھی میرے اس احساس اور بے چینی نے ہی میرے دل میں اسلام میں داخل ہونے کا جذبہ پیدا کیا۔ میں جب مسلمانوں کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتا اور بعض مسلمان عورتوں کو پردہ کی حالت میں دیکھتا تھا اور ایک دوسرے سے ہمدردی کرتے دیکھتا اگرچہ ان کے درمیان کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہوتا تھا تو مجھے کشش محسوس ہوتی تھی، کیونکہ یہ باتیں میرے مذہب میں عملی طور پر نہیں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے ابتداء کی

اور میں نے مطالعہ شروع کر دیا اور بعض اسلامی کتابوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور بعض اسلامی مجلسوں میں حاضر ہوا اور وہ مبارک ساعت بھی آ گئی کہ میں مسلمان ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ میں اس وقت اپنے آپ کو ان خوش نصیب لوگوں میں پاتا ہوں جو اپنے خالق کو مانتے ہیں۔ میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان عظیم فرق پاتا ہوں، اسلام سلامتی اور محبت و بھائی چارگی اور آپس میں ربط وضبط کا مذہب ہے اور صحیح شکل میں مسلمانوں کی زندگی کو منظم کرنے والا مذہب ہے۔

سوال: کیا آپ کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اپنے گھر والوں کی طرف سے کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے ان مشکلات کا کس طرح مقابلہ کیا؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ مجھے شروع میں ہی کچھ دشواریاں پیش آئیں، مجھ کو اسلام سے تعلق ختم کرنے پر مجبور کیا گیا، لیکن میں نے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں مجھے میرے خاندان سے نکال دیا گیا اور یہ اچھا ہی ہوا اس لئے کہ مسلمان بھائیوں سے ملنا دین اسلام کی تعلیم کے لئے ضروری تھا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد معاملات معمول پر آنے لگے۔ میرے اور میرے خاندان کے درمیان فاصلے کم ہو گئے۔ میرے خاندان والے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ یہ جانتے تھے کہ اسلام تمام یورپ میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور میرا اسلام لانا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے لہٰذا میں نے اس وقت پروگرام بنایا کہ ان کو بعض اسلامی کتابیں دے کر اسلام سے متعارف کراؤں اور وہ اسلام قبول کریں۔ میں نے طے کیا کہ میں ان سے ملاقات کر کے دس منٹ اسلام کے بارے میں ان سے گفتگو کروں اور اس کی تعلیمات کے بارے میں کچھ بتاؤں۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی اسلام کی طرف رہنمائی کرے جیسا کہ ہماری رہنمائی کی۔

سوال: اسلامی دعوت کے سلسلے میں یورپ میں کیا ہو رہا ہے اور اس کی اشاعت کے سلسلہ میں اور لوگوں کے اس کو قبول کرنے کے سلسلہ میں آپ کے کیا تصورات ہیں؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں اسلام بغیر کسی بہت بڑی کوشش اور جدوجہد کے تیزی سے پھیل رہا ہے تمام لوگ اسلام کے بارے میں بہت سے سوالات کرتے ہیں وہاں بہت سی عورتیں ہمارے پاس آتی ہیں تاکہ ہم سے اپنے بیٹوں اور شوہروں کی

مشکلات کے حل کے بارے میں سوال کریں۔ لوگوں کو ان مشکلات کے سلسلہ میں مسیحیت میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ بعض لوگ مجبور ہو کر اسلام کا نقطہ نظر معلوم کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں میں اپنی زندگی کے بارے میں بے اطمینانی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک دن ختم ہونے والی ہے اور اسلام ہی تنہا ان کو قلبی سکون عطا کر سکتا ہے۔ یہ احساس یورپ میں بہت عام ہے البتہ ان کو اسلام سے روشناس کرانے والوں کی کمی ہے۔

یورپ میں داعیوں کی موجودگی ضروری ہے۔ زمین سرسبز و شاداب ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو بھی اچھے رہنما کی ضرورت ہے۔ داعیوں کا وجود دوسرے لوگوں کو اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے میں معاون ہوگا اور وہ اسلام کو قبول کر سکیں گے۔ بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں۔ لیکن یورپ میں ہر جگہ اسلام کی دعوت دینے والے عالم نہیں پائے جاتے جو لوگوں تک اسلام پہنچائیں۔

میں تمام داعیوں اور علماء سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یورپ میں اپنی سرگرمیاں بڑھائیں جہاں ان کے علم کی ضرورت ہے۔

سابقہ مذہب: پادری **اسلامی نام**: عبداللہ

اسلام کی حقانیت کا اعتراف

عیسائی محقق کا قبول اسلام

چھٹی صدی کے اوائل میں توراۃ وانجیل کے ماہر مذہب عیسائیت کے تجربہ کار مبلغ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور پھر عیسائیت کے خلاف تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب لکھی جس کا اردو ترجمہ آئینہ عیسائیت کے نام سے حکیم شمس الدین صاحب نے شائع کیا ہے۔ اسی کتاب میں نومسلم (پادری) نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بھی تحریر فرمایا۔ قارئین کے لئے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

شیخ عبداللہ بن عبداللہ ترجمان فرماتے ہیں کہ میں جزیرۃ میورقہ میں پیدا ہوا میرے والد اسی شہر کے محتسب تھے۔ جب میری عمر چھ سال کی ہوئی تو مجھے انجیل کی تعلیم کے لئے ایک پادری کے سپرد کر دیا گیا دو سال کے عرصہ میں انجیل کا اکثر حصہ میں نے پڑھ لیا اس کے بعد قسطلان کے علاقہ شہر لادہ میں پہنچا جو اس وقت مدینۃ العلم (علم کا شہر) مشہور تھا اور ہزار ڈیڑھ ہزار نصرانی طلباء مقیم رہتے تھے، یہاں میں نے دو سال کے عرصہ میں علم طب، علم نجوم کی تکمیل کی اس کے بعد مسلسل چار سال انجیل کی تعلیم حاصل کرتا رہا، یہاں سے فارغ ہو کر ایک اور شہر بنونیہ کی طرف کوچ کیا جو اس وقت مدینۃ المعارف کے نام سے شمار ہوتا تھا اور ملک کے اطراف واکناف سے دو ہزار کے قریب طالب علم وہاں زیر تعلیم تھے اس درس گاہ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ تمام طلباء کے لئے ایک لباس مقرر تھا، امیر ہو یا غریب شاہ و گدا میں کوئی تمیز نہ تھی، یہی لباس ان کو ملک کی دوسری آبادی سے ممتاز رکھتا تھا۔ ان پر قسیس (معلم) کے علاوہ کسی اور کا حکم نافذ نہ ہوتا تھا،

میں اس شہر کے کنیسہ (گرجا گھر) میں جس معتمر اور جلیل القدر پادری کے پاس قیام پذیر ہوا۔ اس کا مقام عیسائیوں میں نہایت بلند اور ارفع تھا علم دین اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے تمام نصرانیوں میں منفرد تھا امرا وسلاطین کے مسائل ان کے سامنے پیش ہوتے تھے، اعلیٰ حکام بیش بہا قیمتی نذرانے اور ہدیے ان کی خدمت میں پیش کرنا سعادت مندی خیال کرتے تھے، میں نے اس دین کے تمام اصول اور نصرانیت کے تمام احکام حاصل کیے اور اس دوران استاذ مذکور کی خدمت اور مخلصانہ دیکھ بھال کی مصروفیت کی وجہ سے مجھے خاص الخواص افراد میں شمار کیا جانے لگا یہاں تک کہ مکان اور گوداموں کی چابیاں اور ان کی دیکھ بھال میرے سپرد کر دی گئی میں مسلسل دس برس ان کی خدمت میں رہ کر فیوض وبرکات حاصل کرتا رہا، اتفاقاً ایک روز استاذ بیماری کی وجہ سے درس گاہ میں تشریف نہ لا سکے۔ اہل مجلس استاذ کی انتظار میں مختلف مسائل پر گفت وشنید کرتے رہے، یہاں تک کہ موضوع بحث حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کلام الٰہی کا حسب ذیل جملہ بن گیا ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔ (یوحنا باب ۱۶، آیت نمبر ۷) اس آیت پر بحث طویل ہوئی اور بغیر کسی مفید نتیجہ کے ختم ہوگئی بعد میں شیخ موصوف نے دریافت فرمایا کہ میری غیر حاضری میں طلبہ کا کیا مشغلہ رہا تو میں نے مذکورہ آیت کے مفہوم اور بالخصوص فارقلیط کے مسمیٰ میں نزاع و اختلاف کی خبر دی اور اس بارے میں مختلف احباب کے اقوال وجوابات بھی دہرائے، استاذ صاحب نے پوچھا تو نے کیا جواب دیا، میں نے کہا فلاں پادری نے انجیل کی تعبیر میں جو رائے اختیار کی ہے اسے ترجیح دی تھی شیخ نے فرمایا تیرا جواب حق کے قریب تھا اور فلاں فلاں کا جواب غلط تھا ویسے اگر آپ صحیح جواب ان سب کے خلاف اس اسم شریف (الفارقلیط) کے بارے میں باخبر فرمائیں تو میں بہت ہی شکر گزار اور ممنون ہوں گا، پادری موصوف رو کر فرمانے لگے! بیٹا واللہ تو مجھے ہمہ وقتی خدمات کی وجہ سے بہت پیارا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس اسم شریف کی معرفت میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تو نے اسے ظاہر کر دیا تو نصاریٰ مجھے قتل کر دیں گے۔ میں

نے عرض کیا اے میرے سردار مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انجیل کے حقانیت اور اس کے لانے والے کی قسم ہے کہ جو بات رازداری کے طور پر آپ مجھے بتلائیں گے کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ اس پر استاذ نے فرمایا! جس ملک سے تو آیا ہے وہ مسلمانوں سے قریب ہے، جس پیغمبر کو مسلمان مانتے ہیں ان کے ناموں سے ایک نام فارقلیط بھی ہے آپ پر جو چوتھی کتاب (قرآن مجید) کا آسمان سے نزول ہوا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سچا دین ہے، آپ کی ملت ہی وہ ملت بیضاء ہے جس کا انجیل میں تذکرہ ہے۔ میں نے عرض کیا یا شیخ اب نجات کا کونسا راستہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز دین محمدی قبول کرنے میں پوشیدہ ہے۔ اس پر میں نے کہا یا استاذ عاقل اپنے لئے بہتر چیز کا انتخاب کرتا ہے، جب آپ دین اسلام کی برتری اور فضیلت کے قائل ہیں تو اس کے قبول کرنے میں کیا امر مانع ہے؟ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حقانیت اور فضیلت اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرافت کا علم مجھے بڑھاپے میں دیا اور تجھے جوانی کی عمر میں اس کا علم ہو گیا کاش! میں تیری عمر میں ہوتا تو سب اشیاء کو چھوڑ کر دین حق میں داخل ہو جاتا تو جانتا ہے کہ نصاریٰ کے ہاں میرا کیا مقام ہے اور کس قدر مالی آمدنی ہے کتنی جاہ و عزت حاصل ہے، اگر میں نے ذرہ برابر بھی اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا تو مجھے فوراً قتل کر دیا جائے گا، اور اگر کسی نہ کسی طرح بھاگ کر مسلمانوں سے بھی جا ملوں تو ممکن ہے وہ یوں کہہ دیں تیرے اسلام کا ہم پر کیا احسان ہے تو نے دین اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہے، اس صورت میں میرا کوئی بھی پرسان حال نہ ہو گا اور میں انتہائی بڑھاپے میں مفلوک الحال زندگی گزارتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔ میں نے عرض کیا! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ممالک اسلامیہ میں چلا جاؤں گا اور حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا تو عاقل اور طالب نجات ہے اس معاملہ میں جلدی کر تیری دینی و دنیاوی فلاح اسی میں ہے، لیکن بیٹا یاد رکھنا میرا یہ معاملہ کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے شیخ کی خوشنودی ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کو مخفی رکھنے کا وعدہ کیا، اور سامان سفر باندھ کر رخصت اجازت طلب کی۔ استاذ نے پانچ دینار سونے کا سکہ جس کا

وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے سفر خرچ کے لئے دیئے اور دعائے خیر کرتے ہوئے الوداع کہا اس کے بعد گھر اور دوسرے علاقوں میں ہوتا ہوا تیونس پہنچا اور وہاں کے پادریوں کے ہاں تقریباً چار ماہ گزارے اس وقت حضرت ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے بادشاہ تھے حکیم محمد یوسف شاہی طبیب کے ذریعہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی عمر اور تعلیم وغیرہ جملہ معلومات سے بہت مسرت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا! آپ کا آنا مبارک ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دائرہ اسلام میں داخل ہو جایئے میں نے اپنے ترجمان حکیم مذکور کی معرفت عرض کیا کہ جب کوئی شخص اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرتا ہے تو اس کے بارے میں ہر طرف سے زبان طعن دراز ہوتی ہے اور مختلف چہ میگوئیاں ہوتی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں کے نصرانی تاجروں اور ان کے پادریوں کو بلا کر میرے بارے میں دریافت کریں اور یہ بھی معلوم کرلیں کہ وہ میرے زہد و تقویٰ اور علم وغیرہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ امیر المومنین نے فرمایا مجھ سے تو نے ویسے ہی مطالبہ کیا ہے، جیسا حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کرتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ پروگرام کے مطابق تمام پادری وغیرہ جمع ہو گئے اور مجھے قریب ہی ایک کمرہ میں پس پردہ بٹھا دیا گیا، اور ان سے پوچھا اس نئے آنے والے پادری کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ سب نے بیک زبان کہا یہ مولانا ہمارے دین کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے متعلق ہمارے بزرگوں کی رائے ہے کہ ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔ امیر المومنین نے فرمایا اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا خدا کی پناہ وہ ایسا کام ہرگز نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے مجھے بلوایا جب میں نے ان کے سامنے حاضر ہو کر توحید باری تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے بلند آواز سے "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ" پڑھا تو تمام نصرانیوں نے منہ بگاڑ کر کہا اس شخص کو شادی کی محبت نے قبول اسلام پر آمادہ کیا ہے، اس کے بعد وہ بڑے پریشان ہو کر دربار سے نکلے امیر المومنین نے مجھے خاص مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور ربع دینار میرا وظیفہ مقرر کر دیا الحاج محمد الصغار نے اپنی لڑکی کا رشتہ بھی مجھ سے کر دیا۔

سابقہ مذہب: عیسائی

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

قرآن مجید نے مجھے اسلام قبول کرنے کی طرف سب سے زیادہ مائل کیا

گو کہ خدا پر میرا ایمان تھا لیکن بچپن میں میری دینی تربیت پر بہت کم توجہ دی گئی۔ بلوغت کے بیشتر حصے میں نہ تو میں نے عبادت کی اور نہ ہی خدا کے بارے میں سوچا۔ تقریباً آٹھ سال قبل میری والدہ سخت علیل ہوگئیں اور ڈاکٹروں کی رائے مطابق انکی زندگی کی مدت ہفتے بھر سے زیادہ نہ تھی۔ تب میں نے خدا سے رجوع کیا ان کی حیات کی بھیک مانگی ''اے خدا! میں نے اپنی والدہ کی خدمت سے پہلوتہی برتی تھی، اس لئے ان کے عرصہ حیات میں اضافہ فرما تاکہ میں ان کی کچھ خدمت کرسکوں''۔ اس کے بعد وہ حیرت انگیز طور پر شفایاب ہوگئیں اور مزید ایک سال تک حیات رہیں اور اس عرصے میں مجھے ان کی خدمت کرنے کا کافی موقع ملا۔

بچپن سے لیکر اب تک زندگی میں پہلی بار مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس ہوا۔ اس احساس کے تحت ہم نے چرچ جانے کا فیصلہ کیا۔ پہلے ہم ایک بڑے باپٹسٹ چرچ گئے جو ہماری یونیورسٹی سے قریب تھا اور جہاں لوگ مجھے جانتے تھے، بعد میں ریاضی کے ایک پروفیسر نے جو چرچ کے ممبر بھی تھے مجھے فون کر کے چرچ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب کئی بار میرے گھر تشریف لائے اور انہوں نے چرچ کے مختلف اراکین کے فرائض پر روشنی ڈالی۔ میں نے انہیں صاف صاف بتادیا کہ عیسائی مذہب کے بارے میں میری معلومات صفر کے برابر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، نیز انہوں نے میری اہلیہ کو ترغیب دلائی کہ اپنا بپتسمہ کرکے وہ پوری طرح مسیحی مذہب میں داخل ہوجائیں۔ ان کے انداز سے میں نے محسوس کیا کہ پروفیسر صاحب کو ترغیب دہی کے فن میں یدطولیٰ حاصل ہے۔

قبل اس کے کہ ہم سمجھ سکتے کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا، مکمل طور سے ہمارا بپتسمہ کردیا گیا۔ ہم نے دیکھا کہ چرچ مختلف اقسام کی پرجوش سرگرمیوں کی آماجگاہ تھا جہاں اتور کی ہفتہ وار کلاسیں ہوتی تھیں۔ پرتاثیر موسیقی اور عمدہ مواعظ سے بھی مستفید کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے بھی مسیحیت کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کردیں۔

بالآخر میں خود بھی چرچ کی اتوار کی کلاسوں میں درس دینے لگا، لیکن تثلیث کا مسئلہ ایسا تھا کہ جس نے مجھے چکرا کے رکھ دیا تھا۔ یہ مسئلہ منطق کے کسی اصول کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس بارے میں چرچ میں مجھے کوئی بھی کلی طور سے مطمئن نہ کرسکا۔

بالآخر عاجز آکر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ مسئلہ تثلیث کو بے چون و چرا تسلیم کرلینے کے سوا کوئی چارہ نہیں لیکن میرا موقف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام صاف، صریح اور قابل فہم ہونا چاہیے۔ اس سے قبل میرے ایک شاگرد نے مجھے اسلام سے روشناس کروادیا تھا۔ اس نے قرآن شریف کے بارے میں کچھ معلومات دیں تھیں، اور اسلام کے تعلق سے شیخ جمال بدوی کا ایک آڈیو ٹیپ بھی دیا تھا جس سے مجھے محسوس ہوا کہ اسلام میں اللہ جل شانہ کی تعریف سادہ اور سہل ہے۔ میرے مسلم شاگرد نے مجھ سے میری والدہ کی علالت سے قبل گفتگو کی تھی اور یہ وہ وقت تھا جب میں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے وجود کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد میں ایسے کاموں میں مصروف ہوگیا جو عملی حیثیت کے حامل تھے۔ اس دوران میں نے نوٹ کیا کہ سیاہ فام عیسائیوں کو نہ تو چرچ کے اراکین کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے اور نہ ہی بطور مہمان انہیں کوئی خوش آمدید کہتا تھا، مثال کے طور پر ایک بار ایسٹر کے موقع پر جب میری اہلیہ دو سیاہ فام ہم پیشہ عیسائیوں کو لیکر گئیں تو کسی نے بھی ان سے ہم کلام ہونا گوارا نہ کیا۔

اس کے علاوہ جب ہم نے والٹر جیمس کے بحالی عہدہ کی تحریک میں حصہ لیا تو چرچ کی قیادت نے اعلانیہ ہماری زجر و توبیخ کی۔ والٹر جیمس سیاہ فام نسل کا عیسائی تھا جو برمنگھم کی تاریخ میں پہلی بار "سپرنٹنڈنٹ آف اسکولس" کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔

اس کو اس کے عہدے سے صرف اس قصور پر ہٹایا گیا تھا کہ اس نے برمنگھم کے سیاہ فاموں کے مدارس میں ایسے سند یافتہ اساتذہ کے تقرر کی کوشش کی تھی جو یونیورسٹی کے ریکروٹمنٹ پروگرام کے نام نہاد مدارس کے لیے مختص تھے اور جوان مدارس کی بلاشرکت غیر ملکیت تصور کیے جاتے تھے۔ ہیمس کی بحالی کی تحریک کے سلسلے میں جو تقاریر ہوئیں ان میں عالم اسلام کا ایک مقرر بھی تھا۔ اس مقرر کے متعلق جب میں نے اخبارات میں پڑھا تو میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ یہ شخص کوئی مڑگشت کرنے والا جنونی ہوگا لیکن اسے سن کر مجھے تعجب ہوا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنا نقطہ نظر نہایت وضاحت سے بیان کرتا تھا بلکہ یہ کہ وہ تمام مقررین میں اس حیثیت سے منفرد تھا کہ اس کی بات دل کو لگتی تھی۔

جب مجھے شاہ فہد یونیورسٹی میں ریاضی کا درس دینے کی پیش کش کی گئی تو نہ صرف یہ کہ میرے ذریعہ معاش کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آیا بلکہ مجھے اسلام کے متعلق اسلامی ملک میں معلومات حاصل کرنے کا نادر موقع بھی ہاتھ آیا، سعودی عرب پہنچنے پر میں نے ایسے لوگوں کو تلاش کیا جو مجھے اسلام کے متعلق مزید معلومات فراہم کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر محمد البر اور ڈاکٹر زغلول النجار سے بڑی مدد ملی۔ ان حضرات نے میرے لیے قرآن مجید کا ترجمہ، اس کا آڈیو ٹیپ، نیز شیخ جمال بدوی کے آڈیو ٹیپ اور دیگر بہت سارا مواد مہیا کیا۔ ''عیسیٰ پیغمبر اسلام''، انجیل، قرآن اور سائنس جیسی کتابوں کا مطالعہ اور شیخ بدوی کے ٹیپ بڑے مفید ثابت ہوئے۔ لیکن جس چیز سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ قرآن مجید ہے، جس کے مطالعے کے اختتام پر میں نے نماز پڑھنی شروع کر دی گو کہ اس وقت تک میں دائرہ اسلام میں داخل بھی نہیں ہوا تھا۔ ان نمازوں کی ادائیگی کے دوران ہی میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

سابقہ نام : پروفیسر ہینل ہیوٹ
سابقہ مذہب : عیسائیت
اسلامی نام: عبداللہ حسن ہینل
ملک کا نام : امریکہ

گرجہ گھروں میں بت پرستی میرے قبول اسلام کا ذریعہ بنی

میرا اسلام قبول کر لینا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے اور نہ اس میں کسی ترغیب یا لالچ کو دخل ہے۔ میرے خیال میں یہ ذہن کی قدرتی تبدیلی اور ان مذاہب کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے جو انسانی عقلوں پر قابض ہیں مگر یہ تبدیلی اس شخص میں پیدا ہو سکتی ہے جس کا دل و دماغ مذہبی تعصب سے پاک ہو اور صاف دل کے ساتھ اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہو۔

کسی کلیسا میں بھی چلے جایئے وہاں نقش و نگار اور تصویروں اور مورتیوں کے سوا آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ پادریوں کے زرق برق لباس پر نظر ڈالئے، پھر ان بطریقوں، راہبوں اور ننوں کے ہجوم کو دیکھئے تو ان کا روحانیت سے دور کا بھی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی عبادت خانے میں نہیں بلکہ ایک ایسے بت خانے میں کھڑے ہیں جو صرف بتوں کی پوجا کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد مساجد پر نظر ڈالئے، وہاں آپ کو نہ کوئی مورت دکھائی دے گی اور نہ تصویر۔ پھر نمازیوں کی صفوں پر نظر ڈالئے، ہزاروں چھوٹے بڑے انسان شانہ سے شانہ ملائے کھڑے نظر آئیں گے۔ امام صاحب کو دیکھئے تو ان کا لباس نہایت سادہ نظر آئے گا، سچ تو یہ ہے کہ نماز میں رکوع وسجود کا منظر اس قدر جاذب قلب ونظر ہوتا ہے کہ کوئی انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مسجد کی پوری فضا اور اس کی تمام چیزیں روحانیت کی جانب انسان کی رہنمائی

کرتی ہیں نہ وہاں تصنع ہے اور نہ بناوٹ اور نہ غیر ضروری آرائش۔ اس کے برخلاف گرجا کی تمام چیزوں میں مادی دنیا کا مظاہرہ بہت زیادہ ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ اعتراض کریں کہ پروٹسٹنٹ مذہب تو ان عیوب سے پاک ہے، اس نے تو اپنے گرجوں سے بت اور تصویریں نکال پھینکی ہیں۔ تم نے اسلام کے بجائے اسے قبول کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ پروٹسٹنٹ مذہب حقیقی مسیحیت سے قریب ضرور ہے، مگر میں باوجود اس اعتراف کے کہ مسیح علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، ہرگز ان کی الوہیت کا قائل نہیں۔ وہ میری ہی طرح کے انسان تھے اور میرا یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں بلکہ اسلام اسی عقیدے کا پرچار کرتا ہے۔ اسلام نہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کا پورا احترام سکھاتا ہے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور بانیان مذاہب کے احترام کی دعوت دیتا ہے۔

میں عرصۂ دراز سے اسلام کی جانب مائل تھا، لیکن میرا ایمان اتنا قوی نہیں ہو رہا تھا کہ میں بے دھڑک اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرسکتا۔ یہ تذبذب کسی انسان یا سوسائٹی کے خوف کی بناء پر نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں پوری طرح اسلام کی خوبیوں سے اور خصوصیات سے واقف نہیں تھا، لیکن اسلام کے بارے میں جوں جوں میں علماء اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرتا گیا، میری آنکھیں کھلتی گئیں اور مجھے صاف طور پر اس دین متین کی خوبیاں اور پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنی نوع انسان پر احسان معلوم ہو گیا اور آخر میں نے اس دین فطرت کو اپنا مذہب بنالیا۔

اسلام میں جیسی توحید پرستی میں نے دیکھی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں اور اسلام کی اسی توحید پرستی نے مجھے سب سے پہلے اس مذہب کی جانب مائل کیا۔ اسلام میں جو سب سے بڑی خوبی میں نے پائی وہ یہ کہ اسلام صرف روحانی ترقی ہی کا حامی نہیں ہے بلکہ وہ دنیاوی ترقی میں بھی بہت بڑا ممد و معاون ہے۔ وہ انسان کو گوشہ نشینی اور راہبانہ زندگی گزارنے کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ وہ انسان کو کارگاہ حیات میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ دینی معاملات ہی میں انسان کی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ دنیا کے ہر معاملے میں سیدھا متوازن راستہ بتاتا اور قدم قدم پر بنی نوع انسان کو روشنی دکھاتا ہے۔ اسلام نے دنیا کو عاقبت کی کھیتی قرار دیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ دینی فرائض ادا

کرنے کے ساتھ دنیاوی فرائض سے بھی غافل نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ سائنسی دور میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکتا ہے۔

اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تنگ نظری اور تعصب کا شدید مخالف ہے۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کے ساتھ مروت اور محبت کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ کل بنی نوع انسان کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں، ہمدردی و مساوات کا حکم دیتا ہے۔ وہ تفریق کا نہیں بلکہ اتحاد انسانی کا قائل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ انسان کو انسانیت کا سبق پڑھایا ہے۔ میں گزشتہ پانچ سال سے مذہب اسلام کا پیروہوں۔ جس چیز نے میرے ایمان کو تقویت دی وہ اسلام کے بلند اور پاک اصول ہیں، اس کی عالمگیر اخوت ہے، اس کی بے نظیر مساوات ہے اور اس کا علم و عرفان ہے جس نے میرے دل ودماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کر دی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو سرتاپا علم و عمل ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ اسلام ایک ایجابی دین ہے جبکہ مسیحیت ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف وحدانیت کا منکر ہے بلکہ انسان کو دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے متمتع ہونے سے منع کرتا ہے۔

کوئی فرد اگر صحیح معنوں میں عیسائی بننا چاہتا ہے تو اسے دنیا سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرنا ہوگی لیکن اسلام میں رہ کر ہم دنیا کی تمام مسرتوں اور راحتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نہ ہمیں مسجد کا گوشہ تلاش کرنا ہوگا اور نہ ویرانوں میں زندگی بسر کرنے کی مجبوری ہوگی۔

اگر انسان کو دنیا میں اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر کے اسے برباد کر دے تو اس کی پیدائش کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وہ صرف اسلام نے بتایا ہے کہ انسان اس کارگاہ حیات میں رہ کر قدرت کی ہر چیز سے فائدہ اٹھائے مگر ساتھ ہی اپنے پروردگار اور اس کی مخلوق کو بھی نہ بھولے میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے قلبی سکون محسوس کر رہا ہوں میری دنیا بھی درست ہوگئی ہے۔ اور عاقبت بھی (انشاءاللہ)۔

سابقہ نام: فیلیکس **سابقہ مذہب:** عیسائی

اسلامی نام: فیلیکس احمد **ملک کا نام:** فلپائن

ایک فلپائنی عیسائی کا قبول اسلام

نام فیلیکس احمد، سکونت فلپین، کام کسی کمپنی میں سیکریٹری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ فیلیکس احمد کا کیا قصہ ہے اور کیسے ان کی اسلامی زندگی کی شروعات ہوئی، وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

میرے والد تقریباً ۳۰ سال کا عرصہ ہوا، سعودی عرب میں نوکری کی غرض سے گئے اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کر لیا، میں اپنی والدہ سے سنتا رہتا تھا کہ میرے والد نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن میں نہ ہی مملکت سعودی عربیہ سے واقف تھا اور نہ ہی اسلام کے بارے میں کچھ جانتا تھا، لیکن اپنے والد سے ملاقات کی غرض سے سعودیہ جانے کا خواہشمند ضرور تھا۔

حسن اتفاق سے مجھے سعودی عرب میں ملازمت مل گئی، میں نے رخت سفر باندھا اور جہاز میں سیٹ ریزرو کرالی، میں ہوائی جہاز میں سوار ہوا، حسب معمول سیٹ بیلٹ باندھی، سعودی ایئر لائنس کے رواج کے مطابق جہاز پر روانگی سے پہلے سفر کی دعا پڑھی گئی جس کو مسلمان سفر کے وقت پڑھتے ہیں، میرے روئیں روئیں پر یہ دعا اثر انداز ہوئی اور مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی جیسے ایک ایسا پیغام ملا جس سے میں ناآشنا تھا۔ اور اس پیغام نے میرے اندر یہ احساس جاگزیں کر دیا کہ یہ سفر پر سکون ہوگا، میرے اندر اس کلام کے سننے کی مزید خواہش پیدا ہوئی اور اس دعا کے سننے کی پیاس میرے اندر اور بڑھی کیونکہ اس دعا ہی سے مجھے سکون ملا تھا۔ آپ کو یہ سن کر ضرور تعجب ہوگا کہ جس دعا نے میری روح کو آرام پہنچایا۔ میرے اندر طمانیت کا احساس جاگزیں کیا میں اس کے معنی سے ناواقف تھا۔

تیسری چیز جس نے مجھ کو اسلام سے متاثر کیا، وہ نماز کا منظر، باہم سلام وکلام کرنا اور اچھا معاملہ کرنا ہے، سعودیہ میں، میں نے کام شروع کر دیا، میرے والد مسلمان تھے، مجھ کو بھی اسلام کی دعوت دیتے لیکن میں ان سے ملنے کا اہتمام نہیں کر پاتا تھا۔

سعودی عرب میں بعض ایسے حالات پیش آئے اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ ہوا جنہوں نے میری بیداری کو اور بڑھا دیا۔ مجھ کو اس وقت تعجب ہوتا تھا جب میں مسلمانوں کو پانچ وقت کی نمازوں میں سختی کے ساتھ پابندی کرتے دیکھتا کیونکہ میں اس کو بہت زیادہ سمجھتا تھا، جب کہ عیسائیوں میں صرف اتوار کو کلیسا جانے کا رواج تھا (اور میں اس کا پانچ وقت کی نمازوں سے مقابلہ کرتا تھا)۔

مجھ کو مسلمانوں کے سلام کرنے، آپس میں مسکرا کر ملنے، مصافحہ ومعانقہ کرنے اور گرمجوشی کے ساتھ ملنے پر بھی تعجب ہوتا تھا۔ یہ وہ معاملات تھے اور اسی طرح کے دوسرے محبت کے مظاہر نے میرے اندر اسلام کی کشش پیدا کر دی۔ چھٹی لیکر میں فلپائن گیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں کلیسا اور انجیل کی تلاوت میں وہ کشش نہیں محسوس کرتا جو پہلے محسوس کرتا تھا۔ میں نے کلیسا جانا کم کر دیا اس لئے کہ نصرانی شعائر کے سلسلے میں جو تشریحات کی جاتی تھیں ان سے میں متفق نہیں ہوتا تھا، سعودیہ میں میرے قیام اور مسلمانوں سے قریب رہنے کی وجہ سے میں اسلام سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

ایک دن میں اور میری اہلیہ اپنے اس گھر میں تھے جو آبادی سے بہت دور تھا۔ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران ہم نے عجیب وغریب آواز سنی، دروازے ہلنے لگے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کھڑکیاں ٹوٹ جائیں گی ہمیں مکان میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، یہ بہت ہی سخت لمحات تھے ہم نے اپنے اندر خوف وگھبراہٹ اور رعب کے ملے جلے جذبات محسوس کئے ہم کو محسوس ہوا کہ جیسے جن یا بھوت ہیں۔

میری زبان پر بلا ارادہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین) الخ جاری ہو گیا۔ اور پوری سورہ فاتحہ بغیر ارادہ کے پڑھ ڈالی اس لئے کہ میں نے یہ سورۃ چینل نمبر ۲ پر سن کر یاد کر لی تھی۔

اس عظیم سورۃ کے پڑھنے کے بعد چند ہی لمحات گزرے ہوں گے کہ آوازیں

آنا بند ہو گئیں نفس مطمئن ہو گیا، اور ہم نے راحت واطمینان کی سانس لی، حالانکہ میں اس سورۃ کے معانی سے ناواقف تھا، اس واقعہ کے بعد میں نے نئے طریقے سے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں غور وفکر شروع کر دیا، میں نے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا، میں نے طے کیا کہ جب سعودیہ واپس جاؤں گا تو اسلام قبول کرلوں گا۔

چھٹی ختم ہونے کے بعد مملکت میں واپس ہوا تو غیر ملکی دعوتی مراکز میں سے ایک مرکز گیا۔ اور فلپین کے ایک داعی کے پاس بیٹھا، انہوں نے مجھے اسلامی ارکان بتائے اس کے بعد میں نے کلمہ توحید پڑھا اور دین اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور میں مسلمان ہو گیا (وللہ الحمد من عباد اللہ المسلمین) اور آخر میں، میں سعودی اسکیموں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور چینل نمبر ۲ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہر طرح اللہ رب العزت کی حمد بیان کرتا ہوں۔ (ان اللہ یھدی من یشاء)

سابقہ نام: اسٹیفن
سابقہ مذہب: عیسائیت
اسلامی نام: فاروق عبداللہ نقشبندی
ملک کا نام: برطانیہ

ایک نومسلم کی حیرت انگیز داستان

مانچسٹر منتقل ہونے کے بعد پہلی مرتبہ ایک پڑوسی سے ملاقات ہوئی جن کا چہرہ دیکھ کر احساس ہوا کہ یہ کوئی عربی شیخ ہیں جو میرے پڑوس میں رہائش پذیر ہیں، سر پر سفید پگڑی چہرے پر تقریباً ایک بالشت لمبی داڑھی، ہاتھ میں تسبیح کرتا اور پاجامہ میں ملبوس جناب فاروق عبداللہ نقشبندی صاحب تھے، عرب سمجھ کر میں نے عربی میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے سلام کے بعد انگریزی میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا آپ ہیئت ولباس سے عربی شیخ معلوم ہوتے ہیں تو کیا آپ عرب نہیں ہیں؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا میں پہلے انگریز تھا، دس سال قبل اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوا ہوں اور الحمدللہ اب مسلمان ہوں۔

مسلمان تو بہت لوگ ہوتے ہیں لیکن مجھے تعجب یہ تھا کہ وہ ایک ایک سنت کو معلوم کرتے اور اس پر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک دن فجر کی نماز میں، میں نے پوچھا کہ آپ تو انگریز تھے آپ شرٹ اور پینٹ پہننے کے عادی تھے، آپ فجر کی نماز میں ہمیشہ لنگی کیوں پہن کر آتے ہیں فرمانے لگے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس لئے میں دن کے شروع میں اس سنت کی ادائیگی کرتا ہوں پھر کام کاج کی وجہ سے شلوار پہن لیتا ہوں۔ برطانیہ میں فجر میں کوئی لنگی نہیں پہنتا، اس لئے مجھے ان کی لنگی پر تعجب تھا اس لئے میں نے پوچھا۔ میں اس جذبے پر بہت دیر تک سوچتا رہا کہ ان نومسلموں کو بہت مشقت اور مجاہدہ سے دولت اسلام ملی ہے، اس لئے یہ حضرات ایک ایک سنت کی کتنی قدردانی کرتے ہیں اور ہم لوگوں کو والدین اور معاشرے کے طفیل اسلام ملا ہے، اس لئے سنت کی ادائیگی کا بعض مرتبہ خیال بھی نہیں آتا۔

موصوف شیخ طریقت حضرت آصف حسین فاروقی نقشبندی مانچسٹر سے بیعت ہیں، اس لئے اپنا عرف نقشبندی رکھا ہے ان کا پرانا نام اسٹیفن ہے اور عرف ایڈیسن ہے لیکن اب وہ پرانے نام اور عرف سے نفرت کرتے ہیں اور نقشبندی کہلانے پر فخر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نقشبندی سلسلہ سے منسلک ہوں اور تمنا رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے بزرگوں کے ساتھ میرا حشر ہو، انہیں بزرگوں کے سامنے میں زندہ ہوں انہیں کے دامن تھامتے ہوئے مرنے کی تمنا رکھتا ہوں اور خدا کرے انہی کے ساتھ حشر ہو۔ ان کے شیخ کی خانقاہ میں ہفتے میں دو مرتبہ مجلس ذکر ہوتی ہے اور عشاء کے بعد تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہتی ہے۔ نقشبندی صاحب پوری پابندی کے ساتھ ذکر میں شریک ہوتے ہیں اور دوست واحباب کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ تقریباً دوسو مریدین حلقہ میں شریک ہوتے ہیں اور حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہیں، کئی مرتبہ ناچیز کو بھی محفل میں شریک کیا اور دیر تک ذکر کی لذتوں سے محظوظ ہوتا رہا۔

نشاط کامراں اس کا حیات جاوداں اس کا
جو دل لذت کشِ ذوقِ نگار یار ہوجائے

مسلمان تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں لیکن ہندوستانی بزرگوں کی طرح خانقاہی نظام سے اتنا مربوط اور اس کے ایک ایک عمل سے اتنی دلچسپی میں نے کئی نومسلموں میں پائی جوان میں ہیں، موصوف کو ہمارے بزرگوں کے اکثر نام یاد ہیں ان کے طریقہ تربیت کا پتہ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ کس سلسلے میں کونسا ذوق غالب ہے، نقشبندی صاحب کے ساتھ نومسلموں کا بہت بڑا حلقہ ہے وہ تمام ہی پابندی کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، محفل ذکر میں شامل ہونے کے لئے عمامہ باندھنا ضروری ہوتا ہے، دیکھتا ہوں تو بہت مسرت ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ فرشتوں کی نورانی جماعت ہے جو حلقہ لگائے محو عبادت ہیں۔

نقشبندی صاحب نے نومسلموں کی تربیت کے لئے اور غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام "یورپین نیو مسلم سینٹر" ہے۔ اس ادارے میں ہر دو ہفتے میں مجلس منعقد ہوتی ہے قرب وجوار کے نومسلم جمع ہوتے ہیں، اس

میں تربیتی تقریریں ہوتی ہیں اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے، جو حضرات مسلمان ہوتے ہیں ان کا پورا خاندان چھوٹ جاتا ہے، اقربا اور رشتہ دار نفرت سے پیش آتے ہیں، جن کی شادی ہوئی ہوتی ہے ان کی بیوی خیر باد کہہ جاتی ہے بعض لوگوں کی اولاد بھی چھوٹ جاتے ہے اس سے زندگی میں خلا پیدا ہوتا ہے، اب ان کو نیا گھر بنانے کی ضرورت پڑتی ہے، شادی بیاہ کرنا ہوتا ہے، اور ہمارا معاشرہ یہ ہے کہ نو مسلم کو جلدی اپنی لڑکی نہیں دیتے اور نہ نو مسلمہ خاتون کو قبول کرتے ہیں، اس لئے ان نو وارد حضرات کو بہت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ عمر بھر تنہائی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ نقشبندی اور ان کے احباب نے فیصلہ کیا ہے کہ ان مایوس لوگوں کا ہم سہارا بنیں گے، ان کی شادی بیاہ کا ہم انتظام کریں گے اور نیا گھر بنانے میں امداد کریں گے۔

چونکہ ہم بھی نئے مسلمان ہوتے ہیں، اس لئے ہم سے ان کی ڈھارس بندھے گی اور اسلام کی شاہراہ پر چلنے کی ہمت ہوگی، حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے حضرات کو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ ہم تنہا ہیں بلکہ ہمارے ساتھ پورا ایک کنبہ ہے، ایک معاشرہ ہے اور بہت بڑا خاندان ہے جو اس راہ پر چل رہا ہے، نقشبندی صاحب کی مادری زبان انگریزی ہے وہ انگریزی کی رسم و رواج اور اس کی طبعیت سے واقف ہیں اس لئے وہ یہاں اشاعت اسلام میں کامیاب ہیں اور حلقہ بگوش مسلمانوں کو اسلام پر جمنے میں کافی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔

مانچسٹر اور اس کے قرب وجوار میں تقریباً ۵۰۰ حضرات ہیں جو دس بارہ سال کے عرصے میں مسلمان ہوئے ہیں اور الحمدللہ اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔ ان کے رشتہ داروں نے اسلام سے برگشتہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ لوگ ان لازوال نعمتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

نقشبندی صاحب نے ملائیشیا کی ایک خاتون سے شادی کی ہے، ان کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ صاحبزادے بھی عمامہ باندھتے ہیں اور سنت کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں، نقشبندی کی والدہ حیات ہیں۔ وہ ان سے محبت رکھتے ہیں ان کے پاس جاتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں اور اسلام کی دعوت دیتے رہتے ہیں

وہ ابھی تک عیسائیت پر قائم ہیں۔ ان کی بہن اور بھائی بھی عیسائیت پر قائم ہیں البتہ ان سے تعلقات استوار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ عجیب کرشمہ ہے کہ یورپ اور خاص طور پر برطانیہ نے اسلام کو مٹانے اور اس کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے، اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، آئے دن ذرائع ابلاغ کے نئے حربے استعمال کرتا ہے۔ لیکن نومسلم اسلام کے لئے قوم اور خاندان کو خیرآباد کہتے ہیں جان و مال، دوست احباب معاشرے اور قوم کی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور ایک ایک سنت پر مرمٹنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں، بزرگوں کے طریقے پر خانقاہیں تعمیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تربیت کے لئے ادارے قائم کر رہے ہیں۔ کوئی ان بھولے انگریزوں کو بتائے کہ ان حضرات کو کس تلوار نے مجبور کیا ہے کہ وہ اسلام لائیں اور ان کے لئے تن، من، دھن کی بازی لگائیں۔ شراب خانوں اور کلبوں میں داد عیش دینے والے حضرات آج خانقاہوں میں ''اللہ اللہ'' کی ضرب لگا رہے ہیں اور اس میں اتنی مسرت اور اطمینان محسوس کرتے ہیں جو زندگی میں ان کو کسی جگہ نہیں ملا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے
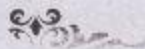
سابقہ نام: سلامت مسیح
سابقہ مذہب: عیسائیت
اسلامی نام: عبدالسلام
ملک کا نام: پاکستان

سات افراد کا قبول اسلام

میرا نام سلامت مسیح ہے، میں نے ایک متعصب عیسائی گھرانے میں جنم لیا اور پرورش پائی اور اپنے والدین کے دین پر عمل کرتے ہوئے ہر اتوار کو چرچ جایا کرتا تھا لیکن پادری کی تعلیمات میرے دل و دماغ پر اثر اور مجھے مطمئن نہ کرسکیں۔ میں نے اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے معلومات حاصل کرنی شروع کردیں، پچھلے دنوں ملک میں ایک عیسائی نے نبی کی شان میں گستاخی کی اور اسے جب سزا ہوئی تو ایک جوشیلے عیسائی ڈاکٹر نے خودکشی کرلی۔ اس واقعہ نے میرے ذہن پر کافی اثر چھوڑا، جب کہ عیسائی بھی ایک نبی پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور خود کو اہل کتاب کہتے ہیں، میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ عیسائیت کیسا دین ہے؟ جو انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرے، اور جو ملک میں قانون ہے کہ سب انبیاء کا احترام کیا جائے، پھر اس کو ختم کرنے کے لئے تحریکوں کا آغاز اور حکومت پر دباؤ یہ سب باتیں دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ دین اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ سب کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبعوث ہوئے تاکہ انسانوں کو راہ راست پر لائیں۔

میں گزشتہ ہفتے بنوں سے لورالائی تبدیل ہو کر آیا تو میری ملاقات صوبیدار محمد منیر اظہر سے ہوگئی جو کہ دعوت دین اسلام اور تبلیغ سے تعلق رکھتے تھے، میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار نیک نیتی سے کیا میں نے گھر جا کر اپنی بیوی بچوں سے صلاح و مشورہ کیا تو انہوں نے بھی اسلام کو سچے دل سے قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

میں دوسرے دن ان کے پاس گیا کہ میں اپنی سات افراد پر مشتمل فیملی سمیت

مسلمان ہونا چاہتا ہوں، وہ مجھے آرمی کی جامع مسجد کے خطیب کے پاس لے گئے۔ میں نے بروز جمعہ ۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء کو مسجد میں موجود تمام لوگوں کے سامنے بمعہ بیوی بچوں کے اسلام قبول کرلیا۔ اور میرا اسلامی نام عبدالسلام رکھا گیا۔ اسی طرح میں نے اپنی بیوی اور بچوں کے نام بھی اسلامی رکھ لئے ہیں۔

جب یہ خبر میرے والدین اور دیگر عزیز واقارب کو ملی تو انہوں نے بائیکاٹ کیا اور انتہائی غم وغصہ کا اظہار کیا۔ میں نے سب کو یہ کہہ دیا کہ میرا اور میری فیملی کا فیصلہ اب تبدیل نہیں ہوسکتا، اسلام ایک سچا مذہب ہے اور میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں۔

میں نے اپنے بچوں کے اسلامی طریق کے مطابق ختنے بھی کرادیے ہیں اور اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے مسجد میں بھیجنا شروع کردیا ہے اور خود بھی نماز ودیگر احکام جاننے کی کوشش کردی ہے تاکہ اس پر عمل کرکے اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بہتر بنا سکوں، یہ ہی فلاح کی راہ ہے۔

ختم نبوت کے اراکین سے میری درخواست ہے کہ میری طرح اور بھی بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں وہ ہر سطح پر عیسائیوں سے رابطہ پیدا کریں اور انہیں دین اسلام سے روشناس کرائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اسلام کے قریب نہ آئیں۔

سابقہ نام: جیمس — **سابقہ مذہب**: عیسائیت

اسلامی نام: عبداللہ — **ملک کا نام**: پاکستان

عیسائی نوجوان جیمس کا قبول اسلام

"میں دل کی گہرائیوں سے کہتا ہوں کہ دنیا میں سچا دین صرف اور صرف اسلام ہے، اسلام سے ہٹ کر دنیا میں جو بھی مذہب ہے وہ کفر ہے، میں انتہائی درددل کے ساتھ اپنے عیسائی بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آؤ دین اسلام قبول کرلو، دین اسلام ہی میں دنیا وآخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے۔ میرے والدین اور ایک بڑے بھائی نے بھی قبول اسلام کی سعادت حاصل کرلی ہے۔ میں دین اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہوں، سب مسلمان میرے لئے دین پر استقامت کی پرخلوص دعا کریں۔"

(نومسلم عبداللہ کے تاثرات)

میرا تعلق اختر آباد اوکاڑہ پنجاب پاکستان سے ہے، میرے والدین عیسائی تھے اس لئے میرا نام جیمس رکھا، میں حصول تعلیم کے لئے اپنے اسکول جاتا، میرے ارد گرد کا ماحول، اسکول کا ماحول اور دوست اور کلاس فیلوز اکثر مسلمان تھے جس کی وجہ سے بچپن ہی سے اسلامی لباس زیب تن کرنے کا موقع ملا۔ مجھے بچپن ہی سے گانے بجانے کا بے حد شوق تھا، اسکول کی ہر تقریب میں گلوکاری کا موقع دیا جاتا رہا اور اسکول کے سب اساتذہ اور طلباء میری بے حد پذیرائی کرتے، جب نویں جماعت میں پہنچا تو لاہور کے ایک فلمساز ادارے نے گانے کے لئے مدعو کیا، انٹرویو لیا گیا اور مجھے سلیکٹ کرلیا گیا، بعد ازاں جب وہ مجھے گانے کے لئے دعوت دیتے میں بخوشی لاہور جاتا اور شرکت کرتا جس سے میرے دل میں ایک بڑا گلوکار بننے کا شوق پیدا ہوگیا جبکہ میرے والدین مجھے میرے ماموں کی طرح ایک بڑا عیسائی پادری بنانا چاہتے تھے۔ دوسال تک لاہور کے

فلساز ادارے کے ساتھ بطور سنگر تعلق رہا اور اسی ادارے کے توسط سے ممبئی (انڈیا) سے بھی مجھے ایک شو میں شرکت کی دعوت دی گئی لیکن میں نے بوجہ تعلیم اور دیگر کئی ایک وجوہ اور دوستوں کے اصرار پر شریک نہ ہو سکا۔ اسی دوران تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے ساتھی نے مجھے قبول اسلام کی دعوت دی اور مسلمان دوستوں کے اخلاق نے مجھے عیسائیت کی بھول بھلیوں سے نجات حاصل کرنے اور اسلام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے لاہور کا سفر کیا اور دوران سفر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

''یا اللہ! مجھے قبول اسلام کی دولت نصیب فرما اور بعد از قبول اسلام ایسا نہ ہو کہ میں عیسائیت کی طرف واپس لوٹ آؤں، یا اللہ! مجھے مسلمان بنانا ہے تو پکا سچا مسلمان بنا، یا اللہ! میرے ضمیر کو زندہ رکھنا اور میں اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھوں بلکہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنا بھائی سمجھوں''۔

اس کے بعد مجھے لاہور کی ایک جامع مسجد کے امام کے ہاتھوں قبول اسلام کی دولت کے حصول کی توفیق مل گئی اور میں گھر واپس آ گیا۔ گھر واپس آنے کے بعد میرا ایک ایسے دوست سے رابطہ ہو گیا جو مجاہدین کشمیر سے تعلق رکھتے تھے، مجھے بھی جہاد کشمیر میں حصہ لینے کا شوق پیدا ہوا تو میرے ایک استاد نے مجھے جہاد پر جانے سے قبل تعلیم کیطرف توجہ دلائی اسی دوران میرے بڑے بھائی نے اسلام قبول کرنے کے بارے میں اظہار خیال کیا تو میں بہت خوش ہوا اور خوش آمدید کہتے ہوئے محاسن اسلام کے بارے میں اصلاحی گفتگو کی تو الحمدللہ! میرا بھائی قبولیت اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہو گیا۔ ہم بھائیوں نے اپنے والدین کے ساتھ اصلاحی کردار پیش کیا تو اللہ رب العزت کا لاکھ شکر ہے کہ وہ بھی جولائی ۱۹۹۹ء میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اب سوائے میرے سب سے بڑے بھائی کے میرا خاندان مسلمان ہو چکا ہے بعد ازں لاہور کے ایک بڑے پادری جوزف نامی سے میرا مذاکرہ بھی ہوا، اسلام کی حقانیت کے بارے میں میرے جوابات سن کر وہ حیران ہوا اور کہا کہ میں اتنے قلیل عرصے میں کیسے پکا مسلمان بن گیا ہوں؟

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ اسلام ایک سچا دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور دنیا کے پریشان حال لوگوں کو امن و آشتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو بحیثیت انسان ایک وحدت کی لڑی میں پروتا ہے، دو جہاں کی کامیابیاں اور کامرانیاں اپنے اندر رکھتا ہے، میں اپنے مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ وہ ذات پات اور اونچ نیچ کا فرق کئے بغیر اسلام کی اشاعت کے لئے اپنا عملی کردار پیش کریں اور نو مسلم خاندانوں اور لوگوں کو اپنا سمجھیں اور پوری تندہی سے اگر تبلیغ و اشاعت دین کے لئے جدوجہد کریں تو وہ دن دور نہیں جب اسلام پورے اکناف و اطراف میں پھیل جائے اور دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دے۔ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ میرے لئے اور میرے خاندان کے لئے دین اسلام پر استقامت کی دعا کریں، اب میں دین اسلام کا ایک طالب ہوں اور شاید زندگی بھر رہوں گا۔

(انشاءاللہ)

سابقہ نام: جارج اشتون **سابقہ مذہب**: عیسائیت **ملک کا نام**: امریکہ

جارج واشنگٹن (سابق امریکی صدر) کے پوتے کا قبول اسلام

"ذیل کا مضمون امریکیوں کے قومی ہیرو جارج واشنگٹن کے پوتے جارج اشتون کی کہانی ہے جس کو انہوں نے ریاض ریڈیو کے شعبہ انگریزی کو انٹرویو کی صورت میں بیان کی ہے۔"

سوال: براہ کرم آپ اپنا تعارف کرائیں اور یہ بتائیں کہ اسلام کی قبولیت کے اسباب ومحرکات کیا پیش آئے، اس کا آغاز کب سے ہوا؟

جواب: واشنگٹن کے قریبی صوبہ ورجینیا میں میری پیدائش ہوئی، میرے والد امریکی بحریہ میں ایک افسر تھے، وہ امریکی صدر جارج واشنگٹن کے پوتے تھے، میری نشوونما اور تعلیم وتربیت کے سارے مراحل خاندان ہی میں طے ہوئے میرے آباؤ اجداد کا ایک بڑا فارم ہے جو چار سو سال سے ہماری ملکیت ہے۔

بچپن ہی سے عیسائیت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی جستجو میرے اندر تھی، میں جس پادری سے بھی یہ سوالات کرتا وہ مجھے مطمئن کرنے میں ناکام ہو جاتا، مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود دونوں الگ الگ ہے، یہ دور میری زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔

پھر صحافتی زندگی میں جب میں نے قدم رکھا تو مجھے ایک کیمرہ مین کی حیثیت سے رسالہ ٹائم کی طرف سے لبنان کی خانہ جنگی کی تصویریں کھینچنے کے لئے بیروت جانا پڑا، یہ واقعہ ہے کہ ایک عرب اور مسلمان ملک کے سفر کا تصور کر کے مجھے خوف وگھبراہٹ ہو رہی تھی۔ کیونکہ امریکی فلموں اور میڈیا نے میرے دل ودماغ میں یہ بات اچھی طرح

اتار دی تھی کہ مسلمان تشدد پسند اور ظالم ہوتے ہیں وہ انتہائی جاہل اور جنگلی ہوتے ہیں، انسانی تہذیب سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لیکن لبنان میں داخل ہوتے ہی میرے تمام نظریات وعقائد یکسر باطل ثابت ہوئے، میں نے بچشم خود مشاہدہ اور تجربہ کیا کہ مسلمانوں اور عربوں سے متعلق جو کچھ مغربی میڈیا نے تصورات دیئے ہیں وہ جھوٹ اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہیں۔

جن مسلمانوں سے لبنان میں مختلف مقامات پر ہماری ملاقاتیں ہوئیں انہوں نے ہمیشہ خطرات سے ہمیں محفوظ رکھنے میں جان کی بازی لگادی، میرے کھانے پینے اور آرام وراحت کے تمام وسائل مہیا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، جب (عیسائی فوجوں) کی کمین گاہوں سے مجھ پر گولی چلائی گئی اور میں زخموں سے چور ہو گیا تو ان مسلمانوں نے میرے علاج میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اس طرح انہوں نے میری دیکھ بھال کی جیسے میں ان کا بھائی اور فرد خاندان ہوں، اس وقت میری عمر صرف بیس سال تھی، جس ہوٹل میں میرا قیام تھا وہیں قریب میں ایک مسجد تھی، جس کے امام سے میں ملاقاتیں کرتا اور اسلام کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کرتا رہتا، ان ملاقاتوں سے میرے اندر اسلام سے دلچسپی پیدا ہونے لگی، لیکن اس وقت میں نے نہ قرآن پڑھا تھا اور نہ ہی حدیث سے واقف تھا، لیکن مسلمانوں سے گفتگو اور مسلسل ملاقاتوں اور ان کے قرب نے میری تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا، میں ان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے محاذ پر جاتا تھا تاکہ تصویریں لے سکوں، پھر میں واپس امریکہ آ گیا، میں نے از سر نو مسیحی عقائد اور مختلف عیسائی فرقوں سے متعلق مطالعہ کرنا شروع کیا، گرجا گھروں میں پادریوں سے بھی ملا، لیکن مجھے تشفی نہ ہو سکی۔

پھر مجھے افغانستان اس وقت جانا پڑا جب روس نے اس قدیم اسلامی ملک پر زبردست یورش کر دی، واشنگٹن میں افغانستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی ایک کمپنی نے مجھے رپورٹنگ کے لئے افغانستان بھیجا تھا میری یہ بھی ذمہ داری تھی کہ افغان مجاہدین کی ضروریات کا جائزہ لوں اور مالی و فوجی امداد کا اندازہ کروں، ہم نے بعض افغان مجاہدین کو واشنگٹن اور نیویارک مدعو کیا تاکہ وہ امریکن کانگریس کے

ارکان سے تبادلہ خیال کرسکیں۔

سوال: آپ کے افغانستان کے بارے میں کیا مشاہدات واحساسات رہے؟

جواب: میں نے عام افغان مجاہدین کے اندر جو اسلامی روح پائی اس نے مجھے متحیر کردیا، میں نے دیکھا کہ وہ عین معرکہ جنگ میں وقت آنے پر نمازوں کے لئے کھڑے ہوجاتے، وہ کہا کرتے کہ اپنے خالق ومالک کو راضی کرنے کے لئے ہم یہ عبادت کرتے ہیں، میں جب انہیں جوش وجذبہ سے جہاد کرتے ہوئے دیکھتا اور نہتے ہوتے ہوئے بھی ایک بڑی فوجی طاقت سے لڑتے دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ یہ لوگ کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود اپنی طاقتور دشمن پر یقیناً فتح وغلبہ حاصل کرلیں گے، اس لئے کہ ان کے دلوں میں وہ ایمان موجزن ہے جس سے روسی فوجی محروم ہیں۔

میں نے قیام افغانستان کے دوران ہی احادیث نبوی کا مطالعہ شروع کردیا، ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء سے فرماتے تھے کہ "ایمان ہی کی بدولت کامیاب وکامران ہوں گے" اس میں شک نہیں کہ ایمان کی قوت سے بھرپور افغان مجاہدین بالآخر جدید ترین جنگی ساز وسامان سے لیس روسی فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئے۔

سوال: آپ کی زندگی میں دوسرا موڑ کب آیا؟

جواب: افغانستان سے واپسی کے بعد میں صحافت کے بجائے اپنے اصل پیشہ کیمرہ مین کا کام کرنے لگا، ۱۹۸۹ء میں نیویارک میں ہم نے اپنے دوستوں کے تعاون سے ایک کمپنی کی بنیاد ڈالی "راک اینڈ رول" گانے والوں کی ایک ٹیم ہم نے تشکیل دی، وہاں سے ہماری دوسری زندگی، جو سراسر لہو ولعب اور رقص وسرور اور شراب وشباب کی زندگی جس میں قدم قدم پر لذتوں سے لطف اندوزی ہوتی ہے، امریکی سوسائٹی میں ان مشہور فلمی ستاروں سے ہماری ملاقاتیں بھی ہوئیں جن کے بارے میں ہم اخبارات میں پڑھا کرتے تھے، اس زمانہ میں ہم نے دولت اکٹھی کرنی شروع کی، ایک سال کے اندر ہی میرے پاس ستر ہزار ڈالر جمع ہوگئے، اس طرح میری زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی رقم جمع ہوگئی۔

مجھے ایک دولتمند کی شادی کی تقریب میں ناروے مدعو کیا گیا تاکہ اس کی فلم بندی کروں، اس میں اچھے خاصے پیسے ملے ۱۹۹۲ء میں راک اینڈ رول کے مشہور مغنی ایلٹن جان کے ساتھ سفر میں جانا پڑا تاکہ اس کے اس سفر کو کیمرہ میں محفوظ کروں، یورپ کی سیاحت کے دوران وائنا میں ہماری ملاقات پناہ گزینوں کے ذمہ دار اقوام متحدہ کے ایک عہدیدار سے ہوئی، اس نے خواہش ظاہر کی کہ آپ صرف دو دن کے لئے بوسنیا ہو کر آئیے اور وہاں کی خانہ جنگی کی بھی تصویریں لے لیجئے، میں نے اس کو جواب دیا کہ میں نے خانہ جنگی کی اتنی تصویریں اتاری ہیں جو بہت سی جنگوں کے لئے کافی ہیں، اریٹیریا، ایتھوپیا، پولیساریو (مراکش) افغانستان اور بیروت وغیرہ کی تصویریں لے چکا ہوں، لیکن اس شب جب میں اپنے ہوٹل واپس آیا تو ٹیلی ویژن پر بوسنیا کی خبریں دیکھ کر میری رائے بدل گئی، ہم نے ٹی وی پر دیکھا کہ سرائیو میں خواتین اور معصوم بچوں نے روٹی حاصل کرنے کے جو لائن لگائی تھی، اس پر سربوں نے زبردست گولہ باریاں کی ہیں، یہ خبر میرے لئے بڑے زبردست صدمہ کا باعث بنی، اور میرے احساسات کو اس نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس لئے کہ افغانستان اور دوسرے مقامات پر بے گناہ بچے اور عورتیں جنگ میں قتل ہوئیں، لیکن اصل جنگ میں مقابلہ مردوں کا مردوں سے تھا، لیکن بوسنیا میں جو جنگ ہو رہی تھی وہ تو مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف تھی ہر اس چیز کو چن چن کر نشانہ بنایا جا رہا تھا جس کا تعلق اسلام اور مسلمانوں سے تھا، یہ جنگ جو سراسر ایک بھیانک نسلی جنگ تھی۔

دوسرے دن میں اقوام متحدہ کے دفتر میں کام کرنے والے اس دوست کے پاس دوبارہ پہنچا تاکہ سرائیو جانے کا پروگرام ترتیب دیا جائے، ہم نے جب اس کی اطلاع رسالہ ٹائم کے صدر دفتر کو دی تو ذمہ داروں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دو دن کے بجائے آپ دو ہفتے وہاں رہیں، لیکن میں نے کہا کہ میں صرف دو دن ہی اس کے لئے نکال سکتا ہوں، تاکہ اپنی کمپنی کے ضروری کام انجام دینے کے لئے نیویارک واپس جا سکوں۔

سوال: پھر آپ نے بوسنیا میں کیا دیکھا؟

جواب: سرائیو پہنچنے کے دوسرے ہی دن ہم نے بوسنیا کی شاہراہوں پر بڑے ہولناک

مناظر دیکھے، فرانسیسی بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر میں ایئر پورٹ کے راستے میں واقع ہسپتال گیا تا کہ وہاں کے مناظر کو کیمرے میں محفوظ کرسکوں، ہسپتال پہنچا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ سرب فوجی زبردست گولہ باری ہسپتال پر کررہے ہیں، ہسپتال سے باہر ایک زخمی کو ہم نے فوراً اندر پہنچایا، فرانسیسی محافظ دستے تو واپس چلے گئے، ہم وہیں ہاسپٹل میں ٹھہر گئے اور تقریباً سولہ گھنٹے ان ڈاکٹروں اور نرسوں کے ساتھ ہم نے گزرے جو شب و روز کھانے پینے سے بے پرواہ ہو کر انتہائی تندہی اور توجہ ومحنت سے مریضوں کے علاج میں مشغول تھے، انہیں آپریشن کے لئے ضروری اور بنیادی سامان نہیں مل رہے تھے، ان کے پاس انجکشن اور دوائیں نہیں تھیں، آکسیجن کی شدید کمی تھی، پانی اور بجلی سے بھی یہ ہسپتال محروم تھا، بجلی کے بجائے شمع سے کام لیا جارہا تھا، بیہوش کرنے والی دوا تک نہیں تھی، باوجودیکہ ہسپتال میں آپریشن کے وسائل اور جدید ترین مشینیں موجود تھیں لیکن بجلی نہ ہونے سے سب بیکار تھیں، دوسری طرف سرب فوجیوں کی مسلسل گولہ باری نے سارا نظام درہم برہم کر رکھا تھا، آکسیجن کے پائپ خالی رکھے ہوئے تھے، چار مہینے سے یہ صورتحال تھی، ہم نے اقوام متحدہ کے آفس میں فون کر کے دریافت کیا کہ کیا آکسیجن کا انتظام ہوسکتا ہے، کیا ہاسپٹل میں مریضوں کو غذائی اشیاء مہیا کی جاسکتی ہیں، لیکن اقوام متحدہ کے افسران نے یہ عذر کیا کہ اگر ہم کسی ٹرک کے ذریعے یہ سامان پہنچانے کی کوشش بھی کریں تو سرب فوجیں اپنی گولہ باری سے اس کو ناکام بنادیں گی، اس لئے ہم آپ کی مدد نہیں کرسکتے، اس لئے کہ ہمارے پاس صرف تیرہ ٹرک ہیں، جن پر غذائی اشیاء لدی ہوئی ہیں، ہم کسی ایک ٹرک سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہم نے وہاں موجود بوسنیا کے مسلمان فوجیوں سے گفتگو کی اور کہا کہ کیا آپ کوئی بار بردار ٹرک تیار کرسکتے ہیں، انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ جیسے ہی ہمیں یہ ٹرک مہیا ہوگیا ہم نے بوسنیا کے مسلمان فوجیوں کے تعاون سے سفید رنگ سے ٹرک کو رنگ دیا اور اس کے ہر طرف اقوام متحدہ کا مونوگرام بنادیا۔ ہم نے ہسپتال کو درکار اشیاء کی فہرست بنائی پھر اقوام متحدہ کے مرکزی دفتر سے غذائی اور طبی ساز وسامان لیا، اور خود ڈرائیور بن کر ٹرک سے ایئر پورٹ کے راستے سربوں کی چوکیوں سے گزرتے ہوئے ہسپتال پہنچ گئے، سربوں نے ہم

سے تعرض نہیں کیا۔ دوسرے دن اقوام متحدہ کے دفتر کو حیرت اور تعجب ہو رہا تھا کہ میرے پاس تو کاغذات ایک صحافی کے ہیں اور میں اقوام متحدہ کا ڈرائیور کیسے بن گیا؟ سربوں کی وحشیانہ گولہ باری سے بچ کر صحیح سلامت ہسپتال تک پہنچنا ایک معجزہ ہی تھا۔ اگر ہم اپنا آپ کو غیر ملکی صحافی بتا دیتے تو سرب ہمیں یقیناً گولیوں سے اڑا دیتے، اس لئے کہ بیسویں صدی کی جو خانہ جنگیاں ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحافی سربوں کی گولیوں سے ہی مر گئے ہیں۔ ہم نے امریکی ذمہ داروں سے بھی مدد لی، انہوں نے ہسپتال کے لئے طبی امداد اور غذائی اشیاء تیسرے دن بھی فراہم کی، اور آکسیجن بھی وافر مقدار میں دوسرے شہر زغرب سے بھجوائی۔

سوال: اس کے بعد آپ نے کیا کیا؟

جواب: میں محسوس کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خاص مقصد سے بھیجا ہے، میں نے تین دن قیام کے بجائے مزید تین ہفتے یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا، میرے قیام کا تیسرا اور آخری ہفتہ تھا۔ مجھے ضروری تصویریں اتارنی تھیں کہ اچانک ایک کمین گاہ سے مجھ پر گولیاں چلائی گئیں جو میرے ایک بازو اور دوسری گولی میری ٹانگ میں لگی۔ بوسنیا کے مسلمان ڈاکٹروں نے فوری طبی مدد پہنچائی، اس کے بعد مکمل علاج کے لئے میونخ (جرمنی) چلا گیا جہاں امریکی ہاسپٹل میں ڈیڑھ دو مہینے علاج کی غرض سے مقیم رہا۔ ڈاکٹروں نے زخم دیکھ کر بتایا کہ اگر دو سال تک اچھی طرح علاج ہو تو آپ چل پھر سکتے ہیں، لیکن میں نے ان کی ہدایات کو نظر انداز کر کے یہ فیصلہ کرلیا کہ مجھے بوسنیا میں اپنی جدوجہد جاری رکھنا ہے، چنانچہ میں نے پلاسٹک کے تھیلوں سے اپنے پاؤں کو لپیٹ لیا، اور پھر ہاسپٹل پہنچ گیا، ایک مہینہ کے اندر میں چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا۔ جرمنی ہی میں ہم نے بوسنیا کے لئے دوائیں جمع کرنے کی مہم شروع کردی جب اچھی خاصی مقدار ضروری دواؤں کی ہوگئی تو میں بوسنیا واپس چلا گیا، یہاں مجھے ایک ایسے عجیب وغریب تجربے سے گزرنا پڑا جس سے میرے اندر گہرا زخم اور غیر معمولی نفسیاتی صدمہ پہنچا۔ بلکہ اس نے میری زندگی کا رخ یکسر بدل کر رکھ دیا۔

مجھے ایک دن معلوم ہوا کہ بوسنیا کا ایک چھوٹا سا شہر سرب فوجوں کے محاصرہ

میں ہے، میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا، کروٹ اور بوسنیا کی فوجوں نے میرے اس فیصلہ کی مخالفت کی اور متنبہ کیا کہ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں ہر طرف سربی فوج گھات لگائے بیٹھی ہے۔ یقیناً وہ ہم کو گولیوں سے بھون دیں گے، آپ یہ سفر نہ کریں تو بہتر ہے یہ سفر خودکشی کے مترادف ہے لیکن میرا فیصلہ وہاں جانے کا اٹل تھا۔ ہم رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے، جب اچھی طرح تاریکی چھاگئی تو ہم نے سفر کا آغاز کردیا آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، سرب فوجیوں نے ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں بال بال بچالیا، جس موٹر میں ہم سوار تھے وہ بری طرح تباہ وبرباد ہوگئی، انجن، ٹائر اور شیشے مکمل طور پر تباہ ہوگئے، ہم واپس آگئے دوسری موٹر لی اور ایک دوسرے راستے کا انتخاب کیا، جہاں سے منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا تھا۔ وحشت ناک جنگ کے اس جہنم میں ہم نے چار خواتین کو دیکھا جو ایک دوسرے کو سہارا دے کر چل رہی ہیں، سربوں نے پھر ہم پر گولیاں چلائیں، ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ خواتین اپنے جسموں کو اچھی طرح لپیٹے ہوئے ہیں، میں سمجھ گیا کہ یہ یقیناً مسلمان خواتین ہیں۔ سربی فوجی مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمان خواتین اور مردوں کو دھوکا دیا کرتے، اور ان کو قتل کردیتے، مجھے ایک لمحہ کے لئے شک ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خواتین سربوں سے تعلق رکھتی ہوں اور ہم مدد کے لئے پہنچیں تو سربوں کی گولیوں کا شکار ہوجائیں، مگر ہم نے یہ بات حیرت کے ساتھ نوٹ کی کہ ان خواتین میں سے ایک کے جسم سے بری طرح خون بہہ رہا ہے، یہ دیکھ کر میں موٹر سے اترا اور میرے ساتھ ڈرائیور بھی اتر گیا، یہ خواتین شدت تکلیف سے بری طرح چیخ رہی تھیں اور زاروقطار رو رہی تھیں، ہم جب ان خواتین کے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ان میں ایک بارہ سال کی اور دوسری بچی تیرہ سال کی ہے، ایک لڑکی کے جسم سے خون بری طرح بہہ رہا تھا، میں نے اس بچی کو اپنی موٹر میں سوار کرلیا، خاتون جس کی بچی کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، بڑی مضطرب تھی ڈرائیور نے اس کو ہمارے بارے میں بتایا کہ یہ ڈاکٹر ہیں، میں نے وہیں فوری طبی امداد اس بچی کو پہنچانے کا فیصلہ کیا اس لئے اس کی حالت بہت سنگین ہورہی تھی، مجھے فرسٹ ایڈ کی تربیت مل چکی تھی، جو اس موقع پر کام آئی، میں نے جب اس بچی کو دیکھا تو مجھے گہرا صدمہ پہنچا

ناقابل فراموش واقعہ تھا جو زندگی بھر نہیں بھلایا جا سکتا اس بچی کی ماں نے مجھے بتایا کہ سرب فوجیوں نے اس کے ساتھ بڑی درندگی کا معاملہ کیا اس کے بعد سے یہ بچی بے ہوش ہے اور قریب المرگ ہے نبض بھی کمزور تھی بچی کی ماں نے روتے ہوئے بتایا کہ سربوں نے اس کی مسلمان بستی پر حملہ کیا، تمام مردوں اور بچوں کو انہوں نے ان کے رشتہ داروں کے سامنے ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔ آخر کار ہم لوگوں نے رات کے اندھیرے میں اس گاؤں سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا حالانکہ دونوں بچیاں شدید تکلیف سے دوچار تھیں، پھر بھی کسی نہ کسی طرح ان کو اٹھا کر ہم لوگ اس گاؤں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے یہ ہولناک واقعہ سن کر میں برداشت نہ کر سکا اور بری طرح رونے لگا۔

سوال: اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب: اس واقعہ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا، بوسنیا پہنچ کر پھر میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور اس طرح رونے لگا جیسے میری بچی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھ پر کیا گزری، میرے دل پر جو گزری وہ ناقابل بیان ہے، میں نے یہ محسوس کیا کہ اب مجھے اپنی زندگی کو ان انسانوں کو بچانے کی خاطر یکسر تبدیل کر دینا چاہیے۔ اس لئے نہیں کہ یہ مسلمان ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ انسان ہیں، بچپن میں مجھے انسانوں سے محبت کرنا سکھایا گیا تھا، مسلمانوں کے ساتھ رہ کر بھی ہم نے یہی سیکھا تھا، خاص طور نے بوسنیا کے دوران قیام اس کا مشاہدہ زیادہ ہوا۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ میں عیسائی ہو کر یہ سوچ رہا تھا کہ سرب عیسائی ہو کر بھی وحشی اور درندے کیسے بن گئے تھے؟ بہر حال میں نے بوسنیا کے اس ہاسپٹل میں اس بچی کو داخل کرا دیا جو خواتین سے متعلق تھا، وہاں جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح کی عصمت دری کے کئی کیس ہیں جن میں مبتلا خواتین اور کم سن لڑکیوں کا علاج ہو رہا ہے اور یہ صرف ایک شب میں پیش آیا تھا۔

سوال: بوسنیا کے دوران قیام آپ کی ملاقات کسی مسلمان صحافی سے بھی ہوئی؟

جواب: ہاں متعدد مسلمان صحافی وہاں رپورٹنگ کے لئے گئے ہوئے تھے، سعودی میڈیا سے متعلق صحافی سے ہماری جب ملاقات ہوئی تو دیر تک اسلام اور مسلمانوں سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کار میری باتیں سن کر اس صحافی نے وہی کہا جو بیروت کی مسجد کے

امام نے کہا تھا کہ آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ آپ کا دل تو مسلمان ہے، آپ اسلام قبول کر لیں گے تو اسلام سے متعلق بہت سے سوالات کا جواب خود بخود مل جائے گا۔ اس وقت سے مسلمان صحافی کا یہ جملہ برابر میرے ذہن میں کام کرتا رہا۔

میں نے بوسنیا کے دوران قیام ایک مسلمان خاندان کو امریکہ علاج کے لئے بھجوانے کا انتظام کیا تھا، اس خاندان کے سرپرست کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے ان کا ایک گردہ بالکل بے کار ہو گیا تھا، جس ہاسپٹل میں ہم نے اس خاندان کے سربراہ کو علاج کے لئے داخل کیا تھا وہاں سے ہمارا برابر رابطہ رہا، اس دوران میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کر دیا تا کہ بہتر طریقہ سے براہ راست اسلامی تعلیمات کو سمجھ سکوں، چند ہی دنوں میں قرآن مجید میں مجھے اپنے ان سوالوں کا جواب تشفی بخش طریقہ سے مل گیا جس کے لئے میں برسوں سے پریشان تھا، اور مجھے انجیل اور اس کے عالموں نے مایوس کر دیا تھا۔

میں بوسنیا سے واپس آیا تو تیسرے دن میں اس خاندان سے ملنے ہاسپٹل گیا تا کہ ان کے حالات معلوم کروں، مجھے معلوم ہوا کہ مریض ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز کے لئے وہ یہاں ایک قریبی مسجد میں جاتے ہیں، میں نے اس بوسنی مسلمان مریض کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا، اس وقت میں نے بڑے تاثر سے کہا کہ آپ کے دین اسلام میں سب کچھ ہے اور یہی اصل دین ہے جس پر پوری انسانیت کی نجات کا انحصار ہے میں جب یہ جملہ کہہ رہا تھا اس وقت میری عجیب کیفیت تھی اندر سے میری شدید خواہش ہو رہی تھی کہ اپنے اسلام کا اعلان کر دوں اور ابھی گھر جا کر نمازیں پڑھنے لگوں۔

سوال: آپ کیسے اسلام لائے؟

جواب: میں جب گھر واپس آیا تو دوسرے دن اس بوسنی مسلمان کے انتقال کی افسوسناک اطلاع ملی، میں تیزی سے وہاں پہنچا دیکھا کہ ہم سے پہلے اس شہر میں موجود مسلمانوں کی بڑی تعداد تجہیز و تکفین کے لئے پہنچ چکی ہے، یہ وہ مسلمان تھے جو ہندوستان و پاکستان، سعودی عرب، کویت اور دیگر ملکوں سے تعلق رکھتے تھے ان کی کوئی رشتہ داری مرحوم سے نہیں تھی، لیکن وہ سب اس طرح شریک تھے جیسے یہ ان کے فرد خاندان اور بزرگ ہوں ہر شخص اس خاندان کے افراد کی دلجوئی اور تسکین و دلاسہ کا فریضہ انجام دے

رہا تھا، ہر شخص متاثر اور غمگین تھا۔ جو میرے لئے نئی بات تھی، جب میرے مرحوم بوسنی دوست عثمان کے جسم کو غسل دیا جارہا تھا میں نے عین اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اسی لمحے میری زندگی یکسر تبدیل ہوگئی تھی اسلام نے مجھے بدل دیا تھا اسلام قبول کرنے کے بعد بوسنیا ہی نہیں میرے اندر دنیا کے مسلمانوں کی مدد کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا اس لئے کہ وہ سب میرے بھائی ہیں اور اسلامی اخوت عالمگیر ہے۔

سابقہ نام: ڈی ٹی ایف وونگ **سابقہ مذہب**: عیسائیت
اسلامی نام: عبدالحق **ملک کا نام**: برطانیہ

اسلام میں عقیدہ تثلیث کی طرح پیچیدگیاں نہیں

برطانیہ کے عبدالحق کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان

پہلے مجھے لوگ ڈی ٹی ایف وونگ کے نام سے بلاتے تھے، جبکہ اب میرا نام عبدالحق ہے، میں چینی نژاد ہوں جبکہ مسلم اکثریتی ملک برونائی دارالسلام میں پیدا ہوا۔ میری عمر ۳۶ برس ہے، تعلیم کے لئے میں ۱۹۷۷ء میں برطانیہ چلا آیا اور اب میں لندن میں مقیم ہوں میری زیادہ تر تعلیم مشنری اسکول میں ہوئی جس کا تعلق چرچ سے تھا۔ کالج میں داخلہ سے پہلے برطانیہ میں دو سال تک ایک عیسائی اسکول میں زیر تعلیم رہا۔

میں ایک پروٹسٹنٹ اینگلی کن گھرانے میں پیدا ہوا، جو چرچ کی سرگرمیوں میں فعال تھا۔ اور اب بھی ہے، ایک سیکولر سوسائٹی میں میں نے سیکولر قوانین اور رسوم کو بھی قبول کیا ہوا تھا، ۲۷ سال کی عمر تک میں عیسائی رہا تقریباً ساڑھے نو سال قبل میں نے عیسائیت کو خیر باد کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب میں ایک مسلمان ہوں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی فرد کو ہدایت دو طریقوں سے ملتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے، اس طریقے میں اللہ تعالیٰ سچائی کو قبول کرنے کے لئے انسان کے قلب و ذہن کو کھول دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے انکار کو اقرار میں بدل دیتا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے نیک بندوں کے وعظ و تبلیغ کے ذریعے جو اللہ کی مخلوق انسان کے سامنے توحید کو بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے صرف اللہ کی توفیق سے ہدایت ملی ہے، شاید یہ اس وجہ سے ہوا کہ میں سچائی کی تلاش میں سرگرم تھا مجھے مسلمانوں نے کوئی تبلیغ نہ کی تھی۔

اس وقت میری عمر ۲۳ سال تھی اور میں کالج کے آخری سال میں تھا جب میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا وہ تصور پیدا ہوا جو میں نے عیسائیت میں کبھی نہ پڑھا تھا میں کمرے میں کھڑا کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کائنات کے کچھ مناظر کا مشاہدہ کر رہا تھا، مثلاً آسمان، درخت اور لوگ وغیرہ۔ اس مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں میرے اندر ایک مضبوط یقین پیدا ہوا۔ کالج میں میں ارکیٹیکچر کا مطالعہ کر رہا تھا اس لئے جب میں عمارتوں کو دیکھتا تو اچھی طرح جانتا کہ یہ عمارتیں کسی فرد نے ڈیزائن کی اور بنائی ہیں، از خود نہیں بنیں تو پھر اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اس باقاعدگی سے خود بخود کیسے آسکتے ہیں، اجسام کے اعضاء جس طرح کام کرتے ہیں یہ از خود ممکن نہیں کوئی نہ کوئی ہستی ان تمام کاموں کے پیچھے ہے اس سوچ نے میرے یقین کو پختگی دی کہ خالق کائنات بھی ہے۔ عیسائیت میں ''عقیدہ تثلیث'' ذہنوں میں ٹھونسا جاتا ہے جس کی اکثر عیسائی عالم وضاحت نہیں کر سکتے اور کئی محض اپنی روحانی تسکین کے لئے قبول کر لیتے ہیں اس نکتے پر عیسائی کے ساتھ میرا کوئی مسئلہ نہ تھا، تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یہ نیا تصور میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔

اگرچہ میں مسلم ملک میں پیدا ہوا تھا تاہم میں نے اسلام کا کبھی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس وقت برونائی دارالسلام میں غیر مسلم طلبا اسلامی تعلیم سے مستثنیٰ تھے ایک دن میں ایک مسلمان کی دوکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ دوکان کے اندر جانے کا فیصلہ کیا بغیر کچھ سوچے کہ کیا خریدنا ہے چیزوں کو دیکھنے لگا، میری قرآن مجید پر نظر پڑی اور اسے خریدنے کا فیصلہ کر لیا کسی مسلمان سے آپ بات کریں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ قرآن بار بار بنی نوع انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کائنات کو دیکھے اور خالق کائنات پر اپنے یقین کی تصدیق کرے۔

میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جو نیا تصور پیدا ہوا، وہ بالکل ایسے ہی تو ہوا مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن اور اسلام میں سچائی ہے، قرآن نے بائبل کے اعتبار اور عقیدہ تثلیث کی طرف بھی پہلی بار میری سوچوں کا رخ بدلا، میں نے تحقیق

اور کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پادریوں سے عقیدہ تثلیث اور بائبل کے قابل اعتبار ہونے کے بارے میں سوال کرنے لگا اکثر نے میرے سوالوں کے نہایت مشکل جواب دیئے اور تثلیث کے بارے میں کہا کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

میں نے اسلام میں کسی خامی کو نہ پایا۔ قرآن اور اسلامی کتب سے جو علم مجھے حاصل ہو رہا تھا اس کے میری ذات پر اہم اثرات مرتب ہونے لگے میں بتدریج اسلام کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ اسلام کی سچائیاں بڑی سادہ ہیں، اور عقیدہ تثلیث کی طرح اس میں الجھاؤ اور پیچیدگیاں نہیں ہیں اسلام اپنے بنیادی عقائد کسی پر زبردستی نہیں ٹھونستا، ان پر تدبر و تفکر کرنے اور ایمان لانے سے پہلے انہیں عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت دیتا ہے، یہ بنی نوع انسان کے اطمینان کے لئے محض جذبات کا سہارا نہیں لیتا جیسا عموماً بتوں کی پرستش کرنے والے کرتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا فیصلہ میرا ذاتی تھا، جب میں نے والدین کو بتایا تو میری والدہ نے میرے دو ماموؤں کو مجھ سے ملنے (جو پادری تھے) اور مجھے قائل کرنے کے لئے کہا کہ عیسائیت ہی صحیح دین ہے وہ قائل کرنے میں ناکام ہو گئے۔ اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ میں نے اسلام کو سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے، انہوں نے مجھے بطور مسلمان زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں نے مطالعہ جاری رکھا اور دین اسلام کے بارے میں جوں جوں میرا علم بڑھتا گیا، اللہ کی ذات پر میرے ایمان و یقین میں بھی اضافہ ہوتا گیا، میں عیسائیت کے بارے میں مزید باخبر ہو گیا، کہ اس میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کچھ نہیں، چرچ کی عبادات، عیسائی تہوار اور دیگر مذہبی رسومات انسان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں، جبکہ اسلام تو مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ تو خواتین و حضرات اور اللہ کے درمیان تعلقات، حضرات و خواتین کے آپس میں تعلقات، مردوں کے مردوں اور عورتوں کے عورتوں سے تعلقات سب کے بارے میں ضابطہ حیات دیتا ہے، معاشی، سیاسی، تعلیمی سوشل اور قانونی امور میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے، کونسا تہوار کیسے منانا ہے، کونسی باتیں صحیح اور کون سی غلط، کن جرائم پر کیا سزائیں دینی ہیں، ریاست کا نظام کیسے قائم کرتا ہے، اور حکمران کس طرح حکومت کریں

گے وغیرہ وغیرہ۔

عیسائیت مذہبی عقائد پر تو بڑا زور دیتی ہے مگر سیکولر دنیا کے ساتھ بڑا خوش بھی دکھائی دیتی ہے، اسلام میں قوانین بھی ہیں فرد اور سوسائٹی کی رہنمائی کا نظام بھی اور یہی بات صحیح ہے کہ خالق کائنات نے اپنی مخلوقات کو ضابطہ ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا، قوانین سے لیکر زندگی کے ہر شعبے میں اس کو رہنمائی فراہم کی ہے، خالق ہی مخلوق کے بارے میں بہتر جانتا ہے، ہر فرد کسی بھی مشینری کے استعمال کے سلسلہ میں اس کے مینوفیکچر کی ہدایات پر عمل کرتا ہے، بنی نوع انسان کا خالق اللہ ہے اور اس کی ہدایات پر عمل کر کے ہی انسان مقاصد زندگی حاصل کرسکتا ہے اسلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے تسلیم ہو جانے کا نام ہے، سوسائٹی اسی وقت صحیح کام کرے گی اور پر امن ہوگی جب ہم سب خالق کے سامنے تسلیم ہو جائیں گے۔

میں ایک یہودی نہیں بن سکتا تھا، یہودی تو منتخب لوگ ہیں (اسرائیل کے قبیلے جودہ (Judah) کی نسل سے عیسائیت کے بارے میں میں جان گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا چکی ہے اور اب اس میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ کی نہیں انسان ہی کی رہنمائی ہے، میں مطمئن ہوں کہ اسلام کے انتخاب کے سلسلہ میں میرا فیصلہ بالکل درست ہے۔

سابقہ مذہب: عیسائیت **اسلامی نام**: عبدالرشید **ملک کا نام**: امریکہ

امریکی فوجی کے قبول اسلام کا عبرت آموز واقعہ

"ہمارا یہ پختہ یقین ہے کہ یہ مذہب عالمگیر ہے اور کسی ایک قوم یا علاقے کا پابند نہیں اور نہ یہ تاریخ کی بھولی بسری کہانی ہے اور انشاء اللہ العزیز ایمان کی یہ سطح ہمیں اس قابل بنادے گی کہ ہم باوردی مسلمانوں کی حیثیت سے عمدہ مثال پیش کرسکیں، جس طرح بغیر کسی جبر واکراہ کے دین اسلام کا انتخاب میرا ذاتی فیصلہ تھا اسی طرح ہمیں امریکی مسلمانوں کی حیثیت سے اس بات کا فیصلہ بھی خود کرنا ہے کہ آئندہ امریکہ میں ہمیں اپنے دین کے فروغ کے لئے کیا اور کس حد تک جدوجہد کرنی ہے اور ہم واقعتا اسلام کے لئے کیا مقام چاہتے ہیں، کیپٹن عبدالرشید محمد کے تاثرات (مدیر)"

امریکہ میں اسلام اپنی اصل اور مکمل شکل میں جس طرح آج ہمیں نظر آتا ہے، آغاز میں ایسے نہیں تھا۔ یورپی آبادکاروں نے افریقی باشندوں کو بحری جہازوں میں بھر بھر کر امریکہ پہنچایا جہاں ان سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا اور بطور غلام ان سے مشقت لی یہ سلسلہ لمبے عرصے تک جاری رہا تا آنکہ آزادی اور حریت کی عالمی تحریکوں سے متاثر ہوکر سیاہ فام امریکی باشندوں میں اپنی شناخت کا شعور پروان چڑھا اور اپنے نسلی منبع کی تلاش میں وہ اپنے آباؤ اجداد کے وطن افریقہ تک پہنچ گئے۔ خود

دریافتی کے اس سفر میں انہیں معلوم ہوا کہ ان کے اجداد کا مذہب اسلام تھا، چونکہ منبع اسلام سے دور ہونے پر اسلامی تعلیمات کے متعلق براہ راست جاننے کا ذریعہ عدم موجود تھا اس لئے شروع میں سیاہ فام نسل میں اسلام سے متعلق ٹھیک ٹھیک معلومات نہ ہونے کی بنا پر کئی غلط رویئیں در آئیں۔ فضا میں چونکہ نسل پرستی کا عنصر بافراط موجود تھا اس لئے یہ سیاہ فام نسل پرستی اور اسلام ہم معنی ہو کر رہ گئے۔ ایک تنظیم "نیشن آف اسلام" وجود میں آئی جس کی قیادت عالی جاہ محمد کے ہاتھ میں تھی، میلکم ایکس اور لوئیس فرحان بھی سیاہ فام کمیونٹی کے نمایاں قائدر ہے، پھر عالی جاہ محمد کی موت کے بعد تنظیم کی قیادت امام ڈبلیو دین محمد کے ہاتھ آئی جس کے بعد صحیح اسلامی فکر کی طرف مراجعت کا دور شروع ہوا اور اب قلیل سی تعداد کے ماسوا جو کہ سابقہ قائدین کی ژولیدہ فکر سے چمٹی ہوئی ہے اکثریت راست اسلامی فکر کی حامل ہے۔ کیپٹن عبدالرشید محمد جو امریکی مسلح افواج میں مسلم امام کے بطور وابستہ ہیں کا زیر نظر امریکہ میں اسلامی فکر کے ارتقا سے متعلق صحیح صورتحال کی عکاسی کرتا ہے (مترجم)

میں نے جون ۱۹۷۳ء میں اسلام کا انتخاب کیا میرا قبول اسلام میری بیوی اور بے شمار دیگر افریقی پس منظر رکھنے والے امریکیوں کی طرح نیشن آف اسلام کے ذریعے سے عالی جاہ محمد کی تعلیمات کے زیر اثر ہوا اگرچہ موصوف نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اسلام کی غلط تعبیر پیش کی پھر بھی سماجی تبدیلی اور معاشی آزادی جیسے نظریات احسن طریقے سے پیش کئے۔ درحقیقت ایسی تحریک کی سیاہ فام امریکیوں کو اشد ضرورت تھی جو کہ میلکم ایکس الحاج ملک الشہباز نے بخوبی پوری کی۔

اسلام کے ابدی پیغام کو قبول کرنے سے قطع نظر ایک بات پر روز اول سے میرا پختہ یقین رہا کہ انسان محض اللہ کا بندہ ہے اور کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ شروع شروع میں اپنے جیسے کئی دوسرے افراد کی مانند اسلام کی صحیح تصویر سے آگاہ نہ تھا۔ صحیح اسلام شناسی اس وقت ممکن ہوئی، جب امام ڈبلیو دین محمد، اپنے والد عالی جاہ محمد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد نیشن آف اسلام کے نئے قائد بنے۔ یہ ۱۹۷۵ء کا دور تھا جب ہم سابقہ نیشن آف اسلام کے پیروکاروں نے قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح خطوط

پر مطالعہ شروع کیا، یہاں تک کہ لوئیس فرحان سمیت دو لاکھ پچاس ہزار کے لگ بھگ دیگر اراکین نے بھی تنظیم کی ہدایات کو قبول کیا۔

لوئیس فرحان اور اس کے چند ساتھیوں (جنھوں نے بعد میں تنظیم کے اندر آنے والی مثبت تبدیلی پر علیحدگی اختیار کرلی) کے برعکس اس روحانی ارتقا کے سفر کو میں نے جاری رکھا۔ ہماری تنظیم نیشن آف اسلام پہلے مغرب میں عالمی اسلامی تنظیم (The world community of islam in the west) میں، پھر امریکہ مسلم مشن اور بالآخر امریکی مسلم تنظیم میں تبدیلی ہوگئی۔

میں بطور عیسائی مائے رون میکس ویل میں پیدا ہوا، اگرچہ میں نے والدین کی ہمیشہ فرمانبرداری کی لیکن ساتھ ساتھ دین میں تبدیلی کی ضرورت کو بھی محسوس کیا۔ حیران کن طور پر کئی دوسرے اہم فیصلوں کی نسبت اسلام کا انتخاب کا فیصلہ آسانی سے ہوگیا، البتہ مشکل مرحلہ میرے مسلم نام کے اختیار کرنے کا تھا، مجھے ذاتی طور پر یقین تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے، میں نے محسوس کیا کہ مسلم نام میری اسلامی شناخت بن جائے گا اور اس طرح میرے لئے عملی طور پر اسلام کو اپنانا ممکن ہو جائے گا۔

نیویارک براک پورٹ سے انتھروپالوجی میں انڈر گریجویشن کرنے کے بعد سان ڈیاگو یونیورسٹی سے گریجویشن کے لئے سفر کیا۔ یہ انہی دنوں (۱۹۷۸ء) کی بات ہے کہ جنوب مشرقی سان ڈیاگو کی مسجد محمد میں میری ملاقات سلیمہ سے ہوئی جو بعد میں میری شریک حیات بنی کچھ عرصہ بعد یونیورسٹی کیمپس ہی میں ہماری شادی ہوگئی۔

میری طرح سلیمہ بھی عیسائی پس منظر اور لوتھری فرقے سے تعلق رکھتی تھی، خاندان بھر میں وہ اکیلی مسلمان ہے، میرا بڑا بھائی ۱۹۷۰ء میں نیشن آف اسلام کا پیروکار بنا مگر بدقسمتی سے اصل اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں، میں نے امریکی مسلح افواج میں شرکت اختیار کرلی یہ فیصلہ بھی میں نے اشاعت اسلام کا فریضہ مقامی سطح سے آگے بڑھ کر انجام دینے کے لئے کیا۔

امریکی افواج کو بطور پیشہ منتخب کرنے میں بہتری ہی تھی، یقیناً ہر کام میں اللہ کی حکمت کارفرما ہوتی ہے، اس مالک کی جس کا اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی میں ماننے

والا تھا۔ امریکی افواج میں بطور امام کے تقرر میرے نصب العین کے مطابق تھا، اس حیثیت سے میں براہ راست سپاہیوں اور ان کے اہل خانہ کے مسائل اور حالات سے آگاہ رہتا ہوں اور اس طرح ان کے روحانی و اخلاقی مسائل حل کرنے میں ان کی مدد کرتا ہوں۔

سابقہ سماجی کارکن کی حیثیت سے مجھے دوسروں کے مسائل حل کرنے اور اس سلسلے میں ہر چیلنج سے نبرد آزما ہونے میں ہمیشہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ بحیثیت امام میری ذمہ داریاں ایسی ہیں کہ مجھے وہ تمام مہارتیں جو میں نے گذشتہ بیس سالوں میں سیکھی ہیں، استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے، ستمبر کا مہینہ شمالی امریکہ کے مسلمانوں کے لئے بہت ہی مبارک ہے۔ جس میں وہ شمالی امریکہ کے اسلامی حلقے کے سالانہ کنونشن کے موقع پر مل بیٹھتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک خوشخبری میرے پاس یہ ہے کہ انشاء اللہ فورٹ بریگ چھاؤنی میں ایک مسجد تعمیر کی جارہی ہے، جس میں تین سو نمازیوں کی گنجائش ہوگی، یہ میری اپنے کمانڈر کو دی گئی تجویز کا نتیجہ ہے، میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ میری درخواست کو اس نے ثمر آور کیا جو کہ ۱۹۹۵ء کے لئے میری اولین ترجیح تھی۔ یہ ایک اہم قدم ہے جس سے مسلمان فوجیوں اور ان کے اہل خانہ کو قرآن وسنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں عبادت کیلئے صحیح جگہ میسر آئے گی۔

بطور مسلمان فوجی ہم محض جذباتیت کے بجائے اپنے پروردگار کی عطا کردہ سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہتے ہیں اور صحیح اسلامی طرز حیات اپنانے کے لئے مسلم امریکی فوجیوں کی حیثیت سے سمجھتے ہیں کہ ہماری ذمہ داری دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف نہیں۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہ مذہب عالمگیر ہے اور کسی ایک قوم یا علاقے کا پابند نہیں اور نہ یہ تاریخ کی بھولی بسری کہانی ہے اور انشاء اللہ العزیز ایمان کی یہ سطح ہمیں اس قابل بنادے گی کہ ہم باوردی مسلمانوں کی حیثیت سے عمدہ مثال پیش کرسکیں۔ اس سلسلے میں ہم تمام ملت اسلامیہ سے دعاؤں اور مدد کی درخواست کرتے ہیں اور ان کے مشوروں کو خوش آمدید کہیں گے۔

بحیثیت مسلمان ہمیں اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے کہ امریکہ کبھی بھی کسی

خاص گروہ مذہب یا مسلک کی آماجگاہ نہیں رہا۔ جس طرح بغیر کسی جبر و اکراہ کے دین اسلام کا انتخاب میرا ذاتی فیصلہ تھا اسی طرح ہمیں امریکی مسلمانوں کی حیثیت سے اس بات کا فیصلہ بھی خود کرنا ہے کہ آئندہ امریکہ میں ہمیں اپنے دین کے فروغ کے لئے کیا اور کس حد تک جدوجہد کرنی ہے اور ہم واقعتا اسلام کے لئے کیا مقام چاہتے ہیں۔

وہ سجدہ، روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

سابقہ مذہب: عیسائیت **اسلامی نام**: شیرین **ملک کا نام**: لندن

ہدایت یوں بھی مل جاتی ہے

لندن سے دس میل جنوب مغرب میں ایک شہر ہے جس کا نام (Kingston) کنگسٹن ہے ایک بار وہاں ایک تقریب میں جانا ہوا تو ہمارے میزبان نے ایک نومسلم انگلش نژاد نوجوان سے جس کی عمر تقریباً ۲۵،۳۰ سال کے درمیان ہوگی، ملاقات کرائی اور اس سے تعارف کرایا، ان کا نام شیرین بتایا اس سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر برا نہ مانو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کیسے مسلمان ہوئے جبکہ بالخصوص موجودہ دور اسلام دشمنی اور اسلام سے نفرت پھیلانے میں کوشاں اور ساعی ہے اس پر اس نوجوان نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

کہنے لگا میں ایک کار گیرج (Car Garage) میں کام کرتا تھا، مجھے بچپن ہی سے مختلف مذاہب کا موازنہ کرتے ہوئے مطالعہ کا شوق تھا میں گرجا گھر بھی جاتا تھا یا یہ کہ گھر کے افراد کو ہمراہ لے جایا جاتا تھا لیکن وہاں کی تعلیم و تربیت اور مذہبی کردار کے پیش کرنے کے طرز سے میں فطری طور سے متوحش تھا اور بعض وقت مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا آخر میں نے یہ طے کرلیا کہ مجھے موجودہ عیسائی مذہب کو چھوڑ کر کسی ایسے دوسرے مذہب کو اختیار کرنا ہے جو حق کے قریب ہو اور فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، میں نے ایک روز گیرج میں کام کرنے والے اپنے ایک ہم پیشہ ساتھی سے جو کہ یہودی نژاد تھا اور وہ بہت سنجیدہ اور پڑھا لکھا آدمی تھا تذکرہ کیا کہ مجھے ایک خلجانی و پریشانی ہے اس کے سوال کرنے پر میں نے بتایا کہ میں موجودہ عیسائیت سے قطعاً مطمئن نہیں ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی دوسرا صحیح مذہب اختیار کرلوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس مذہب کو قبول کروں تم ہی کوئی رائے اور مشورہ دو اس پر اس یہودی نوجوان نے کہا کہ اگر واقعی تم اس بارے میں سنجیدہ ہو کہ دوسرا مذہب اختیار کرو تو اسلام قبول کرلو کہ وہ ہی ایک سچا

مذہب ہے مگر یاد رکھنا کہ مجھے کبھی بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت ہرگز نہ دینا اس کی یہ بات میں نے ذہن نشین کرلی اور اسلام و قرآن کے بارے میں تحقیق کرنے اور اس کا بغور مطالعہ کرنے میں لگ گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کے یہ میزبان ساتھی مجھے مل گئے جو کہ میرے پڑوسی تھے بھی اور الحمد للہ میں نے مسلمان ہو کر اسلام کو اپنی زندگی میں عملی طور سے لانا شروع کر دیا اور مزید برآں دعوت الی اللہ میں رفتہ رفتہ انہماک شروع کر دیا، اور مختلف اوقات اکابرین کے مشورہ سے لگاتا رہتا ہوں۔ رزق حلال کی تلاش کے ساتھ ایک مسلمان دیندار عورت سے شادی کر کے سکون کی زندگی بسر کرتا ہوں میری رفیقہ حیات دین کا علم بھی رکھتی ہیں جس کے باعث تعلیم و تعلم اور بھی آسان ہو گیا۔

وللہ الحمد علی ذلک

۱۹۸۹ء میں لندن کے رہنے والے محمد ابراہیم نامی ۲۰ سالہ نوجوان سے ملاقات ہوئی، سر پر عمامہ لمبا کرتا ٹخنوں سے اونچا پائجامہ یہ بھی ایک نومسلم انگلش نوجوان ہیں، ۱۹۸۶ء میں اسلام قبول کیا یہ بھی پڑھے لکھے ہیں اور معلومات عامہ کے شائق نیز بہت سے علمی سوالات کرنے اور مسئلہ مسائل معلوم کرنے کے عادی ہیں اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص عالم دین ہیں تو پھر ان سے وقت لے کر ہر قسم کے معاشی و معاشرتی سوالات کرتے اور ان کے جوابات بھی اپنے پاس لکھ لیتے ہیں، ہر وقت ان کے پاس ایک نوٹ بک ہوتی ہے، جس میں مختلف النوع سوالات تحریر کرتے رہتے ہیں ایک بار مستورات کی جماعت میں ان کے ساتھ وقت لگانے کا موقع ملا معلوم ہوا کہ ایک متمول گھرانے کے آدمی ہیں مگر جب سے اسلام قبول کیا ہے لندن میں ایک مسلم قصاب کی دوکان پر نوکری کر کے حلال روزی کماتے ہیں۔ کھانا، پینا اور زندگی نہایت سادہ مگر دین کی تڑپ اور دعوت الی اللہ کا انہماک، اللہ اکبر قابل رشک ہے، ایک دفعہ جماعت میں ایک ساتھی کی کچن میں ''مطبخ'' ترکاری کاٹتے ہوئے انگلی کٹ گئی کچھ ساتھیوں نے کہا کہ فلاں کریم لا کر لگا دو انہوں نے کہا کہ رک جاؤ میں ایک چیز لاتا ہوں انہوں نے کوئی چیز ذرا سی جلائی اور اس کی راکھ زخم میں بھر کر پٹی باندھ دی معلوم کرنے پر بتایا کہ

میں جب پچھلے سال حج پر گیا تھا تو مدینہ منورہ کی کھجور کی چھال لایا تھا میں نے حدیث میں سنا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں کا اسی سے علاج کرتے تھے، پھر جوش میں آ کر اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے سنت میں شفاء ہے، نہ کہ فاسقوں، کافروں اور بدکاروں کی دواؤں میں، یہ جملے ایمان کی کس بلندی سے نکلے ہوں گے یہ تو دلوں کے بھید جاننے والے کو خوب معلوم ہے مگر ہم کو واقعی اپنی ایمانی سطح اور ان کی ایمان سطح میں صاف فرق محسوس ہوا، اور اشک اور دعا کے علاوہ کچھ نہ ہو سکا۔

سابقہ نام: بینجمن لارٹے **سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: بشیر لارٹے

بینجمن لارٹے سے بشیر لارٹے تک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تمام تعریفیں اس وحدہ لاشریک کے لئے ہیں جس نے ہدایت کی طرف میری رہنمائی کی اور مجھے بینجمن لارٹے سے بشیر لارٹے بنا دیا۔ پیشے کے اعتبار سے میں پلانٹ انجینئر ہوں۔ ۱۹۸۷ء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے دین اسلام سے سرفراز کیا۔ اسلام سے پہلے کی جو زندگی بسر ہوئی وہ ایسی تھی جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کوئی مسافر اجنبی راہوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھر رہا ہو۔ میں نے عیسائی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جب شعور کی عمر کو پہنچا تو کبھی سوچتا کہ ایک ادارے کو دو سربراہ اور ایک سلطنت کو دو بادشاہ نہیں چلا سکتے تو اس عظیم کائنات کو اتنے مربوط اور منظم انداز میں تین خدا کس طرح چلا رہے ہوں گے۔ اس سوچ نے مجھے بدھ ازم کا مطالعہ کرنے پر راغب کیا لیکن پھر میں نے سوچا کہ انسانی آبادیوں سے دور جنگلوں میں رہنا اور نفس کشی کرنا انسانیت کی معراج نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد میں نے ہندومت میں دلچسپی لینا شروع کی اور آدمیت کا مقام اور خود اپنا مقام جاننا چاہا مگر جلد ہی طبعیت گھبرا گئی۔ ناقابل عمل اور بھول بھلیوں والے الجھے راستے مجھ سے اپنائے نہ گئے۔

میرے بھائی جو الحمدللہ بہت پہلے اسلام لاچکے ہیں، کی مسلمان بیوی نے اسی دوران مجھے اسلام سے متعلق کتب مطالعے کے لئے دیں۔ میں نے جناب احمد دیدات کی تحریر کردہ کتاب (Is the Bible word of Allah) کا مطالعہ کیا۔ میرے بھائی اور ان کی بیوی جو دونوں مسلمان ہیں نے اس بات کو محسوس کیا کہ میں کسی ذہنی کرب اور فکری انتشار کا شکار ہوں۔ چنانچہ انہوں نے بھی میری رہنمائی کی اس سلسلہ میں گھانا مسلم مشن کے جنرل سیکریٹری جناب ابوبکر کا رویہ بہت قابل تعریف رہا۔ وہ ایک نہایت شفیق اور عملی مسلمان ہیں۔ بالآخر اسلام کی حقانیت میرے دل میں گھر کر گئی، کسی بھی انسان کے لئے یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان لے۔ مجھے ہر

وقت اس بات کا احساس سرشار اور شاد کام رکھتا ہے کہ میرا خالق ہمہ وقت میرے ساتھ ہے میں بھرے مجمع میں ہوں یا تنہائی میں وہ ہر وقت میری دستگیری کرتا ہے۔

نماز بندے کی اپنے آقا سے قربت اور اس سے مانگنے کا ذریعہ ہے۔ نماز بذات خود ایک ایسی دولت ہے جو صرف اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ کسی اور مذہب کا طریقہ عبادت نماز جیسا دلکش اور طمانیت بخش نہیں۔ مجھے جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو میں پوری توجہ سے نماز میں مشغول ہو جاتا ہوں اور ہمیشہ مجھے سکونِ قلب اور نصرت ورہنمائی حاصل ہو جاتی ہے۔ فی الواقع مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ نماز ہے۔ نماز کے لئے جب مسلمان مسجد آتے ہیں تو تمام تر احساسات تفاخر اور امتیازات کو بھلا کر اپنی سماجی حیثیت سے قطع نظر ایک ہی صف میں کھڑے رب کی بندگی کرتے ہیں۔ میرے لئے انسانی مساوات کا یہ تصور دل موہ لینے والا ہے۔ اسلام سے پہلے روح کی تشنگی تھی جو ہر وقت بے چین رکھتی تھی کبھی کبھی نیند نہ آتی اور بعض اوقات سوتے میں اچانک چونک کر اٹھ بیٹھتا۔ مگر اب میں نماز عشاء پڑھ کر سوتا ہوں اور صبح کی نماز کے وقت بیدار ہوتا ہوں۔ خود کو بالکل ہلکا پھلکا اور تازہ دم محسوس کرتا ہوں دولت انسان کو سب کچھ دے سکتی ہے مگر سکون مہیا نہیں کر سکتی۔ الحمدللہ اب میں ہر طرح سے مطمئن اور مسرور زندگی گزار رہا ہوں۔

اسلام سے پہلے سگریٹ نوشی، شراب نوشی اور نفسانی خواہشات کا حصول میرا مقصد زندگی تھا مگر اسلام نے زندگی کو ایک انقلاب سے ہم کنار کر دیا اور میں نے اس حقیقت کو پالیا کہ کھانا پینا اور جنسی خواہشات کا پورا کرنا ہی مقصد زندگی نہیں، یہ کام تو جانور بھی کر رہے ہیں، بلکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی زندگی ایک ایسے انداز میں بسر ہونی چاہیئے جو اسے دوسری مخلوق سے برتر بنائے، اس کا طرز عمل مختلف ہونا چاہیئے اور اللہ کا شکر ہے کہ تمام لغو عادات سے اس نے مجھے چھٹکارا دلا دیا ہے۔ اور یہ اسلام کی بدولت ہی ممکن ہو سکا ہے۔

میں نے جب اسلام قبول کیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم بھی ہاؤز کے ساتھی بن گئے ہو۔ ہاؤز ایک قبیلہ ہے جو اصلاً نائجیریا کے شمالی علاقے سے تعلق رکھتا ہے

مگر سارے مغربی افریقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ یہ قبیلہ مسلمان ہے تو وہاں اسلام کو ہاؤز قبیلہ کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی جگہ برصغیر کے مسلمان جا کر رہائش پذیر ہوں تو اسلام کو انڈین آبادی کا مذہب تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ میرے خیال میں اسلام کو اس طرح پیش کیا جانا ضروری ہے کہ اس کی آفاقیت کا پہلو نمایاں رہے۔ مسلمان ہونے کے بعد کچھ لوگوں سے قطع تعلق بھی کرنا پڑا جیسا کہ اپنے ایک بچپن کے دوست سے جو کافی عرصہ نیویارک میں گزارنے کے بعد واپس آیا تھا اسے میرے اسلام لانے کا علم نہ تھا اس نے مجھے سابقہ زندگی جیسی سرگرمیوں کی دعوت دی لیکن جب اسے میرے اسلام قبول کرنے سے متعلق معلوم ہوا تو ناراض ہو کر چلا گیا۔ اسی طرح کئی اور لوگوں کی ناراضگی کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر میں مطمئن ہوں مخلوق کو راضی رکھنے کیلئے میں خالق کو ناراض نہیں کر سکتا۔

مجھے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے کبھی کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نماز جیسا کہ پہلے عرض کیا میری پسندیدہ عبادت ہے۔ میں ماہ رمضان میں اپنی ڈیوٹی ان شفٹوں میں کرتا ہوں جب مجھے روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنا کسی شخص کے لئے بھی مشکل نہیں۔ اسلام پر عمل کرنا نہایت آسان ہے، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ عملی طور پر دین کے مطابق زندگی گزارے۔ بدقسمتی سے آج مسلمان جذباتیت کا اور سطحی سوچ کا شکار ہیں۔ ہمیں آپس میں اخوت و یگانگت سے رہنا چاہیئے، قدامت پسندی یا جدت پسندی کوئی چیز نہیں، کوئی شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر اسے عمل کرنا ہے اور ہر مسلمان اس سلسلے میں برابر کا ذمہ دار ہے اسے مختلف اصطلاحات کے پیچ وخم میں الجھے بغیر سیدھے سادے انداز میں اسلام کو اپنانا چاہیئے۔ آپس کا انتشار اور افتراق کسی صورت میں بھی مستحسن نہیں۔ تنگ نظری اور انتہا پسندی کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ ہماری زندگی کا تو ہر ہر لمحہ اللہ کی رضا کے لئے وقف ہونا چاہیئے تا کہ دوسرے کو نیچا دکھانے میں، انہی چیزوں نے بہت سوں کو ہم سے متنفر کر رکھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین مخالفین کے ساتھ بھی جس عفو و درگزر سے کام لیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ

ہے۔ اصل کام تو عملی طور پر مسلمان بننا ہے جبکہ آج مسلمان اسلام کے نام پر مرنے مارنے کو تیار ہے مگر اسلام پر عمل کرنے پر تیار نہیں۔

میں پوری دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ دنیائے انسانیت جن مسائل کا شکار ہے ان کا واحد حل اسلام فراہم کرتا ہے اور انفرادی واجتماعی ہر سطح پر رہنمائی کرتا ہے، انسانی حقوق اور عورتوں کو جو حقوق اسلام نے عطا کئے ہیں وہی درحقیقت موجودہ دور کے افراط وتفریط پر مبنی نظام کے بجائے صحیح ترین اور متعدل طرز زندگی کا تعین کرتے ہیں۔

بچوں کو دین سکھانا بھی از حد ضروری ہے، میرے دونوں بچے جن میں سے بڑے کی عمر ۹ برس اور چھوٹے کی ۷ برس ہے قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات سے اچھی طرح واقف ہیں اور میں ان کا شوق دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ مستقبل میں بہتر اور مثالی مسلمان بنیں گے۔

میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ اسلام تو ہر طرح کے امتیازات اور منافرت مٹانے کے لئے آیا ہے، خدارا رنگ ونسل، زبان اور علاقے اور دیگر تمام قسم کے تعصبات سے نجات حاصل کریں۔ ہماری بنیاد اسلام ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ ہم میں وہی بہتر ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے گورے، کالے، ہر رنگ کے انسان کے لئے مبعوث کیے گئے تھے، کسی خاص علاقے، قبیلے یا گروہ کے لئے نہیں، ان کے مخاطب تمام دنیا کے انسان ہیں، ہمیں چاہیئے کہ ہمارا طرز عمل مثبت اور قائل کرنے والا ہو۔ اگر ہم اسلام کا پیغام پہنچانے سے پہلے اپنے منفی طرز عمل سے لوگوں کو اپنا مخالف بنالیں گے اور انہیں متنفر کردیں گے تو کوئی ہماری بات پر کان نہیں دھرے گا۔ آج اس دور میں انسانیت کی اس سے بڑی خدمت کوئی نہیں ہوسکتی کہ اس کو اسلام سے متعارف کرایا جائے، مسلمان صحیح طور پر دینی تعلیمات پر عمل کریں، تو وہ پوری دنیا کو متاثر کرسکتے ہیں اور خود بھی ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں جب بھی ایک مسلمان دوسرے بھائی سے ملتا ہے اور السلام علیکم کہتا ہے تو اجنبیت اور اونچ نیچ کی تمام دیواریں خود بخود گر جاتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے بالکل بھائیوں جیسی شفقت اور احترام محسوس کرتے ہیں۔

سابقہ نام: لیوپولڈ **سابقہ مذہب**: یہودی

اسلامی نام: محمد اسد **ملک کا نام**: پولینڈ

لیوپولڈ سے محمد اسد بننے تک

میں ۱۹۰۰ء میں پولینڈ کے ایک یہودی ربی خاندان میں پیدا ہوا، میرے بچپن شہر لوو میں گزرا جو اس وقت آسٹریا کے قبضے میں تھا۔ میرے دادا ربی (یہودی مذہبی عالم) تھے اور ان کی زبردست خواہش تھی کہ میرے والد بھی ربی بنیں مگر ایسا نہ ہو سکا اور وہ قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکیل بن گئے۔ میرے والد مجھے ریاضی اور طبعیات پڑھا کر سائنسدان بنانا چاہتے تھے مگر میں ان کی توقعات پر پورا نہ اترا۔ مجھے سائنسی مضامین کے بجائے عمرانیات سے دلچسپی تھی۔

خاندانی روایات کے مطابق میں نے بچپن میں عبرانی اور آرامی زبانیں سیکھیں اور تلمود، بائبل اور فارغوم جیسی مذہبی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں میں مختلف مذہبی کتابوں کے فرق پر اعتماد کے ساتھ بحث کر سکتا تھا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو میں اسکول کا طالب علم تھا، میں اسکول سے بھاگا اور جعلی نام سے فوج میں بھرتی ہو گیا، مگر میرے والد کی شکایت پر کم عمری کی وجہ سے مجھے واپس بھیج دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد دو سال تک میں ویانا یونیورسٹی میں فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جوں جوں میرے شعور کی آنکھیں کھلتی گئیں میں نے شدت سے محسوس کرنا شروع کیا کہ سارا یورپ زبردست روحانی بے قراری میں مبتلا ہے مذہبی اور روحانی قدریں قلیل ہو رہی تھیں اور زر پرستی اور مادیت کے جھنڈے بڑی تیزی سے گڑ رہے تھے، خطرہ اور خوف ہر فرد بشر پر غالب تھا۔ خصوصاً نوجوان نسل گھور اندھیروں میں سرگرم عمل تھی اور ان سوالات کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا جنہوں نے

نوجوان ذہنوں کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ طویل جنگ نے رہی سہی کسر نکال دی تھی اور معاشی پریشانیوں اور سماجی افراتفری نے یورپ کے انسان کو ایک ایسے خلاء میں پھینک دیا تھا جہاں بے یقینی، نفسانفسی، خود غرضی، دنیا پرستی اور عارضی لذت اندوزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اکثر سوچتا کہ کیا انسان کی احتیاج محض روٹی ہے اور کیا زندگی کا مقصد صرف مادی ترقی کے بل پر روحانی خلاء کو پر کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ طریق علاج اصل بیماری یعنی بے اطمینانی اور بیقراری کو مزید بڑھانے کا سبب بن رہا تھا۔ میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر میرے دل میں یہ خیال کبھی نہ آیا اور شاید میری طرح کوئی بھی اس نہج پر نہیں سوچتا تھا کہ یورپ کے ثقافتی تجربات کا سہارا ترک کئے بغیر ان سوالات کا جواب پالینا ممکن نہ تھا۔ یورپ ہی ہماری فکر کی ابتداء تھا اور وہی انتہا۔

میری بے اطمینانی میں برابر اضافہ ہوتا رہا، حتیٰ کہ میرے لئے تعلیم جاری رکھنا مشکل ہو گیا، میں نے یونیورسٹی کو خیر باد کہنے اور صحافت کے میدان میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۲۰ء کی گرمیوں میں ویانا چھوڑ کر پراگ چلا آیا۔

پراگ میں مجھے بہت دنوں تک بے روزگاری اور فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے لئے سخت تگ و دو کرنی پڑی۔ تب کہیں جا کر میں ایک خبر رساں ایجنسی "یونائیٹڈ ٹیلیگراف نیوز ایجنسی" میں پہلے ٹیلی فونسٹ اور پھر رپورٹر بن گیا۔ اس طرح مسلسل جدوجہد کے بعد صحافی دنیا نے مجھے آخر قبول کر ہی لیا۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ میرا سکون ختم ہو گیا۔ مجھے اپنی زندگی کا صحیح مقصد معلوم نہ تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ سچی ذہنی مسرت کیسے اور کہاں سے حاصل کروں۔ میرے بیشتر نوجوان دوستوں کی یہی کیفیت تھی، ان میں سے کوئی بھی بدقسمت یا مصیبت زدہ نہ تھا۔ مگر حقیقی اطمینان اور سکون سے سب ہی محروم تھے بار بار احساس ہوتا تھا کہ ہم کسی اندھے جنگل میں محو سفر ہیں جہاں درندوں کا خوف بھی لاحق ہے اور منزل کا سراغ بھی نامعلوم۔

میرے ایک ماموں ڈوریاں بیت المقدس کے ایک ہسپتال میں ذمہ دار آفیسر تھے ۱۹۲۲ء کے موسم بہار میں انہوں نے خط لکھ کر مجھے اپنے پاس بلا بھیجا۔ میں نے یہ

دعوت قبول کر لی اور سمندری جہاز کے ذریعے ایک دن مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پر جا اترا۔ اسکندریہ سے بیت المقدس تک ریل کا سفر تھا۔ ہماری ٹرین صحرائے سینا سے گزر رہی تھی میں بے حد تھکا ہوا تھا مگر ٹرین کی لڑکھڑاہٹ اور بے ہنگم شور کی وجہ سے میں رات بھر ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سو سکا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر ایک بدو بڑی سی عبا میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ سر کے پاس پڑی ہوئی تلوار اس کے گھٹنوں تک پہنچ رہی تھی اور مفلر کے باوجود وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔

صبح ہوئی اور ٹرین ایک جھٹکے سے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی۔ بدو نے اپنا مفلر کھولا تو پہلی بار مجھے اس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کا رنگ سانولا اور چہرہ عقابی تھا۔ اس نے خوانچہ فروش سے ایک روٹی خریدی، اپنی جگہ بیٹھ کر اس روٹی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک مجھے دینے لگا میرے تردد اور تعجب پر وہ مسکرایا اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر اسی طرح موزوں تھی جس طرح عزم اور قوت ارادی۔ اس نے ایک لفظ کہا جس کا مفہوم اس وقت تو میں نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھتا ہوں۔

''تفضل'' یعنی نوش فرمایئے۔ میں نے وہ ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارے سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ یورپین لباس میں ملبوس ترکی ٹوپی والے ایک مسافر نے رضا کارانہ طور پر ترجمانی کے فرائض انجام دیئے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے بتایا کہ ''یہ کہتے ہیں آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی اور دونوں کا راستہ ایک ہے''۔ جب میں اس معمولی واقعہ پر غور کرتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ عربی اخلاق سے میری وابستگی اور محبت کی بنیاد یہیں سے پڑی تھی۔ اس بدو کے رویہ میں، جس نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنے رفیق سفر کو اپنی آدھی روٹی دے دی تھی، انسانیت کی ایک ایسی تصویر اور جھلک تھی جو ہر تصنع اور تکلف سے پاک تھی۔

گاڑی غزہ پہنچی تو میرے بدو ساتھی نے اپنا سامان سمیٹا ایک باوقار مسکراہٹ کے ساتھ سر کے اشارے سے مجھے سلام کیا اور باہر چلا گیا۔ باہر پلیٹ فارم پر اس کے استقبال کے لے دو بدو کھڑے تھے۔ انہوں نے اس سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا پھر سب نے ایک دوسرے کے رخسار کا بوسہ لیا میں نے خلوص اور محبت کی یہ فضا دیکھی تو

میرے اندر ان کی زندگی کو سمجھنے کی شدید خواہش پیدا ہوگئی۔ بیت المقدس میں میں نے اپنے روبرو زندگی کا ایک ایسا مفہوم پایا جو میرے لئے یکسر نیا تھا، روحانی خواہشوں اور اذیتوں سے ناآشنا، وہ اذیتیں جنہوں نے خوف حرص اور گھٹن کے بھوت بن کر مغربی زندگی کو بے حد بھدا، بے ہنگم اور کریہہ المنظر بنا دیا تھا۔ میں عربوں میں وہ چیز پانے لگا جس کی غیر شعوری طور پر مجھے ایک عرصہ سے تلاش تھی۔ جس کو ہم زندگی کے تمام مسائل میں ایک خاص قسم کی جذباتی لطافت اور بلند تر حسی شعور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں اپنے ماموں کے گھر کے عین سامنے ایک کھلے صحن میں عربوں کو دن میں کئی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ ان کی باوقار حرکات وسکنات اور غیر معمولی ڈسپلن نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اسلامی طریق عبادت کے بارے میں ان کے امام سے میری جو گفتگو ہوئی، سچی بات یہ ہے کہ اس نے میرے لئے اسلام کا پہلا دروازہ کھول دیا یہ الگ بات ہے کہ اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسلام کبھی میرا دین بھی بن سکتا ہے۔

۱۹۲۲ء کے اواخر کی بات ہے جرمنی کے ایک اخبار فرانکفرٹر نے مجھے شرق اوسط کے لئے اپنا گشتی نمائندہ مقرر کر دیا اور یوں مجھے دیگر ممالک کی سیاحت کا موقع ہاتھ آ گیا اور اسی فرض نے مجھے عربوں کی زندگی اور مسائل کو زیادہ گہرائی سے دیکھنے اور پرکھنے پر آمادہ کیا اور میں نے غیر جانبداری سے محسوس کیا کہ یورپ کی ساری طاقتیں یکساں طور پر مسلمانوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہی ہیں اور انہیں مذہبی، تہذیبی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مفلوج کر کے ان کی عزت اور خودداری کو ختم کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ خصوصاً فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کے معاملے میں انگریزوں کی پالیسی سراسر غیر انسانی اور بین الاقوامی بددیانتی پر مبنی ہے۔

۱۹۲۳ء میں میں مصر آ گیا، گزارے کی خاطر مجھے ایک جزوقتی ملازمت مل گئی اور ایک قدیم محلے میں مختصر سا مکان لے کر گزر بسر کرنے لگا۔ میرے گھر کے بالکل سامنے پتلے مینار کی ایک چھوٹی سے مسجد تھی جہاں پنج وقتہ نماز کے لئے اذان ہوتی تھی۔ سفید عمامہ باندھے ہوئے ایک شخص منارہ پر "اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ" کی صدا بلند کرتا۔ یہ آواز پرسوز تھی اور بارعب تھی۔ صاف احساس ہوتا تھا کہ

وہ آرٹ یا فن نہیں تھا بلکہ ایمان اور غیرت کا جوش تھا جس نے اذان میں اتنا حسن بھر دیا تھا۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ بیت المقدس اور مصر میں اذان کا ایک ہی لہجہ اور ایک ہی آہنگ ہے اور صرف مصر اور بیت المقدس تک محدود نہیں بلکہ یہ بات ساری اسلامی دنیا میں مشترک ہے۔ یوں میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد، یکسانیت اور ہم آہنگی کتنی گہری ہے اور انہیں تقسیم اور متفرق کرنے کی چیزیں کتنی مصنوعی، سطحی اور بے اثر۔ مجھے ایسا لگا کہ میں نے پہلی بار ایک ایسی سوسائٹی میں قدم رکھا جس میں انسان کے درمیان رشتہ و تعلق کی بنیاد اقتصادی مصلحتوں یا رنگ و نسل پر نہیں بلکہ اس سے زیادہ گہری مضبوط اور پائیدار چیز پر تھی اور وہ زندگی کے متعلق اس مشترکہ نقطہ نظر کا رشتہ تھی جس نے انسانوں کے درمیان سے علیحدگی اور بے تعلقی کی دیواروں کو گرادیا تھا۔

۱۹۲۳ء کی گرمیوں میں میں واپس بیت المقدس آیا اور وہاں سے دمشق کا قصد کیا۔ بیت المقدس میں میری ملاقات ایک دمشقی مدرس سے ہوئی تھی اور اس نے مجھے دمشق آنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں مجھے عربوں کے اندرونی سکون واطمینان کا سراغ مل گیا۔ دراصل یہ اس معاشرت اور برتاؤ کا نتیجہ تھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے۔ یہاں ایک دکاندار اپنے پڑوسی دکاندار کی غیر حاضری میں جس ایثار اور دیانت کے ساتھ اس کی قائم مقامی کرتا تھا وہ حد درجہ حیرت انگیز تھا ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس یہ لوگ وقار اور طمانیت کا پیکر تھے۔ وہ فضول باتیں نہیں کرتے تھے، خودداری تواضع اور ذکاوت احساس ان کے خاص وصف تھے۔

جمعہ کے روز دمشق میں زندگی کا نقشہ خاصا بدلا ہوا نظر آتا تھا۔ خوشی اور مسرت اور رعب و وقار کی ایک ملی جلی فضا شہر پر طاری رہتی تھی اس روز مجھے یورپ کا اتوار یاد آجاتا۔ خالی دکانیں، گھٹن اور انقباض کی اداس کن فضائیں۔ میں نے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یورپ میں روزمرہ کی زندگی لوگوں کے لئے ایک بھاری بوجھ بن چکی ہے جس سے وہ اتوار کو چھٹکارا حاصل کرتے اور مصنوعی طریقے سے مسرت پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک پر فریب بھول میں گرفتار ہیں جس کے لئے وہ ہفتے کے دن منتظر رہتے ہیں جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے لئے جمعہ کاموں سے فرار کا دن نہیں، وہ چند

گھنٹوں کے لئے دکانیں بند کرتے ہیں پھر نماز پڑھتے ہیں، قہوہ خانوں میں بیٹھ کر ہلکی خوش گپیاں کرتے اور دوبارہ کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ایک جمعہ کو میں اپنے میہمان کے ساتھ جامع اموی میں گیا۔ قیام، رکوع اور سجدوں میں یہ لوگ جس طرح خشوع اور خضوع کا مظاہرہ کرتے اور اپنے امام کی اقتداء کر رہے تھے اس سے مجھے خدا اور دین سے ان لوگوں کے قرب اور تعلق کا اندازہ ہوا۔ ان کی نماز ان کی روزہ مرہ زندگی سے الگ نظر نہیں آتی تھی بلکہ وہ اس کا ایک حصہ تھی، وہ زندگی کو بھلانے کے لئے نہیں، بلکہ اس میں خدا کی یاد شامل کرنے اور اسے زیادہ بہتر طریقے پر یاد رکھنے کے لئے پڑھی جاتی تھی۔

مسجد سے نکلتے ہوئے میں نے اپنے دوست سے کہا کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ خدا کو اس حد تک قریب سمجھتے ہیں، میری آرزو ہے کہ میں بھی اس طرح سمجھ سکوں۔ ''ہاں کیوں نہیں'' میرے میزبان نے کہا اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے خدا خود کہتا ہے کہ ''وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے''۔

اس نئے احساس اور نئی فکری دریافت کا مجھ پر گہرا اثر ہوا، چنانچہ دمشق میں میں نے اپنا بیشتر وقت اسلامی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا میں عربی میں معمولی شد بد حاصل کر چکا تھا۔ قرآن کے جرمن اور فرانسیسی ترجموں سے بھی کام لیا اور اپنے دوست سے بھی گفتگو کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری نگاہوں سے ایک پردہ سا ہٹ گیا۔ میں افکار کی ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کر رہا تھا جس سے اب تک میں مطلق ناواقف تھا۔ اسلام میرے سامنے مذہب کے ایک رواجی اور اصطلاحی مفہوم سے زیادہ زندگی کا ایک نظام بن کر آیا۔ وہ مجھے لاہوتی نظام سے زیادہ شخصی اور اجتماعی سلوک کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل معلوم ہوا جس کی بنیاد خدا کی یاد پر تھی۔ میں نے قرآن میں کسی جگہ ''چھٹکارے'' کا تصور نہیں دیکھا، وہاں کوئی پہلا موروثی گناہ بھی نہیں تھا جو انسان اور اس کی تقدیر کے درمیان حائل ہو گیا ہو۔ وہاں تو تھا لیس للانسان الا ماسعی یعنی انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا۔ وہ کسی رہبانیت اور فطرت کشی کا بھی طالب نہ تھا۔ جس کے ذریعے طہارت اور تقدس کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جاتا ہو، اس لئے کہ اس کے نزدیک

طہارت اور پاکیزگی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور گناہ صرف انسان کی ایجابی فطرت کی ایک لغزش ہے۔ وہاں فطرت انسانی کی کوئی تقسیم نہیں ملتی اس لئے کہ اس کے نزدیک روح اور جسم ملکر ایک صحیح اور مکمل یونٹ بناتے ہیں۔

ابتداء میں یہ دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا کہ قرآن زندگی کے بعض بظاہر حقیر شعبوں کا ذکر بھی اہتمام کے ساتھ کرتا ہے لیکن بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے تو پھر اس زندگی کے کسی شعبے اور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ اس کو دین کے دائرہ عمل سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ قرآن ایک لمحہ کے لئے بھی یہ فراموش کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا بہر حال انسان کی ترقی کے سفر کا ایک مرحلہ ہے۔ اس سفر کی آخری منزل روحانی ترقی ہے، مادی خوش حالی قرآن کے نزدیک مستحسن اور مستحب ہے مگر بذات خود مقصود نہیں۔ اس لئے انسان کی نفسانی خواہشات کو ان کی اہمیت وضرورت کے باوجود اخلاقی حس کے مقابلے میں بتایا جاتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اخلاقی حس صرف خدا اور بندے کے مابین ہی محدود نہیں رہنی چاہیئے بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے باہمی تعلقات تک وسیع ہونا چاہیئے۔ اس کا مقصد صرف فرد کی روحانی تکمیل نہ ہو، بلکہ سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کرنا بھی اس کا مقصود ہے جو دوسرے انسانوں کی روحانی ترقی اور نشوونما کے لئے سازگار ماحول اور فضا پیدا کریں جن کے سائے میں وہ مکمل اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ روحانی مسائل کے سلسلے میں قرآن کا طریقہ عہد قدیم کے طریقے سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ یہاں کسی خاص قوم کی پاسداری نہیں، مادی مسائل میں اس کا طریقہ عہد جدید کے برعکس بہت زیادہ ایجابی ہے۔ روح اور جسم انسانی زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جو یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

میں نے اپنے دل میں سوال کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تعلیمات اس قلبی طمانیت (Emotional Security) کا باعث ہوں جن کا میں نے عربوں میں رہ کر مشاہدہ کیا؟ ۱۹۲۳ء کے موسم خزاں میں میں شام سے یورپ روانہ ہو گیا، یورپ کے مناظر اب مجھے اجنبی لگ رہے تھے۔ اب مجھے یہاں کے لوگ بہت مکروہ اور حقیر دکھائی

دے رہے تھے ان کی حرکات بہت بھدی اور پھوہڑ نظر آتی تھیں، جن میں ان کے ارادہ وشعور کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگرچہ وہ اس امر کی نمائش کرتے تھے کہ وہ ہر کام پورے شعور کے ساتھ کرتے ہیں، مگر درحقیقت وہ کسی قسم کے مقصد اور نصب العین کے بغیر برابر اندھے راستوں پر چلے جارہے تھے اس مرتبہ میں نے پہلی بار عیسائیت کا مطالعہ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی مگر اس اعتبار سے بہت جلد مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ عیسائیت جسم وروح اور عقیدہ وعمل کے درمیان افسوس ناک تفریق کی حامل ہے اور گوناگوں مسائل سے لبریز اس زمانے کے انسانوں کی رہنمائی کرنے سے یکسر قاصر۔

۱۹۲۴ء کے موسم بہار میں میں ''فرانکفرٹر'' کی طرف سے دوبارہ مصر آیا، اس وقت تک صحافتی دنیا میں میرا مقام بن چکا تھا۔ اس لئے مجھے گرانقدر مشاہرے کی پیش کش کی گئی تھی۔ یہاں پہنچا ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہوا اور مسلسل ایک ماہ تک سارا ماحول خاص کر پاکیزگی اور تقدس میں ڈوبا رہا۔ نماز کے بعد میں روزوں کی حکمت پر جتنا غور کرتا رہا اتنا ہی اسلام کی عظمت کا قائل ہوگیا۔ اس ضمن میں الازہر کے نوجوان اور متبحر عالم دین شیخ مصطفیٰ المراغی سے بھی تفصیلاً گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بڑی صاف بیانی سے بتایا کہ موجودہ مسلمانوں نے اعلیٰ اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے روگردانی کرلی ہے اور اس سے بڑی غلطی کوئی نہ ہوگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی قوتوں اور وسیع امکانات کو موجودہ مسلمانوں کی زندگی اور طرز فکر کے پیمانہ سے جانچا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح یہ غلطی ہوگی کہ ہم عیسائیوں کے خلاف رحمت اور خلاف رواداری کاموں کو دیکھ کر مسیح علیہ السلام کے پیغام محبت کو قصوروار قرار دینے لگیں۔

شیخ مراغی نے لگی لپٹی رکھے بغیر بتایا کہ علمائے اسلام کی اکثریت لکیر کی فقیر بن چکی ہے اور ان میں تجدید واحیائے دین کا جذبہ دم توڑ چکا ہے اور یہی امت کے زوال کا بنیادی سبب ہے۔

قرآن کا جتنا کچھ میں نے مطالعہ کیا تھا، عربوں کی معاشرتی زندگی کا جو مجھے مشاہدہ ہوا تھا اور شیخ المراغی سے جو کھل کر گفتگو ہوئی تھی اس نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ اہل یورپ کے دماغ میں اسلام کی جو تصویر ہے وہ بالکل مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی ہے۔

اب میں اس امر پر بالکل مطمئن ہو چکا تھا کہ اسلام میں بحیثیت دین اور ضابطہ کوئی نقص نہیں اور مسلمانوں کا زوال اسلام کی خامی کی بنا پر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر ان کے عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔

اس اطمینان کے بعد میں نے عربی زبان کی تعلیم باقاعدہ حاصل کرنا شروع کردی۔ مجھ میں یہ احساس قوت پکڑنے لگا کہ یورپ کے لئے اسلام کی مکمل تصویر اخذ کرنا ہرگز ناممکن نہیں۔ اپنی اس رائے کا اظہار میں نے چند ماہ پیشتر اپنی ایک کتاب میں بھی کیا تھا۔ اسلامی دنیا یورپی تہذیب میں اس حد تک خلط ملط نہیں ہوئی تھی کہ اس کا سمجھنا دشوار ہو جائے۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماضی کی فکری عادات سے علیحدہ ہو سکے اور یہ تسلیم کر لے کہ محض اسی کا طرز فکر درست نہیں تو عالم اسلام اس کے لئے اسی وقت قابل فہم ہو سکتا ہے۔

۱۹۲۵ء کے اواخر کی بات ہے کہ میں ہرات سے کابل جا رہا تھا۔ وسط افغانستان کی برف پوش وادیوں نے قلب ونظر کو مسحور کر رکھا تھا، ایسے میں میرا گھوڑا لنگڑانے لگا اس کی نعل ڈھیلی ہوگئی تھی اور صرف دو کیلوں کے سہارے لٹک رہی تھی۔ میرے افغان ساتھی نے بتایا کہ تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ''دہ زنگی'' ہے وہاں کوئی موچی مل جائے گا۔ علاقہ ہزار جات کا گورنر بھی وہیں رہتا تھا۔

دہ زنگی میں حاکم صوبہ سے ملاقات ہوئی، تو وہ بے حد خوش ہوا، اس کے چہرے پر مسرت اور فارغ البالی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ امان اللہ شاہ کا قریبی رشتہ دار تھا، لیکن افغانستان میں جتنے آدمیوں سے ملاقات ہوئی میں نے اسے ان سب سے زیادہ ملنسار اور متواضع پایا۔ اس نے بڑے اصرار سے دو دن کے لئے مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ دوسرے دن شام کو پر تکلف کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک افغان نے ستار پر داؤد و جالوت کا قصہ چھیڑ دیا۔ گیت پشتو میں تھا اور حاکم نے مجھے اس کا خلاصہ بتا دیا تھا۔ آخر میں اس نے تبصرہ کیا کہ داؤد کمزور تھے مگر ان کا ایمان طاقتور تھا۔ میں نے برجستہ جواب دیا۔

اس کے برعکس آپ لوگ تعداد میں بہت ہیں، مگر ایمان کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ میرا میزبان حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ میں کچھ گھبرا گیا اور اپنی بات کی تاویل

میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمانوں نے خود اعتمادی کیوں کھو دی؟ انکی عظمت کا سورج کیوں گہنا گیا ہے؟ ان کے علم وفن کی صلاحیتیں کیوں ماند پڑ گئی ہیں؟ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہمت سے کام لے کر مسلمان پھر اسی روشن اور عظیم دین کی طرف پلٹ جائیں؟ کتنا عبرت ناک منظر ہے کہ وہ کمال پاشا جس کی نظر میں اسلام کی کوئی وقعت نہیں مسلمانوں کی نگاہ میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا ہیرو بن گیا ہے۔ میرا میزبان ٹکٹکی باندھے حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا میں خاموش ہوا تو وہ کہنے لگا آپ تو مسلمان ہیں۔ نہیں نہیں یہ بات نہیں میں نے کہا میں مسلمان نہیں محض اسلام کے حسن ولطافت کا قدردان ہوں۔ میرے میزبان نے سر ہلاتے ہوئے کہا نہیں بھائی بات وہی ہے جو میں نے کہی تھی آپ مسلمان ہیں لیکن خود آپ کو اس کی خبر نہیں۔ آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ دل کی گہرائیوں سے آپ اسلام قبول کر چکے ہیں۔

میں افغانستان کی کئی ہفتے سیاحت کے بعد روس چلا گیا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا۔ میری غیر حاضری میں میرا نام صحافتی حلقوں سے نکل کر علمی دنیا میں خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ برلن کی جغرافیائی سیاسی اکیڈمی نے لیکچرز کے ایک سلسلے میں مجھے دعوت دی اس وقت میری عمر ۲۶ سال تھی اور اس عمر میں یہ اعزاز آج تک کسی کو نہیں ملا۔

اسی زمانے میں میں نے شادی کر لی میری اہلیہ نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ ہم میاں بیوی پہروں قرآن کا ترجمہ پڑھتے اور اس کی تعلیمات پر بحث کرتے تھے اسی بحث وتمحیص میں میرے سامنے اسلام کی ایک ایسی مکمل تصویر آ گئی جو مجھے حیرت زدہ اور مدہوش کیے رکھتی تھی۔ روح اور مادہ کی یکساں اہمیت، عقل کی کارفرمائی، پیغمبر اسلامؑ کی بھرپور روحانی، معاشرتی اور سیاسی زندگی اور اسلام کا بین الاقوامی مزاج اسلام کے لئے میرا استغراق بڑھتا گیا۔

ستمبر ۱۹۲۶ء کی ایک شب میں برلن میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ زمین دوز ٹرین میں سفر کر رہا تھا میرے سامنے کی سیٹ پر ایک جوڑا بیٹھا تھا۔ لباس اور ہیرے کی انگوٹھیاں اور وضع قطع سے دونوں بہت متمول نظر آتے تھے مگر ان کے چہرے اطمینان یا مسرت سے خالی تھے۔ وہ بہت غمزدہ اور حرماں نصیب دکھائی دیتے تھے، میں نے ڈبے میں

چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا ہر وہ شخص جو خوش حال معلوم ہوتا تھا اس کے چہرے پر میں نے ایک مخفی الم کی جھلک دیکھی، اتنی مخفی کہ خود ان سب کو بھی اس کا احساس نہ تھا۔

میں نے اپنے اس احساس کا ذکر بیوی سے کیا تو اس نے بھی میری تائید کی۔ واقعی یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ جہنم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سوچتی ہوں جوان پر گذر رہی کہ اس کی انہیں خبر بھی ہے یا نہیں۔

گھر واپس آیا اور نگاہ میز پر گئی تو اس پر قرآن کا وہ نسخہ رکھا تھا جو اکثر میرے مطالعے میں رہتا تھا۔ میں اس کو بند کر کے الماری میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ میری نگاہ کھلے ہوئے صفحے پر پڑ گئی اس پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی:

الھکم الکثاثر ٥ حتی زرتم المقابر ٥ کلا سوف تعلمون ٥ ثم کلا سوف تعلمون ٥ کلا لو تعلمون علم الیقین ٥ لترون الجحیم ٥ ثم لترونھا عن الیقین ٥ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم ٥

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر سن لو کہ ہرگز نہیں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی"۔

میں ایک لمحے کے لئے گم سم ہو گیا، میرا خیال ہے کتاب میرے ہاتھ میں جنبش میں تھی میں نے اپنی بیگم کو آواز دی دیکھو کیا یہ اس کا جواب نہیں جو گذشتہ رات ہم نے ریل میں دیکھا؟ ہمیں ہمارے سوال کا جواب ہی نہیں مل گیا تھا، بلکہ متعلقہ شکوک و شبہات بھی ختم ہو گئے تھے۔ ہم نے سوچا یہ کتاب خدا ہی کی نازل کردہ ہے یہ تیرہ سو سال پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی مگر اس میں بہت وضاحت کے ساتھ ایسی پیشن گوئی کردی گئی تھی، جو ہمارے پیچیدہ مشینی دور سے زیادہ کسی اور دور میں سامنے نہ آئی ہوگی۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن کسی انسان کی حکمت و دانائی کا نتیجہ نہیں۔ انسان

لاکھ سمجھدار اور حکیم اور دانا سہی، مگر وہ اس عذاب کی پیشن گوئی نہیں کرسکتا تھا جو بیسویں صدی کے لئے خاص تھا۔ دوسرے ہی روز میں برلن میں مسلمانوں کی انجمن کے صدر کے پاس گیا اور قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے مجھے کلمہ شہادت پڑھایا اور بولے: "آپ کا نام لیوپولڈ ہے اور یونانی میں لیو شیر کو کہتے ہیں اس لئے ہم آپ کو آج سے محمد اسد کہیں گے"۔

چند ہفتے بعد میری اہلیہ نے بھی اسلام قبول کرلیا جس کے کچھ ہی عرصہ بعد ہم نے یورپ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اس لئے کہ وہاں رہنا اب ہمارے لئے بہت بار تھا۔ چنانچہ ہم مصر سے ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب آگئے جہاں ہماری زندگی ایک نئے اور انقلابی دور میں داخل ہوگئی۔

سابقہ مذہب: عیسائی **اسلامی نام**: ابراہیم کوان **ملک کا نام**: ملائیشیا

ملائیشیا کے پادری کے قبول اسلام کا ایمان افروز تذکرہ

میں نے ساٹھ سال کی عمر تک ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کی حیثیت سے زندگی گزاری اور اس دوران میں تقریباً تین سال تک کوالالمپور (ملائیشیا) کے چرچ میں پادری کی خدمات بھی انجام دیں، مگر بالآخر میں اسلام کی آغوش میں آ گیا۔ آج میں تشکر بھری مسرت کے ساتھ وہ وجوہات بیان کروں گا جو میرے قبول اسلام پر منتج ہوئیں۔

میں ۳ فروری ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوا۔ میرے والدین بدھ مت سے تعلق رکھتے تھے، چھ برس کی عمر میں مجھے ایک چینی اسکول میں داخل کرایا گیا، جہاں میں نے کنفوشس مذہب کی ایک بنیادی کتاب ''چہار کتب'' اور دیگر کئی کتابیں پڑھیں۔ جن کے زیر اثر میں کنفوشس مت کے ایک خدا کے عقیدے کا قائل ہوگیا۔

میری عمر نو برس کی تھی جب کہ میں کوالالمپور کے ''وکٹوریہ انسٹیٹیوٹ'' میں انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ یہیں سے میں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم اور جدید کا سبقاً سبقاً مطالعہ کیا اور مذہب عیسوی اختیار کرلیا۔ میری عمر اس وقت سولہ سترہ برس کے لگ بھگ تھی۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں جب کوالالپس کے چرچ میں پادری بن کر جانے والا تھا، میرے ایک ہندوستانی دوست کے۔ کے محمد نے مجھے قرآن پاک کے انگریزی ترجمے کا ایک نسخہ دیا میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس کے موضوعات کے حسن سے بےحد متاثر ہوا۔ اگرچہ اس تاثر کی شدت اتنی زیادہ نہ تھی کہ میں اسلام قبول کرلیتا۔

کوالالپمپس میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہوئے مجھے یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا اور میرا ذہن یہ محسوس کرکے جھنجھنا اٹھا کہ پروٹسٹنٹ چرچ کی کتنی ہی شاخیں ہیں اور ''مذہبی عقائد'' کی بناء پر ہر شاخ دوسری سے برسرِ پیکار رہتی ہے۔ آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں میں بُعد و اختلاف کی شدت کا کیا عالم ہے اور ان کے مذہبی عقائد باہم دگر کتنے مختلف ہیں اس کیفیت نے مجھے سخت پریشان کیا اور گھبرا کر میں نے قرآن کا سہارا لیا۔ جن آیتوں نے مری رہنمائی فرمائی یہ ہیں:

''اس نے آپ پر (اے نبی) یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے، اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے''۔ (آل عمران ۳)

''اے نبی کہہ دیجئے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے۔ ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں، جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں، ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلم) ہیں''

(آل عمران ۸۴)

قرآن کے مسلسل اور گہرے مطالعے نے مجھے حقیقت کے قریب کر دیا اور عیسائیت کے عقائد کا کھوکھلا پن مجھ پر واضح ہوتا گیا۔ مثال کے طور پر عقیدہ تثلیث وہ گورکھ دھندہ ہے جسے ہر عیسائی سمجھے بغیر اختیار کرتا ہے حالانکہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے ہی نہیں جس میں اس پیچیدہ مسئلے کی وضاحت یا تفہیم موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام توحید کا صاف ستھرا اور عقلی و منطقی عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ذات و صفات میں وہ یکتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول اور نبی ہیں۔ میرے نزدیک اسلام اور عیسائیت

میں یہی بنائے امتیاز ہے۔

مجھے پروفیسر خورشید احمد کی اس بات سے مکمل اتفاق ہے (جو انہوں نے اسلام کا تعارف کراتے ہوئے ایک طویل مضمون میں رقم کی) ''کہ دنیا میں بہت سے مذاہب اور نظریات کے بظاہر روشن اور پرشکوہ یک رخہ پن نے بڑا غضب ڈھایا کچھ نے زندگی کے روحانی پہلوؤں پر اتنا زور دیا کہ مادی اور دنیاوی امور کو یکسر نظر انداز کر دیا، ان مذاہب اور نظریات نے دنیا کو ایک واہمہ، فریب نظر اور زنجیر پا قرار دیا، جبکہ اس کے مقابلے میں بعض دیگر فلاسفہ نے زندگی کی روحانی اور اخلاقی قدروں کی نفی کی اور انہیں خیالی اور فرضی قرار دیا۔ ظاہر ہے یہ دونوں نقطہ ہائے نظر انتہا پسندانہ تھے اور اپنے ساتھ تباہی و بربادی لیکر آئے۔ انہوں نے انسانیت کے امن و سکون، قناعت پسندی، اور آسودگی کو غارت کر دیا۔ عدم توازن کی یہ کیفیت آج بھی برقرار ہے۔

میں فرانسیسی سائنسدان ڈاکٹر ڈی ڈوگی سے بھی متفق ہوں کہ ''جدید مادہ پرستانہ تہذیب میں انتہا پسندی اور عدم توازن کی جو کیفیت کارفرما ہے وہ غیر معمولی طور پر خطرناک ہے اور اگر روحانی قدروں کے فروغ کے لئے کوئی متوازن تحریک نہ چلی تو دنیا دردناک تباہی سے دوچار ہو جائے گی۔

لارڈ رسل کے بقول عیسائیت نے ایک انتہا کی طرف جھک کر فاش غلطی کی جبکہ تہذیب جدید نے سارا وزن دوسرے پلڑے میں ڈال کر ظلم کیا وہ لکھتے ہیں:

> ''ہم نے زندگی کے ظاہری ڈھانچے کو بے حد خوبصورتی اور سلیقے سے سجایا ہے مگر باطن کی بنیادی اور ضروری احتیاجات کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے ایک حسین وجمیل پیالہ بنایا ہے اس کی آرائش بھی خوب کی ہے اور اس کے بیرونی حصے کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اس کے اندر خوش ذائقہ زہر بھرا ہوا ہے، ہم نے علم کی ساری صلاحیتوں اور عمل کی ساری قوتوں کو محض جسمانی عیش وآرام مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا، لیکن روح کے تقاضوں کی پرواہ نہ کی اور اسے بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔''

اس اندوہناک کیفیت کے برعکس اسلام زندگی گزارنے کا ایک درمیانہ اور متوازن لائحہ عمل دیتا ہے۔ اسلام مادیت اور روحانیت میں توازن پیدا کرتا ہے، اور دونوں میں سے کسی کو نظرانداز نہیں کرتا۔ اسلام کا مطلب ہے اطاعت، اللہ کی اطاعت اور اس کے قوانین واحکامات کی پابندی، اس کی مخلوقات کی خیر خواہی اور معاشرے کی اصلاح و بہبود کی فکر۔

عیسائیت، تہذیب حاضر اور اسلام کے تقابلی مطالعے نے مجھے یکسو کر دیا۔ میں نے دل کی انتہائی گہرائیوں سے اسلام قبول کر لیا اور سچے مسلمان کی طرح اسلامی قوانین کی پیروی قبول کر لی۔ اسلام نے مجھے یہ سکھایا کہ میں غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضروریات ومشکلات کو سمجھوں اور ان کی مدد کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کروں۔ میں اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت سمجھتا ہوں، جو کچھ اس نے مجھے عنایت فرمایا ہے میں اس پر قانع ہوں اور اس کے فضل وکرم کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو وہ شب وروز ہم پر نازل کرتا ہے۔ ہمیں اس پرآشوب دور میں صرف اللہ کی مدد درکار ہے ہم اس سے تحمل، حلم اور محبت کی بھیک مانگتے ہیں تاکہ ایک پرامن دنیا کی تخلیق کی جا سکے۔

ہاں اس امر کا بھی اظہار کرتا چلوں کہ قرآن میں کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جن کی تصدیق بائبل بھی کرتی ہے۔ مثلاً اطاعت خداوندی، اخوت ومساوات، زندگی بعد موت اور روز حشر پر یقین۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح معنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میں اب ایمان لایا ہوں، بمقابلہ اس دور کے جب نام نہاد ''عیسائی'' تھا۔

مختصراً اسلام کی جن تعلیمات نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا وہ یہ ہیں:

۱:...... اسلام عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ عقلی، عملی، قابل فہم، منطقی اور سادہ مذہب ہے۔

۲:...... اسلامی عبادات اللہ سے براہ راست تعلق جوڑتی ہیں۔

۳:...... اسلام میں خدا کا تصور بڑا ہی باوقار اور پرشکوہ ہے۔

۴:...... اسلامی عبادات میں زندگی اور تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ عیسوی طرز عبادت کی طرح ادھورا پن نہیں ہے۔

۵:....... قرآنی تعلیمات کے مطابق مسلمان گذشتہ ساری کتابوں کو مقدس اور الہامی مانتے ہیں۔ اگرچہ وہ تحریف کی نذر ہو چکی ہیں۔ قرآن ہر قسم کی ترمیم و تبدیلی سے محفوظ ہے اور پہلی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔

اور اسلام قبول کر کے مجھے سکون مل گیا

''میں نے اسلام قبول کیوں کیا؟'' یہ وہ سوال ہے جو مجھ سے اکثر جگہ پوچھا گیا ہے اور بذات خود میں نے بھی یہ سوال اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ جواب کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے جو دلوں کو پھیرتی اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں سچائی کی تلاش میں تھا، خالص سچائی اور صرف سچائی، تیسرے میرے گذشتہ مذہب عیسائیت کے عقیدہ و نظریہ کے بعض اجزاء ایسے تھے جو پہلی بار سننے پر تو قابل قبول معلوم ہوتے ہیں مگر تدبر و تفکر اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ نہ صرف ناقابل تسلیم بن جاتے ہیں بلکہ ان میں واضح تضادات، بے ربطی اور الحاد نظر آتا ہے اس کے باوجود اسلام ہی کا انتخاب کیوں؟ جب میں خالص اور مکمل سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام ہی کی طرف میری رہنمائی کیوں کی، دیگر مذاہب کی طرف میرے ذہن کو کیوں نہ موڑ دیا پھر عیسائیت ہی کے کسی دوسرے فرقہ کی طرف جانے کا خیال کیوں نہ پیدا کیا؟ اس اہم سوال کا جواب اس وقت ہی واضح ہونا شروع ہو گیا تھا جب میں نے روحانیت کی جستجو کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا نظریہ تو پیدائش کے ساتھ ہی ذہن میں ڈال دیا گیا تھا مگر میری روح کو عیسائی چرچ کی تعلیمات کے سانچے میں بند کر دیا گیا۔ میری مذہبی نشوونما میں کسی جبر کا کوئی دخل نہ تھا، یہ اتفاقاً اور عادتاً بھی نہ تھی، یہ میرے خاندان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میری ماں ہر اتوار کو مجھے بائبل کی کہانیاں پڑھ کر سنایا کرتی تھی لیکن جب میں نوجوانی کی عمر کو پہنچا اور خاص طور پر جب میں کالج میں داخل ہوا تو کھلائی گئی یہ روحانی غذا خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔

کچھ عرصے بعد میں نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ پہلی کتاب جو میں نے

پڑھی (The Religion of Man) تھی جسے میں ایک دوست سے مستعار لایا تھا۔ اس کتاب کا پہلا باب ''اسلام'' پر تھا اور میرے لئے یہ نہایت حیران کن تھا۔ یہ عرب کی معمولی تاریخ سے شروع ہوا، اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور بعد میں اسلام کے نظریہ اور اس کے بنیادی عقائد کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ اسلام کی عیسائیت کے ساتھ مماثلت اور تعلق کے بارے میں جو کچھ پڑھا اس پر مجھے یقین نہ آتا تھا، یہ کوئی خارجی یا اجنبی مذہب نہ تھا جسے کسی خارجی خدا کی پوجا کرنے والے غیر شخص نے تشکیل دیا ہو۔ یہ تو خالص ابراہیمی مذہب تھا جسے وحی الٰہی کے ذریعے سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھا اور سچے خدائے واحد کی بندگی کرنے والا تھا۔ اس سے اسلام میں میرے تجسس اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا۔ میں نے اپنے ذہن کو آزاد اور کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے بدھ مت، ہندو مت، یہودیت، امریکہ کے قدیم روحانی مذاہب اور دیگر چھوٹے مذاہب، مسالک اور مذہبی تحریکوں کی تاریخ اور ان کے عقائد و نظریات کا مطالعہ شروع کیا۔ بدھ مت جو دنیا سے لاتعلقی کا درس دیتا ہے، میں آخرت کی زندگی کا کوئی واضح تصور نہیں۔ ہندو مت میں تو بغیر کسی مرکز واحد یا ذات واحد کے ان گنت دیویوں اور دیوتاؤں کی ڈھیلی ڈھالی پوجا ہے۔ یہودیت بنیادی طور پر سچ ہے، مگر نسلی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ امریکہ کے قدیم مذاہب بھی قبائلی اقسام میں ڈھلے ہوئے ہیں اور ہر قبیلے کا ایک الگ مذہب ہے۔ اسلام ان میں واحد مذہب تھا جس کے نظریات، عبادات اور عقائد واقعتاً ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور عالمگیر دکھائی دیتے تھے۔ تاہم اب تک جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں تھیں وہ تبدیلی مذہب کے لئے کافی نہ تھیں لیکن جب میں قرآن مجید کے قریب آیا تو تیزی سے تبدیلی آئی۔

میں ان دنوں موسیقی کے ایک اسٹور پر کام کر رہا تھا۔ وہاں ایک نوجوان خاتون اکثر آتی جس کے ساتھ عمومی تبادلہ خیال ہوتا، ایک موقع پر میں نے اس کے ساتھ اسلام پر بات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر مجھے اسلام کے بارے میں مزید معلومات درکار ہوں تو میں اس اجلاس میں شرکت کروں جو

اس کا باپ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پڑھانے کے لئے منعقد کرتا ہے۔ جب میں پہلی بار اس اجلاس میں شرکت کے لئے گیا تو پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ مضطرب بھی تھا۔ میں خالص مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا، مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اکٹھا دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ ماحول نہایت سادہ اور نیاز مندانہ تھا، انہوں نے میرے بنیادی سوالوں کے جواب دیئے لیکن میں نے زیادہ سوال کرنے کے بجائے سننے کو پسند کیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں کچھ دور بیٹھ کر خاموشی سے ان کا نظارہ کرتے ہوئے مسکراتا رہا۔ تاہم عورتیں، مرد اور بچے ہم آہنگی کے ساتھ اکٹھے جھکتے اور نماز کے دوران زمین پر بالکل سامنے نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ میرے لئے یہ ایک حیران کن اور پر لطف نظارہ تھا، نہایت انکساری، تحمل مزاجی اور ہم رنگی کا قدرتی نظارہ، اس سے میرے ذہن میں یہ تاثر ابھرا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہوسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جن دیگر پیغمبروں کا بائبل میں ذکر ہے، کے واقعات وحالات کو میں نے ذہن میں تازہ کیا کہ وہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔ آجکل چرچوں میں جس طرح عبادت ہوتی ہے، یہ طریقہ اللہ کے پیغمبروں کا تو نہ تھا بلکہ وہ تو اس طرح عبادت کرتے تھے جس طرح مسلمان کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب ایک دوسرے سے ملو تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا (اللہ تمہیں سلامت رکھے) دو۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان پر عمل نہ کیا، یہ تو مسلمان ہیں جو ایک دسرے کو "السلام علیکم" کہہ کر ملتے ہیں جس کا مطلب ہے "اللہ کی تم پر سلامتی"۔ عیسائیت میں صرف آرتھوڈکس ننیں اپنے سر اور جسم کو ڈھانپتی ہیں مگر اسلام میں تو ساری باعمل مسلمان خواتین کی شرم و حیاء، حجاب، پاکدامنی اور عجز وانکساری کا معیار یہی ہے۔ اور یہ صرف آرتھوڈکس یعنی راسخ العقیدہ خواتین تک محدود نہیں۔ جب میں اجلاس سے رخصت ہوا تو خیالات کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس مسلمان خاتون کو میوزک اسٹور پر میں نے دوبارہ دیکھا تو اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے بتایا کہ میرے لئے کس قدر تعجب انگیز تجربہ تھا۔ یقیناً میں اس اجلاس میں

دوبارہ جاؤں گا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرے پاس قرآن مجید ہے؟ میں نے بتایا کہ نہیں میرا خیال تھا کہ قرآن صرف غیر ملکی زبان میں ہوگا اور میں اسے نہیں پڑھ سکتا مگر اس نے مجھے کہا وہ عربی متن کے ساتھ انگریزی ترجمے والا قرآن مجید دے گی۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس کی پیش کش کو قبول کرلیا۔ جب مجھے قرآن مجید ملا تو دل پکار اٹھا ''واہ! میرا پہلا خالص قرآن'' اس کا باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے کا میں انتظار نہ کرسکا۔ میں نے انڈکس دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہر آیت پڑھ ڈالی۔ یہ وہ پیغمبر تھے جو میرے ذہن کے ہر خانے میں موجود تھے اور مجھے بہت ہی عزیز تھے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کتاب (قرآن) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کیا کیا فرمایا ہے۔ اگر مجھے ان کی شان میں کوئی تحقیر، گستاخی، تضحیک وغیرہ نظر آتی یا ان کی نبوت کا انکار کیا گیا ہوتا تو میں اس کتاب کو بند کردیتا اور اسلام سے بھی دور چلا جاتا۔ لیکن قرآن مجید میں ان کے بارے میں پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی اور جب میں نے پڑھا کہ اللہ تین میں سے ایک نہیں بلکہ وہ اپنی ذات وصفات میں واحد اور بے نظیر و بے مثال ہے تو میرے ذہن نے اسے فوراً قبول کرلیا۔ جب میں نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کنواری بطن سے پیدا ہوئے تھے اور وہ خدا کے بیٹے نہیں تو مجھے اس سے بھی اتفاق تھا۔

جب میں قدیم عبرانی اور سامی زبانوں کی اصطلاحوں کا مطالعہ کررہا تھا تو میں نے دیکھا ''بیٹا'' (Son) کے معنی قربت (Nearness) کے ہیں اور عہد نامہ قدیم میں یہ دیگر افراد اور پیغمبروں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ''خدا کا بیٹا'' کی اصطلاح کا مطلب ہے کہ وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہو یا اللہ کے ساتھ جس کا نہایت قریبی تعلق ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے (Son of Man) کی اصطلاح (Son of God) کی نسبت کہیں زیادہ استعمال ہوئی ہے، تاہم قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن مریم'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اللہ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کے طرح تھی۔ (اللہ) نے صرف ''کن'' کہا اور وہ ہوگیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا نہ تو کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ اس طرح تو ان کی زیادہ پرستش ہونی چاہیئے تھی مگر کسی نے ان کی (Only Begotten of God) کی

حیثیت سے پرستش نہیں کی۔

جب میں نے قرآن میں پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی شکل میں خدا نہیں تھے بلکہ انسانوں کے لئے پیغمبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور جنہیں اللہ نے بھیجا، وہ بے نیاز نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے، اسی پر بھروسہ کرتے اور اس سے ڈرتے تھے اور اسی کی عبادت کرتے تھے۔ مجھے قرآن پاک کی یہ بات بھی تسلیم تھی کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا لیکن جب میں نے یہ پڑھا کہ وہ انہیں مصلوب بھی نہ کر سکے تھے تو مجھے جھٹکا لگا۔ سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۵۷ ''(اور خود یہودیوں نے) نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا'' میری نظریاتی زندگی میں ڈرامائی تبدیلی لائی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی بات کو بلا سوچے سمجھے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔ میں تحقیق کرتا ہوں، دن کے وقت میں اس آیت پر غور کرتا اور رات اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا۔ میں بہتے آنسوؤں میں اللہ سے فریاد کرتا کہ وہ مجھے خواب میں بتائے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب نہیں کیا گیا تو پھر ان کے ساتھ حقیقتاً کیا ہوا تھا۔ اصل واقعہ کیا تھا اور جھوٹ کیا تھا، یہ جاننے کے لئے میں بے تاب تھا، میں سخت پریشان تھا، میں تحقیق اور لوگوں سے بحث کرتا تا کہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آئے، میرے نزدیک روح اس دنیا کی سب سے اہم چیز تھی اور میری روح سچائی کی متلاشی تھی، میں نے ہمیشہ اپنے خالق کو جاننا اور اس کی عبادت کرنا چاہی لیکن میں اس بات میں یقین چاہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ صحیح ہے، میں اس وقت تک کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہ تھا جب تک شرح صدر کے ساتھ یقین نہ کر لوں کہ یہی راستہ صحیح ہے۔

میں اس وقت تک کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہ تھا جب تک شرح صدر کے ساتھ یقین نہ کرلوں کہ یہی راستہ صحیح ہے، بالآخر میں نے خواب کا انتظار چھوڑ دیا اور اپنے آپ سے پوچھا لفظ (Crucifixion) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کے عیسائی کیا معنی لیتے ہیں؟ عیسائیوں کے نزدیک اس لفظ کے معنی ''نجات'' کے ہیں یعنی

گناہوں کے سزا سے نجات۔ اس کے اس دنیا اور آخرت میں کامیابی کے معنی بھی لئے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک بنیادی بات ہے کہ اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو نجات کا راستہ نہیں دکھاتا تو بے کار ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کئے جانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے محبوب بنی نوع انسان کو معاف کرنے اور بخشنے کے لئے کوئی اور طریقہ نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے دل و جان سے محبت تھی اور ان کی ذات مجھے بہت عزیز تھی۔ میں اکثر سوچتا کہ یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ رب غفور اور رحیم نے انہیں زمین پر اس لئے بھیجا کہ وہ ان گنت دوسرے انسانوں کے گناہوں کی معافی کے لئے اپنے آپ کو قتل کرائیں جبکہ انہوں نے خود کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو یعنی ایک بے گناہ آدمی کو دوسروں کے گناہوں کی بھینٹ چڑھانا کیونکر انصاف ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایک نامعقول نظریہ تھا، اگر اللہ تعالیٰ ''کن'' کہہ کر ساری کائنات کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے اور معافی مانگنے والوں کے لئے وہ ایسا کیوں نہیں کرسکتا، وہ ایک فرد کو یہ کیوں نہیں کہہ سکتا'' جا تجھے معاف کیا یا فلاں مرد، عورت کو معاف کردیا گیا'' اس معافی کے لئے ایک بے گناہ انسان کا قتل اور خون ہی کیوں ضروری تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ''اگر اس کتاب (قرآن) نے نجات کا کوئی ایسا پروگرام دیا جس میں کسی بے گناہ کا خون اور قتل شامل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو تسلیم کرلوں گا۔ میں نے بائبل کے نظریات پر گہرائی سے نظر ثانی کی اور یہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ نجات کے لئے کیا ضروری ہے۔ یہودی اور مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہوئے کسی دوسری چیز کو درمیان میں نہیں لاتے تو پھر عیسائی ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان کوئی اور نہ تھا، حضرات ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی نہ تھا، موسیٰ علیہ السلام اور اللہ، داؤد علیہ السلام اور اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی دوسرا نہ تھا۔ پوری بائبل میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی دوسرا اس کے گناہوں کی سزا نہیں بھگتے گا اور نہ کسی دوسرے کو سزا دی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو لوگوں کو توبہ کی تبلیغ کررہے تھے اور لوگوں کو بتا رہے تھے کہ توبہ کے بعد

ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (بحوالہ لوقا باب ۷) تو پھر اچانک بنی نوع انسان کی بخشش کے لئے ایک قتل اور خون کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ قربانی، خون اور معافی کے موضوع پر قرآن مجید نے چند آیات میں کیا ہی خوب اور جامع بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحج میں فرماتے ہیں:

> ''نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس نے ان (جانوروں) کو تمہارے لئے اس طرح مسخر کیا ہے کہ اس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو''۔

گناہوں اور معافی کے بارے میں سورہ یوسف میں فرمایا:

> ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سارے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''۔

سورہ الزمر میں فرمایا:

> ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔

بائبل کی کتاب زبور میں بھی ایسی ہی تعلیمات پائیں مثلاً باب ۳۰ کی آیت پانچ میں ہے ''کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے، اس کا کرم عمر بھر کا، رات کو شاید رونا پڑے پر صبح کو خوشی کی نوبت آتی ہے۔ باب نمبر ۳۲ کی آیت نمبر ۵ میں بیان کیا ہے ''میں نے کہا کہ میں خداوند کے حضور اپنی خطاؤں کا اقرار کروں گا اور تو نے میرے گناہوں کی بدی کو معاف کیا''۔ باب نمبر ۶۲ کی آیت ۱، ۲ میں فرمایا ''میری جان کو خدا ہی کی آس ہے، میری نجات اسی سے ہے، وہی اکیلا میری چٹان اور میری نجات ہے''۔ سموئل ۱ کے باب نمبر ۱۵ کی آیت ۲۲ میں ذکر ہے کہ ''سموئل نے کہا کہ کیا خداوند سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے اتنا ہی خوش ہوتا ہے جتنا اس بات سے کہ خداوند کا حکم مانا جائے؟ دیکھ فرمانبرداری قربانی سے اور بات ماننا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے''۔

لوقات کے باب ۱۵ میں ہے کہ ''میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث

آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث خدا کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے''۔ حزقی ایل کے باب ۱۸ میں ہے کہ ''جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرات شریر کے لئے'' مزید تفصیل کے لئے دیکھیں آیات ۲۰ تا ۳۲ یسعیاہ کے باب نمبر ۱۲ کی آیات دو اور تین۔ لوقا کے باب نمبر ۷ کی آیت ۴۷ تا ۵۰۔ جب میں نے قران کی سورہ یونس کی آیت نمبر ۵۷ پڑھی جس میں بتایا گیا ہے کہ ''لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دل کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے''۔ تو میں نے اپنے آپ سے کہا ''یہی صحیح ہے، یہی اللہ کا فرمان ہے''۔

مسجد میں جب میں دوسری بار گیا تو قبول اسلام کا اعلان کرتے ہوئے میں نے کہا ''عبادت کے لائق کوئی خدا نہیں مگر سوائے اللہ کے جو واحد ہے، اعلیٰ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اس کے آخری پیغمبر ہیں۔ قیامت تک بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید اس کی آخری کتاب ہدایت ہے، میں جان گیا کہ اسلام قاتلوں اور دہشت گردوں کا مذہب نہیں ہے جیسا کہ اہل مغرب پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ تو بنی نوع انسان، فطرت اور تمام دیکھی اور ان دیکھی مخلوقات کے لئے اصل اور سچا مذہب ہے۔ اسما اسلام ان لوگوں کا مذہب ہے جو امن کے متلاشی ہیں اور اللہ کی رضا و تسلیم میں اپنی کامیابی کے خواہاں ہیں، اسلام کو قبول کر کے میں نے کامیابی کا راستہ پالیا، نجات کا ایک سچا راستہ۔

سابقہ مذہب : سکھ **ملک کا نام** :انڈیا

فطرت کا انتخاب

''اسلام دین فطرت ہے، یہ وہ انمول دولت ہے جو کسی کو تو ماں کی گود میں نصیب ہو جاتی ہے اور سعادت مند ہونے کی صورت میں وہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتا ہے اور اپنی زندگی سنوار لیتا ہے اور خدانخواستہ قدر ناشناس ہو تو غفلت میں پڑ کر محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن بعض خوش بخت ایسے بھی ہیں کہ دین فطرت سے کوسوں دور کسی ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں مگر تلاش بسیار کے بعد تنگ و تاریک راستوں سے گزر کر ضمیر کی روشنی میں چلتے ہوئے بالآخر اس خزانے کو پا لیتے ہیں جس کا نام اسلام ہے۔ زیر نظر سطور محمد اقبال نامی ایک نوجوان کے سکھ مذہب سے اسلام تک کے سفر کی ایسی ہی روداد ہے۔''

مجھے یقین ہے کہ مغل دور حکومت میں اسلام اور ہندومت کو یکجا کرنے کی کوشش کے نتیجہ میں سکھ مذہب وجود میں آیا۔ سکھ مذہب اسلام اور ہندومت کا مرکب ہے۔ اس کے بانی گرونانک نے کئی حج بھی کئے، ابتدائی دور کے گوروؤں کی تعلیمات بھی اسلام کے بہت قریب ہیں۔ گرنتھ صاحب خدا کی وحدانیت سکھاتی ہے اور اس میں فرشتوں، حتیٰ کہ کراماً کاتبین (انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتے) تک کا ذکر ملتا ہے۔ سکھ جنت اور دوزخ کے وجود پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ گرنتھ صاحب کا شروع کا حصہ نہایت اسلامی ہے البتہ بعد کے گوروؤں کا رجحان ہندومت کی طرف زیادہ ہو گیا اور یہی دور تھا جب آواگون (دوبارہ جنم لینے کا) نظریہ سکھ مذہب میں در آیا۔

جب میں بچہ تھا تو سکھ مذہب کے متعلق بہت ہی کم جانتا تھا، چھ سال کی عمر سے

میں اذان کو پسند کرنے لگا۔ دراصل میں اذان ہی کو نماز سمجھتا اور اس کا انداز ادائیگی میرا دل موہ لیتا۔

مجھے یقین تھا کہ خدا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ یقین ہر انسان کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے اور یہ فطری یقین ہی ان عوامل میں سے ایک تھا جنہوں نے میری سوچ کو یہ معلوم کرنے پر مہمیز کیا کہ مختلف لوگ اسے مختلف انداز میں کیوں مانتے ہیں۔ بتوں کی پوجا سے مجھے بچپن ہی سے نفرت تھی، گرچہ نفرت کی وجہ معلوم نہیں تھی لیکن بہرصورت یہ بات مجھے ناپسند تھی کہ انسان پتھر اور مٹی کی پرستش کرے۔ اسکول کے دنوں میں بدھ مت نے مجھے اپنی طرف راغب کیا اور اس کی روحانیت کی وجہ سے میں اسے پسند کرنے لگا۔ میں نے بدھ مت کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو نروان اور آواگون (دوبارہ جنم لینا) کے نظریات اس مذہب میں بھی موجود پائے اور انہی نظریات نے مجھے بدھ مت سے برگشتہ کردیا۔ میں نے بعد میں محسوس کیا کہ صوفی ازم سے خدا کو نکال دیا جائے تو بدھ مت رہ جاتا ہے۔

پھر چند دوستوں نے میرا تعارف عیسائیت سے کرایا میں نے عیسائیت پر مبنی لٹریچر کا خاصا مطالعہ کیا۔ انہی دنوں میں اسلام کی طرف رغبت محسوس کرنے لگا، اس کے باوجود کہ عیسائیت کو جدت کا علمبردار اور اسلام کو تنگ نظری اور پسماندگی کی علامت گردانا جاتا تھا۔ (جس کا پرچار اب بھی زور شور سے جاری ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اور بہت سارے غیر مسلم اسلام اور مسلمان کی صحیح تصویر پیش نہیں کررہے۔

اب تک کسی مسلمان نے مجھے اسلام کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ اس کے متعلق کبھی کوئی بات کسی سے ہوئی۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ ایسا کیوں تھا لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلام کی دعوت کیسے دیں۔ اور اگر کوئی بذات خود ان سے اسلام کے متعلق کچھ بتانے کو کہتا تو وہ محض شرما کر رہ جاتے تھے، انہیں وجوہات کی بناء پر عیسائیت اشاعت وتبلیغ کے میدان میں آگے نکل گئی۔

میری عمر کوئی چار پانچ سال کے لگ بھگ تھی جب ہمارے قریب رہنے والی ایک کاکیتھین خاتون مجھے اور میری بہن کو اتوار کے روز اپنے ساتھ چرچ لے جانے لگی جہاں ہمیں کھیلنے کو کھلونے اور کھانے پینے کی اشیاء دی جاتیں۔ پھر میں کسی حد تک کسلمندی

اور کچھ عدم دلچسپی کا شکار ہو گیا اور اس عورت کے بلانے پر بھی نہ جاتا۔ البتہ اس تجربے کا عیسائیت قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بعد میں جب میں نے عیسائیت کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کے تثلیث (تین خدا) صلیب اور خداوند کے نظریات، ایک خدائے واحد کے اس نظریے سے متصادم ہیں، جو میرے ذہن میں ہے۔ میں نے اس بارے میں اپنے عیسائی دوستوں سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ اس موضوع پر اس حد تک گفتگو کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس سے میری تشفی ہو سکتی۔ نتیجتاً عیسائیت میں میری دلچسپی بتدریج کم ہوتی گئی۔

انہی دنوں طب کے پیشے سے وابستہ ایک مسلمان سے میری جان پہچان ہوئی جو مجھے قرآن پاک کی تلاوت کر کے سناتا اور بتاتا کہ یہ آیات قرآن پاک کی ہیں۔ گو قرآن کی زبان میرے لئے اجنبی تھی مگر مجھے یہ کلام پسند ضرور آیا۔ میں نے جب اس سے سوال کیا کہ قرآن کیا ہے تو جواب ملا یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے مجھے اسلام کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ ملائی زبان سے واقفیت کے سبب میں نے اسلام پر بنیادی نوعیت کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے قرآن کا ایک نسخہ خرید لیا۔ مجھے وہ دور اب بھی یاد ہے جب میں نے ملائی زبان میں قرآن کی تفسیر پہلی مرتبہ پڑھی۔ سورۂ بقرہ کے مطالعہ کے دوران میرا وضو کرنے کو جی چاہا تو میں نے وضو کر لیا اسلام کے نظریہ ربوبیت جلد ہی میرے دل میں گھر کر گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عبدیت کے اظہار کے لئے مختلف مذاہب کے ماننے والے جس کی جستجو میں ہیں وہ اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ کیسے اس نے روح تخلیق کی اور کیسے تمام روحوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار کروایا۔ اس بات نے تو گویا میرے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا کیونکہ میں نے خود اپنے ذاتی تجربے اور دوسروں کے مشاہدے سے محسوس کیا تھا کہ چاہے غیر شعوری طور پر ہی سہی ہر انسان میں یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ یقیناً یہ سوچ انسان کے تحت الشعور میں اسی اقرار کی بازگشت ہوتی ہے جو ہر انسان نے عالم ارواح میں اپنے رب سے کیا تھا۔

اب تک کسی مسلمان نے مجھے اسلام کی دعوت نہیں دی تھی

اور نہ اس کے متعلق کبھی کوئی بات کسی سے ہوئی۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ
ایسا کیوں تھا لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلام کی
دعوت کیسے دیں، اور اگر کوئی بذات خود ان سے اسلام کے متعلق کچھ
بتانے کو کہتا تو وہ محض شرما کر رہ جاتے تھے انہی وجوہات کی بناء پر
عیسائیت اشاعت وتبلیغ کے میدان میں آگے نکل گئی۔

قرآن کے مطالعہ اور دوسری کتابیں پڑھنے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اسلام ہی دین حق ہے، لازمی قومی خدمات انجام دینے کے دوران میں نے رات کے وقت قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی۔ سور کھانے سے میں رک گیا اور ممکنہ حد تک اسلام کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔ انہی دنوں میرے ایک دوست نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ میری باتیں، میرے افعال بالکل مسلمانوں جیسے ہیں تو میں نے اس پر واضح کر دیا کہ اگر میں نے کوئی مذہب قبول کیا تو وہ اسلام ہی ہوگا۔

لازمی قومی خدمات کے اختتام پر میرا تعارف دو بزرگ پاکستانی مسلمانوں سے ہوا۔ ان کی زبان وہی تھی جو ہماری مادری زبان ہے وہ میری اسلام سے قربت دیکھ کر متاثر ہوئے۔ جب مجھ سے انہوں نے سوال کیا کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا تو میں نے جواب دیا: ہاں میں ایسا کرلوں گا، انہیں حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ میں خوب اچھی طرح سوچ لوں۔

بلاشبہ اب حیران ہونے کی میری باری تھی کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے فوراً کلمہ شہادت پڑھنے کو کہیں گے جو در حقیقت میں دل ہی دل میں پڑھ چکا تھا۔

میری عمر ۲۱ سال تھی جب باقاعدہ طور پر میرے قبول اسلام کا اندراج ہوا۔ ایک بزرگ عرب دوست نے پاکستانی کے گھر میں ضیافت دی۔ اس وقت تک میں سیکھ چکا تھا کہ فرض نمازیں، کس طرح ادا کی جاتی ہیں، اب میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے عربی زبان سیکھ لوں کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔ میرے لئے یہ امر پریشان کن تھا کہ میں قرآن پڑھوں تو عربی میں مگر سمجھ نہ سکوں کہ اصل معانی کیا ہیں۔ اس ضمن میں جتنی کوشش ممکن تھی میں نے کی اور الحمدللہ خاصی حد تک کامیاب رہا۔

ابھی تک گھر والوں کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ میں اسلام قبول کر سکتا ہوں، گو یہ بات ان کے علم میں تھی کہ میں اسلام کے متعلق تجسس رکھتا ہوں۔ مجھے پیشکش کی گئی کہ میں اپنے چچا کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں جو کہ ''بعلاوی'' مسجد کے قریب ہی تھا۔ چچا نے اس علاقے میں ہی ایک عمارت کی مرمت کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کی طرف سے مجھے اسلام پر آزادی سے عمل کرنے کا یہ موقع عطا ہوا تھا۔ میں نماز پڑھنے مسجد چلا جاتا جہاں پر مجھے ایک دوست نے پہچان لیا اور میرا تعارف مسجد کے امام حبیب سید حسن العطس سے کرایا جو میرے پہلے استاد اور رہبر اور ہمراز دوست بن گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے پہلی ملاقات پر ہی مجھے چند کتابیں دیں جن میں علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی میں ترجمہ قرآن بھی تھا۔ تب سے مسجد سے میری وابستگی پختہ تر ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ کیسے اس نے روح تخلیق کی اور کیسے تمام روحوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار کروایا۔ اس بات نے تو گویا میرے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا کیونکہ میں نے خود اپنے ذاتی تجربے اور دوسروں کے مشاہدے سے محسوس کیا تھا کہ چاہے غیر شعوری طور پر ہی سہی ہر انسان میں یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ یقیناً یہ سوچ انسان کے تحت الشعور میں اسی اقرار کی بازگشت ہی ہوتی ہے جو ہر انسان نے عالم ارواح میں اپنے رب سے کیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد میرے والدین ''کام کی جگہ'' پر آ کر میرے پاس دیر تک ٹھہرنے لگے۔ ان حالات میں مجھے نماز کے لئے ایک اور فلور پر جانا پڑتا جہاں اس دوران ایک آسٹریلوی خاتون بھی آ جاتی۔ ایک دن اس نے حیرت زدہ ہو کر میرے والد سے پوچھا: کیا سکھ بھی مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرتے ہیں؟'' اس روز پہلی دفعہ میرے والدین نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ میں نے ان کے سوال کو ٹال دیا۔ مگر انہیں شک ہو گیا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ پختہ ہوتا گیا اور بالآخر یہ حقیقت ان پر آشکارا ہو ہی گئی پھر بھی وہ امید کرتے رہے کہ میں شاید اسلام کی طرف تھوڑا راغب ہوا ہوں، مسلمان نہیں ہوا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب والد نے

مجھے تنبیہ کیا کہ اگر میں واقعی مسلمان ہو گیا تو خاندان میں بدنامی ہو گی۔

والدین کی تفتیش و سوالات کے جواب میں میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں نے کوئی جذباتی فیصلہ کیا ہو بلکہ میں نے مختلف مذاہب کے طویل مطالعے کے بعد اسلام کو صحیح اور سچا مذہب پایا ہے۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میری اپنے مذہب سے لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے تو ہم بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کر لیتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں غلطی کی ہے۔ نیز مجھے بھی یہ وضاحت کرنے کا موقع مل جائے کہ میں نے اسلام کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ پھر اگر ثابت ہو گیا کہ میں غلطی پر ہوں تو اسلام چھوڑ دوں گا لیکن اگر میں غلطی پر نہ ہوا تو آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ مجھے بطور مسلمان تسلیم کر لیں۔ یہ پہلی اور آخری گفتگو تھی جو میرے اور والد کے درمیان ہوئی اس کے بعد بھی والدہ یہ آس لگائے رہیں کہ شاید میں اسلام کو ترک کر دوں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور میں اعلانیہ اپنے دین پر عمل کرنے لگا، مسجد میں پہلے سے زیادہ فعال ہو گیا اور عربی سیکھنا شروع کر دی۔ میں ذہنی طور پر تیار ہو گیا کہ اگر کوئی ناشدنی ہوئی تو مجھے مسجد ہی کا رخ کرنا ہو گا، رفتہ رفتہ میرے اردگرد کا ماحول بہتر ہونے لگا۔ ۱۹۸۶ء میں مجھے رابطہ عالم اسلامی کے مہمان کے طور پر حج کے لئے مدعو کیا گیا جس میں ایک اور نومسلم بھائی میرے ہمراہ تھے۔ ان دنوں میں کسی یونیورسٹی میں داخلے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا جہاں عربی اور اسلامی تعلیمات سیکھ سکوں۔ انڈیانا یونیورسٹی میں داخلے کی پیشکش ہوئی جہاں مجھے اسلامیات، عربی، عبرانی اور اسلامی تاریخ و ثقافت پڑھنا تھی مگر مالی اور کچھ دیگر وجوہات کی بناء پر اس کورس میں شرکت نہ کر سکا۔ حج کے دوران میری ملاقات بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد سے ہوئی جنہوں نے اپنی یونیورسٹی سے متعارف کرایا اور میں نے اس یونیورسٹی کا انتخاب کیا بعد میں اپنی علمی جستجو میں جامعہ الازہر مصر چلا گیا۔ جب میری واپسی ہوئی تو میرے والد ہسپتال میں داخل تھے انہیں سرطان کا مرض لاحق ہو گیا تھا جو ان کی موت پر منتج ہوا۔

آخر میں اپنے نومسلم بھائی بہنوں سے عرض کروں گا کہ اگر آپ نے اسلام

قبول کیا ہے تو اللہ آپ کی مشکلات کو ضرور آسان کر دے گا۔ آپ اخلاص سے فقط اس کی رضا جوئی کریں اور کسی اور جانب نہ دیکھیں وہی آپ کے حالات کو سازگار بنا دینے والا حقیقی کارساز ہے۔

اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ کے اہل خاندان اور دوست احباب بھی اسلام قبول کر لیں تو انہیں دعوت دیتے رہیں لیکن یہ ہرگز فراموش نہ کیجئے کہ ہدایت دینا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ کو بے دینوں کی ناپسندیدگی اور نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ تو ازل سے حق و باطل میں جاری جنگ کی روایت ہے، کوئی نئی بات نہیں۔

سابقہ نام : کاسیس مارسیلس کلے **سابقہ مذہب** : عیسائی
اسلامی نام: محمد علی **ملک کا نام** :امریکہ

محمد علی کلے

دنیا کے سب سے خطرناک باکسر کا قبول اسلام

عالم ہیوی ویٹ چیمپئن محمد علی کلے رنگ کی دنیا کا طلسماتی کردار ہے۔ اس نے بیسیوں مقابلوں میں حصہ لیا اور ایک آدھ کے سوا ہر ایک میں سرخرو رہا۔ وہ اپنے دور میں یقیناً ناقابل تسخیر تھا اور دنیا بھر کے باکسر اس سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ وہ شیر کی طرح شہ زور اور چیتے کی مانند برق رفتار تھا۔ وہ ہر مقابلے سے پہلے پیشگوئی کرتا کہ اپنے حریف کو وہ اتنے راؤنڈ میں ناک آؤٹ کر دے گا اور حیرت انگیز طور پر ایسا ہی ہوتا تھا۔

فروری ۱۹۶۴ء میں وہ عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن بنا اور یہ اعزاز حاصل کرتے ہی اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس پر اس کے ہم وطن امریکیوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ چونکا دینے والا ہے۔ علمی فتوحات، سائنسی برتری، انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کے علمبردار اس ملک نے تعصب، تنگ نظری اور بے اصولی بے انصافی کا جو مظاہرہ کیا وہ چشم کشا اور عبرت ناک ہے۔ محمد علی کی زندگی اور قبول اسلام کے حوالے سے اس کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

محمد علی کلے کا پیدائشی نام کاسیس مارسیلس کلے تھا۔ وہ ۱۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو امریکہ کے ایک قصبے لازویل کنٹکی میں پیدا ہوا۔ اس کا والد کاسیس مارسیلس کلے (سینئر) سائن بورڈ پینٹر تھا۔ والدہ کا نام اوڈیسا کلے تھا۔ یہ امریکی حبشی خاندان مذہباً کیتھولک عیسائی تھا اور عام نیگروز کے برعکس شرافت اور وضع داری کی روایت رکھتا تھا۔ محمد علی کا

والد محنتی انسان تھا، اس لئے غربت وافلاس کی آزمائش سے محفوظ رہا۔ چنانچہ محمد علی کا بچپن دوسرے سیاہ فام بچوں کی طرح محرومی اور بے بسی کا شکار نہیں رہا۔ اس کا والد ایک باعزت شہری تھا اور عام سیاہ فاموں کی طرح اس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس کے نتیجے میں اسے کبھی جیل جانا پڑا ہو۔ اسے اپنے بچوں سے محبت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ وہ تعلیم حاصل کر کے معاشرے کے معزز شہری بنیں چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کاسیس کلے (جونیئر) کو اسکول میں داخل کرادیا لیکن موصوف کو تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہ تھی وہ شوخ، چلبلی طبعیت کا مالک تھا ساتھیوں سے جھگڑنا اور انہیں مکے بازی سے مرعوب کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ جون ۱۹۶۰ء میں اس نے سینٹرل ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تو اس کے نمبر بہت کم تھے۔

تاہم مکے بازی سے اس کا شغف بہت بچپن ہی سے تھا اور اس کی عمر ابھی بارہ سال ہی کی تھی جب ایک موقع پر اس کا جوش وجذبہ دیکھ کر امریکی پولیس کا ایک سفید فام ریٹائرڈ سارجنٹ جوزف مارٹن اسے باکسنگ کی ایک تربیت گاہ میں لے گیا جہاں اس نے بڑی حیرت سے لڑکوں کو ایک دوسرے پر گھونسے برسانے کی تربیت لیتے ہوئے دیکھا۔ کلے نے اس شغل میں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا کہ وہ دوپہر کا کھانا بھی بھول گیا اور پھر پابندی اور باقاعدگی سے باکسنگ کی تربیت حاصل کرتا رہا اور ابھی اس کی عمر چودہ برس ہی کی تھی کہ وہ ہائی اسکول کے باکسنگ کے مقابلوں میں اول رہا اور جب اس نے اپنی اٹھارہویں سالگرہ منائی تو اس کے سرپرست دوست جوزف مارٹن نے اعلان کیا کہ ''حضرات ہمارا یہ نوجوان چھ سال کی مدت میں ایک سو آٹھ مقابلوں میں حصہ لے چکا ہے جن میں سے ایک سو مقابلے اس نے جیت لئے ہیں اور صرف آٹھ میں شکست کھائی ہے اور یہ آٹھ مقابلے بھی ابتدائی نوعیت کے تھے'' گریجویشن کرنے تک کاسیس کلے کا شہرہ سارے امریکہ میں پھیل چکا تھا۔

مکے بازی سے محمد علی گہرا فطری لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کے لئے وہ خوب ریاضت کرتا صبح اسکول جاتے ہوئے بس کے بجائے بھاگتا ہوا اسکول پہنچتا اور گھر آتے ہی ورزش گاہ میں پہنچ جاتا اور مشق شروع کردیتا اتنی ریاضت اور محنت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۵۸ء

میں جب وہ سولہ برس کا تھا، اس وقت اس نے لازویل گولڈن گلوز ٹورنامنٹ میں لائٹ ہیوی چیمپئن شپ کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۵۹ء میں شکاگو میں نیشنل گولڈن گلوز لائٹ ہیوی چیمپئن شپ جیتی اس وقت کی عمر ۱۷ سال، قد چھ فٹ اور وزن ۱۷۰ پونڈ سے زیادہ تھا۔ اس نے مقابلے میں برطانیہ کے چیمپئن کو ہرایا تھا اسی سال جب اس کی عمر ۱۸ برس قد چھ فٹ ایک انچ اور وزن ۱۸۰ پونڈ تھا، اس نے کنٹکی میں چھٹی بار گولڈن گلوز ٹورنامنٹ جیتا۔ مارچ میں شکاگو کے چیمپئن ٹورنامنٹ میں فتح حاصل کرلی۔ اس کے بعد میڈی سن اسکوائر گارڈن میں گولڈن گلوز کے فائنل میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس مقابلے میں اس کے حریف گیری جاوش کا وزن اس سے چالیس پونڈ زیادہ تھا۔

اپریل ۱۹۶۰ء میں اس نے نیشنل لائٹ ویٹ مقابلوں میں اپنے تمام حریفوں کو شکست فاش دی۔ یہ اعزاز جیتنے کے بعد وہ خود بخود اولمپک کھیلوں کے آزمائشی مقابلوں میں حصہ لینے کا اہل ہوگیا لیکن اس نے آزمائشی مقابلوں میں حصہ لینے سے پہلے آرام کرنے کے بجائے ایسٹرن ریجنل اولمپک ٹرائیلز میں شرکت کی اور اپنے تین حریفوں کو آسانی سے ہرادیا چنانچہ جس وقت محمد علی اولمپک کھیلوں کے لئے آزمائشی مقابلوں میں شریک ہورہا تھا اس وقت اس نے ایک سوتیس مقابلوں میں حصہ لیا تھا اور اسے صرف سات بار شکست ہوئی تھی۔ ان آزمائشی اولمپک مقابلوں میں اس نے چالیس حریفوں کو ہرادیا اور ستمبر ۱۹۶۰ء میں روم میں منعقدہ اولمپک چیمپئن شپ جیت لی۔ یہاں اس نے روس، برطانیہ، پولینڈ اور بلجیم کے معروف اور خطرناک مکے بازوں کو شکست فاش دی اور بے پناہ شہرت کے علاوہ سونے کا تمغہ حاصل کیا۔

یہ اعزاز حاصل کر کے جب کاسیس کلے واپس امریکہ آیا تو لازویل میں اس کا ہیرو کی طرح استقبال ہوا۔ ہزاروں افراد کے علاوہ شہر کے میئر نے اسے خوش آمدید کہا اور امریکہ کے گیارہ لکھ پتی حضرات نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ ایک سنڈیکٹ قائم کیا گیا جس کا محفوظ سرمایہ ۲۵ ہزار ڈالر تھا۔ دس ہزار ڈالر اسے نقد ادا کئے گئے۔

لیکن اس موقع پر اسے ایک تکلیف دہ تجربے سے گزرنا پڑا۔ وہ ایک روز ایک ایسے ہوٹل میں چلا گیا جو گوروں کے لئے مخصوص تھا۔ جونہی وہ ایک میز پر بیٹھا، ہوٹل کی

خاتون منیجر نے بڑی درشتی کے ساتھ حکم دیا کہ وہ فوراً ہوٹل سے باہر چلا جائے کہ یہاں کسی نیگرو کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ کاسیس کلے نے جو سیاہ فام ہونے کے باوجود خوبصورت اور دلکش شخصیت کا حامل تھا، بتایا کہ میں روم کے اولمپک مقابلوں میں جیت کر آیا ہوں، سونے کا تمغہ لایا ہوں، لیکن اس خاتون نے ایک نہ سنی اور اسے حقارت کے ساتھ زبردستی ہوٹل سے نکال دیا گوروں کے اس سلوک نے کلے کے احساس پر غیر معمولی چوٹ لگائی اور وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

کلے کے عزائم بلند تھے اور صلاحیتیں بے پناہ، چنانچہ اس نے عالمی چیمپئن شپ پر نظریں جمادیں اور اس کے لئے ریاضت اور تگ و دو شروع کردی۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء سے اس نے پیشہ ورانہ مقابلوں کا آغاز کردیا اور یکے بعد دیگرے بہت سے مقابلوں میں حصہ لیا۔ اس نے اپنے وقت کے مشہور ترین اور انتہائی خطرناک مکا بازوں کو شکست دی۔ اس کے جسم میں گویا بجلیاں بھری ہوئی تھیں وہ غیر معمولی پھرتی اور حیرت انگیز قوت سے حریف پر حملہ کرتا اور تھوڑے ہی وقت میں اسے ناک آؤٹ کردیتا۔ چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ء کو لاس انجلز میں آرچی مور کو شکست دے کر وہ عالمی چیمپئن کے مقابلے کے دعویٰ داروں میں چوتھے نمبر پر آ گیا۔ اس وقت تک آرچی مور دو سو مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا، جبکہ کلے نے صرف پندرہ پیشہ ورانہ مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔

اسی مہینے یعنی نومبر ۱۹۶۲ء ہی میں کلے نے منزل کی طرف مزید پیش قدمی کی اور ڈوگ جونز کو ہرا کر براہ راست چیمپئن کے مقابلے میں آ گیا مشہور امریکی رسالے ''ٹائم'' نے سرورق پر اس کی تصویر شائع کی۔ اس نے لکھا ''کلے ہرکولیس ہے جب وہ غصے میں گرجتا ہے تو بڑے بڑے شہ زوروں کا دل دہل جاتا ہے اور جب وہ مسکراتا ہے تو عورتوں پر نشے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے''۔

عالمی چیمپئن اور قبول اسلام:

جون ۱۹۶۳ء میں کلے نے برطانیہ کا دورہ کیا اور برطانوی چیمپئن ہنری کو ہرا دیا نوعمری ہی سے کلے کا تکیہ کلام تھا ''میں عظیم ہوں'' (I am great) وہ جب بھی کسی

حریف کو پچھاڑتا، مخصوص انداز میں ناچتا اور یہ فقرہ بار بار دہراتا۔ اور آخر کار اس نے اپنی عظمت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا۔ ۲۵ فروری ۱۹۶۴ء کو فلوریڈا میں اس نے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن سونی لسٹن کو ہرا کر عالمی اعزاز جیت لیا۔ اور اسی روز اس نے اپنی زندگی کا سب سے مبارک اور انقلابی فیصلہ کیا۔ اس نے اس شام کو مشہور امریکی نومسلم مالکم ایکس کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اسی روز سیاہ فام مسلمان کی تنظیم کے سربراہ عالیجاہ محمد نے شکاگو میں اعلان کیا کہ کاسیس کلے اسلام قبول کر چکا ہے اور عالمی اعزاز جیتنے میں اسے خدا کی مدد حاصل ہے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح امریکہ اور پوری دنیا میں پھیل گئی اس نے ایک استفسار پر بتایا کہ "ہاں میں مذہب اسلام کا پیروکار ہوں، میں خدا پر محکم یقین رکھتا ہوں، میں ہر روز پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں اور لسٹن کو ہرانے کے فوراً بعد میں نے ڈریسنگ روم میں جا کر نماز پڑھی تھی"۔

مالکم ایکس کی تجویز پر کاسیس کلے نے اپنا اسلامی نام محمد علی اختیار کیا۔ اور اس کے قبول اسلام سے جہاں ساری اسلامی دنیا میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور لاکھوں مسلمانوں نے اسے مبارکباد کے خطوط لکھے، وہاں امریکہ میں اس کے خلاف نفرت اور بیزاری کا اعلانیہ اظہار شروع ہو گیا۔ اخبارات میں اس کے خلاف لامتناہی مہم شروع ہو گئی اور پوری قوم نے تعصب اور تنگ نظری کا وہ مظاہرہ کیا کہ امریکیوں کی اصلیت کھل گئی۔ احترام انسانی، عدل، اور اصول پسندی کے سارے دعوے بھک سے اڑ گئے۔

محمد علی چودہ سال کی عمر میں اسلام کی طرف اس وقت مائل ہوا جب اس کا عالیجاہ محمد سے تعارف ہوا۔ پھر ۱۹۶۲ء میں اس کی ملاقات مشہور امریکی نومسلم مالکم ایکس سے ہوئی اور دونوں دوست بن گئے اور محمد علی ان سے اس قدر متاثر ہوا کہ اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے اسلام قبول کیا۔ مگر مالکم ایکس کے مشورے پر طے پایا کہ اس کا اعلان عالمی چیمپئن شپ جیتنے کے بعد ہی کیا جائے گا ورنہ امریکی مقابلے کی نوبت نہیں آنے دیں گے اور اس میں رکاوٹیں ڈالیں گے۔ چنانچہ لسٹن سے مقابلے کے وقت مالکم ایکس اور ان کی اہلیہ بطور خاص میامی آئے اور محمد علی کے مہمان بنے۔ انہوں نے کہا کہ "یہ محض

مکے بازی کا مقابلہ نہیں بلکہ جہاد ہے خدا کی مرضی یہی ہے کہ تم رنگ سے عالمی چیمپئن بن کر نکلو"۔ چنانچہ جب محمد علی اور لسٹن کا وزن ہو رہا تھا، محمد علی اس فقرے کو بار بار دہرا رہا تھا۔ مقابلہ شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے محمد علی نے مالکم ایکس کے ساتھ مل کر نوافل بھی ادا کئے۔ ایک سفید اخبار نویس کو محمد علی نے بتایا کہ جب میں مسلمانوں کے جلسوں میں جاتا تھا تو وہاں ایک عجیب منظر دیکھتا تھا۔ کوئی مسلمان سگریٹ یا شراب نہیں پیتا۔ عورتیں باپردہ لباس پہنتی ہیں، مجھے یہ بات بہت اچھی لگتی تھی یہی طرز زندگی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔

اگر آپ کو اپنا مذہب اور مکے بازی میں سے کسی ایک کو ترک کرنا پڑا تو آپ کسے ترجیح دیں گے؟

اسی اخبار نویس کے استفسار پر محمد علی نے برملا اور دوٹوک انداز میں جواب دیا "اگر ایسی نوبت آئی تو میں مکے بازی کو ترک کر دوں گا اور پھر کبھی اس کا خیال تک ذہن میں نہیں لاؤں گا اسلام کو ترک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے ہر موقع پر محمد علی نعرہ لگایا کرتا تھا میں عظیم ہوں مگر عالمی چیمپئن کا اعزاز حاصل کرتے ہی اس نے خودستائی کا یہ انداز ترک کر دیا اور کہا اللہ سب سے بڑا ہے (اللہ اکبر) اور سب تعریفیں صرف اسی کے لئے ہیں (الحمد اللہ رب العالمین) اسی کی مدد سے مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے"۔

آزمائشوں کا سلسلہ:

محمد علی کے قبول اسلام کا اعلان کرتے ہی امریکہ میں کھلبلی مچ گئی اس کے خلاف مضامین کا تانتا بندھ گیا اور تو اور سابق عالمی چیمپئن فلائیڈ پیٹرسن نے بھی اس کے خلاف مضمون لکھ مارا۔ ہر طرف ہاہا کار مچ گئی اور جب وہ اپنے آبائی قصبے میں آیا تو اس کا استقبال بڑی ہی سرد مہری سے ہوا۔ صرف چار سو افراد اس کے خیر مقدم کے لئے جمع ہوئے اس کے اعزاز میں کوئی تقریب بھی نہ ہوئی یہاں چند روز ٹھہر کر وہ نیویارک چلا گیا مگر وہاں بھی وہ برابر تنقید کی زد میں رہا۔

انہی دنوں کانگرس کے اسپیکر جان میک کورمک کی طرف سے سابق ہیوی ویٹ چیمپئن جیک ڈیمپسی کو بے مثال کھلاڑی کا اعزاز دیا گیا اور تقریب میں اسپیکر نے ڈیمپسی کو تاریخ کا عظیم ترین چیمپئن قرار دیا، مگر محمد علی کی عظمت تسلیم کرنے کے بجائے الٹا اسے بے جواز طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب امریکہ ویت نام میں جنگ لڑ رہا تھا اور نوجوانوں کو فوج میں جبری بھرتی کے ذریعے محاذ جنگ پر بھیجا جا رہا تھا تاہم مذہبی مبلغ اور معروف کھلاڑی اس سے مستثنیٰ تھے لیکن اپنے ہی اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے محمد علی کو حکم دیا گیا کہ وہ فوج میں بھرتی ہو اور جنگ کے لئے ویت نام پہنچے مگر ہوا یوں کہ دو بار اس کا ٹیسٹ ہوا اور دونوں بار ذہنی امتحان میں اسے ناکام قرار دیا گیا۔ ایک بار عالمی چیمپئن شپ حاصل کرنے سے پہلے جب اس نے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا اور دوسری بار ۲۰ مارچ کو۔ چنانچہ اس پر بھی طویل لے دے شروع ہوگئی اور بحث ہونے لگی کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شاعر، مقرر اور اعلیٰ درجے کا باکسر ذہنی طور پر مطلوبہ اہمیت نہ رکھتا ہو۔ محمد علی کے پرنسپل نے شہادت دی کہ موصوف ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی لائق نہ تھا اور ریاضی میں تو خاصا کمزور تھا جبکہ بھرتی کے امتحان میں اسے خاصے مشکل سوال دیئے گئے تھے۔ لیکن کسی نے اس معتبر شہادت کی اہمیت نہ دی۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری قوم محمد علی کو دو سال کے لئے ویت نام بھجوا کر قبول اسلام کی سزا دینا چاہتی ہے۔ امریکی سینٹ اور کانگرس کو ہزاروں خطوط موصول ہوئے فوجیوں کے والدین نے واویلا کیا کہ محمد علی جان بوجھ کر امتحان میں ناکام ہوا ہے۔

تعصب اور تنگ نظری کا یہ عالم تھا کہ ایک شام کو محمد علی میڈیسن اسکوائر گارڈن گیا وہاں مکے بازی کا مقابلہ ہو رہا تھا روایت یہ ہے کہ اگر کوئی عالمی چیمپئن اس قسم کا مقابلہ دیکھنے آئے تو اسے رنگ میں بلا کر تماشائیوں سے متعارف کرایا جاتا ہے لیکن مقابلے کے منتظم نے ڈھٹائی سے کہا کہ وہ محمد علی کو اس کے اسلامی نام سے متعارف کرانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ محمد علی نے یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ہال سے باہر آگیا۔ جب وہ باہر نکل رہا تھا تو سینکڑوں تماشائی چیخ چیخ کر اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

بہر حال محمد علی نے صاف انکار کر دیا کہ وہ کسی قیمت پر فوج میں بھرتی نہیں ہوگا اس نے دوٹوک لفظوں میں کہا ''میری ویت نامیوں سے کوئی دشمنی نہیں اور میں اپنے عقیدے کی رو سے صرف اسی جنگ میں شامل ہو سکتا ہوں جو جہاد ہو''۔ اس پر عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن کے صدر نے دھمکی دی کہ اسے عالمی اعزاز سے محروم کر دیا جائے گا اس نے کہا کلے نے امریکی نوجوانوں کے لئے بری مثال قائم کی ہے''۔

اس کے جواب محمد علی نے کہا ''میں نے امریکی نوجوانوں کے لئے بری مثال کیسے قائم کی ہے؟ میں تو سگریٹ تک نہیں پیتا اور صاف ستھری زندگی گزارتا ہوں۔ رہی بات اعزاز کی تو میں ہی اس کا اہل ہوں اور میں نے یہ اعزاز خدا کی مدد سے اور اپنے دست بازو سے حاصل کیا ہے اور دوبارہ بھی جب موقع آیا، میں اسے جیت لوں گا۔ میں سونی لسٹن، فلائیڈ پیٹرسن اور ڈوگ جونز یا ایڈی کیچن سے ایک ہی رات میں یکے بعد دیگرے مقابلہ کرنے کو تیار ہوں''۔ محمد علی نے واضح کیا کہ اب وہ اکیلا نہیں ہے پوری افریقی اور ایشیائی اقوام اس کی ہمدرد و مونس ہیں۔

مخالفت شدید تر ہوتی چلی گئی۔ عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن کے کمشنر نے تجویز دی کہ محمد علی کو اسلام یا عالمی چیمپئن شپ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کو کہا جائے۔ روشن خیال امریکی مذہبی تعصب میں ساری حدوں کو پھلانگتے جا رہے تھے۔

۱۴ مئی ۱۹۶۴ کو محمد علی نے اپنے چھوٹے بھائی رحمان علی اور عالیجاہ محمد کے بیٹے ہربرٹ محمد کے ہمراہ افریقہ کا دورہ کیا۔ وہ پہلے گھانا پہنچے، پھر نائیجیریا اور پھر مصر میں ہر جگہ اس کا ایک قومی ہیرو کی طرح استقبال ہوا۔ پانچ ہفتوں کے بعد وہ واپس نیو یارک پہنچا، مخالفت شدید ترین ہو رہی تھی۔ گنتی کے چند حامی بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

۱۴ اگست ۱۹۶۴ء کو محمد علی نے انڈیانا کی ماڈل گرل سونجی سے شادی کر لی۔ سونجی نے اسلام قبول کر لیا اور طے پایا کہ وہ اسلامی لباس اور دینی شعائر کو اختیار کر کے اپنے موجودہ طریق زندگی کو ترک کر دے گی۔ سونجی نے شادی کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا ''میرے شوہر کی خواہش ہے کہ میں زیادہ وقت اپنے گھر میں بسر کروں اور اس کے لئے زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بناؤں۔ وہ اس بات کا سخت مخالف ہے کہ میں کلبوں

یا رقص گاہوں میں جاؤں اور ایسا لباس پہنوں جس کی اسلام میں ممانعت ہے۔

اکتوبر ۱۹۶۴ء میں عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن نے محمد علی کو عالمی چیمپئن شپ کے اعزاز سے محروم کر دیا۔ اس کا بڑا قصور یہی تھا کہ اس نے عیسائیت کو ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا۔

لیکن محمد علی نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے سونی لسٹن کو دوبارہ للکارا اور مقابلے کا اعلان کر دیا۔ لیکن امریکہ کی کوئی ریاست اپنے علاقے میں مقابلے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میساچوسٹس نے اجازت دی اور بوسٹن میں مقابلے کی تاریخ طے پا گئی۔ (۹ نومبر ۱۹۶۴ء) لیکن بدقسمتی سے مقابلے سے تین روز پہلے محمد علی ہرنیا کی تکلیف میں مبتلا ہو گیا اور اسے آپریشن کرانا پڑا۔

اس صورتحال کا بہانہ بنا کر عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن نے ارنی ٹیرل اور ایڈی سیچن کے درمیان مقابلے کا اعلان کر دیا اور یوں ارنی ٹیرل جسے امریکہ سے باہر کوئی نہیں جانتا تھا سیچن کو پوائنٹس پر ہرا کر عالمی چیمپئن بن بیٹھا۔

۲۱ فروری ۱۹۶۵ء کو مالکم ایکس کو شہید کر دیا گیا اور الزام لگایا گیا کہ قاتلوں میں عالیجاہ محمد کے ساتھ ساتھ محمد علی بھی ہے۔ اس وقوعہ کے چند گھنٹوں کے بعد محمد علی کے فلیٹ کو آگ لگا دی گئی۔ انسانی قدروں کے علمبردار مہذب امریکی محمد علی کو قبول اسلام کی بھرپور سزا دے رہے تھے۔ اور ہر نوع کا نقصان پہنچا کر ذہنی اور اعصابی طور پر اسے مفلوج کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سونی لسٹن سے حیرت انگیز مقابلہ:

چند ماہ کے توقف سے مئی ۶۵ء میں محمد علی اور لسٹن کے مقابلے کی نئی تاریخ طے پائی، تیاریاں مکمل تھیں، مگر دو ہفتے قبل میساچوسٹس کے حکام نے اجازت منسوخ کر دی۔ تاہم میامی اتھلیٹک کمیشن نے اجازت دے دی اور طے پایا کہ ۲۵ مئی ۶۵ء کو لیوسٹن گارڈنز میں یہ تاریخی معرکہ برپا ہوگا۔ امریکیوں نے اسے واقعی ہلال وصلیب کا معرکہ بنا ڈالا اور مذہبی جوش و تعصب کے ساتھ اخبارات نے لسٹن کے حق میں اور محمد علی

کی مخالفت میں زبردست مہم چلائی۔ امریکہ میں باکسنگ کے تمام جرائد اور پانچ بڑے روزناموں کے اسپورٹس رپورٹروں نے لسٹن کی کامیابی کے لئے پروپیگنڈہ شروع کردیا۔ باکسنگ کے ایک مشہور مبصر جیمز ایچ ایلین نے مقابلے سے پندرہ دن قبل حتمی دعویٰ کے ساتھ پیشگوئی کہ اس بار کلے ہار جائے گا اور فتح لسٹن کے قدم چومے گی۔

ایلین نے اپنی پیشگوئی کو منطقی دلائل کے ساتھ آراستہ کیا۔ اس نے لکھا ''میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ سونی لسٹن پانچ راؤنڈ کے اندر اندر جیت جائے گا۔ خواہ کلے ناک آؤٹ ہو یا ٹیکنیکل ناک آؤٹ''۔ اس ضمن میں ایلین نے اپنے مشاہدات بیان کئے ''میں اپنے نوجوانی کے زمانے میں شوقیہ کلبوں اور تعلیمی اداروں کی جانب سے متعدد مقابلوں میں حصہ لے چکا ہوں پھر میں نے نامور باکسروں کو مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا بھی ہے۔ ان باکسروں میں جیک ڈیمپسی، کارپینٹر، شارکی، اطالوی شہ زور پریمو کارنیرا، میکس بیر، ناقابل تسخیر جولوئی، والکاٹ چارلس، پیٹرسن اور جانسن قابل ذکر ہیں۔ میں نے سونی لسٹن کو پانچ بار اور محمد علی کو تین بار رنگ میں لڑتے ہوئے دیکھا کہ محمد علی کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے باوجود میرا پختہ نظریہ ہے کہ لسٹن اس سے بڑا باکسر ہے''۔

ایلین نے آگے چل کر لسٹن اور محمد علی کی ذہنی جسمانی قوتوں کا ان الفاظ میں موازنہ کیا۔

''جس نے لسٹن کو قریب سے دیکھا ہے، وہ میرے نقطہ نظر کی تائید کرے گا وہ واقعی عظیم ہے، وہ خالی ہاتھ بنگال کے شیر سے لڑسکتا ہے اور اس کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ وہ ایک غضب ناک باکسر ہے اور محمد علی کے ہاتھوں شکست نے اسے اور بھی غضب ناک بنادیا ہے۔ اس نے اس مقابلے کے لئے اتنی زیادہ مشق کی ہے کہ اب تک شاید ہی کسی اور مقابلے کے لئے کی ہو۔ محمد علی نوجوان ہے اور بڑا پھرتیلا ہے، لیکن لسٹن اپنے قد و قامت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے کہیں زیادہ پھرتیلا ہے۔ وہ ایک گھونسے سے کلہاڑی کو توڑ سکتا ہے، وہ ایک شیر ہے جس کے مقابلے میں ایک نوجوان اور پھرتیلا چیتا آنے والا ہے۔ ان حالات کی بناء پر میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ کلے فوراً ناک آؤٹ ہوجائے گا

اور کسی کو اس پر حیرت نہیں ہوگی''۔

غرض لسٹن کے حق میں اور محمد علی کی مخالفت میں پروپیگنڈا ہم اتنی منظم اور شدید تھی کہ کوئی اور ہوتا تو احساس کمتری میں مبتلا ہو کر ہمت ہار بیٹھتا، لیکن محمد علی کو اپنے اللہ پر اور لاکھوں مسلمان بھائیوں کی دعاؤں پر مکمل بھروسہ تھا وہ بڑے اعتماد کے ساتھ تیاری کرتا رہا۔ اس نے کہا ''جب میں رنگ میں اتروں گا تو دنیا کے ایک ارب سے زیادہ لوگ میری کامیابی کے لئے دعا کر رہے ہوں گے میں اللہ کے فضل سے کامیاب ہوں گا''۔ اس نے مقابلے سے پہلے نوافل ادا کئے، خوب دعائیں کیں اور جب وہ رنگ میں داخل ہوا اور مقابلہ شروع ہونے لگا تو لاکھوں نہیں کروڑوں افراد کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اس مقابلے سے امریکیوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ ایک محتاط اندازے کی مطابق پچاس لاکھ ڈالر کی آمدنی ہوئی۔ ٹیلی ویژن کے چھ لاکھ ڈالر ان کے علاوہ تھے۔ یقیناً یہ ریکارڈ آمدنی تھی۔

مقابلہ شروع ہوا محمد علی اور لسٹن نے اپنی عبا اتار کر پھینکی۔ محمد علی کو اس کے اسلامی نام سے متعارف کرایا گیا تو تماشائیوں نے آوازے کسے اور مخالفانہ نعرے لگائے۔ ریفری نے اشارہ کیا اور دونوں باکسر ایک دوسرے کی طرف بڑھے لیکن یہ کیا ہوا؟ ایک عجیب، محیر العقول اور ناقابل فہم واقعہ ہوا۔ محمد علی نے گھونسے کا وار کیا اور مقابلہ شروع ہوئے ایک منٹ اور ۴۲ سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ لسٹن گھونسا کھا کر گر پڑا اور پھر اٹھ نہ سکا۔ اس کا اور اس کے صلیبی ہم وطنوں کا غرور خاک میں مل گیا اور جب لسٹن لڑکھڑاتا ہوا اٹھا تو گنتی پوری ہو چکی تھی۔ باکسنگ کے مشہور اور ثقہ جریدے ''رنگ'' کا ایڈیٹر فلیشر قریب ہی موجود تھا، وہ باکسنگ کا نامور مبصر تھا اور اس کی رائے حتمی سمجھی جاتی تھی، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ لسٹن گنتی پوری ہونے کے بعد اٹھا ہے ٹائم کیپر نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور یوں محمد علی نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کے فضل و کرم سے فتح مبین حاصل کی۔

ابھی لوگ ٹھیک طرح سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ مقابلہ ختم ہوگیا، یہ سب کچھ اس قدر آناً فاناً ہوا کہ فوٹو گرافر بمشکل اس کی تین تصویریں ہی بنا سکے۔ تماشائیوں نے شور مچا دیا کہ یہ سب فراڈ ہے، نورا کشتی ہے، بکواس ہے۔ دراصل کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ

تھا کہ لسٹن اس قدر بے مثال ذلت و رسوائی سے دوچار ہوگا۔ چنانچہ ہال میں خوب ہنگامہ ہوا۔ لوگ غصے میں چیختے ہوئے رنگ پر حملہ آور ہوئے۔ وہ پاگلوں کی طرح محمد علی کو گالیاں دے رہے تھے۔ تعصب کے علاوہ دراصل ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ناقابل تسخیر لسٹن محمد علی کا ایک ہی مکا کھا کر بیہوش ہو جائے گا اور دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا۔ ہر ذہن میں سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ محمد علی کا پنچ بظاہر اتنا زوردار نہیں تھا، پھر لسٹن کیوں چت گرا اور بیہوش ہوگیا۔ روحانیت کے دشمن مادہ پرست امریکیوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ تعلق باللہ اور دعا میں کیا تاثیر ہوتی ہے اور حالانکہ بہت سے غیر جانبدار نقادوں اور مبصروں کے علاوہ متعدد سابق ہیوی ویٹ عالمی چیمپئن فلائیڈ پیٹرسن، انگمار، جوہن سن اور جووالکاٹ نے اس مقابلے میں محمد علی کو عظیم مکا باز تسلیم کیا، مگر اکھڑ او رہٹ دھرم متعصب امریکیوں کا غیظ و غضب اس کراماتی واقعے کے بعد مزید بڑھ گیا۔ اسپورٹس کے بعض رسالوں اور اخبارات نے کاروائی کرنے کا مطالبہ کیا اور عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن نے اسے عالمی چیمپئن تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے بجائے فلائیڈ پیٹرسن کو جو لسٹن سے دوبار شکست کھا چکا تھا، اپنا چیمپئن مقرر کر دیا۔ امریکیوں کی ''اصول پسندی'' کا ایک ایک پرت الگ ہو رہا تھا۔

فلائیڈ پیٹرسن کی پٹائی:

محمد علی نے عالمی چیمپئن شپ دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فلائیڈ پیٹرسن کو مقابلے کی دعوت دی اور اس کے لئے ۲۲ نومبر ۶۵ء کی تاریخ بھی طے ہوگئی۔ مقابلے کا اعلان ہوتے ہی فلائیڈ پیٹرسن نے محمد علی کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا اور خصوصاً اس حوالے سے وہ اسلام اور اسلامی تاریخ و روایات کا مذاق اڑانے لگا۔ وہ محمد علی سے مقابلے کو باقاعدہ صلیبی جنگ قرار دینے لگا اور یوں سارے متعصب امریکیوں کی ہمدردیاں اسے حاصل ہوگئیں۔ اور انہوں نے محمد علی کے خلاف بغض و عداوت کے اظہار کے لئے اب فلائیڈ پیٹرسن سے ساری امیدیں وابستہ کرلیں۔ وہ کہنہ مشق اور گھاگ باکسر تھا، دو مرتبہ عالمی چیمپئن شپ جیت چکا تھا اور اگرچہ دوبار لسٹن سے مار کھا چکا تھا، مگر

اس نے رنگ کی دنیا سے ناطہ ختم نہیں کیا تھا۔ مقابلے سے پہلے اس نے پانچ معروف مکے بازوں کو شکست دی جس سے اس کا اعتماد بحال ہو گیا۔ وہ اپنی فتح کے دعویٰ کرتا رہا اور اسلام کا مذاق اڑاتا رہا۔

تنگ آ کر محمد علی نے جواب دیا ''مجھے پوپ اور کیتھولک کے مذہب پر تنقید پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عالمی چیمپئن کے اعزاز کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟ بہر حال اب میں پیٹرسن کی اچھی طرح ٹھکائی کروں گا۔ میں مقابلے کو زیادہ سے زیادہ طول دوں گا تاکہ اس چوہے کو خوب ذلیل کر سکوں اور اس وقت تک اسے مارتا رہوں گا جب تک اس کی ٹانگیں جواب نہ دے جائیں، میں اسے دردناک مثال بنا دوں گا''۔

اس بار حادثہ یہ ہوا کہ محمد علی کا قریبی دوست اور اسسٹنٹ ٹریز بنڈینی اس سے ترک تعلق کر کے پیٹرسن سے جا ملا اور اسے محمد علی کو ہرانے کے گر بتانے میں مصروف ہو گیا۔ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ نے بھی حسب سابق محمد علی کی کردار کشی اور پیٹرسن کی تعریف و توصیف میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مقابلے سے عین قبل محمد علی نے کہا ''میں اپنے ناظرین اور ٹی وی پر مقابلہ دیکھنے والوں کو بتا دوں کہ میں پیٹرسن کو ناک آؤٹ نہیں کروں گا بلکہ اسے انتہائی بے رحمی سے ماروں گا''۔

اور پھر ایسا ہی ہوا، مقابلہ شروع ہوا اور چوتھے راؤنڈ سے بارھویں راؤنڈ تک محمد علی نے پیٹرسن کا مار مار کر بھرکس نکال دیا۔ اس کا سر، منہ، آنکھیں سوج گئیں، اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا، حتیٰ کہ وہ بے حس ہو کر چت گر گیا اور رسوا کن شکست سے دوچار ہوا۔ اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر رنگ سے باہر لے جایا گیا۔ محمد علی نے ایک بدزبان اور گستاخ باکسر سے خوب انتقام لیا۔ حالانکہ سارے مقابلے کے دوران آٹھ ہزار تماشائی اسے ہوٹ کر رہے تھے اور نفرت و بیزاری کا اعلانیہ اظہار کر رہے تھے اور جب پیٹرسن کی پٹائی ہو رہی تھی تو وہ غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

امریکیوں کی ڈھٹائی دیکھئے کہ اس شرمناک شکست کے بعد پیٹرسن کی مقبولیت گھٹنے کی بجائے اور بڑھ گئی۔ محمد علی کے مخالفین نے کہا کہ حقیقی فتح تو پیٹرسن کی ہوئی ہے جس

نے اتنی دلیری سے مار کھائی اور اف تک نہ کی۔ اس مقابلے کے بعد مخالفین نے محمد علی کو قصاب اور درندہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔

اس مقابلے پر خود محمد علی نے یوں تبصرہ کیا ''میری ہر ضرب، ضرب حیدری ہے اور مجھ پر میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہے، میں مسلمان ہوں اور میرے نام کا ایک جزو محمدؐ اور دوسرا علیؓ ہے''۔

اور جب اس پر نکتہ چینی کی گئی کہ اس نے پیٹرسن پر بڑا ظلم کیا ہے اسے اتنا نہیں مارنا چاہیے تھا تو محمد علی نے جواب دیا کہ ''جب میں نے سونی لسٹن کو ایک ہی گھونسے میں ڈھیر کر دیا تھا تو لوگوں نے کہا تھا کہ یہ ملی بھگت اور نورا کشتی ہے۔ اب میں نے فلائیڈ پیٹرسن کو بارہویں راؤنڈ میں مار گرایا تو کہا جا رہا ہے کہ اسے اس بری طرح نہیں مارنا چاہیے تھا، آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ پتہ نہیں اب کون میرا مقابلہ کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے چاند پر ہی جا کر مقابلہ کرنا چاہیے شرط یہ ہے کہ جیتنے والا واپس آ جائے اور ہارنے والا چاند پر ہی رہ جائے''۔

سونجی کو طلاق:

محمد علی کی بیوی سونجی کچھ عرصہ تو اپنے عہد پر قائم رہی اور گھریلو زندگی اور دینی تقاضوں کی پابند رہی، مگر پھر اس کا اصل مزاج عود کر آیا۔ اس نے نیم عریاں اور چست لباس دوبارہ پہننا شروع کر دیا۔ وہ بعض اوقات کئی کئی دن گھر سے غائب رہتی۔ اسی قابل اعتراض لباس میں اس نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور محمد علی اور مذہب اسلام پر الزام تراشی کی۔ تنگ آ کر ۱۹۶۵ء میں محمد علی نے سونجی کو طلاق دے دی۔ سونجی نے اس کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا اور وہ ملک جہاں روزانہ ہزاروں طلاقیں ہوتی ہیں اور عدالتیں ان میں دخل اندازی نہیں کرتیں، وہاں عدالت نے چند دنوں میں محمد علی کے خلاف فیصلہ سنا دیا جس کے تحت وہ دس برس تک سونجی کو پندرہ ہزار ڈالر سالانہ ادا کرے گا۔ جبکہ قانونی اخراجات کے طور پر بائیس ہزار پانچ سو ڈالر کی ادائیگی اس کے علاوہ ہوگی۔ امریکہ کے ''مہذب'' معاشرے میں ایک مرد حر کو قبول حق کی عجیب و غریب سزا مل رہی تھی۔

مقابلے جاری رہے:

اب محمد علی نے باکسنگ ایسوسی ایشن کے نامزد چیمپئن ارنی ٹیرل کو للکارا۔ ۲۹ مارچ کی تاریخ بھی طے ہوگئی، مگر نیو یارک ایتھلیٹک کمیشن نے میڈی سن اسکوائر گارڈنز میں مقابلے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ شکاگو میں مقابلے کی بات چیت شروع ہوگئی مگر اسی دوران میں فوجی بھرتی بورڈ کی طرف سے اسے خط موصول ہوا کہ بھرتی پر دوبارہ غور ہو رہا ہے اور ایک ہی ہفتے کے بعد وزارت دفاع کی طرف سے حکم نامہ صادر ہوگیا کہ فوجی بھرتی کا معیار کم کر دیا گیا ہے اس لئے اب وہ بھرتی کا اہل ہے اور اسے کسی وقت بھی طلب کیا جاسکتا ہے۔ اس پر محمد علی نے کہا:

> ''کتنی حیرت کی بات ہے کہ میں حکومت کو ہزاروں ڈالر ٹیکس دیتا ہوں، لیکن پھر بھی مجھے ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ حکومت سن لے کہ میں کسی قیمت پر فوج میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ ایک تو میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسرے ویت نام سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم مسلمان اس وقت تک جنگ نہیں لڑتے جب تک وہ خدا کی راہ میں جہاد نہ ہو۔''

محمد علی کے اس بیان پر پورے ملک میں پھر ہنگامہ شروع ہوگیا اس پر ملک سے غداری کے الزامات لگائے گئے۔ ایتھلیٹک کمیشن نے اسے طلب کیا اور کمیشن کا چیئرمین اس سے وضاحت طلب کرتا رہا، محمد علی نے احتجاج کیا کہ اسے اس کے غیر اسلامی نام سے پکارا جا رہا ہے۔ اس نے یہاں بھی اپنا بیان دہرایا کہ وہ ہرگز فوج میں بھرتی ہو کر ویت نام نہیں جائے گا۔ اس کے نتیجے میں شکاگو میں مقابلے کی ممانعت کر دی گئی۔

اخبارات میں محمد علی کے خلاف کردار کشی تیز تر ہوگئی، محمد علی کے اس بیان کو ملک دشمنی پر محمول کر دیا گیا کہ ''میری ویت نام سے کوئی دشمنی نہیں'' اس پر محمد علی نے ایک بیان میں کہا ''امریکہ ہی کے بہت سے سیاست دان اور دانشور ہیں جو ویت نام میں امریکی پالیسی کے سخت مخالف ہیں اور اس کے خلاف بیان دیتے رہتے ہیں لیکن انہیں نہ غدار

قرار دیا جاتا ہے اور نہ ان کے بیانات کو ملک دشمنی پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن میں نے اپنے دفاع میں ایک صحیح بات کہہ دی تو آسمان سر پر اٹھالیا گیا ہے۔ دراصل یہ سب تعصب اور تنگ نظری ہے اور مجھے میرے عقیدے کی سزا دی جارہی ہے۔ یاد رکھیں میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔ میں بزدل نہیں ہوں، عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن ہوں میں اپنی بات پر قائم رہوں گا''۔

ارنی ٹیرل سے مقابلے کی بڑی مشکلوں سے کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں اجازت مل گئی لیکن ارنی ٹیرل مقابلے سے بھاگ گیا اس کے بجائے جارج شوالو سے مقابلہ ہوا۔ یہ باکسر غیر معمولی طاقت اور تجربے کا حامل تھا، اس لئے مقابلہ پندرہویں راؤنڈ تک جاری رہا جارج شوالو بھی ہار گیا۔

اسی دوران میں عدالت کی طرف سے نوٹس جاری ہوا کہ محمد علی اپنی سابق بیوی سونجی کو چھبیس ہزار دو سو پچاس ڈالر کی رقم فوراً ادا کرے ورنہ توہین عدالت کے جرم میں اسے جیل بھیج دیا جائے گا۔ سونجی دوبارہ ایک نائٹ کلب میں رقاصہ بن گئی، وہ جان بوجھ کر محمد علی کے لئے ذہنی صدمات کا سبب بن رہی تھی۔ غالب امکان یہ تھا کہ اس میں بھی یہود نواز، اسلام دشمن حکومت ہی کی کوئی سازش کارفرما ہوگی۔

۲۱ مئی ۶۵ کو محمد علی کا مقابلہ انگلینڈ کے چیمپئن ہنری کوپر سے ہوا یہ آٹھ سال کے بعد پہلا موقع تھا کہ امریکہ کے ایک عالمی حیثیت کے باکسر کا مقابلہ انگلینڈ کے چیمپئن سے ہو رہا تھا۔ انگلستان اور یورپ کے لوگوں نے اس میں غیر معمولی دلچسپی لی اور یہاں بھی امریکہ کی طرح صلیبی ماحول پیدا کر دیا گیا۔ لندن کے فٹ بال اسٹیڈیم میں ۴۲ ہزار کے مجمع نے یہ مقابلہ دیکھا۔ محمد علی نے خلاف معمول اس مقابلے میں اچھل کود کی، نہ کھلنڈرے پن کا مظاہرہ کیا نہ مذاق کیا وہ بڑی سنجیدگی اور وقار کے ساتھ رنگ میں آیا۔ سب سے پہلے اللہ سے کامیابی کی دعا کی اور پھر ہنری کوپر کو شکست فاش دی۔ یہاں بھی کچھ تماشائیوں نے غنڈہ گردی کی، آوازے کسے، ناپاک حبشی کو قتل کر دو، فتح کے اعلان پر رنگ پر حملہ بھی کیا مگر پولیس نے مداخلت کر کے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

اگست ۶۵ میں لندن ہی میں اس نے برائن لنڈن کو شکست دی۔ پانچ لاکھ

افراد نے اس مقابلے کو دیکھا محمد علی کو نوے ہزار اسٹرلنگ پونڈ کی آمدنی ہوئی۔

لندن ہی میں ایک پاکستانی صحافی نے محمد علی سے ملاقات کی۔ پاکستان کے بارے میں اس نے بڑے ہی جوش و جذبے کا اظہار کیا۔ اس نے کہا ''میں جہاں بھی جاتا ہوں میرے پاکستانی بھائی میرا والہانہ استقبال کرتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے اسلام نے لاز ویل کے ایک معمولی لڑکے کو دنیا بھر کے مسلمانوں کا بھائی بنا دیا ہے۔ میں جب سے لندن میں آیا ہوں پاکستانی زبردستی مجھے اپنے ہوٹلوں میں کھانا کھلاتے ہیں، جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، یوں محسوس کرتا ہوں جیسے ہر مسلمان ملک میرا ہی وطن ہے، میں عنقریب حج کے لئے مکہ جاؤں گا''۔

اسی سفر میں محمد علی نے جرمنی کا دورہ کیا اور فرینکفرٹ میں مشہور جرمن چیمپئن ملڈن برگر سے مقابلہ کیا۔ یہ بڑا ہی شہ زور مکا باز تھا اور مختلف ۵۴ مقابلوں میں سے صرف دو میں ہارا تھا۔ اس ۲۸ سالہ مکا باز نے متعدد امریکیوں کو بھی ہرایا تھا۔

مقابلے کی صبح محمد علی نے نوافل ادا کیے، دعا کی، مقابلے کے وقت ملڈن نے محمد علی کے اسلامی نام کا مذاق اڑایا، اسٹیڈیم میں اسی ہزار کا ہجوم تھا، جن میں بہت سے لوگ محمد علی کا مذاق اڑا رہے تھے، مقابلہ زبردست تھا، ملڈن نے خوب جم کر مار کھائی، لیکن آخر کار بارہویں راؤنڈ میں ہمت ہار بیٹھا۔ ملڈن برگر کی شکست کے بعد یورپ میں کوئی مکا باز ایسا نہ تھا جو محمد علی کے مقابل آسکے۔ اس کی جسمانی اور روحانی قوت نے امریکہ کے بعد یورپ کو بھی تسخیر کر لیا تھا۔

انگلستان اور یورپ کے دورے کے بعد محمد علی واپس امریکہ آیا تو اسے بتایا گیا کہ جبری بھرتی کے خلاف اس کی اپیل مسترد کر دی گئی ہے۔ اسی دوران عدالت کی طرف سے اسے حکم ملا کہ مطلقہ بیوی کے سلسلے میں پچیس ہزار ڈالرز زر ضمانت جمع کرائے اور اگر اس نے آئندہ سونجی کو بروقت خرچہ نہ دیا تو یہ زر ضمانت ضبط کر لیا جائے گا۔

۱۹۶۶ء میں امریکہ کے کلیولینڈ ولیمز نے محمد علی کو للکارا۔ یہ انتہا زبردست مکہ باز تھا کہ ایک بار اسے جوفی ہولیمین کو اتنے زور کا پنچ مارا کہ وہ آدھے گھنٹہ تک بیہوش پڑا رہا۔ ایک اور مکے باز کرلی لی نے اس کا ایک پنچ کھانے کے بعد مکا بازی ترک کر دی

تھی۔ ولیمز نے ۱۹۶۲ء میں عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن کے چیمپئن ارل ٹیرل کو بھی شکست دی تھی۔ اور محمد علی کو للکارنے سے پہلے اس نے ۷۱ پیشہ ورانہ مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔ اور ۶۰ جیتے تھے، مگر اللہ کی مدد سے محمد علی نے ولیمز کو شکست دی، اور اس کے بدترین مخالفوں کو بھی اس کی قوت اور عظمت کا لوہا ماننا پڑا۔ قبول اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ تماشائی تالیاں بجا کر اسے خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ولیمز اس مقابلے کے بعد ریٹائرڈ ہوگیا محمد علی کو دو لاکھ ۳۰ ہزار چھ سو ڈالر کی آمدنی ہوئی۔

اب محمد علی نے عالمی باکسنگ ایسوسی ایشن کے تیار کردہ چیمپئن ارنی ٹیرل کو دعوت مبارزت دیا اور اسے مجبور ہو کر مقابلے پر آنا پڑا۔ ٹیرل کا شمار بہر حال امریکہ کے صف اول کے مکا بازوں میں ہوتا تھا اس کا قد محمد علی سے تین انچ زیادہ تھا۔ اس کی چھاتی اور گلے کی گولائی محمد علی سے ایک ایک انچ زائد تھی اور بازو کی پہنچ دو انچ زیادہ تھی۔ مقابلے کا اعلان ہونے پر اس نے خوب لافیں ماریں اور محمد علی کو کاسیس کلے کے نام ہی سے پکارتا رہا۔ اس نے کہا ''میں زندگی میں پہلی بار دل میں نفرت کے جذبے لے کر رنگ میں جا رہا ہوں۔ میں حریف کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کردوں گا''۔ ماہرین اور ناقدین نے بھی اس کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کردیے۔ مقابلے سے چوبیس گھنٹے پہلے محمد علی نے ہوسٹن کی نو تعمیر مسجد میں جمعہ کی تقریر کی جس میں سینکڑوں مسلمانوں نے شرکت کی اور اس کی کامیابی کے لئے دعا بھی کی۔

۶ فروری ۱۹۶۷ء کو ہوسٹن کے اسٹرڈم اسٹیڈیم میں ۳۸ ہزار تماشائیوں نے یہ مقابلہ دیکھا۔ مقابلے سے پہلے محمد علی نے کہا ''ٹیرل مجھے غیر اسلامی نام سے پکارتا ہے، چنانچہ میں حق رکھتا ہوں کہ اس شخص کی بد اخلاقی کی سزا دوں۔ سن لیں میں اس کو اسی طرح ماروں گا جس طرح سونی لسٹن کو مارا تھا۔ میں اسے چھٹی کا دودھ یاد کرا دوں گا''۔

اور ہمیشہ کی طرح محمد علی کی اس پیشگوئی کی بھی اللہ نے خوب لاج رکھی، محمد علی نے ٹیرل کی خوب پٹائی کی اور ساتویں راؤنڈ میں تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بے بس ہو کر گر پڑا اور بڑی مشکلوں سے اٹھا۔ آٹھویں راؤنڈ میں محمد علی نے ٹیر کے دائیں جبڑے پر زناٹے کا گھونسا مارا اور کہا ''بول میرا نام کیا ہے؟'' پھر بائیں جبڑے پر دوسری

ضرب لگائی اور بات دہرائی ''بول میرا نام کیا ہے؟''

غرض پندرہویں راونڈ تک اس کی خوب پٹائی ہوئی۔ منہ سوج گیا، جبڑے زخمی ہو گئے، ناک سے خون بہنے لگا اور آنکھیں کپا بن گئیں وہ رُسوا کن شکست سے دوچار ہوا۔ اس مقابلے کے بعد محمد علی کے دشمنوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ رنگ میں اسے پٹتا دیکھنے اور ہارنے کی آرزو اپنی موت آپ مرگئی۔ اب پورے امریکہ اور ساری دنیا میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ مجبور ہو کر عظیم مکے باز جولوئی نے بھی اس کی عظمت تسلیم کر لی۔

کچھ عرصے کے بعد محمد علی کا مقابلہ ۳۴ سالہ زورا فولی سے ہوا۔ یہ ۸۴ میں سے ۷۴ مقابلے جیت چکا تھا اور باکسنگ کی دنیا میں خاص نام رکھتا تھا، میڈیس اسکوائر گارڈن میں بارہ ہزار ناظرین نے یہ مقابلہ دیکھا اور زورا فولی ساتویں راؤنڈ ہی میں ناک آؤٹ ہو گیا۔

زورا فولی نے مقابلے کے بعد اخبار نویسوں سے کہا ''بلاشبہ اس وقت دنیا میں کوئی ایسا مکے باز نہیں جو محمد علی کو ہرا سکے۔ میں یہ دعویٰ اس لئے کر رہا ہوں کہ میں ان میں سے بیشتر سے مقابلہ کر چکا ہوں''۔ ناک آؤٹ ہونے کے بارے میں اس نے کہا ''مجھے اتنا یاد ہے کہ میرے جبڑے پر ایک گھونسا پڑا تھا اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں۔ بہر حال مجھے اس شکست کا کوئی افسوس نہیں کہ میں دنیا کے بہترین مکے باز سے ہارا ہوں''۔

وزارت دفاع کی طرف سے محمد علی کو آخری اور حتمی حکم ملا کہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۷ء کو فوجی بھرتی کے دفتر پہنچ جائے۔ اس پر اس نے شدید احتجاج کیا اور ایک پریس کانفرنس میں کہا ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہاں سے دس ہزار میل دور جا کر انسانوں کو قتل کروں اور ان کے گھر جلاؤں تاکہ رنگ دار عوام پر سفید فام آقاؤں کا غلبہ برقرار رہ سکے۔ یاد رکھیں میں کسی قیمت پر حکم نہیں مانوں گا۔ سوال یہ ہے کہ میں خدا سے ڈروں یا اپنی حکومت سے؟ میرا جواب یہ ہے کہ میں خدا ہی سے ڈرتا ہوں''۔

محمد علی نے واشنگٹن میں مختلف عدالتوں سے رجوع کیا اور حکم امتناعی لینے کی کوشش کی، مگر کسی عدالت نے اس کی اپیل پر توجہ نہ دی۔ اس مقصد کے لئے اس نے ہوسٹن (ٹیکساس) میں بھی قسمت آزمائی کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں اس نے

ایک بار پھر اخبار نویسوں سے کہا۔ ”میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ امریکہ کے تمام فٹ بال، بیس بال، اور باسکٹ بال کے کھلاڑیوں کو چھوڑ کر میرا ہی انتخاب کیوں کیا گیا ہے جبکہ میں امریکہ کا واحد عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن ہوں جسے کوئی شکست نہیں دے سکا۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ بھرتی بورڈ ایک ایسے آدمی کو صرف اسی (۸۰) ڈالر ماہانہ کی نوکری دینے پر کیوں مصر ہے جو کم سے کم دو لاکھ آدمیوں کی سالانہ تنخواہوں اور دو مقابلوں میں چھ نئے جیٹ طیاروں کی قیمت کے برابر ٹیکس دے سکتا ہے“۔

لیکن علم وتہذیب کی اجارہ دار امریکی حکومت کا ضمیر بیدار نہ ہوا اور وہ اسے ویت نام بھجوانے پر اصرار کرتی رہی۔ محمد علی نے آخری اپیل ۱۷ اپریل ۱۹۶۷ء کو فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ میں کی۔ عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ”مجھے دنیا کی ہر چیز سے اپنا ایمان اور دین عزیز ہے اور میں اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں، اندازہ کیجئے کہ جب میں عالمی چیمپئن کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے سونی لسٹن سے مقابلہ کرنے والا تھا تو مقابلے کے منتظم بل میکڈانلڈ کو اندازہ ہوگیا کہ میں مسلمان ہوں اور اس نے دھمکی دی کہ اگر اسلام سے انکار نہ کیا تو مقابلہ منسوخ کردوں گا، لیکن میں نے یہ مطالبہ مسترد کردیا اور سامان اٹھا کر جانے ہی والا تھا کہ میکڈانلڈ نے مطالبہ واپس لے لیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں نے ملک کی خوبصورت ترین نیگرو لڑکی کو اس لئے طلاق دے دی ہے کہ وہ اسلامی نقطہ نظر سے قابل اعتراض لباس پہنتی تھی، اسی طرح ویت نام میں جاکر لڑنا میرے مذہب کی تعلیمات کے منافی ہے، میں بورڈ کو دھوکا نہیں دے رہا حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمان صرف اس لڑائی میں شریک ہوتے ہیں جو خدا کی راہ میں لڑی جائے، ہم صلیبی جنگوں یا ملحدوں کی لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتے“۔

فیڈرل کورٹ نے یہ اپیل مسترد کردی اور دوسرے روز بھرتی دفتر میں حاضر ہونے کی تاکید کردی۔ لیکن محمد علی نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کردیا۔ اور لکھ کردے دیا کہ وہ فوج میں کسی قیمت پر بھرتی نہیں ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں اسے پانچ سال قید اور دس ہزار ڈالر جرمانہ کی سزا سنا دی گئی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گرفتاری اور مقدمے کی سماعت سے قبل ہی باکسنگ کے حکام نے اس کا

عالمی اعزاز چھین لیا۔

محمد علی نے اس فیصلے کے خلاف نیو اور لینز فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کی، مگر وہ بھی مسترد کر دی گئی۔ محمد علی نے ہر اپیل میں یہ وضاحت کی کہ وہ اسلام کا مبلغ ہے اور جونہی اس نے اسلام قبول کیا تھا، اس کے مذہبی رہنما علیجاہ محمد نے اس کے ذمہ تبلیغ دین کا فریضہ عائد کر دیا تھا اور جیسا کہ امریکہ کی روایت ہے کسی پادری اور مذہبی مبلغ کو فوج میں بھرتی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا، اس لئے اسے بھی فوجی بھرتی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، مگر کسی عدالت نے اس کی اس دلیل کو درخور اعتنا نہ جانا۔ اس آئینے میں امریکہ کے ''غیر جانبدار'' عدالتی نظام کی بھی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔

محمد علی بحیثیت مسلمان:

قبول اسلام کے بعد امریکہ میں محمد علی کو جن جانگسل آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا اور امریکی حکومت، وہاں کی عدالتوں، مختلف اداروں اور عامۃ الناس نے تعصب اور تنگ نظری کا جو مظاہرہ کیا، وہ جہاں بے حد افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے وہاں اس اعتبار سے ایمان افروز اور روح پرور بھی ہے کہ محمد علی نے ایک لمحے کے لئے بھی حالات کے سامنے ہار نہ مانی اور رنگ کے اندر اور باہر لاکھوں افراد کی مخالفت اور نفرت وحقارت کے اعلانیہ اظہار کے باوجود اس کے اعصاب کبھی متاثر نہ ہوئے۔ ہنری کوپر سے مقابلے کے دوران، لسٹن سے دوسرے مقابلے میں اور پھر پیٹرسن سے لڑتے ہوئے اسے جس صورتحال کا سامنا کرنا پڑا، کوئی اور ہوتا تو گھٹنے ٹیک دیتا لیکن خدا پر محکم ایمان اور پختہ کردار نے اسے وہ قوت ارادی عطا کر دی جس کی بنا پر وہ ایک لمحے کے لئے بھی ہراساں نہ ہوا اور حریفوں کے چھکے چھڑا دیئے۔

دراصل قبول اسلام کے بعد اس نے اپنے اندر زبردست تبدیلیاں پیدا کیں۔ وہ بڑی باقاعدگی سے پنج وقتہ نماز پڑھتا، دیگر اسلامی شعائر پر عمل کرتا اور اسلامی تعلیمات سے آگاہی کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا، وہ آغاز میں عالیجاہ محمد کے عقائد کا پیروکار تھا، جس میں بعض جھول اور خلاف اسلام باتیں بھی تھیں، لیکن جب عالیجاہ محمد کے بیٹے

ہربرٹ محمد اور محمد علی نے افریقہ کا دورہ کیا اور وہ دوبار مصر گیا، تو دونوں کے عقائد درست ہو گئے۔ ہربرٹ محمد بھی راست فکر مسلمان بن گیا اور محمد علی نے بھی قرآن وسنت کے عقائد اختیار کر لئے۔

محمد علی کو شراب، خنزیر اور دیگر شرعی ممنوعات سے سخت نفرت رہی، وہ سگریٹ تک نہیں پیتا اور بڑی پاکیزہ زندگی گزارتا ہے۔ قبول اسلام کے بعد وہ کبھی کسی کلب یا رقص گاہ میں نہیں گیا۔ وہ کہا کرتا ''اسلام نے مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات کی ممانعت کی ہے''۔ یہ امر خوش آئندہ ہے کہ اس کے سارے خاندان یعنی والدین اور دو بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چھوٹے بھائی کا نام رحمان علی ہے، جس سے محمد علی ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور دونوں سفر وحضر میں ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں۔ محمد علی کے گھریلو ملازم بھی مسلمان ہیں۔ باورچی خانے کی نگران بھی ایک ادھیڑ عمر نیگرو مسلمان خاتون ہیں۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ گھر میں کسی بھی اعتبار سے اسلامی شعائر کی خلاف ورزی نہ ہو۔ وہ سفر میں مذکورہ خاتون کو ساتھ رکھتا تا کہ عیسائی ہوٹلوں میں کھانا نہ کھانا پڑے۔

عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن شپ جیتنے کے بعد محمد علی نے نیویارک میں رہائش اختیار کر لی اور ساری مصروفیات کے باوجود ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں شہر کے اسلامک سینٹر میں ادا کرتا اور اب تک اس کا یہی معمول ہے۔ وہ عصر کی نماز کے بعد نواحی قصبات میں تبلیغ کے لئے نکل جاتا ہے اور عشاء کی نماز کے وقت واپس لوٹتا ہے، فارغ اوقات میں بھی اپنے دوستوں اور جاننے والوں میں اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔ وہ اس قول فیصل کو ہر وقت پیش نظر رکھتا ہے کہ ''ہر مسلمان ہر وقت مبلغ ہوتا ہے''۔ ایک موقع پر اس نے کہا:

> ''اسلامی تعلیمات کی بدولت مجھ میں زبردست تبدیلیاں آئی ہیں اور اب میں زیادہ سنجیدہ ہونا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں نے شاعری بھی ترک کر دی ہے''۔

اللہ تعالیٰ سے محمد علی کے تعلق کا یہ عالم ہے کہ ہر مقابلے میں پہلے محمد علی بیس منٹ تک نوافل پڑھتا ہے اور سر بسجود ہو کر اللہ سے دعائیں کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''جب بھی تم کسی کام میں ہاتھ ڈالو تو خدا سے خوب دعائیں کرو، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا طریقہ تھا''۔ اس کی دینی غیرت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی توہین برداشت کر لیتا ہے لیکن اسلام اور دینی شعائر کی تضحیک برداشت نہیں کرتا چنانچہ لسٹن اور پیٹرسن سے مقابلے کے دوران اس نے ان دونوں کی سخت پٹائی اس لیے کی تھی کہ انہوں نے مقابلے سے پہلے اسلام و اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ محمد علی کا ذاتی کردار بھی ہمیشہ صاف ستھرا رہا اس کے کسی کٹر مخالف کو بھی اس کے خلاف انگشت نمائی کی جرأت نہیں ہوئی جبکہ اس کے اکثر ہمعصر حریف بدکردار اور پست ذہنیت کے حامل تھے، لسٹن، فلائیڈ پیٹرسن اور ارنی ٹیرل اس ضمن میں بڑے بدنام تھے اور بارہا جیل کی ہوا کھا چکے تھے۔ چنانچہ رنگ کے اندر اپنے پیشے کے تقاضوں کے مطابق بعض اوقات وہ جیسا بھی سخت گیر بن جاتا، لیکن ذاتی زندگی میں شرافت و اخلاص کا پیکر تھا۔ وہ واحد باکسر ہے جو مقابلہ ختم ہونے کے بعد اپنے حریفوں کی عیادت اور تیمارداری کرتا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا۔ چنانچہ ایک بار وہ ہسپتال میں لسٹن کی تیمارداری کرنے گیا۔ بلا مبالغہ وہ کسی کا دشمن نہیں اور ہر ایک سے خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا جبکہ اس کے برعکس اس کے حریف کشادہ دلی اور وسعت نظر سے محروم رہے، انہوں نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھے رکھی اور اس کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان ہے اور اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔

بہر حال جب فوج میں بھرتی کے حوالے سے محمد علی کو سزا سنا دی گئی اور ایک فیڈرل کورٹ نے بھی اس کی اپیل مسترد کر دی، تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور حوالۂ زندان کر دیا گیا۔ اس پر امریکہ میں اور تیسری دنیا میں وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ باید و شاید۔ امریکہ کے سیاہ فام باشندے بلا امتیاز مذہب اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے احتجاج کی وہ لہر اٹھائی کہ امریکہ میں گویا بھونچال آ گیا۔ بہت سے سفید فام انصاف پسند امریکیوں نے بھی اس اقدام کی کھل کر مذمت کی، ایشیا اور افریقہ اور خصوصاً اسلامی دنیا میں بھی شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور سب ملکوں میں امریکی سفارت خانوں پر زبردست مظاہرے ہوئے۔ عالمی ادارہ برائے امن (ورلڈ پیس آرگنائزیشن) نے بھی کہ مشہور برطانوی

فلسفی برٹرینڈ رسل اس کے کرتا دھرتا تھے، محمد علی کے خلاف امریکی رویئے کی مذمت کی اور شاہ فیصل سمیت متعدد مسلمان سربراہوں نے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ احتجاج کی اس زبردست مہم سے امریکی حکومت بوکھلا گئی۔ وہ اس حقیقت سے بہت پریشان ہوئی کہ کل تک جو شخص باکسنگ اور اسلام کے حوالے سے اہمیت رکھتا تھا وہ اپنی گرفتاری کے ساتھ ہی عوامی ہیرو بن گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی حکومت نے سزا معطل کردی، اسے جیل سے رہا کردیا گیا تھا تاہم اس کے اعزاز پر پابندی برقرار رہی اور لائسنس منسوخ رہا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتا۔

۲۰ جون ۱۹۷۰ء کو امریکی سپریم کورٹ نے محمد علی کی سزا ختم کردی اور چار ہی ماہ کے بعد ایک فیڈرل کورٹ نے لائسنس بحال کردیا سپریم کورٹ نے اس سزا کو غیر حقیقت پسندانہ اور ''شدید'' قرار دیا تھا۔ پابندیاں اٹھتے ہی محمد علی نے اکتوبر ۷۰ میں اٹلانٹا میں جیری کوئری کو تیسرے ہی راؤنڈ میں ناک آؤٹ کردیا جبکہ دسمبر ۷۰ء میں نیویارک سٹی میں اس نے پندرہویں راؤنڈ تک آسکر بونیونیا کی پٹائی کی۔

مارچ ۷۱ء میں میڈی سن اسکوائر گارڈن میں محمد علی نے باکسنگ ایسوسی ایشن کے چیمپئن جوئی فریزئیر کا مقابلہ کیا اور زندگی میں پہلی بار شکست ہوئی۔ ۲۸ جنوری ۷۴ کو جوئی فریزئیر سے اس کا دوسرا مقابلہ ہوا جس میں اس نے فریزئیر پر فتح پائی۔ اس دوران محمد علی نے اپنے وقت کے متعدد نامور باکسروں کو شکست سے دوچار کیا۔

اس زمانے میں جارج فورمین عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن تھا۔ ۳۰ اکتوبر ۷۴ کو زائرے (افریقہ) کے شہر کنشاسا میں محمد علی کا مقابلہ فورمین سے ہوا اور آٹھویں راؤنڈ میں فورمین ناک آؤٹ ہوگیا۔ محمد علی نے دوبارہ عالمی چیمپئن شپ کا اعزاز حاصل کرلیا۔ امریکی حکومت اور دیگر مخالفین کی سازشیں دم توڑ گئیں۔ آئندہ تین سال تک یہ اعزاز محمد علی کے پاس رہا اس دوران اس نے چھ بڑے مقابلوں میں حریفوں کو شکست دی۔ ان میں سے ایک مقابلہ ملائیشیا میں جبکہ دوسرا فلپائن میں ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں محمد علی کے ڈاکٹر نے پہلی بار نشاندہی کی کہ اس کی جسمانی مشینری کے اندر بعض خرابیوں کا آغاز ہوگیا ہے۔ اس لئے اسے حفظ ماتقدم کے طور پر باکسنگ سے ریٹائر ہوجانا چاہیے، لیکن اس نے

اس مشورے کی پروانہ کی اور ۱۵ فروری کو لاس ویگاس کے مقام پر نوجوان لیون سپنکس سے شکست کھائی۔ محمد علی نے پندرھویں راؤنڈ تک اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن اسی برس ۱۵ ستمبر کو نیواورلینز میں اس نے سپنکس کو ہرا کر شکست کا بدلہ چکا دیا۔ اس مقابلے میں محمد علی کو تیس لاکھ ڈالر کی آمدنی ہوئی۔

اس مقابلے کے بعد محمد علی نے باکسنگ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا اور ساری توجہ تبلیغ دین اور رفاہی کاموں پر مبذول کر دی۔ اس نے حج کیا، مختلف اسلامی ممالک کا دورہ کیا اور حقوق، آزادی اور احترام انسانی کے لئے ایک عالمی ادارہ (World) قائم کیا۔

اس نے غیر معمولی خداداد محنت سے بے پناہ دولت بنائی۔ وہ ایک ٹریننگ کیمپ، ایک فارم اور ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور بلڈنگ کا مالک ہے۔ شکاگو میں علی انٹرپرائز ز کے نام سے اس کی ایک تجارتی فرم بھی ہے۔ اللہ نے اسے جتنی دولت دی ہے اتنا ہی بڑا دل بھی دیا ہے چنانچہ بڑی فراخ دلی سے طالب علموں، غریبوں اور ضرورت مندوں اور رفاہی اداروں کی مدد کرتا ہے اور آج جب اس کی عمر ترپن برس ہو چکی ہے وہ اب بھی چاق و چوبند، فعال اور مستعد ہے، خوش مزاج ہے اور چھ بچوں اور بیوی کے ہمراہ پنسلوانیا میں ڈیرلیک کے قریب پُر فضا اور خوبصورت مکان میں پرسکون زندگی گزار رہا ہے۔

(بحوالہ محمد علی کلے از عباس، فیروز سنز لاہور محمد علی کلے از محمد بدر منیر مکتبہ عالیہ لاہور، امریکی شخصیات کی سوانح انگریزی کتاب)

(بحوالہ ہم کیوں مسلمان ہوئے)

سابقہ نام: یوایل کندن **سابقہ مذہب**: عیسائی

اسلامی نام: خالد **ملک کا نام**: پاکستان

میں مسلمان کیوں ہوا؟

ایک نومسلم کی درد بھری آپ بیتی

۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ میں اور میری والدہ محترمہ کراچی کے ایک علاقے کلفٹن (خیابان شجاعت) پر ایک فرانسیسی اسکول کے استاد مسٹر مورل جو کہ خود بھی فرانس کے باشندہ تھے، اس کے بنگلے میں کام کیا کرتے تھے۔ یہ فرانسیسی استاد اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ یہاں پاکستان آنے والے تھے

والدہ ان کے بچوں کی دیکھ بھال یعنی ''آیا'' کا کام کرتی تھیں اور میں ان کے گھر میں چوکیدار ہونے کے ساتھ ساتھ گھر کا سودا سلف بھی لایا کرتا تھا۔ نوکری کے ساتھ ساتھ ہماری رہائش بھی انہی کے یہاں تھی۔ یعنی میں، میری ماں اور چھوٹا بھائی اسلم ان کے بنگلے کے اوپر والی منزل میں سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔ عیسائی ہوتے ہوئے بھی میرا اور خود میری والدہ اور میرے چھوٹے بھائی اسلم کا چرچ (گرجا گھر) جانے کا اتفاق بہت کم ہوا۔ مگر گھر میں کبھی کبھی سونے سے پہلے میں اپنے عیسائی طریقہ پر دعا وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔

۱۹۸۵ء ہی کو ایک رات میں سو رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ بہت زبردست سمندری طوفان آ گیا ہے اور اب میں طوفان میں اس جگہ کو دیکھ رہا ہوں، جہاں ہم اس بنگلے سے پہلے کرائے کے مکان میں رہتے تھے ہمارا مکان گھاس پھونس کا جھونپڑی نما ہے اور ہمارے آس پاس پڑوس میں جو مکانات ہیں وہ پختہ ہیں خواب ہی میں دیکھ رہا ہوں کہ اس سمندری طوفان سے ہمارے آس پڑوس کے پختہ مکانات تو گر رہے ہیں مگر ہمارا کچا گھاس پھونس سے بنا ہوا جھونپڑی نما مکان صحیح سلامت کھڑا ہوا ہے۔ اور میں

اس جھونپڑی نما مکان کے دروازے سے گردن باہر نکال کر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یا اللہ! یہ لوگوں کے پکے مکانات گر رہے ہیں، ہمارا جھونپڑی نما مکان اب تک کیوں نہیں گرا۔ خواب میں یہ بات کہنے کے فوراً بعد میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ سمندر کے کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں اور آسمان سے غیبی آواز آتی ہے:

''اے خالد اپنے دل سے کفر نکال دو''۔

یہاں خیال رہے کہ میرا شروع سے نام خالد نہ تھا بلکہ یوایل کندن تھا۔ خالد نام میں نے اپنے لئے اس وقت پسند کیا تھا جب ہماری والدہ محترمہ ہمارے والد صاحب کے عتاب سے تنگ آ کر علیحدگی کے بعد لاہور سے کراچی آ گئی تھیں۔ کراچی آ کر والدہ محترمہ نے سب سے پہلے جن لوگوں کے گھر کام کیا تھا وہ لوگ عرب کے رہنے والے میاں بیوی تھے۔ ان کے سب سے بڑے لڑکے کا نام خالد تھا۔ لہٰذا مجھے یہ نام بہت پسند آیا، خیر میں نے بھی والدہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے بھی خالد نام سے پکارا جائے، سو میں نے خود اپنا نام خالد رکھا۔ یہ بچپن کی بات تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ خالد نام میرے لئے خوش قسمتی کا ستارہ بن جائے گا۔

خیر بات ہو رہی تھی خواب کی کہ میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ ''اے خالد اپنے دل سے کفر نکال دو''۔ بس اس کے بعد میری آنکھ جب صبح کو کھلی تو اس دن کے بعد سے لیکر کافی دن تک میں پریشان رہا کہ یہ کیسا خواب تھا۔ والدہ محترمہ سے ذکر کیا تو والدہ نے کہا ''چھوڑ و بیٹا! خواب خواب ہوتا ہے بھول جاؤ''۔ لیکن میں کافی دن تک نہ بھول پایا اور سوچنے لگا کہ کیا جس مذہب پر میں ہوں وہ ٹھیک نہیں یا میں خود ٹھیک نہیں۔ مجھے اپنے اندر برائی ہی برائی نظر آتی تھی۔

اس کے بعد میں خواب کو بھول گیا۔ اور ادھر ہم لوگ ان فرانسیسیوں کے گھر سے کام چھوڑ کر ۱۹۸۶ء میں ڈیفنس کے ساتھ ایک محلہ ہے گزری ویلیج کے نام سے، وہاں پر ایک مکان لیا تھا اس مکان کے بالکل قریب ہی ایک مسجد تھی ''مسجد عباسؓ'' وہاں پر اکثر اوقات تبلیغی جماعتیں بھی آیا کرتی تھیں ایک دن ایسا ہوا کہ میں مسجد کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا کہ تبلیغی جماعت کے حضرات اس محلے میں گشت کے لئے نکلے۔ وہ

حضرات مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھ آئے اور کہنے لگے کہ مسجد میں اللہ رسول کی بات ہو رہی ہے، آپ بھی ہمارے ساتھ مسجد میں چلیں۔ میں نے بجائے یہ کہنے کہ میں عیسائی ہوں کہہ دیا کہ اچھا ابھی گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ بس جان چھڑانے والی بات تھی گھر کا بہانہ بنا کر گھر چلا گیا۔ لیکن ایک بات تھی کہ میں ان کی محبت بھری دعوت کو بھول نہ پایا۔

آگے رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ دن گزرتے رہے یہاں تک کہ رمضان سے ایک دن پہلے میرے دل میں خود بخود ایک خیال پیدا ہوا وہ یہ کہ ہم عیسائی لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں۔ چلو ایک روزہ مسلمانوں والا بھی رکھ کر دیکھوں بھلا کیا ہوتا ہے۔ مسلمانوں والے ماحول میں رہتے رہتے یہ تو معلوم ہی تھا کہ کب اٹھ کر روزہ رکھتے ہیں اور کب کھولتے ہیں۔ خیر پہلا روزہ رکھا اور دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ آج کوئی غلط بات منہ سے نہیں نکالنی اور بالکل ٹھیک ٹھاک رہنا ہے۔ صبح تیار ہو کر اسکول چلا گیا اور کسی سے یہ ذکر نہیں کیا کہ میں روزہ رکھ کر آیا ہوں۔ دوپہر کو اسکول سے گھر آ کر گھر میں کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس کے بعد پھر میرا دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ روزہ تو رکھ لیا ہے اب نماز بھی پڑھنی ہے۔ خیر نماز وغیرہ کہاں آتی تھی اسی لئے پڑھنے ابھی مسجد نہیں گیا تھا۔ مگر میں نے خود بخود ہی ''کلمہ طیبہ'' پڑھ لیا۔ اور دل میں سچے جذبے کے ساتھ یہ بات پکی کر لی کہ میں آج سے مسلمان ہوں۔ اس کے بعد نماز ظہر اسی قریبی مسجد میں امام صاحب کے پیچھے جا کر الٹی سیدھی ادا کی اور گھر واپس آ گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد بہت سکون اور حلاوت محسوس ہوئی کہ جس کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ ایک بات یہ کہ اس محلے میں ہم لوگ نئے نئے آئے تھے کہ ہم لوگ عیسائی ہیں اس بنا پر میرے مسجد جانے پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

دوسرے دن بھی روزہ رکھا اور اسکول جانے سے پہلے نماز کا ایک کتابچہ ''آسان نماز'' خرید لیا تاکہ وہاں اپنے دوستوں سے نماز سیکھ لوں۔ اکبر نامی ایک لڑکا میرا دوست تھا میں نے اس سے آہستہ آہستہ اور خاموشی سے نماز سیکھ لی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ نماز بڑی جلدی اور آسانی کے ساتھ مجھے آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہوا اور میں نے پابندی کے ساتھ پورے روزے رکھے اور پانچ وقت کی نماز ادا کی۔ نماز پڑھنے کی

وجہ سے ماتھے پر سیاہ رنگ کا ایک نشان پڑ گیا جو اللہ کے فضل و کرم سے اب بھی ہے۔

ادھر میری والدہ اور میرا چھوٹا بھائی بھی میری اس تبدیلی پر سخت ناراض تھے۔ اور اس عرصے میں ہمارے چھوٹے ماموں امانت مسیح جو کہ ضلع سانگھڑ میں رہتے تھے ہیں۔ وہ بھی میری اس تبدیلی کو دیکھ چکے تھے کیونکہ ان دنوں وہ بھی ہم سے کراچی ملنے آئے ہوئے تھے اور واپس سانگھڑ جا کر انہوں نے اس بات کا خوب چرچا کیا کہ ''مارولینا'' کا بڑا لڑکا مسلمان ہو گیا ہے۔ ''مارولینا'' میری والدہ محترمہ کا نام ہے۔ ادھر میری والدہ کے چھوٹے بھائی یعنی میرے ماموں نے کہا کہ جب تک خود نہ دیکھ لوں کہ لڑکا مسلمان ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرے ان ماموں کی بڑی لڑکی پروین سے میری منگنی عیسائی ہوتے ہوئے ۱۹۸۵ء میں ہو چکی تھی۔

ادھر مسلمان ہونے کے بعد اپنی منگیتر اور منگنی کے سلسلے میں بھی پریشان تھا۔ اور دل میں سوچ لیا تھا کہ میں خود اپنی منگیتر سے اپنے بارے میں بات چیت کروں گا اور اپنے مسلمان ہونے کی ساری تفصیل بتا کر فیصلہ اس پر چھوڑ دوں گا کہ اب تمہاری مرضی کیا ہے؟ مجھ سے شادی کرنی ہے یا پھر جیسے تمہاری مرضی۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دفعہ پھر ۱۹۸۷ء میں ہمیں وہ محلہ چھوڑنا پڑا۔ اس دفعہ ڈیفنس میں کورنگی روڈ کے قریب ایک بنگلے پر والدہ محترمہ کو کھانا پکانے کا کام مل گیا اور ساتھ ہی ساتھ رہائش کیلئے صاحب لوگوں نے مکان بھی دے دیا۔ یہ لوگ پاکستانی تھے اس دفعہ مجھے والدہ محترمہ کے ساتھ کام تو نہ ملا۔ لیکن اسکول سے واپسی کے بعد میں ایک درزی کی دکان پر کام کر کے چار پیسے کما لیا کرتا تھا۔ ان درزی کے پاس میں بہت پہلے بھی کام کر چکا تھا۔ اس لئے یہ لوگ مجھ سے واقف تھے، جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں تو یہ لوگ بھی بہت خوش ہوئے مگر اس درزی کی دکان کے جو اُستاد تھے ماسٹر محمد حیات صاحب انہوں نے اور ان کے دوست مولانا عبدالغفور صاحب نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو، مگر اپنے مسلمان ہو جانے کے ثبوت کے طور پر تمہارے پاس ''سند اسلام'' تو ہونی چاہیئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو اس بارے میں کچھ علم نہیں ہے آپ لوگ ہی میری رہنمائی فرمائیں۔

اور پھر ایک دن ۹ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ بمطابق ۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو ماسٹر حیات صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب اور ان کے دو شاگردوں کے ساتھ دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حاضر ہو کر ایک عالم دین اور مفتی جناب محمد شفیع صاحب کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا۔ گواہوں کی جگہ بھی ماسٹر محمد حیات صاحب اور مولانا عبدالغفور صاحب نے دستخط کئے۔ اور یوں مجھے دین اسلام قبول کرنے پر ثبوت کے طور پر سند اسلام مل گئی۔ یہ دن میرے لئے بہت بڑی خوشی کا دن تھا جو میں بھول نہیں سکتا۔ اسی دوران مجھے ضلع سانگھڑ اپنی منگیتر کے پاس جانے کا اتفاق ہوا لیکن وہاں پر میں نے کسی پر اس کا خصوصی اظہار نہیں ہونے دیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ بس جب نماز کا وقت ہوتا اس سے کچھ پہلے گھر سے نکل جاتا اور کہیں دور جا کر نماز ادا کرنے کے بعد واپس آجاتا۔

اپنی منگیتر سے جب بات چیت ہوئی اور اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا تو وہ بہت حیران ہوئی اور سوچ میں پڑ گئی لیکن کیونکہ منگنی ہو جانے کے بعد لڑکے لڑکی میں ایک طرح کی محبت قائم ہو جاتی ہے اس لئے میری منگیتر کے لئے بھی جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ اس لئے دو تین بار کی "ہاں" اور "نہ" کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ماموں اور ممانی ایسے تو کبھی بھی نہیں مانیں گے لہٰذا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے کورٹ میرج۔

بس پھر یہ کہ یہاں کراچی آکر میں نے اور میری منگیتر جو کہ اب میری بیوی ہے۔ اسی دن مسلمان بھی ہو گئی۔ یہ تمام کاروائی بھی ۱۹۸۸ء ہی کو عمل میں آئی۔ میرے مسلمان ہونے اور کورٹ میرج کی شادی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور گھر میں والدہ اور بھائی کی مخالفت کے ساتھ ساتھ دیگر رشتہ دار میرے سخت ترین دشمن بن گئے۔ جس کے بعد مجھے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ والدہ اور بھائی کی مخالفت تو آہستہ آہستہ ایک جگہ رہتے رہتے ختم ہو گئی۔ مگر رشتے دار دشمن رہے، آخر تین چار سال کی مخالفت کے بعد سب سے پہلے میری بیوی کے چھوٹے بھائی پرویز مسیح ہم سے کراچی ملنے کے لئے آئے۔ اب یہی موقع تھا کہ میں نے کھل کر اپنی بیوی کے بھائی پرویز کو بتایا کہ بھائی ہم اور تمہاری بہن مسلمان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میرے سامنے کبھی یہ کوشش نہ کرنا کہ تم

''اسلام'' کے خلاف کوئی بات کرو۔

اللہ کے فضل وکرم سے اس نے کوئی ایسی بات نہ کی اور یوں اس کے دو تین بار ہمارے پاس آنے کی وجہ سے دیگر خاندان والے بھی ٹھنڈے پڑ گئے خاص کر میرے ماموں (سسر) اور ممانی (ساس) صاحبہ بھی ٹھیک ہو گئے۔ ادھر کرائے کے مکانوں اور بنگلے کے سرونٹ کوارٹروں میں تیرہ چودہ سال سے زندگی گزار گزار کر ہم لوگ بھی تنگ آ چکے تھے۔ والدہ محترمہ نے اپنی کمائی سے پیسے جوڑ جوڑ کر ۸۳،۱۹۸۲ء میں اورنگی ٹاؤن کرسچن کالونی میں دو پلاٹ کچی آبادی میں لے چھوڑے تھے۔ مگر تعمیری خرچ نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ کبھی کرائے کے مکانوں میں رہتے اور کبھی سرونٹ کوارٹروں میں رہتے۔

زندگی نے ایک دفعہ پھر پلٹا کھایا اور جس جگہ والدہ محترمہ کام کر رہی تھیں وہاں ان بیگم صاحبہ کا مزاج کچھ گرم تھا جس کی وجہ سے والدہ کو وہ نوکری چھوڑنی پڑی۔ اور اس عرصہ میں ایک عدد کمرہ والدہ محترمہ اس پلاٹ پر بنوا چکی تھیں، اس لئے وہاں سے نوکری چھوڑنے کے بعد ہم لوگ سیدھے اورنگی ٹاؤن کرسچن آبادی میں چلے آئے۔ جیسے تیسے کر کے ایک کمرہ اور بنوایا اور ہماری جان ان کرائے کے مکانوں سے چھوٹی۔ یہ ۹۰،۱۹۸۹ء کی بات ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ہم لوگ آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے کے مصداق بن گئے ہیں۔ خاص کر میری ذات یہاں کے عیسائی حضرات کے لئے تکلیف دہ بن گئی ہے۔

یہاں کرسچن کالونی میں والدہ کو جو پہلے سے جانتے تھے اور جو لوگ بعد میں واقف کار بنے۔ انہوں نے میری والدہ کو میرے خلاف خوب بھڑکایا۔ نیز محلے کے لڑکے میرے چھوٹے بھائی اسلم کو طعنہ دیتے کہ تمہارا بھائی مسلمان ہے، یہ ہے اور وہ ہے غرض بہت سی باتیں کرتے جس سے والدہ اور بھائی وغیرہ آہستہ آہستہ پھر میرے خلاف ہونا شروع ہو گئے، والدہ محترمہ نے آخر کار یہ کہنا شروع کر دیا کہ بیٹا خالد کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم دوبارہ عیسائیت اختیار کر لو۔

اس پر میں نے کہا امی یہ کبھی نہیں ہو سکتا چاہے کچھ ہو جائے والدہ کہنے لگیں کہ

میں نے ساری زندگی تمہارے لیے اور تمہارے بھائی اسلم کے لئے نوکریاں کی ہیں، کیا تم میری صرف اتنی سی بات نہیں مان سکتے؟ خیر بات بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ میں نے والدہ سے صاف کہہ دیا کہ آپ لوگوں کو تو چھوڑ سکتا ہوں مگر ''دین اسلام'' نہیں چھوڑ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۹۱ء کے شروع میں، اپنے بیوی بچوں کو لیکر قیوم آباد کے علاقہ میں تین سو روپے کرایہ کے ایک مکان میں رہنے لگا۔ ابھی ایک ماہ بھی رہتے ہوئے نہ ہوا تھا کہ والدہ محترمہ مجھے منا کر پھر اپنے ساتھ اورنگی ٹاؤن کرسچن کالونی میں لے آئیں، زندگی پھر معمول پر آگئی اب والدہ مذہب چھوڑنے کو تو نہ کہتیں البتہ جو میں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے اس کو ختم کروانے کے لئے کہتیں، میں نے کہا ''امی یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے''۔ والدہ کہنے لگیں کہ بیٹا زندگی پڑی ہوئی ہے داڑھی رکھنے کے لئے۔ ابھی سے تو کم از کم نہ رکھو۔ اس پر والدہ کو جواب تو بہت سے دیئے جاسکتے تھے مگر میں نے جواب گول مول کر دیا۔

یہ سب تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگانے کی برکت تھی کہ میں نے داڑھی رکھ لی تھی۔ انہی دنوں عیسائی بستی میں میری جن لوگوں سے واقفیت ہوئی تھی ان میں سے میرے بالکل سامنے والے گھر میں جو تین بھائی عیسائی رہتے ہیں انہوں نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کے بہانے کہ میں عیسائی سے مسلمان کیوں ہوا تھا؟ مذہبی بحث شروع کر دی۔ میں ان دنوں صرف اور صرف اسلامی معلومات کی کتابیں پڑھ رہا تھا مذہبی بحث کے دوران جو سوالات ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کئے اور تثلیث پرستی کے حق میں کئے تھوڑی بہت معلومات کے تحت میں نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کتاب کہ آخر میں چند کتابوں کی فہرست چھپی ہوئی نظر سے گزری۔ اس فہرست میں موجود حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی ایک کتاب ''عیسائیت کیا ہے'' تھی اسی کتاب کے مطالعے سے پتہ چلا کہ رد عیسائیت پر ایک تین جلدوں پر کتاب ''اظہار الحق'' (بائبل سے قرآن تک) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم مغفور کی لازوال اور بے مثال کتاب بھی ہے۔ لیکن اس وقت میرے پاس ان تینوں جلدوں والی کتاب خریدنے کی گنجائش نہیں تھی مگر وہ

صدیقی ٹرسٹ جو کہ لسبیلہ چوک پر واقع ہے وہاں جا کر محترم جناب احمد دیدات صاحب کے پاکستان میں شائع ہونے والے انٹرویو اور مناظرہ کے چند ایک کتابچے خرید لئے جن سے مجھے فائدہ ہوا۔ "عیسائیت کیا ہے" اور احمد دیدات صاحب کی چند ایک کتابچے پڑھنے کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ اب کسی بھی عیسائی سے کچھ بات چیت ہو سکتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جس نے بھی یہاں کرسچن کالونی میں میرے ساتھ عیسائیت پر بات کی اس کا منہ توڑ جواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دیا۔

"بائبل، قرآن اور سائنس" فرانسیسی مصنف مورلیس بوکائیے کی ایک کتاب ہے اس کتاب کا ترجمہ اردو میں یہاں پاکستان میں بھی دستیاب ہے جو کہ عیسائیت پر اسلام کی حقانیت پر ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے بھی میری معلومات میں خوب اضافہ کیا اور موجودہ بائبل کی تضاد بیانیوں کو خوب سے خوب بیان کیا۔ اس عرصہ میں میری یہاں کے عیسائیوں سے "تثلیث پرستی" پر کافی بحث اور بات چیت ہوئی۔

مگر ایک بات تھی وہ یہ کہ پہل ہمیشہ مذہبی بحث میں یہاں کے عیسائیوں نے ہی کی، مثلاً جن کے ساتھ میری عیسائیت پر بات چیت چل رہی تھی صرف وہی لوگ مناظرے میں پہل کرتے تھے۔ شروع شروع میں بہت ڈر بھی لگتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی ایسا سوال کر دیں جس کی وجہ سے میں کوئی جواب نہ دے پاؤں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم رہا کہ جو اسلام کے بارے میں انہوں نے اعتراض کیا اس کا جواب اوپر مذکورہ کتابوں سے بڑی حد تک دیا۔

۱۹۹۲ء میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے ماہ میں میرے لئے گنجائش پیدا فرمائی اور مجھے توفیق عطا ہوئی اور میں نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور کی کتاب "اظہار الحق" (بائبل سے قرآن تک) لے لی۔ اس کتاب نے مجھے رد عیسائیت کی دیگر کتب سے بے نیاز کر ڈالا۔ حضرت مولانا نے ایسے ایسے دلائل اس کتاب میں رد عیسائیت پر جمع فرمائے ہیں۔ عقل حیران رہ گئی۔ اور عیسائی پادریوں کی جانب سے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے وہ جواب دیے کہ اللہ جانتا ہے۔ میرا

ایمان دین اسلام پر اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو گیا اس لئے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ والے واقعی اللہ والے ہوتے ہیں۔ موجودہ بائبل میں تضاد بیانیوں، فحش کلامیوں، تحریف، عقیدہ تثلیث اور اسلام کی حقانیت پر وہ بحث حقائق کی روشنی میں کی ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ومغفور کے لئے جتنی بھی دعائے خیر کی جائے وہ کم ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سے آج تک میرا یہ دعویٰ کہ اگر پوری عیسائی دنیا بھی لگ جائے تو حضرت مولانا کی کتاب اظہار الحق کا کوئی ایک جواب بھی یہ نہیں دے سکتے۔ ایک صدی سے زیادہ وقت اس کتاب کی اشاعت کو ہو چکا ہے مگر میرے علم میں نہیں کہ کسی عیسائی یا خود کسی پادری نے اس کتاب کا جواب دیا ہو یا لکھا ہو۔

نیز حضرت مولانا کیرانوی کی کتاب اعجاز عیسوی بھی رد عیسائیت پر بے مثال کتاب ہے۔ بس پھر اس کے بعد کسی عیسائی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اسلام پر کوئی اعتراض کرے یا خود عیسائیت پر کوئی بات چیت کرے اور ایسے تو کوئی بات نہیں بنتی کہ اس کو کوئی جواب دیا جائے۔ پھر یہ کام شروع کر دیا کہ اذان کے وقت زور زور سے گانے بجانے شروع کر دیئے کبھی پولیس کو پیسے کھلا کر ریڈ کروادی اور کبھی کسی پادری صاحب کو بحث کرنے کے لئے لے آئے یعنی جو حربہ بھی ذہن میں آیا کر ڈالا۔

ادھر گھر میں والدہ اور بھائی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کرسمس (بڑا دن) پر اور ایسٹر والے تہواروں میں خالد کے بیوی بچے بھی ہماری خوشیوں میں شامل رہیں۔ مجھے یہ دوغلی پالیسی پسند نہیں، اس لئے اب تو یہ دعا اور خیال رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد کوئی اور انتظام فرما دیں تو میں خود بھی یہاں سے بیوی اور بچوں کو لے کر چلا جاؤں اور والدہ اور چھوٹے بھائی کو بھی کسی مسلم آبادی میں جہاں اچھے لوگ مذہبی ذہن کے مالک ہوں اور ان کو بھی لے جاؤں۔ اسلئے کہ ماحول کا بھی بہت بڑا اثر انسان لیتا ہے۔ اسی بنا پر میں نے ایک خط حضرت مولانا تقی محمد عثمانی صاحب کی خدمت میں نو مسلموں کے مسائل کے عنوان سے لکھا تھا۔ جس کو حضرت والا نے اپنے یہاں دار العلوم کے موقر جریدہ ''البلاغ'' میں بھی چھاپا۔ اور اخبار جنگ میں بھی اس کی اشاعت فرمائی جس کے لئے

حضرت مولانا مدظلہ کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔

اپنے مسلمان ہونے کے حالات کے تحت جو کچھ میں نے مناسب سمجھا یہاں صرف وہی کچھ عرض کیا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے یا بعد میں جو باتیں تلخ حقائق رکھتی ہیں یا مناسب معلوم نہیں ہوتیں ان کا ذکر میں نے یہاں نہیں کیا۔ اس لئے میرے مسلمان ہونے کے حالات پڑھتے ہوئے کوئی بھی بات ادھوری یا اشکال شدہ نظر آئے اسے میرے اوپر والے بیان پر قیاس کیا جائے۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ میرے لئے میری بیوی بچوں کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دین اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائیں۔ نیز والدہ اور بھائی کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی سچے دل کے ساتھ دین اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

سابقہ نام: ایڈون
اسلامی نام: عبداللطیف
سابقہ مذہب: عیسائیت
ملک کا نام: فلپائن

روشنی کا سفر

میں دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا

انسانی زندگی کے اہم فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں، میری یہ سوچ روشنی کے سفر سے پہلے تھی اور انسانی زندگی کا ہر فیصلہ پہلے سے طے ہے، ہم تو صرف اس کے مطابق حالات وواقعات کو جنم دیتے ہیں، یہ بات میرے علم میں، روشنی کے سفر کے دوران آئی۔

میرا نام جو والدین نے بڑی چاہت سے رکھا تھا ایڈون تھا اور خاندان کے حوالے سے ایڈون ایم آر سیو مکمل نام تھا میں فلپائن کے دارالحکومت منیلا سے ۷۵ کلومیٹر دور بلکن میں پیدا ہوا اور منیلا یونیورسٹی سے اکاؤنٹس میں اعلیٰ ترین ڈگری لی میری تعلیمی صلاحیت کے پیش نظر مجھے مقامی بینک نے ملازمت کی پیش کش کی جسے میں نے قبول کرلیا۔ میرا گھرانہ بڑا تھا یعنی ہم بارہ بھائی بہن اور والدین لہٰذا بینک میں معقول تنخواہ بھی کفالت نہ کرتی تھی۔ والدہ ایک پرویژن اسٹور اپنے قصبہ میں اسی مجبوری سے چلاتی تھیں، بہن بھائی زیر تعلیم تھے۔ کفایت شعاری سے باعزت گذر ہو رہی تھی۔ میرے والد مسیحی موحد فرقے سیونتھ ڈے ایڈونچرسٹ سے متعلق تھے۔ باقی گھرانہ کیتھولک تھا، مذہب گھر میں اگرچہ واجبی سا تھا مگر میں پکا مذہبی کیتھولک تھا اور بائبل کے بہت سے حصے مجھے ازبر یاد تھے۔ کیتھولک عقیدے کے مطابق عبادت سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ باقاعدگی سے بائبل پڑھتا تھا اور گھر کی بے عملی پر کڑھتا بھی تھا۔ قسمت کی بات کہ ایک روز اخبار میں اشتہار آیا کہ سعودی عرب کے لئے اکاؤنٹس کلرک درکار ہیں۔

فلاں تاریخ کو فلاں ہوٹل میں انٹرویو ہوگا، میں اگرچہ چارٹنڈ اکاؤنٹنٹ تھا اور سعودی ملازمت میرے مرتبہ سے کمتر تھی مگر فلپائنی کرنسی میں سعودی تنخواہ، بینک کی تنخواہ

سے بہر حال زیادہ تھی اور پھر باہر کی دنیا دیکھنے کا موقع بھی تھا، سو میں تیار ہو کر مقررہ تاریخ پر بروقت انٹرویو کے لئے پہنچ گیا میری تعلیمی صلاحیت اور بینک میں اعلیٰ ملازمت کے تجربہ کے سبب مجھے چن لیا گیا۔

میں نے جب سعودی عرب میں اپنی ملازمت کی خبر اپنے گھر اور دفتر میں سنائی تو دونوں جگہ ملا جلا ردعمل تھا گھر میں ماں مغموم تھی بھائی بہن خوش تھے، دفتر میں ایک طرف رشک تھا تو دوسری طرف دوستوں سے دوری کا رنج بھی تھا ویزہ لگنے اور روانگی کے انتظامات کی تکمیل کے مراحل تک ہمہ جہت مختلف تاثرات و جذبات سے واسطہ رہا اور جب ہر کام مکمل ہو کر، منیلا سے جہاز میں سوار ہو کر روانگی کی گھڑی آئی تو والدہ کے علاوہ وہ بھی سوگوار کھڑے تھے جو پہلے خوش تھے کہ دولت آئے گی۔

منیلا سے اڑے تو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پہنچے، ہوائی اڈے پر کمپنی کا نمائندہ کھڑا تھا جو سیدھا کمپنی کی رہائشگاہ پر ہم سب آنے والوں کو لے گیا۔ وہاں پرانے فلپائنی بھی تھے ایک دوسرے سے ہم وطن بڑی چاہت سے ملے، پرانے ساتھیوں نے نئے آنے والوں سے تعارف حاصل کیا ملک کی خیر خیریت معلوم کی اور یوں ہلکے پھلکے ہو گئے، گویا سفر کی تھکاوٹ ہی نہ تھی۔

سعودیہ میں پہلی صبح ہوئی تو نہا دھو کر پرانے ساتھیوں کے ساتھ نئے دفتر حاضر ہوئے، معلوم ہوا کہ یہ ''آرش میسٹوک'' کمپنی ہے جو ڈیری فارم چلاتی ہے، بین الاقوامی کمپنی ہے، جس کے ریاض دفتر میں جو سعودیہ کے لئے مرکزی دفتر ہے، مختلف ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں دفتر کے لوگوں سے تعارف ہوا، ذمہ داریاں سمجھائی گئیں، بلکہ اگلے ہی لمحے نئے آنے والوں کو ان کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں، یہ کمپنی میں میرا پہلا دن تھا۔ دفتر میں ہم وطن ضرور تھے مگر شناسائی یا بے تکلفی کسی سے نہ تھی۔

دفتر میں ایک خوبی جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ دفتر کے ماحول میں کسی قسم کی گھٹن نہ تھی اور نہ افسری نہ ماتحتی تھی، ہر کوئی اپنی میز پر مصروف، جس کمرے میں مجھے جگہ ملی وہاں ایک پاکستانی پراجیکٹ اکاؤنٹنٹ اور ایک فلپائنی کلرک جنز جورڈن تھا میرے آنے کے چند روز بعد جنز جورڈن کو کسی دوسرے دفتر منتقل کر دیا گیا اور یوں میں

اور پاکستانی اکاؤنٹنٹ کمرے میں رہ گئے، کام کے حوالے سے ہمارے فرائض الگ الگ تھے، بس کمرہ مشترک تھا اور کسی مسلمان کے ساتھ بیٹھنے بلکہ قریب سے مسلمان کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، اس لئے ایک مخصوص جھجک تھی جس کی وجہ سے ایک ڈیڑھ ماہ تک بات ہیلو ہیلو سے آگے نہ بڑھی۔

پاکستانی اکاؤنٹنٹ بڑی عمر کے داڑھی والے صاحب تھے اور دن میں دفتری اوقات میں خاموش رہتے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آتا کہ خشک سے ہوں گے اس لئے بات بڑھانے میں ہچکچاہٹ مانع تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارے درمیان اجنبیت کی دیوار گرنے لگی۔ ایک دوسرے کا تعارف بتدریج تفصیل کے ساتھ سامنے آتا رہا۔ تعارف بڑھا تو مذہب کے حوالے سے کبھی کبھار گفتگو ہو جاتی، میں انہیں بائبل سناتا اور جواباً کبھی وہ کہتے کہ قرآن بھی اس بات کی تائید کرتا ہے اور کہیں کہتے کہ قرآن میں یہ واقعہ یوں درج ہے۔ غرض اس طرح جھجک دور ہوئی اور کھل کر باتیں ہونے لگیں۔ جس طرح مجھے بائبل کے بہت سے حصے یاد تھے اسی طرح اتفاقاً انہیں بھی قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے۔

اسی طرح کم و بیش چھ سات ماہ گذر گئے، کمرے کا ماحول بہت خوشگوار تھا کام کرتے کرتے درمیان میں چند لمحے گفتگو کے لئے نکل آتے اور اب موضوع بالعموم اسلام اور عیسائیت ہی ہوتا۔ ایک سہ پہر اچانک میرے سر میں اس قدر شدید درد ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، پاکستانی ساتھی نے آنسوؤں کا سبب پوچھا تو میں نے بتایا کہ شدید درد ہو رہا، کہنے لگے ابھی نماز کا وقت ہو رہا ہے میں نماز پڑھ لوں، اللہ سے دعا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے نماز کے بعد کچھ پڑھ کر میرے سر پر پھونک دیا اور چند منٹ میں درد ختم ہو گیا۔

چند منٹ میں سر درد غائب ہوا تو مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ پڑھا گیا گیا جس کے اثر سے درد فوراً جاتا رہا۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ قرآن مجید سے چند آیتیں پڑھی ہیں، اللہ سے دعا کی ہے، شکر ہے کہ اس نے قبول کر لی، میرے لئے یہ سب معجزہ سے کم نہ تھا۔ یوں قرآن سے میں قریب ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ مجھے وہ

آیتیں لکھ کر دو۔ انہوں نے قرآن کا یہ حصہ اور جہاں جہاں حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے فوٹو اسٹیٹ کر کے دیئے، انگریزی ترجمہ کسی بہت ہی فاضل علامہ یوسف علی کا تھا، میں نے بڑی توجہ سے یہ حصے پڑھے تو کہیں اختلاف نظر نہ آیا۔

نماز کی بات ہوئی تو میں نے بتایا کہ ہم تو اتوار کے اتوار گرجا جا کر عبادت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور ویسے بھی ہمارے گناہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر اپنے سر لیئے تھے تو انہوں نے جواب دینے کے بجائے پہلے ایک کتاب (Islam in Rocus) پڑھنے کو دی، پھر دوسری کتاب (Towards under standing islam) دونوں کتابیں میں پڑھ چکا تو انہوں نے (My---of the cross) دی جسے میں نے بغور پڑھا۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے مجھے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ میرے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ کیتھولک ہونے کے ناطے عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنا بہت مفید رہے گا چنانچہ میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے دو مطالبات کیے ایک یہ کہ مجھے مکمل قرآن دو اور دوسرا یہ کہ جو نماز پڑھتے ہو مجھے لکھ کر دو۔

اگلے روز صبح مجھے علامہ یوسف علی کے ترجمہ کے ساتھ قرآن بھی مل گیا۔ اور رومن عربی میں لکھی مکمل نماز اور پانچوں نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ بھی مل گیا۔ میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ اس میں ایک متحرک پیغام ہے جسے فوری طور پر دوسروں تک پہنچانا پڑھنے والے کی ذمہ داری ہے اور جوں جوں میں پڑھتا گیا یہ احساس شدید ہوتا گیا میں اپنی سوچ اپنے ساتھی کے سامنے رکھتا، اس طرح مزید ۶ ماہ گذر گئے۔ نماز کے الفاظ مجھے یاد ہو گئے جب الفاظ کے معنیٰ پر غور کرتا تو دل میں سکون سا محسوس ہوتا، پھر فوراً ہی مسیحیت میرے سامنے آ کھڑی ہوتی، میں تقابلی سوچوں میں گم ہو جاتا۔

میں نے جس طرح اپنے پاکستانی ساتھی کو نماز پڑھتے اپنے دفتر میں دیکھا تھا اسی طرح سکون دل کی خاطر، دوپہر اور بعد دوپہر کی نماز دفتر کے اوپر اپنے کمرے میں جا کر پڑھ لیتا کیونکہ سب ہی ہم وطن نیچے دفتر میں کام کر رہے ہوتے باقی میں نیچے دفتر میں آ کر پڑھ لیتا تھا سب ہی ساتھی اوپر اپنے کمروں میں یا ٹی وی کے گرد مصروف

ہوتے ۔ میرے خیال میں میری چند منٹ کی غیر حاضری کا کوئی نوٹس نہ لیتا تھا، میں اندر سے قرآن کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا مگر میں نے کبھی کھل کر اس کا اظہار اپنے پاکستانی ساتھی سے نہ کیا اور نہ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہا۔ وہ اپنی دھن میں مجھے کتابیں پڑھائے جارہے تھے یا میرے سوالات کے جواب دیتے رہے۔

میری خواہش تھی کہ میں گھر چھٹی میں جاؤں اور وہاں سب گھر والوں کو روشنی کے سفر کی تفصیلات بتا کر، انہیں ہم نوا بناؤں پھر سب مل کر ہم خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیرو ثابت کرتے ہوئے اس سردار کے پیغام پر جھک جائیں جس کے متعلق بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ملتا ہے کہ ''میرے بعد دنیا کا سردار آنے والا ہے جب تم اسے پاؤ تو اس کی بات سنو'' یہ پیغام پورے شعور کے ساتھ میں سن چکا تھا۔

میری سوچ ادھوری رہ گئی کہ ایک صبح جب میں نماز کے لئے نیچے دفتر کے کمرے میں آیا تو میرا روم میٹ جمی جو کئی دنوں سے میری تاک میں تھا دبے پاؤں پیچھے آیا اور مجھے وضو کرتے دیکھ کر کہنے لگا، اچھا تو تم بھی اپنے پاکستانی ساتھی کی نقل کرنے لگ گئے ہو، تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے، باوضو حالت میں جھوٹ بول کر جمی کو ٹالنا اب میرے بس میں نہ تھا، لہٰذا میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ میں نے باضابطہ اسلام کو قبول نہیں کیا مگر دل سے میں اسلام کی سچائی تسلیم کر چکا ہوں ۔ جمی الٹے پاؤں بھاگا اور تمام فلپائنی ملازمین کو میری تبدیلی سے آگاہ کر دیا۔

دفتر کا وقت ہوا تو جمی نے وہاں بھی ڈھنڈورا پیٹا، ہر کمرے میں ایک ہی موضوع تھا کہ پاکستانی اکاونٹنٹ نے ہمارا بندہ مرتد کر دیا ہے۔ اور ایڈون مرتد ہو گیا ہے، ایڈمنسٹریشن منیجر بٹری نے مجھے بلایا کہ میں خبر کی تصدیق یا تردید کروں۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اپنے سچے مسیحی ہونے کا ثبوت دیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بائبل میں پیشگوئی پر عمل کیا ہے، جس میں انہوں نے اپنے بعد آنے والے دنیا کے سردار کی خبر دیتے ہوئے اپنے پیروں کو اس کی پیروی کی تاکید کی ہے، منیجر بٹری کے لئے یہ بات عجیب تھی۔

دوسرے کھڑے لوگوں کی موجودگی میں میں نے مسٹر بٹری سے کہا کہ تمہیں مسیحی

ہونے کا دعویٰ تو ہے، کیا تم نے کبھی بائبل پڑھی بھی ہے، اگر دعویٰ ہے تو بائبل سے مجھے مسئلہ تثلیث نکال دو میں تمہارے پاؤں چوم لونگا۔ بڑی اور دوسرے لوگوں کے پاس میری بات کا جواب نہ تھا۔ دفتر کا یہ ماحول دیکھ کر میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے مشورہ کیا تو کہنے لگا کہ اب کسی ممکنہ انتقامی کاروائی سے بچنے کے لئے اپنے اسلام کا اعلان ضروری ہوگیا ہے، لہٰذا مذہبی امور کے وزیر شیخ بن باز کے پاس چل کر ضابطے کی کاروائی مکمل کر لیتے ہیں یہی مناسب راستہ ہے۔

اتفاقاً اسی دن پاکستان سے میرے پاکستانی دوست کے چھوٹے بھائی حج کے لئے مکہ پہنچے جن سے وہ فون پر بات کر رہے تھے، میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میرے چھوٹے بھائی نے مکہ مکرمہ پہنچ کر فون پر اطلاع دی ہے۔ میں نے نام پوچھا تو کہنے لگا کہ اس کا نام عبداللطیف ہے۔ مجھے یہ نام اچھا لگا، میں نے کہا کہ ٹھیک ہے ایک آپ کا چھوٹا بھائی عبداللطیف ہے اور آج سے دوسرا عبداللطیف آپ کا یہ روحانی بیٹا ہے۔ ہم شیخ بن باز صاحب کے دفتر گئے۔ نابینا تھے، ہماری بات سنی، مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا اور مبارکباد دی اور میں عبداللطیف ہوگیا۔

اب دفتر میں عبداللطیف ایڈون ایم آر سیو تھا، میری نماز پر اب کوئی پابندی نہ تھی دفتری چہ می گوئیاں بھی دم توڑ گئیں، البتہ دوسرے فلپائنی مجھ سے کھنچے کھنچے ضرور رہنے لگے میں نے دین سیکھنے کے لئے زیادہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میرے پاکستانی ساتھی کے ایک دوست جو ایک دفتر میں ملازمت کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری میں مصروف تھے، نے اپنی کمپنی میں جز وقتی کام کا انتظام کر دیا گویا ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا تو دوسری طرف رزق میں برکت سے بھی نواز دیا۔ میں دفتر سے چار بجے چھٹی کرتا تو اپنے پاکستانی ساتھی کے ساتھ نئے دفتر آ جاتا کہ یہ دفتر ان کے گھر کے ساتھ تھا، یہاں مجھے ایک اور اچھے پاکستانی کی صحبت مل گئی اور میری تربیت کا اللہ تعالیٰ نے بہتر انتظام فرما دیا۔ یہ تربیت کنندہ اب ڈاکٹر محمد امین ہے، جو وطن جا چکے ہیں۔

ایک روز جمعہ کی نماز ادا کر کے مسجد سے نکلا تو تین چار پاکستانی ملے میں نے

بڑے چاؤ سے آگے بڑھ کر انہیں السلام علیکم کہا، اور بتایا کہ "انا مسلم" انا باکستانی مگر انہوں نے خوش ہوئے بغیر سوال شروع کر دیئے جو میرے علم اور میری سمجھ سے بالاتر تھے کہ میرے پاکستانی ساتھی نے مجھے کبھی یہ بتایا ہی نہ تھا، پوچھنے لگے کہ انت سنی مسلم؟ انت شیعہ مسلم؟ انت فلاں مسلم، فلاں مسلم؟ میں پریشان حال کمرے میں آیا، تھوڑی دیر بعد پاکستانی ساتھی بھی آ گئے پریشان دیکھا تو خود بھی پریشان ہو گئے۔

میں نے انہیں مسجد کے باہر پیش آنے والی صورت حال سے آگاہ کیا تو کہنے لگے کہ تم قرآن اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر مسلمان بنے ہو۔ کیا تم نے قرآن وحدیث میں کسی جگہ سنی شیعہ، اہل حدیث لکھا پڑھا ہے اگر نہیں ہے تو یقین کر لو کہ تمہیں اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، تم اول و آخر صرف اور صرف مسلمان ہو، قرآن وحدیث والے مسلمان، پھر انہوں نے میرے اطمینان کی خاطر شیعہ سنی کی تفصیل بھی بتادی۔ میرے لئے بہر حال ان کی پہلی بات ہی وزنی تھی اور آج تک میں اسی پر قائم ہوں۔

اسلام قبول کر کے عبداللطیف بن جانے کے بعد میں نے وقت ضائع کئے بغیر اپنے والدین، رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی اسلام کی روشنی قبول کرنے کی ترغیب کے لئے خطوط لکھے، فون کئے، بڑے حوصلہ شکن جواب ملے، سالانہ چھٹی پر گھر گیا تو والدین اور سب بھائی بہنوں کے ساتھ تفصیل سے بات ہوئی، والد صاحب نے کہا کہ تم میرے پادری کو قائل کر لو۔ میں تیار ہو گیا پادری صاحب نے قرآن مانگا اور ایک ہفتے کی مہلت بھی کہ پھر بات ہوگی۔ جب مقررہ دن میں والد صاحب کے ساتھ پادری صاحب سے ملنے گیا تو وہ غائب تھا میں نے والد صاحب سے کہا کہ اگر سچائی ان کی جھولی میں ہوتی تو غائب کیوں ہوتے، حقائق کا سامنا کرتے۔ چھٹی اسی طرح کی مصروفیت میں ختم ہو گئی، اور میں ملول دل کے ساتھ واپس ریاض آ گیا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل خطوط کے ذریعے محنت کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ یہی روشنی میرے اہل خانہ کا مقدر بنے۔

ریاض میں میں نے فلپائنیوں کے لئے ایک تبلیغی مرکز بنایا جہاں ہم ہر

جمعرات کی شام کو مل بیٹھتے اور جمعہ کی شام کو اپنے اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ جاتے۔ تین چار ماہ کی محنت رنگ لائی پہلے ایک، پھر دو اور تین، چار یوں پانچ افراد نے اس مرکز میں دولت ایمان پائی اور الحمد للہ یہ سلسلہ بتدریج بڑھ کر یہاں تک پہنچ گیا کہ ہم نے منیلا میں ایک ہزار ڈالر ماہانہ پر ٹی وی پر چند منٹ ٹائم خرید کر اسلام کا پیغام نشر کرنا شروع کیا۔ میں نے چند کتابچے بھی اس دوران مرتب کئے اپنے خرچ پر چھاپ کر اپنے ہم وطنوں میں پھیلائے اور آج میرا کام اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور نئے ہمسفروں کے تعاون سے وسیع ہو چکا ہے۔

میں نے شعور کے ساتھ ایک مسیحی عورت سے شادی کی، میرا لالچ یہ تھا کہ میں اسے قائل کر کے جب دائرۂ اسلام میں لے آؤں گا تو میرے کھاتے میں اضافہ ہوگا اور بحمد للہ یہ ہو گیا کہ وہ امینہ عبداللطیف بن گئی۔ امینہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے احمد اور مریم سے نوازا آج کل اسکول جاتے ہیں۔ میری محنت کو میرے خالق نے شرف قبولیت سے نوازا کہ ایک بھائی کے علاوہ میرے والدین اور بہن بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار بن کر دنیا کے سردارؐ کے پیغام محبت و نجات کے سامنے جھک گئے۔ وہ دن، وہ لمحہ میرے لئے مسرت و انبساط کا خزینہ تھا اب مجھے ان کی اسلامی تربیت کی فکر تھی کہ وہ محض کاغذی اور روایتی مسلمان نہ بنے رہیں۔ خوشی کے ساتھ ایک دکھ بھی تھا کہ میرا بھائی اس روشنی سے محروم اپنے خالق کے پاس چلا گیا، وہ اگر دوزخ میں گیا تو کہیں مجھ سے یہ نہ پوچھا جائے کہ تم نے بہتر طور پر اسے سچے پیغام سے آگاہ نہ کیا ورنہ یہ بھی جہنم کا ایندھن نہ بنتا۔

جس روز کویت پر عراق نے حملہ کر کے قبضہ کیا، میں اپنی کمپنی کی طرف سے وہاں برانچ آفس کھولنے گیا ہوا تھا۔ حملے کے سبب وہاں سے نکلنے والوں میں میں بھی شامل تھا مگر اس حال میں کہ میرا سامان ہوٹل میں تھا اور دو کپڑوں میں قافلے کے ساتھ پیدل عمان کی جانب صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ دن انتہائی گرم، راتیں انتہائی سرد، جس کے ردعمل میں بخار آنے لگا۔ دوران سفر معمولی پانی اور خوراک ملتی، یہ سفر ۲۶ دن پر محیط رہا۔ اس دوران میں میرے اہل خانہ اور میرے دفتر والے عراقی حملے کے سبب میری زندگی

سے ناامید ہو چکے تھے۔

میں پورے شعور کے ساتھ سوچتا ہوں کہ مجھے اس اذیت ناک سفر میں اگر کسی چیز نے سہارا دیا تو میرے خالق کے طے کردہ نظام عبادت نے۔ سچی بات ہے کہ اگر قبول اسلام کرنے کے بعد میں نے باقاعدگی سے روزے نہ رکھے ہوتے اور بار بار حج کی ''مشقت'' سے نہ گزرا ہوتا تو صحرا میں کسی جگہ بے گوروکفن میرا ڈھانچہ بھی پڑا ہوتا۔ ۲۶ دن بعد عمان پہنچ کر میں نے ریاض فون کیا تو کمپنی نے میری واپسی کا الحمدللہ انتظام کر دیا۔

میری کمپنی غیر ملکی ہے۔ جہاں میں نے جز وقتی کام شروع کیا تھا وہاں آج مستقل سینئر اسٹاف ممبر ہوں، مجھے باعزت ملازمت میں معیاری معاوضہ ملتا ہے، میری انتظامیہ مجھ سے خوش ہے کہ میں اپنے دفتری اوقات کار اور فرائض منصبی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ انتظامیہ کے خوف سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ دیانت وامانت میرے رب کا حکم ہے، یہ دیانت وامانت وقت اور صلاحیتوں کے استعمال کے لئے بھی ویسے ہی اہم ہے جیسے عملی زندگی کے دیگر معاملات میں اور کمپنی میں یہی میری ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔

آج برسوں بعد میں سوچتا ہوں کہ منیلا کے بینک میں ملازمت کے دوران میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں کسی دن بہت بڑی بین الاقوامی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں گا۔ سعودیہ میں میرا داخلہ ''ماستوک'' میں بطور اکاؤنٹس کلرک ہوا، جہاں کام کے دوران مجھے دولت ایمان ملی تو دولت دنیا میرے پیچھے بھاگنے لگی میں خود کو اپنے رب کے بے پناہ انعامات کے نیچے دبا ہوا پاتا ہوں، رشد وہدایت جن میں سب سے بھاری اور سرفہرست ہے۔ الحمدللہ رب العالمین پہلے دن سے آج تک میں اپنے روحانی باپ، اپنے پاکستانی ساتھی کے لئے دعاگو ہوں جو میری ہدایت کا سبب بنا جس کی رہنمائی میں میں نے روشنی کا سفر خود بھی طے کیا ور پھر بہت سے ہمسفر اپنے گرد اکٹھے بھی کر لئے خصوصاً اپنا خاندان۔ ثم الحمد للہ

اسلامی نام: عمر فاروق عبداللہ **ملک کا نام:** امریکہ

عمر فاروق عبداللہ (امریکہ)

میں ۱۹۷۰ء میں مسلمان ہوا۔ اس سے پہلے میں کورنیل یونیورسٹی میں انگریزی ادب کا طالب علم تھا۔ کالج کے ابتدائی سالوں میں میں تاریخ کا بھی طالبعلم رہا۔ مجھے عیسائیت کی ابتدائی تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی، خصوصاً آریاؤں وغیرہ کے بارے میں جن کے ہاں وحدانیت یعنی ایک خدا کا تصور تھا، چنانچہ مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ عیسائیت میں تین خدا کا تصور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا نہیں ہے۔ میرے والد خود ایک معلم رہے ہیں۔ انہوں نے حیاتیاتی کیمیا اور علم الحیوانات میں ڈاکٹریٹ کی تھی، وہ ایک خدا کے وجود کو مانتے ہیں اور تین خدا کے تصور کے خلاف تلقین کرتے رہے ہیں۔

فلسفہ اور ادب کے مطالعہ نے میرے خیالات میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی۔ اس دوران میں مجھے (Leibnitz) اور (Spinoza) کو پڑھنے کا موقع ملا، ان دونوں کے پاس توحید کا جو تصور تھا اس نے مجھے متوجہ کیا، انگریزی ادب میں، میں جان ملٹن سے کافی متاثر رہا۔ ملٹن کو میں انگریزی کا بہت بڑا شاعر تسلیم کرتا ہوں۔ اس کی آخری شاعری میں پوری توحید کا واضح رجحان ملتا ہے، اس کی شاعری میں جنت کا خوشگوار اور دوزخ کا بھیانک تصور پوری طرح اجاگر ہوتا ہے۔ ملٹن نے نہ صرف اس ایمان کا اظہار کیا کہ خدا ایک ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ جنت میں داخلے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اشیر باد ضروری نہیں۔

اس نے لاطینی، یونانی اور عبرانی ادب کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ (POLYGAMY) یعنی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا بائبل کے پیغمبروں کے طریقے کے عین مطابق ہے۔ ان کے مطالعہ کے بعد مشہور سیاسی لیڈر میلکم ایکس (MalcomX) کی سوانح عمری نے میرے ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب ہوئے، وہ

مسلمان ہوگیا تھا اور اس کا مسلم نام الملک الشہباز تھا۔ بعد میں اسے قتل کردیا گیا، اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ توحید یعنی وحدانیت کو اپنانے ہی میں امریکہ کی فلاح اور بھلائی ہے اور اسی طرح امریکہ کو نسلی امتیازات اور دوسری سماجی برائیوں سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت تک مجھے اسلام کے بارے میں معلومات زیادہ نہیں تھیں، بلکہ سچ کہیئے تو اسلام کے بارے میں غلط تصورات تھے کہ یہ ایک سے زیادہ خداؤں کے ماننے والی بات ہے۔ اس کے بعد جب میں نے مطالعہ کیا تو اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے اور میں یہ جان کر متعجب ہوا کہ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے اور اسلام صرف عربوں کا نہیں بلکہ پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا، یوگوسلاویہ اور کئی دوسرے ممالک کے لوگوں کا مذہب ہے۔

میں نے قرآن پاک کے ایک انگریزی ترجمہ کا مطالعہ کیا جو غنیمت تھا اور جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات بھی درج تھے، مجھے یقین کرنا پڑا کہ بے شک آپ پیغمبر اور رسول ہیں، کیونکہ بائبل میں پیغمبروں کی جو خصوصیات درج تھیں ان پر آپ پورا اترتے تھے۔ اتفاق سے ایک جمعہ تھا جس دن کہ میں ایمان لایا اور مسلمان ہوا۔ ہاں بغیر کسی مسلم کی مدد کے اور دعوت کے مسلمان ہوا، صرف اپنے ذاتی مطالعہ کی وجہ سے۔

مسلمان ہونے کے بعد MSA سے اور دوسرے مسلمانوں سے میری جان پہچان ہوئی۔ MSA کے سالانہ کنونشن میں شرکت کرنے کے بعد مجھے اسلام کی حقیقی روح کا اندازہ ہوا جہاں مختلف ممالک کے اور مختلف زبانیں بولنے والے مسلمانوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا اور ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوئے اور مسلم نام رکھتے ہیں، وہ اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کرتے۔ مجھے بہت جلد احساس ہوگیا کہ جب مسلمان اسلام پر قائم ہے تو وہ بہت ہی نیک سیرت اور اعلیٰ ہے اور اگر اسلام پر قائم نہیں تو وہ حقیر ترین اور انتہائی پست ہوسکتا ہے۔

قومیت کے بارے میں صحیح بات تو یہ ہے کہ قومیت چاہے وہ ہندوستانی ہو یا پاکستانی، عربی ہو یا امریکی، چینی ہو یا برطانوی ہمیشہ اپنے طور پر ایک غیر منصفانہ بات ہے۔ کسی انسان کو یہ آزادی نہیں کہ وہ اپنے طور پر کسی شہریت کو اختیار کرے جو شخص جہاں پیدا ہوتا ہے، وہ وہیں کا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں امریکہ میں پیدا ہوا ہوں میں پاکستانی یا ہندوستانی نہیں ہو سکتا، البتہ میں مسلمان ہو سکتا ہوں جس کا مجھے اختیار ہے، جبکہ قومیت کا نہیں۔

آرنلڈ ٹائن بی مشہور مؤرخ نے کہا ہے کہ بیسویں صدی کی سب سے بڑی لعنت قومیت ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس وقت دنیا کے ممالک معاشی طور پر ایک دوسرے کے پابند ہیں۔ قومیت ایک بیماری ہے، غلط اصولوں پر یہ ایک قوم کو دوسری قوم سے لڑا کر رکھ دیتی ہے۔ اسلام کی بنیاد قومیت پر نہیں ہے بلکہ سچائی اور عقیدے پر ہے۔ قومیت دراصل یہودیوں کا طریقہ ہے عموماً ایک یہودی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہودی گھرانے میں پیدا ہو، ظاہر ہے کہ میں اب ایک یہودی خاندان میں پیدا نہیں ہو سکتا، لیکن مسلمان ہونے کے لئے ضروری نہیں چاہے آپ کا تعلق کسی بھی نسل سے ہو، کسی بھی ملک سے ہو، کسی زبان سے ہو اگر آپ سچائی پر ایمان لاتے ہوں تو مسلمان ہو سکتے ہیں، آپ کو آزادی ہے اور یہی انصاف ہے۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اچھا مسلمان بننا چاہیئے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"کیف یھدی اللہ قوما کفر وابعد ایمانھم وشھدوان الرسول حق و جاء ھم البینات واللہ لایھدی القوم الضالمین ٥ اولئک جزآؤھم ان علیھم لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین ٥ (آل عمران: ۸۶/۸۷)

"خدا ان لوگوں کو کیسے ہدایت کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا اقرار کیا اور جن کے پاس خدا کی واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ خدا ایسے

نامعقول اور بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ان پر تو لعنت ہے خداؐ کی ،فرشتوں کی اور تمام انسانیت کی"۔

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ خدا نے ان پر اپنی لعنت اور فرشتوں کی لعنت کے ساتھ ساتھ انسانیت کی لعنت کیوں بھیجی ہے؟ ان پر تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لعنت ہے۔ مسلمانوں کی لعنت اس لئے کہ انہوں نے ایمان نہ لاکر سچائی کا راستہ چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے الگ ہو گئے ،ان پر غیر مسلموں کی لعنت اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے طور طریقوں سے انہیں سچائی اور انصاف کا راستہ اختیار کرنے سے باز رکھا۔

سابقہ نام: کانٹ ہنری دی کاستری **ملک کا نام**: فرانس

مجھے ایمان کی حلاوت اپنی طرف کھینچ رہی ہے

فرانس کے نامور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری کہتے ہیں کہ ایک دن میں حوران کے صوبہ میں جوز رقوم اور بحیر کے بیچ میں واقع ہے دشت نورد تھا۔ خاندان یعقوب کے ۳۰ جوان، گھوڑوں پر سوار میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے، ان سواروں کی متعدد ٹکڑیاں ہوگئی تھیں کیونکہ گھوڑوں کی تندمزاجی ان کو باقاعدہ اور منظم نہیں رہنے دیتی تھی، اگلی صف کا گھوڑا پچھلی صف سے ذرا سا بھی چھو جاتا تو بپھر جاتا اور پیچھے مڑ کر بڑے زور سے دولتیاں جھاڑتا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کا غصہ فرد ہو جاتا اور حسب معمول چلنے لگتا، سب کے آگے آگے ایک تندمزاج جوان ایک قوی ہیکل نقرہ گھوڑے پر سوار تھا، جس کو دیکھ کر ایک سدمنا گھوڑا بھی اپنی شوخی کو ضبط نہ کرسکتا تھا، یہ جوان نہایت نیچے سُروں میں کچھ اشعار گاتا جارہا تھا، جس سے تمام مجمع پر ایک کیفیت طاری تھی اور جو زیادہ تر میری ہی مدح میں تھے ان سب کے بیچ میں میں اس سلطان ذی اقتدار کے مانند تھا، جس کے رکاب بوسوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ ان آداب خدمت کے بجالانے میں دوسرے سے آگے نکل جائے۔ جس نے مشرقی قوموں کو ان معاملات میں اخلاقی تنزل سے تھام رکھا ہے، میں ان اشعار کو کان لگا کر گھنٹوں تک سنتا رہا اور بعض اشعار میں نے یاد بھی کرلیئے، یہ تمام اشعار مسلسل رجز تھے، جن کے معنی منفرداً سمجھ میں نہیں آتے تھے، کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون مادح ہے کون ممدوح، کون مخاطب ہے، کون متکلم، غرض ہم یورپین لوگوں کو ان کا سمجھنا بالکل دشوار تھا۔

اس وقت میری عمر ۲۵ برس کی تھی، جاڑوں کا زمانہ اور نہایت خوشگوار دن تھا، جس کی گرمی سے بدن میں نشاط پیدا ہوتا تھا، اور روشنی نہایت تیز تھی، خوشبو راہ گیروں کو بدمست کیئے دیتی تھی، اور سونگھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ لذائذ زندگی کے انتہائی درجہ

سے متمتع ہورہا ہے، اس حالت میں مجھ پر ایک اور احساس طاری تھا یعنی اس معشوق کا تصور جس کا نام ان سواروں کی زبانوں پر صبح وشام جاری رہتا تھا۔

ہم اسی حالت میں چلے جارہے تھے کہ ہمارا شاعر دفعۃً چپ ہوگیا، اور ذرا سخت آواز سے میری طرف مخاطب ہوکر بولا جناب اب نماز عصر کا وقت آ گیا، اس آواز کے ساتھ تمام سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور صف باندھ کر کھڑے ہوگئے، مسلمانوں میں جماعت کی نماز کو تنہا نماز پر شرف حاصل ہے، جیسا کہ ہم عیسائیوں میں بھی ہے، میں جماعت سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہوگیا، اور دل میں کہتا تھا کہ زمین پھٹ جاتی تو میں سما جاتا، ان جوانوں کے شملے، نماز کی مختلف حرکتوں سے کبھی پیچ کھاتے اور کبھی کھل جاتے تھے، وہ نہایت بلند آواز سے بار بار اللہ اکبر کہتے تھے اور یہ پر جلال آواز میرے دل میں وہ اثر کرتی تھی کہ مؤحدین اور متکلمین کی تحریروں نے کبھی نہیں کیا تھا، میرے دل پر شرم اور انفعال کا وہ اثر تھا جس کے ادا کرنے کے لئے مجھ کو کوئی لفظ نہیں ملتا، یہ گروہ جو ابھی میرے سامنے گردن جھکا رہا تھا، صاف محسوس کرنے لگا کہ نماز نے ان کو دفعۃً مجھ سے بہت زیادہ معزز اور بلند مرتبہ کردیا ہے، اور اگر اس وقت میں اپنے دل کے کہنے پر چلتا تو بیساختہ چلا اٹھتا کہ ''میں بھی خدا کا معترف ہوں، مجھ کو بھی نماز ادا کرنا آتی ہے''۔

حقیقت میں وہ عجیب دلفریب سماں تھا، وہ اپنے معمولی لباس کے ساتھ کس باقاعدگی سے نماز ادا کررہے تھے، اور ان کے پہلو میں گھوڑے اس طرح چپ چاپ کھڑے تھے گویا نماز کے ادب نے ان کو سرنگوں کردیا ہے، گھوڑوں کا یہ درجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال محبت کی وجہ سے جبریل کی ہدایت کے موافق، ان کے منہ کو اپنی رداسے پونچھتے تھے۔

اس وسیع میدان میں صرف ایک میں تھا جو تنگ فوجی لباس میں تھا جو انسان کو شکنجہ میں کس دیتا ہے، اور جس سے کسی قسم کی شان کا اظہار نہیں ہوتا، میری حالت سے بے دینی ٹپک رہی تھی، حالانکہ میں اس وقت ایسے مقام میں تھا جو مذہب کا مولد ومنشاء ہے، اس عبادت گذار گروہ کے آگے جو اپنے خدا کے آگے بار بار نہایت خشوع سے نماز کے فرائض اس دل سے بجالا رہا تھا جو سچائی اور ایمان سے لبریز تھا، میں بالکل کتا معلوم

ہوتا تھا، اس حالت میں مجھ کو توراۃ کی وہ آیت یاد آئی کہ خدا سام کے خیمہ میں سکونت کرے گا اور یافث کی اولاد کو ترقی دے گا یہ دونوں گروہ اس وقت یکجا تھے یعنی وہ نماز گذار جو سام کی اولاد سے تھے، اور جو اپنے مذہب اور اس خدا پر نثار تھے جو ابراہیم کے خیمہ میں داخل ہوا تھا اور میں جو یافث کی اولاد ہوں اور جس کا شہرہ صرف فتوحات اور لڑائیوں پر موقوف ہے۔

غرض جب منزل ختم ہوگئی اور میں فردگاہ پر واپس آیا تو جو خیالات میرے دل میں آئے تھے ان کو قلمبند کرنے لگا، اس وقت میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھ کو اسلام کی حلاوت اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ گویا میں نے اس سے پہلے کبھی کسی صحرا میں کسی قوم کو عبادت بجالاتے دیکھا ہی نہیں تھا، مجھ کو اس وقت عیسائیوں کے خیمے یاد آ گئے جہاں صرف عورتوں کی پرستش کی جاتی ہے، اور اس خیال سے مجھ کو یورپ کی بد دینی پر غصہ آ گیا۔

یہ میری عمر کا وہ زمانہ تھا جب عقل مشکلات کا حل کرنا نہایت آسان سمجھتی ہے، اور جب انسان تمام چیزوں کو سطحی نگاہ سے دیکھتا ہے، جب کہ محض خیال، نکتہ چینی اور تحقیق کا منصب حاصل کرتا ہے، اور جب کہ انسان کے اعتقادات بے قید ہو جاتے ہیں، یہ عمر ہے کہ اگر اس عمر کے آدمی انصاف سے کام لیتے تو تصنیف و تالیف کو ہاتھ تک نہ لگاتے، میرا خیال تھا کہ مذہب کی شان، مذہب کی سچائی کی خود ایک بہت بڑی دلیل ہے، میں اسلام کے متعلق کچھ لکھنے لگا اور مجھ کو کچھ خبر نہ تھی کہ قلم اس وقت بالکل دل کے قابو میں ہے۔

(اسی کے ساتھ ساتھ) مجھ کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مجھ کو اسلام کے متعلق کچھ لکھنے کا کیا خاص حق حاصل ہے میں نے مدت تک اہل عرب کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، اور مشرقیوں کے مزاج اور طبیعت کے دریافت کرنے میں اکثر مصروف رہا ہوں، میرا طریقہ وہی ہے، جو الجزائر کے مستعربوں کا ہے، اور اسی بنا پر میں سب سے پہلے معزز مستشرقوں سے بہ ادب و نیاز یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو ان لوگوں کی فہرست میں نہ داخل کریں جن کا یہ حال ہے کہ وہ عرب کا رخ کرتے ہیں، اور چند روز کی سیاحت میں ادھر ادھر کی گپیں سن کر اسلام کے متعلق لکھنے بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ان کی تحریر محض شاعرانہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ مانسیو لوازون بھی اس قسم کی لغزش سے نہ بچ سکا، اس کا قلم

سبک سر ہو کر تخیلات کی کشش میں آ گیا، اس کو مشرق کی ہر چیز بھلی معلوم ہوتی تھی اس کی رائیں اسلام کے متعلق ایک فسانہ گو کی رائیں ہیں، نہ کہ حکیمانہ اور محققانہ، میں اس کی طرح خواہ مخواہ اسلام کی شان بڑھانا نہیں چاہتا لیکن چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں ایک بڑا متھم بالشان مسئلہ بن گیا ہے یہاں تک کہ خاص ان مباحث کے لئے پیرس میں ایک علمی میگزین جاری ہوا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صلیب پرست عیسائی مسجد بنانے کی غرض سے مسلمانوں کو مالی امداد دے رہے ہیں، اسی بنا پر میں نے اس موقع کو اس بات کے لئے غنیمت جانا کہ ہم لوگوں کے دماغ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عرب، اور مذہب اسلام کے متعلق جو غلط خیالات جم گئے ہیں ان سے لوگوں کو متنبہ کروں۔

یہ ایک نہایت مشکل کام ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ "لا برخ فی الاعتقاد اکثر من خطاء الاعتقاد" میرا یہی خیال ہے کہ عیسائیوں کی شائستہ قوموں کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہب کی عزت کریں بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس مذہب کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں ہم کو ان قصوں کے سننے سے ہنسی آتی ہے، جن میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے کس قدر عناد رکھتے ہیں، اس وقت ہم کہتے ہیں کہ مسلمان متعصب اور جاہل قوم ہیں، اور اس عناد پروری میں ان کو معذور سمجھنا چاہیے، لیکن اسی طرح عیسائی بھی مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں اور انصاف سے کام نہیں لیتے۔

سابقہ نام: میلکم ایکس **سابقہ مذہب**: عیسائیت

اسلامی نام: ملک الشہباز **ملک کا نام**: امریکہ

الحاج ملک الشہباز (میلکم ایکس) امریکہ

امریکہ میں اشاعت اسلام کے حوالے سے میلکم ایکس کا نام اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔ مختلف اخلاقی برائیوں میں لت پت اس ذہین وفطین نیگرو نے اسلام قبول کیا، تو اس کی مسحور کن شخصیت اور دل میں اتر جانے والے خطابات نے بالخصوص امریکہ کی سیاہ فام آبادی کو مسخر کر لیا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ افسوس باطل قوتیں اسے برداشت نہ کر سکیں، اور عین چالیس سال کی عمر میں اسے ایک نسل پرست دہشت گرد کی گولی نے موت کی نیند سلا دیا۔ لیکن عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ اس کی موت نے اس کی تبلیغی تحریک کی رفتار کو تیز تر کر دیا۔ اور آج نہ صرف اس کے دشمن نسل پرستوں کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے بلکہ میلکم ایکس کے خون سے نور ایمان پانے والے خوش نصیب حضرات کی تعداد کم از کم ۳۵ لاکھ ہو چکی ہے۔

ذیل میں امریکہ کے اس پہلے اولوالعزم شہید کی روداد حیات پیش کی جا رہی ہے۔

میلکم ایکس ۱۹۲۵ء میں امریکہ کی ریاست مشی گن کے شہر میسن سٹی میں پیدا ہوئے۔ ان کا والد کٹر اور مخلص عیسائی پادری تھا۔ وہ خاموش طبع حقیقت پسند انسان تھا، اور اس کی تمام تر سرگرمیاں اپنے چھوٹے سے گھر اور گرجا تک محدود تھیں۔ وہ دیانت داری سے اپنے فرائض نبھاتا، سب سے خیر خواہانہ برتاؤ رکھتا اور قناعت پسندی سے چرچ سے ملنے والے معمولی وظیفے پر گزارا کرتا تھا، لیکن ان ساری خوبیوں کے باوجود سفید فام نسل پرست عیسائی اسے پریشان کرنے کا موقع ضائع نہ کرتے اور بہانے بنا بنا کر اسے دہشت گردی کا نشانہ بناتے۔ میلکم کی یادداشتوں کے مطابق ''میری والدہ نے مجھے بتایا کہ میلکم تم پیدا ہونے والے تھے'' کہ ایک رات دہشت گرد نسل پرستوں نے ہمارے گھر پر حملہ

کردیا۔ وہ تمہارے باپ کی تلاش میں تھے جو خوش قسمتی سے گھر پر موجود نہ تھے اور کسی تبلیغی اجتماع میں گئے ہوئے تھے۔ دہشت گردوں کو جب شکار نہ ملا تو انہوں نے گھر کی ہر چیز توڑ پھوڑ دی، کار کو آگ لگادی اور دھمکیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ میلکم کے مطابق میرے والد کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ وہ ایک ایسی تنظیم سے ہمدردی رکھتے تھے جو سیاہ فاموں کے حقوق کے لئے کام کرتی تھی۔ بہرحال میلکم کی پیدائش کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ نسل پرست جنونیوں نے ان کے والد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

میلکم بچپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ چرچ نے معمولی سی امداد کی، لیکن وہ بہت ناکافی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان مالی مشکلات کا شکار ہو کر بکھر گیا۔ جس کا جہاں سینگ سمایا چلا گیا۔ صرف میلکم اور اس کی والدہ رہ گئیں۔ میلکم کہتے ہیں ''میری والدہ ہی نے میری پرورش کی۔ میں اپنی والدہ کو سخت محنت کرتے ہوئے دیکھتا تو غمزدہ ہو جاتا''۔

میلکم نے پرائمری تک تعلیم سفید فاموں کے ایک اسکول میں حاصل کی جہاں ہر لمحے اسے سفید فام ساتھیوں کے تحقیر آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑتا اور اس کا ننھا سا دل کرچی کرچی ہو جاتا اور حالانکہ وہ ذہانت کے اعتبار سے کلاس کے تین نمایاں طالبعلموں میں سے ایک تھا، لیکن اساتذہ کا رویہ حوصلہ شکنی پر مبنی ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک روز ایک استاد نے اس سے پوچھا۔ ''تم بڑے ہو کر کیا پیشہ اختیار کرو گے''؟ ''میں قانون دان بنوں گا''۔ میلکم نے جواب دیا، ہوں استاد نے بھنویں سکڑتے ہوئے حقارت سے کہا۔ ''تم قانون دان کیسے بن سکتے ہو۔ بہتر ہے تم لکڑی کا کام سیکھ لو۔ فرنیچر اچھا بنا سکو گے۔'' دل شکنی اور دیگر مسائل کے اس ماحول میں میلکم نے ابتدائی ضروری تعلیم مکمل کی اور ۱۹۴۰ء میں جبکہ اس کی عمر پندرہ سال تھی وہ مشی گن سے بوسٹن آ گیا جہاں سے اس کی بڑی بہن رہتی تھی۔ یہاں وہ بالکل ہی نئے ماحول سے آشنا ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے ایک نائٹ کلب میں ویٹر کی نوکری کرلی، لیکن یہ کام مجھے پسند نہ آیا اور کلب کے باہر بوٹ پالش کرنے کا دھندا شروع کردیا اور اس طرح یہاں میں نے امریکی معاشرت کو بہت ہی قریب سے دیکھا جو شراب، جوئے، منشیات اور جرائم کی بے شمار قسموں میں

سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے میں بھی اپنے دامن کو ان آلودگیوں سے محفوظ نہ رکھ سکا اور غیر شعوری طور پر ان میں ملوث ہوتا چلا گیا، حقیقت یہ ہے کہ پوری کہ پوری امریکی معاشرت جنگل کے قانون کی عکاسی کرتی ہے۔ جہاں فریب کاری اور عیاری انسان کا اصل جوہر قرار پاتا ہے۔توجہ سے دیکھیں تو قانون اور اصول وہاں قدم قدم پر رسوا ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بہرحال میلکم اس زمانے میں منشیات اور جرائم کی دنیا میں ڈوب گئے وہ لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں میرا عقیدہ تھا کہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کا جھوٹ، فریب اور مکاری اور زیادتی جائز ہے۔عورت کی حیثیت میرے نزدیک حصول لذت کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔

پھر ایک دن میں ایک ایسے جرم میں گرفتار کرلیا گیا جو کہ میں نے کیا ہی نہیں تھا۔اور دس سال کے لئے جیل میں ڈال دیا گیا، یہاں میں نے دیکھا کہ جیل تو گویا جرائم کی تربیت گاہ ہے۔وہاں کیا کچھ نہیں ہوتا، غنڈہ گردی، نشہ بازی اور ہر طرح کے اخلاقی جرائم۔ لیکن اللہ کو میری بہتری منظور تھی وہاں کچھ لوگ اصلاح وخیر کا کام بھی کر رہے تھے۔انہی میں سے کسی شخص نے مجھے عالیجاہ محمد کی تحریک ''نیشن آف اسلام'' کا تعارفی لٹریچر دیا۔اور یہ لٹریچر میری زندگی میں انقلاب کا باعث بن گیا۔ میں نے اس سے قبل اسلام کا نام تک نہ سنا تھا نہ کسی مسلمان سے میرا کبھی تعارف ہوا تھا۔لفظ خدا کا نام بھی میں نے بعض فلموں کے مکالموں میں سنا تھا اور بس۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ فرصت کے اس طویل دور میں میں نے اسلام کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کرلیں۔میں نے اسلامی تہذیب وتاریخ کے بارے

میں متعدد کتابیں پڑھ ڈالیں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور شخصیت کا بھی خوب مطالعہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کرلیا، میں اس کے ایک ایک پہلو سے بے پناہ متاثر ہوا جس کے زیر اثر میرے قلب ودماغ ایک نئے انقلاب سے آشنا ہوئے، میں نے ساری بری حرکتیں ترک کردیں۔ شراب نوشی سے توبہ کرلی حتی کہ سگریٹ تک پینا چھوڑ دیا اور جیل ہی میں اسلام قبول کرلیا اور ملک الشہباز کا نام اختیار کیا"۔

چنانچہ میلکم جیل سے باہر نکلے تو مکمل طور پر ایک بدلے ہوئے انسان تھے۔ لیکن عقائد کی حد تک وہ عالیجاہ محمد کے پیروکار تھے۔ یہ نسل پرست سیاہ فام رہنما "نیشن آف اسلام" کے نام سے صرف سیاہ فاموں میں ایک تحریک چلارہا تھا جس کے عقائد خودساختہ اور گمراہ کن تھے۔ یعنی خدا کالے رنگ کا ہے، جنت میں صرف کالے جائیں گے اور سفید فاموں پر جنت حرام ہے۔ اسی طرح نیشن آف اسلام نے یہ بات بھی پھیلائی تھی کہ شیطان سفید فام ہے اور کالے خدا کے محبوب بندے ہیں اور عالیجاہ محمد اللہ کا پیغمبر ہے۔ جو براہ راست خدا سے ملاقات کرتا ہے۔ خدا اس کے پاس ایک شخص (W.Fard) کے روپ میں آتا ہے وغیرہ۔

دراصل یہ تحریک سفید فام امریکیوں کی اس نفرت اور دہشت گردی کے خلاف ایک ردعمل اور جوابی تحریک تھی جس کا نشانہ سیاہ فام آبادی بنتی رہتی تھی۔ چنانچہ بیس ملین (دو کروڑ) سیاہ فاموں نے "نیشن آف اسلا" کی رکنیت اختیار کرلی اور سفید فاموں سے کٹ کر اپنی الگ معاشرت قائم کرلی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی طرف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کی جانب مبعوث ہوئے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اسی طرح عالیجاہ محمد امریکہ کے افریقی باشندوں کے لئے باقاعدہ پیغمبر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میلکم لکھتے ہیں۔ "یہ تھا وہ اسلام جس پر میں ایمان لایا تھا"۔ لیکن خوش قسمتی سے ان کی ملاقات سعودی سفارتخانے کے ایک اعلیٰ افسر سے ہوگئی جس نے انہیں قرآن

حکیم کا انگریزی ترجمہ اور بعض اسلامی کتب پیش کیں۔ ان کے مطالعے سے میلکم پر انکشاف ہوا کہ عالیجاہ محمد کی تعلیمات کا اسلام یا قرآن کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کی ذاتی زندگی میں اسلام کا کوئی عمل دخل ہے۔ خوش قسمتی سے انہیں سعودی عرب کی دعوت پر حج کی سعادت حاصل ہوگئی جہاں انہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک نئی دنیا کا مشاہدہ کیا۔ پورے کرۂ ارض سے آئے ہوئے ہر ملک اور ہر زبان اور رنگ ونسل کے مسلمان بے حد اپنائیت، اخوت، یگانگت، اور یکرنگی کے ماحول میں اپنے رب کو پکار رہے تھے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشیفتگی کا اظہار کر رہے تھے۔ تب میلکم کو اسلام کی عالمگیریت اور ہمہ جہتی کا اندازہ ہوگیا۔ انہوں نے عالیجاہ محمد کی ''نیشن آف اسلام'' سے ناطہ توڑ کر صحیح اور خالص اسلام اختیار کرلیا۔ اور امریکہ واپس آکر ایک جانب نسلی تعصب کے خلاف جہاد شروع کردیا اور دوسری طرف رنگ ونسل کے امتیاز کے بغیر سب امریکیوں تک قرآن وسنت کا فطری اور بے میل پیغام پہنچانے لگے۔

میلکم شعلہ بیان مقرر تھے۔ وہ دین اسلام کے لئے غیر معمولی اخلاص اور جوش وجذبہ رکھتے تھے چنانچہ جب وہ خطاب فرماتے اور قرآنی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسوۂ حسنہ کی مثالیں بیان کرتے تو سننے والے مسحور ہو جاتے۔ ان پر عالیجاہ محمد کا کھوکھلا پن عیاں ہو جاتا اور وہ ''نیشن آف اسلام'' سے تائب ہو کر مخلص مسلمان بن جاتے۔ عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن محمد علی کلے بھی میلکم کی ترغیب سے مسلمان ہوئے اور جس پریس کانفرنس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اس میں میلکم بھی موجود تھے۔

میلکم کی کوششیں رنگ لانے لگیں۔ عالیجاہ محمد کے لاکھوں پیروکار راسخ العقیدہ مسلمان ہوگئے۔ بے شمار نیگرو عیسائی بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اور میلکم کا دائرہ اثر تیزی سے بڑھنے لگا تو عالیجاہ محمد سخت برافروختہ ہوا۔ وہ نام نہاد اسلام اور نسل پرستی کا ڈھونگ رچا کر اپنے پیروکاروں سے بھاری نذرانے اور چندے اکٹھے کرتا اور خوب داد عیش دیتا۔ لیکن اب اسے ایک روایتی دنیادار لیڈر کی طرح اپنا سارا کاروبار ڈوبتا ہوا نظر آنے لگا، تو اس ظالم نے ایک مکروہ سازش تیار کی اور ۲۱ فروری ۶۵ء کو جب میلکم ایک

تبلیغی جلسے سے خطاب کر رہے تھے، کسی دہشت گرد نے گولی مار کر انہیں شہید کر دیا اور یوں لگتا ہے کہ چونکہ یہود نواز امریکی انتظامیہ بھی میلکم کی زبردست تبلیغی سرگرمیوں سے خوفزدہ تھی، اس لئے نہ کوئی قاتل پکڑا گیا، نہ کسی کو سزا ہوئی۔

بظاہر یہ بہت بڑا سانحہ اور نقصان عظیم تھا جس سے امریکہ میں اسلامی تبلیغ کو دوچار ہونا پڑا چنانچہ ایک دردمند عرب سفارت کار نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم دس لاکھ ڈالر خرچ کرتے تب بھی وہ تبلیغی اثرات مرتب نہ ہوتے جو اس شخص کی کوششوں سے حاصل ہو گئے۔ ایک دوسرے سفیر نے انہیں یوں خراج عقیدت پیش کیا کہ "میلکم کی زندگی سے مجھے عمر فاروقؓ یاد آتے تھے۔ عمر فاروقؓ کے قبول اسلام سے جو تقویت اسلام کو ملی تھی، ویسی ہی قوت میلکم کے مسلمان ہونے سے امریکہ میں اسلام کو حاصل ہوئی۔ وہ عہد حاضر میں یقیناً امریکہ کے عمرؓ تھے۔

لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میلکم ایکس کا مقدس خون خوب رنگ لایا۔ عالی جاہ محمد سے خود اس کے پیروکار اور قریبی ساتھی متنفر ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس کے اپنے بیٹے ولیس محمد نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ راست العقیدہ مسلمان بن کر میلکم کا عقیدت مند بن گیا۔ اس صدمے سے عالیجاہ محمد دم توڑ گیا اور اس کی تحریک اور عقائد میلکم ایکس کے خون میں ڈوب گئے۔

عالیجاہ محمد کی موت کے بعد ولیس محمد اس کے جانشین بنے اور انہوں نے اپنے باپ کے خود ساختہ نظریات کو باطل قرار دے کر قرآن وسنت پر مبنی تعلیمات کی پیروی کا اعلان کر دیا اور آج صورت حال یہ ہے کہ ۱۹۹۴ء کی رپورٹ کے مطابق میلکم کی تنظیم میں ۴۵ لاکھ سے زائد نیگرو شامل ہو چکے ہیں اور یہ سب پختہ عقائد کے مسلمان ہیں خصوصاً جیلوں میں دینی تبلیغ کا کام بڑی ہی تیزی سے پھیل رہا ہے اور روزانہ بیسیوں جرائم پیشہ افراد مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اور اسلام قبول کرتے ہی ان کے کردار اور رویے میں یکسر انقلاب آ جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں سابق ہیوی ویٹ چیمپئن مائیک ٹائسن بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے میلکم کے اسلامی نام پر اپنا نام ملک الشہباز عبدالعزیز رکھا ہے۔

الحاج ملک الشہباز نے اسلام کے لئے اپنی زندگی قربان کر دی لیکن ان کے

پاکیزہ خون کا ایک ایک قطرہ روشنی کا مینار بن گیا اور یہ روشنی امریکہ کے ظلمت کدے میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہی ہے۔

درست فرمایا ہے محمد علی جوہر نے کہ:

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(بحوالہ ہم کیوں مسلمان ہوئے)

سابقہ مذہب: عیسائیت **اسلامی نام**: داؤد

اور وہ حق کے سامنے جھک گیا

یہ دسمبر ۱۹۸۵ء کی بات ہے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ انگلینڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع میں یورکشائر کے شہر ڈیوزبری میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک نشست میں ان کے سامنے ایک صاحب ویسٹ انڈیز کے بیٹھے ہوئے تھے جو کہ چند سال قبل مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت جیؒ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ ان سے ان کا نام معلوم کریں۔ اس شخص نے اپنا نام ''داؤد'' بتایا پھر آپؒ نے فرمایا کہ ان سے یہ معلوم کرو کہ یہ کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سوال کے جواب میں ان صاحب نے کافی تفصیل بتائی۔ وہ انگریزی زبان میں بتا رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا ترجمہ اردو میں حضرت جیؒ کے لئے کر رہے تھے۔ وہ صاحب کہہ رہے تھے کہ میں ویسٹ انڈیز کا رہنے والا ہوں۔ میرا آبائی مذہب ''عیسائیت'' تھا میں بچپن ہی سے مذہب پر عمل کرتا تھا اور مذہب کا گرویدہ تھا۔ ہمارے یہاں یورپین ممالک سے آئی ہوئی مشنریاں بھی کام کرتی تھیں خاص طور سے جب انگلینڈ سے کوئی مشنری ہمارے ملک میں آتی اور وہ ہمارے علاقہ میں کام کرتی تو ان انگریزوں کے ہمارے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آنے کی وجہ سے میں ان لوگوں سے متاثر تھا اور برابر لندن جانے کا خواب دیکھا کرتا اور سوچتا تھا کہ اگر وہاں پہنچ جاؤں تو ان لوگوں کے درمیان زیادہ سکون سے زندگی بسر کرسکوں گا اور عبادت بھی۔

جب میں جوان ہوا اور مجھے ایک اچھی جاب کے ساتھ لندن جانے کا موقع ملا تو میں بہت خوش ہوا۔ لندن میں میرے کئی دوست پہلے سے مقیم تھے جو کہ وہاں سروس کی غرض سے گئے ہوئے تھے جب وہ وہاں کی زندگی اور خوشحالی کا تذکرہ کرتے تھے تو میرے منہ میں اور پانی بھر آتا تھا۔ الغرض میں سروس کے لئے لندن کے قریب شہر

ومبلڈن میں ساؤتھ فیلڈز نامی علاقہ میں ایک ایسے فلیٹ میں جس میں میرے کچھ دوست بھی رہتے تھے، میں بھی رہنے لگا، چونکہ مجھے مذہب کا بہت شوق تھا اور اپنے ملک میں ہر ہفتہ گرجا گھر جانے کا معمول تھا۔ اس لئے یہاں بھی میں نے گرجا گھر کو تلاش کیا اور یہ جان کر میں بے حد خوش ہوا کہ گرجا گھر میری رہائش گاہ سے چند قدم پر ہی ہے جو کہ بہت صاف ستھری اور پر فضا جگہ میں ہے۔ لہٰذا جیسے ہی اتوار کا دن آیا میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گرجا گھر پہنچ گیا۔ اس چرچ میں آئے ہوئے لوگ صرف گورے اور نسلاً انگلش ہی تھے اور بس میں ایک ہی کالا تھا اس پہلی بار تو ہر شخص نے مجھے خوش آمدید کہا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ گرم جوشی جو میں ویسٹ انڈیز میں ان لوگوں میں پاتا تھا بالکل نہ تھی۔ پھر بھی میں نے سوچا کہ شاید میرے نئے پن کی وجہ سے میرا ایسا احساس ہے۔ بھلا یہ لوگ جب غیر ملک میں اتنے خلیق ہوتے ہیں تو اپنے ملک میں کیسے بد اخلاق ہو سکتے ہیں، اس لئے میں نے ان وسوسوں کو اپنے دل سے دور کر دیا جو کہ میرے خیالات میں جڑ پکڑنا چاہتے تھے۔

اگلے اتوار کو میں پھر وقت کی پابندی کے ساتھ خوشی خوشی گرجا گھر گیا اور خوش تھا کہ اتنا پر سکون اور صاف ستھرا چرچ کا ماحول میری رہائش گاہ کے قریب ہی خدا نے دے دیا۔ جب گرجا گھر کا پروگرام ختم ہوا تو میں تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد اپنے گھر آنے کے لئے گرجا گھر سے نکلا تو پادری صاحب نے مجھ سے نہایت رازدارانہ انداز سے اور نرم لہجہ میں کہا کہ ''مسٹر! کالوں کا چرچ دوسری جگہ ہے'' اور اس کا پتہ بتا دیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور سمجھا کہ شاید یہ مجھے نیا سمجھ کر میری معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس تاویل کے بعد میرے لئے کسی شک کے پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور میں مطمئن تھا۔

پھر جب میں آئندہ اتوار کو چرچ پہنچا تو میں نے اکثر لوگوں کے چہروں پر اپنی طرف سے ناگواری کے آثار کو محسوس کر لیا۔ پروگرام کے خاتمہ پر مجھ سے پادری صاحب نے کچھ لوگوں کے سامنے ہی خشک اور کچھ سخت لہجہ میں کہا کہ میں نے آپ سے پچھلے ہفتہ کہہ دیا تھا کہ مسٹر! چرچ صرف انگلش نژاد گوروں کے لئے ہے۔ کالوں کا چرچ دوسری جگہ ہے اور اب آئندہ سے وہاں جایا کرنا۔ پادری صاحب کی اس بات سے مجھے

بہت زبردست دھچکا لگا اور میں تھینک یو سر کہہ کر باہر نکل گیا۔ چونکہ میں مذہب کا دلدادہ تھا عبادت سے محرومی اور اپنے ملک میں بنائے ہوئے خیالی محلوں کا قلع قمع ہوتے ہوئے دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا، گھر جا کر میں تنہائی میں بہت رویا مجھے بالخصوص دو صدمے پہنچے اول تو یہ کہ میں ایک ایسے چرچ میں جا کر عبادت کرنے سے محروم ہو گیا جو میرے گھر کے قریب اور میری تسکین خاطر کے اسباب جمع کئے ہوئے تھا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے ملک میں جا کر اخلاق ومحبت کی دعوت دینے والوں کا وہاں وہ نرم لہجہ اور یہاں تعصب اور نسل پرستی اور محبت کے بجائے نفرت بھی، زبان سے یہ زہریلا تیر جس کا میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ میرے دل کو چھلنی کر گیا۔

میں بہت دلبرداشتہ ہوا اور یہ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں، کیا نہ کروں میں کام پر ضرور جاتا مگر وہ واقعہ جو مذکور ہوا، رہ رہ کر مجھے پریشان کرتا، دل بجھا بجھا رہنے لگا۔ اسی طرح کئی ہفتے گذر گئے، میرا چرچ میں جانا بند ہو چکا تھا اور کسی دوسرے چرچ میں جانے کی میں اس لئے ہمت نہ کر سکا کہ کہیں وہاں بھی یہی حال نہ ہو۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک کر پیتا ہے۔

کام سے فارغ ہو کر شام کو میں بازار میں گھومتا رہتا، ایک روز میں دل بہلانے کے لئے بازار میں (Window Shopping) یعنی کھڑکی سے جھانک جھانک کر دوکانوں میں رکھی چیزوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ مجھے ایک اجنبی شخص ملا اور اس نے کہا ''السلام علیکم'' کیا آپ ویسٹ انڈیز کے رہنے والے ہیں؟ آپ ضرور مسلمان ہوں گے؟ قرآن پاک پڑھا کریں۔ اس نے ایک ہی سانس میں انگریزی زبان میں یہ جملے کہے اور چل دیا۔ میں نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں، میں NoNo کرتا رہ گیا اور وہ شخص اپنی بات کہہ کر، قرآن پڑھا کریں چلا گیا۔

میں یہ بات سن کر سوچنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ قرآن کیا ہے؟ اور یہ شخص کون تھا؟ وغیرہ وغیرہ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ہمارے ملک میں ایک قوم مسلمان کہلاتی ہے جس کی عبادت گاہ مسجد ہوں ہے اور وہ ایک کتاب بھی پڑھتے ہیں جسے قرآن کہتے ہیں۔ مگر قرآن میں کیا لکھا ہے، میں اس سے نابلد تھا۔ پھر میرے دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ اس

ملک میں بھی مسجد ضرور ہوگی کیونکہ یہاں بھی مسلم آبادی ہے۔ مجھے مسجد میں جا کر قرآن کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیئے۔ اس کا تذکرہ میں نے اپنے فلیٹ میں رہنے والے ہم وطن دوستوں سے کیا کہ میں کسی مسجد میں جا کر مسلمانوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے برجستہ اور یک زبان ہو کر کہا کہ اس بات کو کبھی سوچنا بھی نہیں، اگر تم مسجد میں گئے تو مسلمان تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ مسلمان بڑے ظالم ہوتے ہیں، وہ غیر مسلموں کو موقع پا کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ (They Will Kill) وہ تم کو بھی ہلاک کر دیں گے مگر جب میرا اصرار انہوں نے دیکھا اور میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کوئی خطرہ میں نے محسوس کیا تو تمہاری مدد لوں گا۔ انہوں مجھے ایک مسجد کا پتہ دے دیا جس کا نام (Crichlewood Mosque & Islamic Center) کرکل وڈ مسجد اور اسلامی سینٹر تھا میں نے ایک دن وہاں جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پتہ چلا کہ وہاں دوپہر دو بجے پروگرام ہوتا ہے (یعنی نماز) میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں وہاں اب جا رہا ہوں اگر شام چھ بجے تک میرا ٹیلی فون نہ آیا تو سمجھنا کہ میں خطرہ میں ہوں اور تم وہاں تفتیش و تلاش کے لئے آ جانا۔ میں سوا دو بجے کے بعد ڈرتے ڈرتے مسجد کے دروازہ تک پہنچا سامنے ہال نظر آ رہا تھا جس میں نماز ہو چکی تھی اور کچھ لوگ فرش پر دستر خوان بچھائے ہوئے کھانا کھانے کے تیاری کر رہے تھے (بعد میں پتہ چلا کہ یہ تبلیغی جماعت کے احباب تھے) انہوں نے مجھے دروازہ پر دیکھا تو لپک کر مجھے ہیلو ہیلو کہا اور انگریزی میں کہا آیئے، آیئے اندر تشریف لایئے۔ میں نے سب کے جوتے باہر اترے ہوئے رکھے دیکھا تو میں نے اپنے جوتے اتار کر اندر جانے کا ارادہ کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے مجھے گلے لگایا اور میری کمر پر دونوں ہاتھ رکھنا چاہا تو مجھے اپنے ساتھیوں کی بات یاد آئی اور سمجھا کہ اس طرح گلے لگا کر ایک شخص دبا لیا کرتا ہوگا اور باقی ساتھی مار ڈالتے ہوں گے۔ میں نے بھی پہلوانوں کی طرح اپنے بازوؤں کا زور لگا کر اس کو دور رکھنا چاہا (O.K.O.K) ٹھیک ہے، ٹھیک ہے کہا اس پر وہ صاحب مجھے چھوڑ کر کہنے لگے کہ آیئے اندر تشریف لایئے، اور ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کیجئے۔ میں نے ہمت کر کے اور خود شکار کی طرح چوکنا رہتے ہوئے اندرون مسجد جانے کا ارادہ کیا، اندر جا کر پانی کی

جگہ تھی جہاں ہاتھ منہ دھوتے ہیں، میں نے ہاتھ دھو لیئے اور ان کے ساتھ، عادت کے خلاف نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔ یوں کھانے کے لئے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، مگر وہی کھانا دھیرے دھیرے کھایا جس میں سے وہ لوگ کھا رہے تھے ڈر تھا کہ کہیں زہر ملا کر نہ دے دیں۔ بہرحال یہ ظاہری اندیشے ضرور تھے مگر ان کی محبت، خلوص، ملنساری، مساوات اور ایثار کو دیکھ کر دل اندر سے ان کا فریفتہ ہو گیا۔ ان لوگوں کے پوچھنے پر کہ آپ کون ہیں؟ کس کے لئے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ، میں نے اپنا پورا قصہ سنا دیا، اور اسلام و قرآن کے بارے میں معلومات چاہی۔ ان لوگوں نے بڑی محبت سے مجھے اسلام اور اس کے ماننے والوں بالخصوص صحابہ کرامؓ کے بارے میں بتایا اور انسانیت پر رحمت بن کر اسلام کے احسانات گنوائے۔ اسی دوران چائے وغیرہ بھی پیش کی، قرآن کریم کا بھی تعارف کرایا نتیجۃً میں اتنا مطمئن ہوا کہ اسی وقت اسلام قبول کرنے کی ان لوگوں سے پیشکش کی۔ ان لوگوں نے امام صاحب مسجد ہٰذا کے ہاتھ پر مجھ کو مسلمان کرایا اور میرا نام داؤد تجویز کیا جو مجھے بھی پسند آیا میں نے اپنے ان فلیٹ کے ساتھیوں کو ٹیلی فون چھ بجے سے پہلے ہی کر دیا کہ سب ٹھیک ہے۔ کوئی خطرہ نہیں آپ لوگ گھبرانا نہیں میں خیریت سے ہوں۔

اس کے بعد میں نے اپنے کام سے کچھ دن کے لئے چھٹی کی درخواست دی چھٹی ملنے پر میں نے جماعت کے ساتھ وقت لگایا اور الحمد للہ دھیرے دھیرے وقت نکال کر ومبلڈن پارک مسجد میں قرآن سیکھنا شروع کر دیا اور دعوت الی اللہ، تعلیم، گشت وغیرہ تمام پروگراموں میں شریک ہونے لگا۔ مجھ کو جو سکون اور ایک خاص اطمینان اب حاصل ہوا وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ الحمد للہ پھر ایک مناسب خاندان کی میری ہم وطن و ہم زبان مسلم خاتون سے میری شادی ہو گئی اور اب اپنے گھربار کے حقوق ادا کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ میں اکابر کے مشورہ سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اندرون و بیرون ملک وقت لگا چکا ہوں اور مزید پوری زندگی لگانے کا ارادہ ہے۔ آپ سے استقامت کی دعا کی درخواست ہے۔

یہ تھی وہ مختصر سرگذشت جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اگست ۱۹۹۵ء میں ہم کو سنائی۔ داؤد بھائی سے کئی برس سے جماعتوں کی آمد و رفت کے باعث دعا و سلام ہماری

بھی تھی اور وہ جب بھی ملتے بڑے تپاک کے ساتھ معانقہ ومصافحہ کرتے اور دیر تک محبت کے ساتھ گفتگو کرتے، بعض مسئلے مسائل بھی ہمارے علماء ساتھیوں سے دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان کے علاقہ میں بھی جماعت کے ساتھ ہمارا جانا ہوا اور ان کا دینی شغف بھی ہم نے دیکھا یہ قطعاً معلوم نہ تھا کہ یہ ایک نومسلم ہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہم کو یہ سرگذشت سنائی تو ہم نے خود ان کی زبانی اس قصہ کو سننا چاہا اور انہوں نے من وعن وہ سب تذکرہ کیا جو مندرجہ بالا سطور میں مفصل ذکر کیا گیا۔

اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ خلق خدا کے سامنے گمراہی اور جاہلیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جس کی اندھیریوں میں دھکے کھانے والے دوسروں کو بھی اندھیروں میں رکھنے اور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں جہاں اور جب جب بھی ہدایت کا سوز داخل ہوتا ہے وہیں پر ایمان وسلامتی کی عطر بیز ہوائیں انسانوں کے دل ودماغ کو مہکا دیتی ہیں۔

موجودہ اکثر اہل سیاست اور نفس پرست، خواہ کچھ بھی نام دیں اور کیسی ہی تاویلیں کریں، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہدایت ہے جو اپنا کام کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اللھم وفقنا لما تحب وترضی من القول و العمل و النیة

سابقہ مذہب: عیسائیت **اسلامی نام:** عامر علی داؤد **ملک کا نام:** انگلستان

انسان کی تخلیق کے مقصد کا جواب مجھے قرآن مجید سے مل گیا

عامر علی داؤد نے قبول اسلام کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ''میں ایک عیسائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، مگر میرے دادا پیدائشی طور پر عیسائی نہ تھے۔ وہ ایک اونچی ذات کے برہمن تھے، انگریزوں نے برصغیر پر تسلط جمایا تو میرے دادا عیسائی ہوگئے اور والد نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ خود مجھے بھی اوائل عمر ہی سے مذہب سے خاص لگاؤ تھا۔ مطالعے کا شوق گویا گھٹی میں پڑا تھا، اس لئے معمولی فرصت کے وقت بھی کتاب میری رفیق بنی رہتی۔ عیسائیت میرا خاص موضوع تھا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ عیسائیت کا مطالعہ ذہن میں عجیب عجیب سوالات پیدا کرتا تھا، ایک میں تین اور تین میں ایک۔ یہ فلسفہ میری سمجھ سے باہر تھا، جتنا پڑھتا جاتا تھا ذہن اتنا ہی الجھتا جاتا تھا۔ عیسائیت پر عالمی شہرت کے مقررین کے لیکچر بھی سنے مگر اطمینان خاطر نصیب نہ ہوا پھر محبت، محبت کی رٹ سخت پریشان کردیتی اور مجھے وہ سارے ''کارنامے'' یاد آجاتے جو یورپ کی عیسائی طاقتیں ایشیا اور افریقہ میں انجام دے رہی تھیں، کیا محبت اسی کا نام ہے، میں اکثر سوچتا رہتا۔

پھر ایک یہ سوال بھی مجھے پریشان کرتا رہتا وہ یہ کہ انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے میں نے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کی، سینکڑوں لیکچر سنے اور بیسیوں راتیں غور وفکر میں جاگ کر گزار دیں مگر عیسائیت مجھے اس اہم ترین سوال کا جواب نہ دے سکی۔

بدقسمتی سے میں نہ تو عربی زبان سے واقف تھا نہ اردو پڑھ سکتا ہوں تاہم میں

نے قرآن کا انگریزی ترجمہ حاصل کیا اور پوری توجہ سے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ابتداء ہی سے میرے ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں اور مجھے میرے ہر سوال کا جواب مل گیا، قرآن کہتا ہے کہ جب آدم کی تخلیق کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و مرغوب سجدہ ہے، جب اس نے اپنی نورانی مخلوق کو سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا تو اس کا منطقی اور واحد نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اب انسان بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو جائے۔

قرآن کے مطالعے نے فکر کی بہت سی الجھنیں صاف کر دیں اور انجیل کے تضادات ابھر کر سامنے آ گئے یہ بات عیاں ہو گئی کہ انجیل اور زبور زبردست تحریف کا شکار ہو چکی ہیں اور اب انسانیت کی رہنمائی نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ازدواجی زندگی بسر ہی نہیں کی، پھر ان کو ماننے والے کس بنیاد پر کرتے ہیں۔ ثانیاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر آٹھ سال تھی جب آپ کے ختنے ہوئے مگر عیسائی لوگ سرے سے ختنے کرانے کے خلاف ہیں۔

قرآن کے بعد میں نے اسلام کے موضوع پر بہت سی دوسری کتابیں پڑھیں اور میرا یہ خیال یقین کی صورت اختیار کرتا چلا گیا کہ قرآن اور اسلام کا پیغام فطری، مکمل اور آفاقی ہے، اس کا خطاب براہ راست عوام الناس سے ہے، اس کی رسائی انسان کی پوری زندگی اور نفسیات تک ہے اور یہ امر حق الیقین تک پختہ ہو گیا کہ نظریاتی اعتبار سے اسلام دنیا کے ہر مذہب سے بہتر مذہب ہے۔

میں نے عیسائیت اور اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا ذکر کئی ذمہ دار پادریوں سے کیا، میں انہیں واضح طور پر کہتا تھا کہ آخر تم لوگوں کو دھوکا کیوں دیتے ہو اور کیوں صاف صاف نہیں بتاتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میری ان باتوں پر وہ سخت برہم ہوتے مگر جواب میں کوئی دلیل نہ لا سکتے۔

انہی ایام میں میں نے پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کا مطالعہ کیا تو میری آنکھوں کے سامنے سے رہے سہے پردے بھی ہٹ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں اس مقدس و مطہر قافلے سے دور رہا تو بدقسمتی کی موت مروں گا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ

اس دین سے دور نہیں رہوں گا، جس نے عمرؓ اور صلاح الدین ؒ جیسے لوگ پیدا کیے اور جس کے پیروکار اس گئے گزرے دور میں بھی بہر حال اخلاقی طور پر سب سے اچھے لوگ ہیں۔ میں یہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

ہوا یوں کہ میری بچی عیسائیوں کے ایک اسکول میں پڑھتی تھی۔ وہاں کچھ مسلمان بچیاں بھی تعلیم حاصل کرتی تھیں، مذہبی تعلیم کا پیریڈ آیا تو استانی نے کہا جو بچیاں عیسائی ہیں وہ گرجے میں چلیں۔ میری بیٹی صبرینہ عالیہ اپنی نشست پر بیٹھی رہی، استانی نے دریافت کیا کہ تم گرجے میں کیوں نہیں گئیں تو اس نے تن کر جواب دیا کہ ہم مسلمان ہیں، یہ جواب سن کر عیسائی استانی تصویر حیرت بن گئی۔ ہیڈ مسٹریس نے ہمیں اس واقعہ کی اطلاع کی تو میں خود حیران رہ گیا۔ بہر حال میں نے اسکول والوں سے کہا یہ میری بیٹی کا ذاتی معاملہ ہے اور دو ایک سال گزرے تھے کہ یہی سارے خاندان کا معاملہ بن گیا۔ میں نے اسلام قبول کرلیا اور اس کے ساتھ ہی میری اہلیہ، میری بچی اور بچے نے بھی بخوشی دین اسلام کے سائے میں پناہ لے لی۔ ہم سب اپنی اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کے بے پناہ شکر گزار ہیں۔

سابقہ نام : دول وولرز ویلسن **ملک کا نام** :ڈنمارک

اسلام کے بارے میں یورپ کا نقطہ نظر

مدتوں سے میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور میرے والد نے اسلام کے متعلق ڈنمارک کی زبان میں جو کچھ ترجمہ کیا تھا اس کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور میں مشرف بہ اسلام ہوگیا، آج میں اپنے اندر ایک طرح کا اطمینان وسکون اور فرحت ومسرت اور ایسی سعادت محسوس کرتا ہوں جس کی قیمت دنیا کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

یہ جملے ایک نومسلم ڈنمارکی سفیر ''دول وولرز ویلسن'' کے ہیں۔ان کہنا ہے کہ میرے اسلام میں داخل ہونے کا سبب میرا یہ احساس ہے کہ اسلام ہی اتحاد و یک جہتی اخوت ومحبت اور بھائی چارہ وخیر سگالی کا دین ہے اس کے اندر نا قابل تسخیر قوت اور نا قابل انکار حقانیت پنہاں ہے۔ڈنمارک کے مسلم سفیر، خادم الحرمین الشریفین کی ان عظیم خدمات سے بھی بے حد متاثر ہیں جو وہ دنیا کے مختلف خطوں اور گوشوں میں آباد مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دے رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ حکومت سعودیہ نے مسلمانوں کی مشکلات کو حل کرنے اور ان کے مسائل ومعاملات کو تقویت پہنچانے اور مسلم اقلیتوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی وہ کہتے ہیں کہ عالم اسلام کا ہر فرد مملکت سعودیہ کے قابل تعریف رول سے واقف ہے۔

ڈنمارکی نومسلم سفیر نے یہ بات اس انٹرویو کے دوران کہی ہے جسے عالم عربی کے موقر جریدۃ ''الدعوۃ'' کے نمائندے نے لیا۔اس انٹرویو میں نومسلم ڈنمارکی سفیر نے اپنے قبول اسلام کے واقعہ اور اس کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالی ہے۔

کسی ایسے شخص کا اسلام قبول کرنا جو ہمارے لئے نووارد مہمان کی طرح ہے۔

یقیناً شرف وافتخار کا باعث ہے۔ لیکن یہ واقعہ نصرانی اور دیگر غیر مسلم قوموں کے لئے ایک سوالیہ نشان بھی بن جاتا ہے، جوانہیں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے معاشرے کا ایک باعزت اور خوشحال شخص بغیر کسی سیاسی اور اقتصادی دباؤ کے کیونکر اسلام قبول کرتا ہے؟ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اس کے پاس عیش وآسائش کے سارے وسائل بھی مہیا ہوتے ہیں اسی طرح مسلم معاشرہ کے ضعیف الاعتقاد اور کمزور ایمان والوں کے لئے بھی ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے، کیا ان کے دل میں یہ بات نہیں چبھے گی کہ یورپ کی گود کا پروردہ ایک نصرانی شخص عیش وعشرت، لہو ولعب اور آسودگی وسرمستی کی زندگی چھوڑ کر کیوں اسلام میں داخل ہو رہا ہے؟

یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں پہنچ کر ایک نومسلم کے ''اعلان اسلام'' جیسے موضاعات کافی، دلکش، دلچسپ اور اہمیت کے حامل بن جاتے ہیں، یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے، کہ ایک نومسلم یورپین بہانگ دہل اور بے خوف وخطر یہ اعلان کرتا ہے کہ ''حق قابل تقلید ہے، ایمان کی لذت ہر لذت سے بلند وبالا ہے اور یہ سکون واطمینان ہر دولت و ثروت سے بڑھ کر ہے''۔

الدعوۃ کے نمائندے سے جو گفتگو ہوئی ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ہماری دلی خواہش ہے اپنے قبول اسلام کا قصہ اپنی زبان سے خود بیان کریں تا کہ ہمارے قارئین اسے پڑھ کر محظوظ ومستفید ہوں۔

جواب: ۱۹۶۳ء میں جب میں نوجوان تھا شرق وسطی کی سیاحت اور اسے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا، اس وقت میں نے اردن، شام، لبنان، مصر اور مغرب اقصیٰ وغیرہ کے شہروں کا دورہ کیا تھا، اسی دوران بہت سے مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی نیز ان سے تبادلہ خیال بھی کیا، ان سے میں کافی متاثر ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اسلام کے بارے میں میں نے مختلف رسالوں اور کتابوں میں پڑھا تھا، چنانچہ جو چیزیں مجھے پہلے نہیں معلوم تھیں وہ ایک ایک کر کے مجھ پر کھلتی گئیں اس طرح آہستہ آہستہ مجھے یہ یقین ہو چلا کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا سچا آسمانی دین ہے، یہی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے، عصر حاضر میں اس کو آخری دین ہونے کا شرف حاصل ہے، اس کے علاوہ

باقی سارے مذاہب وادیان غلط ہیں بالآخر میں نے اپنی مرضی اور پسند سے اسلام قبول کیا اور ۱۹۶۷ء میں باقاعدہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد میں نے مغرب اقصیٰ اور جزائر وغیرہ میں اپنے ملک کے سفیر کی حیثیت سے دورہ بھی کیا، ۱۹۸۷ء میں ریاض میں سفیر کی خدمت پر مامور ہوا، بچپن ہی سے میری طبیعت کا میلان اسلام کی جانب تھا، سب سے زیادہ قبول اسلام پر جس بات نے مجھے آمادہ کیا وہ مسلمانوں کی باہمی اسلامی اخوت ومحبت اور ان کا اتحاد و یکسانیت ہے، جب میں نے عرب ممالک میں اسلامی شہروں کو قریب سے دیکھا تو اس اخوت و محبت کو صاف طور سے محسوس کیا، مجھے اسلام کی سب سے زیادہ جو خصوصیت پسند آئی وہ اس کا تناقضات اور تضادات سے خالی ہونا ہے، کیونکہ دیگر ادیان کی طرح اس کا ایک جز دوسرے جز کی تکذیب وتردید نہیں کرتا، مثلاً یہودیت اور نصرانیت دونوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی معبود ٹھہرائے نصرانیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتنی زیادہ تقدیس و تعظیم کی کہ انہیں درجہ الوہیت تک پہنچا دیا، لیکن مذہب اسلام اس طرح کے شرک سے پاک وصاف ہے، توحید خالص اس کا طرۂ امتیاز ہے وہ اس دنیا میں توحید خالص کا واحد علمبردار ہے، جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں، وہ صرف ایک معبود برحق کی دعوت دیتا ہے اور وہ اللہ جل شانہ کی ذات اقدس ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مملکت سعودیہ عربیہ میں سفیر کی حیثیت سے کام کرنے کا سنہرا موقع مرحمت فرمایا، جو میرے لئے اسلام کے مقامات مقدسہ کے جوار رحمت میں چند روز زندگی گزارنے کا پیش خیمہ بنا۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق شامل رہی کہ گزشتہ رمضان کے ماہ مبارک میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا مکہ مکرمہ پورے عالم اسلام کی روح اور مرکز ہے، اور وہی اپنی روحانی مقناطیسیت سے عالم اسلام کے چپے چپے سے تمام مسلمانوں کو یکجا کرتا ہے، عمرہ کی ادائیگی کا جو روح پرور اور جان نواز تجربہ مجھ کو ہوا وہ بیان سے باہر ہے، یہ ایک ایسا نشاط انگیز اور کیف آور تجربہ ہے، جس نے اندر سے میرے وجود کو ہلا ڈالا اور میری روح میں ارتعاش پیدا ہو گیا، اور دل میں ایک طرح کی چبھن محسوس ہوئی، میں مکہ مکرمہ میں موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گیا تھا، مسلمان قدیم زمانے سے مکہ کا سفر برہنہ پا کرتے آئے ہیں

انہیں مکہ کی راہ کی آبلہ پائی میں ایک طرح کی روحانی لذت کا احساس ہوتا ہے، مکہ مکرمہ کے سفر میں انہیں جو مشقتیں اور صعوبتیں پیش آتی ہیں ان کا تھوڑا سا حصہ مجھے بھی ملا، پہلی بار جب میں نے کعبہ کو دیکھا تو مجھ پر جو سحر انگیز کیفیت طاری ہوئی وہ بیان سے باہر ہے میں اسے زندگی بھر نہیں بھلا سکتا، وہ کیفیت میری روح کی گہرائیوں میں بالکل رچ بس کر میری زندگی کا ایک جز بن گئی ہے۔

حجاج کرام، زائرین حرم اور عمرہ کرنے والوں کے لئے مقامات مقدسہ میں جو اعلیٰ انتظامات دیکھے وہ کافی اہمیت کے حامل ہیں ان کا مقابلہ کسی دوسری جگہ سے نہیں کیا جاسکتا۔

کہتے ہیں کہ بچپن میں مجھے اسلام کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تھیں، کیونکہ والد صاحب الجزائر میں پانچ سال تک رہ چکے ہیں، انہیں تقابل ادیان سے خاص شغف تھا بعض عربی کتابوں کا انہوں نے ڈنمارکی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، میں ان کتابوں کو پڑھتا تھا، اس کے نتیجے میں میرے پاس بچپن ہی میں اسلام کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات جمع ہوگئی تھیں، اور وہی معلومات دراصل اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا باعث بنیں۔

مسلمانوں کا سلوک:

سوال: کیا بعض مسلمانوں کا غلط طرز عمل آپکے ذہن میں خلجان کا باعث یا قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا؟

جواب: دین اسلام کے اوامر ونواہی اور انسانوں کے طرز عمل میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، دین میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی، البتہ انسان خود بدل جاتا ہے، پھر انسان سے غلطی بھی ہوسکتی ہے، وہ کوئی فرشتہ تو نہیں، وہ غلطی بھی کرسکتا ہے، لیکن میرا غالب گمان یہ ہے کہ اسلام عموماً لوگوں کی زندگی پر چھایا ہوا، یا بہت حد تک دخیل ہے۔

اور بلاشبہ مسلمانوں کے درمیان تعاون وخیر خواہی اور میل ملاپ کی جو روح میں نے دیکھی وہ میرے لئے اتنی ہی اجنبی تھی، جتنا کہ میں خود ان شہروں میں اجنبی تھا

اور یہی میرے لئے اس بات کا محرک ہوا میں اس ڈھانچہ اور قدر مشترک کا پتہ لگاؤں جو انسانوں کے درمیان اس مقدس انسانی رشتہ کی اساس ہے۔

روحانی سکون:

سوال: دائرہ اسلام میں آنے کے بعد کیا سفارتی زندگی میں کوئی تبدیلی بھی رونما ہوئی ہے؟

جواب: قبول اسلام کے بعد میں نے اپنے اندر ایک طرح کی روحانی آسودگی اور ذہنی بالیدگی محسوس کی اور فکری اور نفسیاتی اعتبار سے بھی ایک طرح کی راحت اور سکون کا احساس ہوتا ہے، البتہ اسلام لانے کے بعد میری اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں کافی انقلاب آیا ہے۔ رمضان ہی وہ مقدس مہینہ ہے جس میں بندۂ مومن کی زندگی میں تبدیلیاں آتی ہیں ایمانی تپش اور سوزش میں اضافہ ہوتا ہے، مومنین کے تعلقات ایک دوسرے سے مضبوط و پائیدار ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب محسوس کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان اسے بھائی چارگی اور اخوت و راحت کا احساس ہوتا ہے، خصوصاً جب لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہے، اس وقت ان میں عجیب و غریب قسم کا اطمینان اور امن و آشتی کا شعور ہوتا ہے۔

سوال: کیا قبول اسلام کے بعد آپ نے کچھ مشکلات کا بھی سامنا کیا ہے؟

جواب: ہاں! قبول اسلام کے بعد طبعی طور پر مجھے بھی کچھ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے اس لئے کہ قبول اسلام کے بعد ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور بہت سی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، مثلاً عربی کی تعلیم اور اسلامی مسائل کا علم وغیرہ لیکن بیشتر مشکلات خود میرے معاشرے کی پیدا کردہ تھیں۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب میں مکہ مکرمہ میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے گیا تو طواف کے وقت جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ عربی میں ہونے کے باعث مجھے معلوم نہ ہو سکیں کیونکہ میں عربی زبان اچھی طرح جانتا نہ تھا مجبوراً میں نے معلم کا سہارا لیا۔ اور الحمد للہ اب میں ان تمام مشکلات پر قابو پا چکا ہوں۔ آج مغرب کو ایسے داعیوں کی تلاش اور ضرورت ہے جو انہیں اسلام کے بارے میں بتائیں اور ان کو اسلام کے بارے میں صحیح

معلومات بہم پہنچائیں۔

سوال: اسلام لانے کے بعد اور اسلام سے قبل، اسلام کے بارے میں آپ کے نظریات میں یقیناً فرق آیا ہوگا، تو ایک مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے درمیان رہنے اور سابقہ حالت میں جو فرق آپ نے محسوس کیا، کیا اس سے ہمیں بھی آگاہ کرنے کی زحمت کریں گے؟

جواب: کیوں نہیں! اگر آپ یورپ کے باشندے ہوتے اور اسلام کے بارے میں آپ کچھ جانتے بھی نہ ہوں تو اسلام کے بارے میں اس وقت آپ کی معلومات یقیناً بہت تھوڑی ہوں گی، اسکولوں اور کالجوں میں ہمیں دیگر ادیان کے بارے میں صرف معمولی طور سے ابتدائی باتیں بتائی جاتی ہیں، دیگر ادیان کے ساتھ اسلام کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور پڑھایا جاتا ہے، اور یہ معلومات اتنی تھوڑی ہوتی ہیں کہ انسان کو کسی صحیح نتیجہ تک پہنچانے میں معاون نہیں ہوتیں۔

میرا خیال ہے کہ اہل مغرب اسلام کے بارے میں صحیح اور قابل قدر معلومات نہیں رکھتے، کیونکہ اسلام کے بارے میں انہیں کسی نے کچھ بتایا نہیں ہے۔ وہ عربوں کو ہمیشہ اپنا حریف اور دشمن سمجھتے ہیں، لیکن عصر حاضر میں تہذیب وتمدن کے تبادلے اور مواصلات کے جدید ترین نظام کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کے نظریات تھوڑے بہت ضرور بدلے ہیں۔ رہ گیا اسلام کے بارے میں میرے نظریات کا سوال تو وہ تو پہلے سے ہی خوش آئند تھیں کیونکہ بچپن ہی سے میں نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کرلی تھیں۔ اور جب اس دین حنیف کے بارے میں میری معلومات پختہ اور مکمل ہوگئیں تو میں نے اسلام کو گلے لگالیا۔

سوال: شمالی یورپ میں داعیان اسلام کی راہ میں سب سے اہم اور بڑی رکاوٹیں یا مشکلات کیا ہیں؟

جواب: داعیان اسلام کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ مطلوبہ ذمہ داریوں کے حساب سے بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، پھر دوسرے یہ کہ مغرب کے مسلمانوں اور عالم اسلام کے دیگر مسلمان بھائیوں کے درمیان جو طویل ترین مسافت حائل ہے، اس سے

انہیں یہ احساس ہوتا ہے، کہ وہ اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں ہم یہ احساس دلائیں کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارا رابطہ ان سے منقطع ہوا ہے، بلکہ ہمارا تعلق ان سے مسلسل برقرار ہے، نیز مالی و مادی اور معنوی و روحانی اعتبار سے بھی ان کی معاونت کی ضرورت ہے۔ دینی دعوتی اور اسلامی کتابوں، قرآن پاک اور میدان دعوت و تبلیغ کے ایسے ماہر تجربہ کار اور کہنہ مشق داعیوں کی انہیں اشد ضرورت ہے، جو شمالی یورپ کے مختلف علاقوں میں آسانی کے ساتھ تبلیغ و دعوت اور اسلام کی نشر و اشاعت کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

سنہرا مستقبل:

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یورپ میں اسلام کا مستقبل روشن اور تابناک ہے، دلیل یہ دیتے ہیں کہ یورپ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں بہ نسبت دیگر مذاہب کے حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا ہے اس نظریہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کا تناسب دن بدن بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ صرف فرانس میں چار ملین مسلمان پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں بیرونی مسلمانوں کی آمد و رفت یا ہجرت کرنے والے اہل یورپ کو مسلمانوں کو سمجھنے کا موقع ملے گا، اور اہل یورپ اسلام کو زیادہ بہتر طریقے پر جان سکیں گے۔ کیونکہ مسلمانوں کی صحبت میں رہنا اور اسلام کے بارے میں پڑھنا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دین کا دوسرا نام معاملت اور طرز عمل ہے۔

لیکن اہل یورپ جب براہ راست مسلمانوں سے ملیں گے جیسا کہ آجکل دیکھنے میں آرہا ہے تو نظریات میں آہستہ آہستہ تبدیلی آتی جائے گی، اور قدیم مسلمات و مزعومات کی دیواریں خود بخود پاش پاش ہو جائیں گی، اور اسلام کے بارے میں مغرب کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا، اس طرح اگر میں یورپ میں اسلام کے بارے میں روشن اور تابناک مستقبل کی توقع کروں تو بے جا نہ ہوگا۔

سوال: اسلام میں دیئے گئے حقوق سے آپ واقف ہو چکے ہیں، کیا نصرانیت اور فرانسیسی انقلاب نے انسانوں کو اسلام جیسے حقوق دیئے ہیں؟

جواب: دونوں مذاہب میں انسانوں کو حقوق دیئے گئے ہیں، لیکن اسلام کا نقطہ نظر نصرانیت کے نقطہ نظر سے بہت مختلف ہے، اسلام انسانوں کے حقوق کو شریعت کی نظر سے دیکھتا ہے، کیونکہ انسانی زندگی پر شریعت ہی کی حکمرانی ہے، اسی طرح حقوق اور فرائض میں بھی عام طور پر شریعت ہی کا سکہ چلتا ہے، اور نصرانیت میں انسانی حقوق کلیسا کی دہلیز سے تقسیم کئے جاتے ہیں اور اب یورپ میں انسانی حقوق کلیسا کے بجائے یورپ کے خود ساختہ قانون کے پابند ہیں اس طرح یورپ میں مذہب اور کلیسا دو الگ الگ چیزیں بن گئی ہیں اور اس سے پہلے بھی دونوں میں صدیوں کشمکش و تصادم اور آویزش و آمیزش جاری رہی ہے۔

سوال: گذشتہ جوابات میں آپ نے وضاحت کی ہے کہ مغربی میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے یورپ میں مسلمانوں کی شکل کو مسخ کر کے پیش کیا ہے، کبھی تو اسے دہشت گرد، اور تشدد پسند کہتے ہیں، اور کبھی رجعیت پسند اور روایت پرست اور غیر ترقی یافتہ کہتے ہیں اور جاہل و ان پڑھ اور جدید تہذیب و تمدن سے بالکل نہ آشنا کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اس بگڑی ہوئی شکل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: یورپ، عرب ممالک اور عالم اسلام کے درمیان بہت سے مشترک سیاسی مصالح اور مسائل ہیں بعض عناصر دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں، امن پسند شہریوں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، بلا امتیاز قتل کرتے ہیں، مثلاً آجکل بوسنیا ہرزے گووینا میں سربیائی وحشی درندے جو کچھ غیر انسانی کرامات کر رہے ہیں وہ دہشت گردی و تشدد کی بدترین اور شرمناک مثال ہے۔ غرض یہ کہ دہشت گردی کی جڑیں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں، یورپ اور ایشیا کا کوئی خطہ اس سے محفوظ نہیں لیکن خطرناک بات یہ ہے کہ خاص عربوں کو دہشت گرد کہا جائے، عربوں پر جن لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے وہ اسلام دشمن عناصر ہیں، مثلاً اسرائیل فلسطین کی تحریک انتفاضہ کو دہشت گرد بتاتا ہے، یہ بات صحیح نہیں کیونکہ فلسطینی تو اپنے جائز حقوق اور ملک اور وطن کے لئے لڑ رہے ہیں، دہشت گردی و تشدد ہر جگہ

موجود ہے۔ البتہ اس کو عمومیت کا رنگ دینا صحیح نہیں، بلکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے، ہر چیز میں عمومیت اچھی نہیں۔ وہاں! اس بات میں عمومیت پیدا کرنے میں اسلام دشمن عناصر کا ہاتھ ضرور ہے۔

سوال: عالم اسلام کی موجودہ صورتحال سے کیا آپ مطمئن ہیں؟

جواب: موجودہ حالات کے اعتبار سے عالم اسلام اس وقت دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ وہ جو امن وامان اور سلامتی وآشتی سے بہرہ ور ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو مختلف قسم کی سیاسی اور اقتصادی مشکلات سے دوچار ہے۔ مثلاً بوسنیا ہرزے گووینا کو سربیائی بھیڑیوں کے وحشیانہ حملوں اور تباہ کن غارت گریوں کا سامنا ہے اس وقت وہاں کا مسئلہ نا قابل بحران کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ لاکھوں انسانوں کا قتل عام ہوا، ان کی جائیدادیں اور اموال واملاک لوٹ لی گئیں، ان کی عصمت وآبرو پامال ہوئی، یہی حال فلسطین اور عالم کے بہت سے خطوں کا ہے۔ ہم مسلمانوں کی ذمہ داری اس وقت یہ ہے کہ دنیا کے ہر گوشے میں پریشان حال مسلمانوں کا مالی اور معنوی اعتبار سے تعاون اور اسلحوں کے ذریعے ان کی امداد کریں، عالم اسلام کے ہر مسلمان پر وہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہماری ذمہ داری ہے، لہٰذا ہم پر ضروری ہے کہ ہر ممکن طور سے ہر میدان میں مسلمانوں کا تعاون کریں ان کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں کسی طرح کمی یا کوتاہی کرنا نفس اسلام کے بارے میں کوتاہی وکمی کرنے کے مترادف ہے۔

سوال: مملکت سعودیہ آنے سے قبل اس کے بارے میں آپ کے کیا جذبات و خیالات تھے؟ کیا آنے کے بعد ان جذبات وخیالات میں کچھ فرق محسوس کرتے ہیں؟

جواب: مملکت سعودیہ آنے سے قبل میں یہ تصور کرتا تھا کہ یہ صحرائی وریگستانی مملکت ہوگا، جس میں جگہ جگہ تیل کے کنویں ہوں گے، میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہ ملک اتنا ترقی یافتہ ہوگا۔ اس وقت تو سعودیہ زندگی کے تمام شعبوں میں غیر معمولی ترقی کر چکا ہے، ہر زائر حرم جب سعودیہ کو اس جدید ترین شکل میں دیکھتا ہے تو حیران وششدرہ جاتا ہے، نہایت مختصر سے وقت میں سعودیہ ایک صحرائی وریگستانی ملک سے ایک جدید ترین ترقی یافتہ اور سبزہ زار ملک میں تبدیل ہو گیا ہے اور ان تمام جدت وترقی کے باوجود مملکت نے

جدید تہذیب وثقافت اور قدیم تہذیب وثقافت میں ایک حسین امتزاج واعتدال پیدا کر رکھا ہے، مملکت نے جدید تہذیب سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیبی ورثہ کا تحفظ بھی کیا ہے۔

شخصی اعتبار سے میں مملکت کے اس اقدام کو جاپان کے اقدام سے تشبیہ دونگا جس نے جدید تہذیب سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیبی اقدار اور روایات پر کاربند رہنے کی زندہ مثال قائم کی ہے۔

سوال: مسلمان ہونے کی حیثیت سے سعودیہ مملکت کے دین کی خدمت کے میدان میں رول کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

جواب: اسلام کی خدمت واشاعت کے سلسلے میں مملکت نے نمایاں اور امتیازی حصہ لیا ہے، اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں مملکت کی خدمات جلیلہ اور دنیا کے مختلف خطوں میں آباد مسلمانوں کا مالی ومعنوی اعتبار سے بے مثال تعاون کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس طرح دعوتی اور تبلیغی میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور مملکت کی مخلصانہ اور بیکراں جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

موت کی حقیقت نے ہمیں اسلام سے قریب کیا

دو امریکی اسکالروں کی اللہ کے راستہ میں ہجرت کی داستان

جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کردہ دین اسلام کو گلے لگانے کے لئے دل منشرح ہو جاتا ہے، اور قلب کی گہرائیوں میں ایمان و خیر کے جذبات سرایت کر جاتے ہیں تو قلب امید واطمینان کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اس کی تصدیق دو امریکن اہل قلم نوجوانوں کی قصوں سے ہوتی ہے، جنہوں نے چند سال قبل بالٹیمور کی ایک مسجد میں ایک سوڈانی عالم کی دعوت پر اسلام قبول کیا، یہ دونوں جامعہ ازہر قاہرہ تعلیم کی غرض سے آئے تھے، ان دونوں نے کہا کہ وہ واشنگٹن یونیورسٹی میں ریسرچ کر رہے تھے، لیکن جب امریکی معاشرہ میں اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے دشواری محسوس کی تو ریسرچ ملتوی کر کے وہ قاہرہ پہنچے۔

امریکہ میں اسلام کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے ان دونوں میں سے ایک نے کہا، جس وقت اسپین کے کولمبس نے شمالی امریکہ کو دریافت کیا، اور عرب کے فلکیات کے ماہر ابن ماجہ نے ان نقشوں کو جنہوں نے امریکہ کی دریافت میں کولمبس کی بڑی مدد کی تھی کولمبس کے حوالے کر دیئے تھے، اب ماجہ ہی کے نقشوں سے رأس الرجاء الصالح Capcicggood Hope کا راستہ معلوم ہوا، اس انکشاف کے نتیجہ میں یورپ کے لوگ امریکہ میں داخل ہو گئے اور وہاں کے باشندوں کو ختم کر دیا، جس وقت سفید فام لوگوں نے صنعتی کاروبار شروع کیا تو ان کو مزدور پیشہ لوگوں کی ضرورت پڑی، چنانچہ غلاموں کے تاجروں نے ہزاروں سیاہ فام لوگوں کو کھیت اور کارخانوں میں کام کرنے کے لئے امریکہ بھیج دیا۔

اسلام کی طرف رجوع:

عجیب وغریب بات ہے کہ وہ لوگ افریقہ کے ساحل اور اس کے مغربی حصہ سے اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس لئے وہاں کی آبادی کو امریکہ منتقل کر کے ان کے عقائد حتیٰ کہ ان کے نام بدل دیتے تھے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرا اور دوسری نسل آئی یہ لوگ اپنے ملکوں کے دین میں ضم ہوگئے، اسی دوران بعض ایسی شخصیتوں کا ظہور ہوا جنہوں نے ان غلاموں کو انکے اصل کی طرف واپس ہونے کی دعوت دی، ان شخصیتوں نے ۔ ان کو ان کے تابناک ماضی اور قابل فخر تاریخ کو یاد دلایا، ان کی بڑی تعداد اسلام کی طرف واپس ہوئی۔

انہوں نے مزید کہا کہ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کو اس لئے قبول کرتے ہیں تا کہ اپنے آپ کو ضائع ہونے سے اور بدبختی وفقر سے بچا سکیں، اور ایسے لوگ بھی ہیں جو غور وفکر کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیتے ہیں، اور بعض لوگ امریکی معاشرہ اور گوروں کی بدسلوکی کی وجہ سے جوان کے ساتھ نسلی امتیاز برتتے ہیں اسلام قبول کر لیتے ہیں، چنانچہ اسی وجہ سے وہ سفید فام انسانوں کی مخالفت کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو (اپنے دین کا جز قرار دیتے ہیں) چنانچہ وہ اس دین کو قبول کرتے ہیں جس میں نسلی امتیاز نہیں ہے جہاں گورے وکالے سب کو مساوی درجہ ہے (تقویٰ کی بنیاد پر برتری و تفوق حاصل ہوتا ہے)۔

انہوں نے پروفیسر (الفونی خداد) کا ایک مقولہ بیان کیا: ''کہ ہم جانتے ہیں کہ امریکیوں کی ایک بڑی تعداد افریقی غلاموں پر مشتمل ہے، اور یہ تمام لوگ مسلمان تھے، لیکن سفید فام (انگریزوں نے ان مسلمانوں کو ان کا اصلی مذہب اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا اس کے باوجود بعض لوگ اعلانیہ اور خفیہ طریقے پر اسلامی شعائر میں سرگرم عمل رہے حتیٰ کہ انہوں نے موجودہ صدی کے شروع میں جارجیہ اور اس کے اطراف کے ساحل مجازی جزیرہ میں قیام کیا، اور جنوب وشمال کے صنعتی شہروں میں روئی کی کاشت کر کے ترقی کی۔''

اسلام سے واقفیت:

دونوں امریکی اسکالر مزید کہتے ہیں کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد افریقی امریکیوں نے اپنے اصل دین میں دلچسپی محسوس کی اور افریقہ میں (مالی سونغائی، غانا) تین مسلم ریاستیں تھیں، اوران تینوں نے افریقی تہذیب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، ان سیاہ فام امریکیوں نے اپنے نام بدل کر اسلامی نام رکھنا شروع کردیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹنے لگے، اور اپنے دلوں سے کفر وضلالت کے غبار کو جھاڑنے لگے۔

اسلام قبول کرنے کا سبب:

ہم نے ان سے سوال کیا کہ ان کے اسلام قبول کرنے کا کیا قوی سبب بنا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام میں ان کو ان متعدد سوالوں کے جوابات ملے جنہوں نے ان کو ذہنی الجھن میں مبتلا کردیا تھا، انہوں نے تعلیم کی غرض سے جامعہ ازہر مصر کا قصد کیا، اوراس وقت وہ ازہر کے ابتدائی درجات میں زیر تعلیم ہیں۔

وہ دونوں کہتے ہیں کہ چند سال ہوئے وہ اس وقت اسلام میں داخل ہوئے جب انہوں نے مالکم ایکس کی زندگی کے بارے میں پڑھا۔ اور میلکم ایکس ۱۹۶۵ء میں اعلانیہ لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا، میلکم ایکس، زنا، نشہ آور اشیاء کا عادی تھا، لیکن جیل میں اسلام سے واقفیت کے بعد اچانک اس کے اندر تبدیلی رونما ہوئی اور اس نے اسلام کو پسند کیا، اور اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرلیا (توبہ کرلی) اور طہارت، توبہ اور نفسانی راحت سے اس نئی زندگی کا آغاز ہوا اور اس نے جیل ہی میں اسلام کا کافی مطالعہ کیا، پھر امت اسلامیہ کی طرف ایک پیغام بھیجا اور ایک بڑا شیخ بن گیا، اور امریکہ میں مسلمانوں کا نمائندہ بن گیا۔

اور جس وقت ہم نے دونوں امریکیوں کی تعلیم کے بارے میں جس میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ارادہ کلیۃ الشریعۃ واصول الدین کے درجات تک تعلیم حاصل کرنے کا ہے اور اس وقت معہد ابتدائی میں ہم زیر تعلیم ہیں۔

اسلام میں ہم نے کیا پایا؟

میں نے ان دونوں سے کہا کہ آپ نے اسلام کی کن خوبیوں کی وجہ سے اسلام قبول کیا تو انہوں نے کہا: اسلام میں ہمیں ایسے مبہم سوالوں کے جوابات ملے جنہوں نے ہمیں حیرت زدہ کردیا، اس دین میں ہم نے کشادہ دلی اور رحمت پائی، نیز اس دین نے تمام لوگوں سے محبت کی، حتیٰ کہ غیر مسلموں سے محبت کرنے کی بھی تعلیم دی ہے، یہ دین تمام برائیوں پر روک لگاتا ہے، مثلاً زنا، شراب نوشی اور دوسری نشہ آور چیزوں، اور مرد و عورت کے اختلاط سے ہمیں روکتا ہے اور ہر اس برائی کا سدباب کرتا ہے جس سے معاشرہ میں فساد پھیلتا ہے اس لئے ہمیں محسوس ہوا کہ یہی تنہا وہ دین ہے جس میں اونچ نیچ کا فرق نہیں کیا جاتا ہے، امت کا ہر فرد مساوی سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ اعلیٰ انسانی اخلاق پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔

آپ کے گھر والوں کا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟

طبعی بات ہے کہ ان کا معاملہ آسان نہیں ہوگا، (وہ اتنی آسانی سے اس کو برداشت نہیں کریں گے) بلکہ ہمارے لئے روڑا بن جائیں گے، لیکن ہم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صبر کا قصہ پڑھا ہے، پھر یہ کہ زمانہ بھی بدل چکا ہے، اور امریکہ میں (جیسا کہ آپ جانتے ہیں) کچھ آزادی ملی ہے، اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ جس دین کو ہم مناسب سمجھیں اس کے قبول کرنے میں ہم آزاد ہیں۔

ان دونوں میں سے ایک نے جن کا نام عبدالرحمٰن ہے مزید کہا کہ جس وقت سے ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے ہم نے اس دین میں بہت سی سودمند چیزیں پائی ہیں جو کسی دوسرے دین میں ہم نہیں پاسکتے، ہم نے موت پر غور کیا، موت کیسے آتی ہے، آدمی مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے، موت کی کیا حقیقت ہے، یہ کارخانۂ حیات کس کے حکم سے چلتا ہے، ہم نے طے کیا کہ ہم خدا کے حضور میں ایمان کے ساتھ ایک مومن کی حیثیت سے پیش ہوں۔

عربی زبان:

سوال: آپ دونوں عربی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں کیا آپ نے یہ زبان بڑی سرعت کے ساتھ سیکھی ہے؟

جواب: ہم نے اس کو سیکھنے میں جدوجہد کی حتیٰ کہ ہمارے لئے تلاوت قرآن، اس کا یاد کرنا اور قرآن فہمی اور اسلامی کتب کا مطالعہ آسان ہوگیا ہے اور ہم نے اسلام کے مبادیات اور اس کے صحیح احکام کے بارے میں شیخ غزالی اور یوسف القرضاوی کی کتابیں پڑھیں۔

اسلام کے راستہ میں:

سوال: آپ حضرات نے یہ جانتے ہوئے کہ امریکہ میں اسلامی تعلیم کا نظم ہے تعلیم کے لئے ازہر کو کیوں منتخب کیا؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ جامعہ ازہر کی شہرت ہے اور یہ اور یونیورسٹیوں سے ممتاز بھی ہے، لہذا اسی کا انتخاب کیا، امریکہ میں بہت سے اسلامی مراکز ہیں، ان مراکز کی خاص مساجد اور تعلیم کے حلقات ہیں اور ایک صوبہ میں مساجد و مراکز اسلامیہ کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، امریکی یونیورسٹی میں تعلیم کے حصول کا موقع ہمارے پاس تھا، لیکن اس کے بعد ازہر کا ہم نے اس لئے انتخاب کیا کہ علوم اسلامیہ کے سلسلہ میں ازہر کی طویل تاریخ ہے، جلد ہی ہم ازہر میں رہ کر عربی زبان کی تعلیم حاصل کرلیں گے اور دین میں تفقہ پیدا کرنے کے لئے عربی زبان ہماری معاون ہوگی۔

سابقہ نام : مہنت ڈاکٹر شوشکتی سوروپ مہاراج **سابقہ مذہب** : ہندو
اسلامی نام : السلام الحق **ملک کا نام** : بھارت

ہندو دنیا کے عالم، دھرم اچاریہ اور کئی آشرموں کے مالک کا قبول اسلام

مہنت ڈاکٹر شیوشکتی سوروپ مہاراج اودے سین ہندو برادری کے معزز مذہبی رہنماؤں میں سے ایک ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسلام کی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ موصوف نے ۱۰ مئی ۱۹۸۶ء کو بھوپال کے دارالقضاء (موتی مسجد) میں اپنی اہلیہ اور بیٹی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور آپ کا اسلامی نام "اسلام الحق" رکھا گیا ہے۔ موصوف کا تعلق بندرابن (متھرا) سے ہے اور نسبتی تعلق بابا نانک یدی سے ہے۔ ابتدائی تعلیم آشرم میں ہوئی آلہ آباد یونیورسٹی سے ماسٹر (ایم اے) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف ڈیوینٹی آف ورلڈ میجر فیتھس کی تکمیل کی مشرقیات میں پی ایچ ڈی کی سند بھی آکسفورڈ سے ہی حاصل کی، پوپ پال ششم کی دعوت پر ڈیکن میں لیکچر دیئے جس کے نتیجے میں عیسائی دنیا کی اعلیٰ سند عطا کی گئی وہاں سے لوٹ کر آپ کی وراثتی مہنت کی گدی کے لئے تاج پوشی کی گئی اور آپ نے مختلف آشرم قائم کئے لیکن بھگوان بن کر لوگوں کو سکون پہنچانے والا بھگوان خود حق کی تلاش میں سکون کا متمنی تھا جسے آخر کار اسلام کے دامن رحمت میں سکون میسر آیا۔ ڈاکٹر صاحب کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی زیارت و بشارت نصیب ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ پڑھو اور اس ملک کو کلمہ پڑھاؤ۔

سوال: اظہار اسلام کے بعد آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم واحسان ہے کہ اس نے مجھے ایمان کی بیش بہا دولت

سے نوازا ہے میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت و کامیاب ترین شخص محسوس کرتا ہوں۔ گمراہی کی دنیا میں بھگوان تھا جبکہ اس روشن دنیا میں مجھے انسان ہونا نصیب ہوا۔

سوال: آپ کا شکر کرنا بجا ہے کیونکہ یہ نعمت ہی اس قدر گرانقدر ہے کہ جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے، اب ذرا اپنا پرانا نام اور کام کے بارے میں بھی بتا دیں؟

جواب: میرا پرانا نام مہنت ڈاکٹر شوشکتی سروپ جی مہاراج اراسین رھرما چاریہ اروا شکتی پیٹھ تھا۔ میرا آبائی پیشہ مہنتائی تھا اسی سلسلے میں میرا بندرابن میں بن کھنڈ آشرم کے نام سے بڑا آشرم دوسرا آشرم بمبئی میں ملند میں تھا اور تیسرا دیواس میں انٹرنیشنل معیار کا تقریباً پچاس ایکٹر زمین پر زیر تعمیر آشرم تھا۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کو پروچن (وعظ) سنانا اور چیلے وغیرہ بنانا روزانہ کا معمول تھا۔

سوال: آپ کی تعلیم کا بھی بڑا شہرہ ہے کچھ اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

جواب: ابتدائی تعلیم آشرم میں ہی ہوئی آلہ آباد یونیورسٹی سے اور ٹیلزم میں ایم اے کیا۔ گروکل کانگڑی سے اچاریہ کی ڈگری حاصل کی، آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ سے ڈی ڈی یعنی (Doctor of Divinity) دنیا کے دس بڑے مذاہب میں اور دوسری پی ایچ ڈی اورنٹیلزم میں اس طرح ڈبل پی ایچ ڈی کے بعد پوپ پال ششم کی دعوت پر اٹلی چلا گیا۔ وہاں ویٹیکن میں عیسائیت قبول کرنے کے لئے مجھ پر بہت زور ڈالا گیا مجھے سات موضوعات پر تقریر کرنے کے لئے کہا گیا جو میں نے اتنی عمدگی سے عیسائی نگری میں کیں کہ ان سے متاثر ہو کر پوپ نے مجھے وہاں کا ایک بڑا اعزاز O.F.P CAP سے نواز کر وہاں کی شہرت بھی دے ڈالی۔ لیکن عیسائیت میرے دل و دماغ کو کسی طرح بھی مطمئن نہیں کرتی تھی اس لئے میں بہتر کی تلاش میں وہاں سے چل پڑا اور ہندوستان آ کر باقاعدہ تاج پوشی کے ساتھ گدی نشین ہوا۔

سوال: ایک بنیادی سوال کہ اس فنا ہونے والی دنیا میں کس سلسلہ نسب سے کہاں اور کب قدم رکھا؟

جواب: ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوا، بمقام بندربن ضلع متھرا یوپی اور بابا نانک کے ویدی ونشن سے سلسلہ نسب ہے۔

سوال: وہ کونسی زبانیں ہیں جنھیں آپ آسانی سے پڑھ اور لکھ سکتے ہیں ان میں خصوصی رغبت والی کون سی زبانیں ہیں؟

جواب: لگ بھگ بارہ زبانوں کی مجھے معلومات ہیں جن میں انگریزی، سنسکرت، گریک، ڈبرو، ہندی، پراکرتک، پالی، گورمکھی، مراٹھی، گجراتی، اردو، اور عربی ہیں۔ ان میں چھ زبانوں سے زیادہ لگاؤ رہا ہے جن میں انگریزی سنسکرت، ہندی اردو، گورمکھی اور عربی ہیں۔

سوال: آپ ہندو خیالات کے بہت قریب رہے ہیں، کیا آپ ایسا سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے خوف زدہ ہیں؟

جواب: اس ملک کا ہندو سماج مسلمانوں سے نہیں گھبراتا بلکہ وہ اپنے ناقص اور کمزور ایمان کی وجہ سے زبردست خوبیوں والے مذہب اسلام سے گھبراتا ہے اسلام کی یہ طاقت صرف مسلمانوں میں ہی زندہ ہے چونکہ اسلام رنگ و روپ، نسل، خاندان، بھاشا، زمین، دولت، اور عہدوں کے فرضی شکنجوں سے آدمی کو آزاد کر کے اسے ابدی اور مستحکم روپ دیتا ہے ایک اللہ کے سامنے جھک جانے کی دعوت دیتا ہے اسی لئے وہ اسلام کی طاقت سے گھبراتے ہیں۔ اسلام آدمی کو ہر واد سے، ہر بند سے آزاد کرنا چاہتا ہے کیونکہ ہر واد ایک وواد ہے اور اسلام زوواد ہے۔

سوال: کیا آپ ایسا سمجھتے ہیں کہ اسلام کو ختم کئے جانے کا کسی ملک سے خطرہ ہے؟

جواب: اسلام ابدی اور مستحکم ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہ تو توڑ سکتی ہے اور نہ مٹا سکتی ہے۔ وہ کمزور ایمان والے مسلمانوں کی زندگی سے غائب ضرور ہو سکتا ہے لیکن روئے زمین پر جب تک ایک بھی مسلمان کی زندگی کی گہرائیوں میں صبر اور شکر کی اسپرٹ کے ساتھ ہجرت اور نصرت کی روح جڑ پکڑے ہوئے ہے وہ پھلتا، پھولتا اور پھلتا ہی رہے گا۔

سوال: کیا قبول اسلام سے قبل بھی کبھی آپ نے اسلام کی عظمت کا اعتراف کیا ہے؟

جواب: چونکہ میں نے دنیا کے دس بڑے مذاہب کو ان کی اصل صورت میں پڑھ رکھا ہے اس لئے مجھے حق گوئی میں کبھی تامل نہیں ہوتا تھا۔ میرے ہم عصروں میں ہندو

دنیا کے بڑے بڑے جگت گروشنکر اچاریہ، رام گوپال شال والے، پوری کے شنکرا چاریہ، مہامنڈ لیشور،، سوامی اکھنڈا نند جی، گروگولوالکر بابا صاحب دیشکھ، ونوبا بھاوے، بال ٹھاکرے، اٹل بہاری باجپائی، نانا صاحب دیشکھ وغیرہ رہے ہیں۔ اچاریہ ونوبا بھاوے مجھ پر بہت مہربان رہتے تھے۔ ۱۹۸۱ء کے شروع میں ان کے آشرم پرم دھام میں مجھے خاص طور پر تقاریر کے لئے مدعو کیا گیا تھا کئی لوگوں کے علاوہ اس وقت وہاں کے دادا دھرم ادھیکاری، مرکزی وزیر سیتارام کیسری اور ونوبا جی موجود تھے بات چیت کے دروان دادا دھرم ادھیکاری نے اچانک مجھ سے ایک سنجیدہ سوال پوچھ ڈالا۔ سوامی جی آپ نے دنیا کے تمام دھرموں کے بارے میں پڑھا ہے آپ کو انسان کے لئے سب سے بہتر دھرم کون سا لگا ہے۔ میں نے جواب دیا ''اسلام'' وہ بولے لیکن اسلام تو بہت بندھا ہوا دھرم ہے، میں نے کہا جو بندھا ہے وہی آزاد بھی کرتا ہے اور جو پہلے سے ہی آزاد ہے وہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیتا ہے اس دھرتی پر آدمی کو ایک عرصہ سے بندھے ہوئے دھرم کی ضرورت ہے جو اسے دنیا میں اچھی طرح باندھ کر پرلوک میں کھول دے اور ایسا دھرم میری رائے میں صرف اسلام ہے اس کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔

سوال: واقعی بڑی جرأت اور ہمت کی بات کی تھی جو آپ نے ایک پرائے مذہب کے لئے اتنے اچھے دلائل کے ساتھ پسندیدگی کی بات کہہ دی۔ اپنے آپ میں یقیناً اسلام کی عظمت کا ثبوت ہے۔ اب اسی کے ساتھ اپنی زندگی میں اظہار اسلام کی وجوہات بھی بتادیں کہ کس جذبہ یا واقعہ سے متاثر ہوکر آپ نے اسلام قبول کیا۔ جبکہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور مصائب کا آپ کو بخوبی علم تھا۔ آج جبکہ ہر طرف ہندوکرن کی بات کہی جارہی ہے آپ کے اندر اس کانٹوں بھری راہ پر گامزن ہونے کی جرأت کیوں کر پیدا ہوئی؟

جواب: یہ میری برسوں کی پیاس اور جستجو تھی جو ایک عظیم واقعہ کی صورت میں مکمل ہوگئی۔ یہ جنوری ۱۹۸۲ء کی بات ہے جب ایک رات مجھے خواب ہوا کہ ایک بڑی بھیڑ میرا پیچھا کررہی ہے میں دوڑتا تو وہ بھی دوڑتی، میں ٹھہرتا تو وہ بھی ٹھہر جاتی اچانک مجھے

ٹھوکر لگی اور میں ہاتھوں کے بل زمین پر گر پڑا، ایک لمحہ بعد ہی دو انجان ہاتھوں نے سہارا دے کر مجھے کھڑا کیا۔ کھڑے ہو کر میں اس جگمگاتے روشن چہرے کو ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا لیکن میں پہچان نہیں پا رہا تھا، ساتھ میں کھڑے ایک صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: کلمہ پڑھو آپ نے میرے سیدھے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر جیسے جیسے فرماتے گئے میں پڑھتا گیا۔ اس طرح کلمہ طیبہ پورا ہوگیا پھر آپ نے مجھے سینے سے لگایا اور حکم دیا کہ اب اس ملک کو کلمہ پڑھاؤ یہ خواب کتنی دیر رہا مجھے کچھ یاد نہیں لیکن جب آنکھ کھلی تو وقت رات کے تین بج رہے تھے اسی طرح کا خواب اسی رات اور اسی وقت میری اہلیہ کو بھی ہوا۔ اس اتفاق وانعام پر ہم لوگ فرط انبساط سے تھرا اٹھے۔ روح تار جھنجھنا اٹھے اور اپنے آپ کو پہلی صدی کا مسلمان کہنے لگا اور اسی روز سے یہ خواہش زور پکڑنے لگی کہ اس صدی کو اصل حالت میں جلد از جلد اس دھرتی پر دیکھ لیں۔ اس خوشگوار خواب نے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ جلد ہی کوئی بڑا انقلاب اس دھرتی پر آنے والا ہے، اسی روز سے ہم کوششوں میں جت گئے کہ کس طرح باقاعدہ کلمہ پڑھا جائے۔ اسی تگ ودو میں ملکوں ملکوں گھومتے رہے اور مسلمانوں سے ربط وضبط بڑھتا گیا۔ چھپ چھپ کر نمازیں اور دیگر عبادات چلتی رہیں آخر قسمت نے علماء کے شہر بھوپال میں پہنچا کر ۱۰ مئی ۱۹۸۶ء کو رمضان المبارک کے چاند کے ساتھ ہی ہم یعنی میں، میری اہلیہ اور میری ایک جوان سال بیٹی اس مبارک مذہب اسلام میں داخل ہوگئے۔ یعنی اپنی فطرت پر آگئے برسوں کے بعد ہم اجالے میں اطمینان کا سانس لے سکے اور سکون کی نیند سو سکے۔

سوال: آپ کے اسلامی نام کیا تجویز کیے گئے اور کیا آپ ان سے مطمئن ہیں؟

جواب: میرا نام اسلام الحق، اہلیہ کا خدیجہ بیگم اور بیٹی کا عائشہ حق رکھا گیا، میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ اتنے بہتر نام ہمارا مقدر بن سکتے تھے۔

سوال: اسلام تلوار سے اور زور زبردستی سے پھیلا ہے یہ عام ہندوؤں کا ذہن ہے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: اس کا جیتا جاگتا ثبوت میں خود ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ بلکہ خاص ہندو بھی

اسی خیال پر جما ہوا ہے کہ آج قبول اسلام کے بعد میرے پاس کئی بڑے بڑے ہندوؤں کے خیالات خطوط اور رسائل کی شکل میں آ رہے ہیں اور میں ان کی ہی زبانوں میں جواب دے رہا ہوں۔ ''کاش مسلمانوں نے بھی ایسی کوشش کی ہوتی''

سوال: آپ نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا ہے جو اسلام سے پرانے ہیں ان میں کیا اللہ تعالیٰ، قرآن، محمد یا اسلام کا ذکر ملتا ہے؟

جواب: بدھ ازم اور جین ازم کو چھوڑ کر باقی سب ہی دھرم گرنتھوں میں اللہ، محمد یا احمد کے نام ملتے ہیں ویدوں میں تو بہت واضح ہیں۔ جیسے چاروں ویدوں میں پہلا رگ وید ہے جس کی پہلی رچا میں ہے ''الا'' لفظ آیا ہے جو آگے چل کر لفظ اللہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح محمد کے مُحَمَد اور احمد کے احسمد نام آئے ہیں۔ قرآن کے لئے رگ وید میں ''کر'' دھاتو کا استعمال ہوا ہے۔

سوال: آپ لاکھوں کی دولت اور عیش و عشرت چھوڑ کر آئے ہیں تو آپ اس وقت خوش تھے یا آج ہیں؟ اور آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

جواب: میرے پاس اگر ساری دنیا کی سلطنت بھی ہوتی تو میں اس کو چھوڑ دیتا اس نعمت عظمیٰ کی خاطر۔ اس کو پا کر میں جتنا خوش ہوں، مطمئن ہوں، وہ ہفت اقلیم کی دولت پا کر بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں آریویدک طریقہ علاج کا ڈاکٹر ہوں، اس میں (Paramycro) سسٹم سے میں علاج امراض کا اللہ کے فضل و کرم سے شرطیہ علاج کرتا ہوں۔ بیشتر کینسر اور دوسرے موذی امراض کے مریض اس سے شفا پا چکے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ عزت سے دال روٹی کا سہارا ہو جاتا ہے۔

سوال: سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اب آپ کے خیالات کیا ہیں؟

جواب: مجھے اللہ کی پہچان نہ تھی میں صدقے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنہوں نے مجھے رب ذوالجلال کی پہچان کرا دی اور آپؐ مالک دو جہاں کی مرضی ہیں جو انسانی چولا پہن کر ہمارے درمیان پہنچا دی گئی۔

میں نے کلمہ پڑھا آپ کا
آپ میرے ہوئے میں ہوا آپ کا

مختلف رنگ میں مختلف روپ میں
ساری دنیا ہے مختلف سلسلہ آپ کا
کوئی کچھ بھی کہے میرا ایمان ہے یہ
وہ خدا کا ہوا جو ہوا آپ کا
اس سے پہلے کسی کی بھی چاہت نہ تھی
اس کو پاکر کسی کی تمنا نہ کی
عشق کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی
اور وہی عشق کی انتہا ہوگیا

سوال: اسلام کے سپاہی کی حیثیت سے آپ عالمی مسلمانوں کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟
جواب: اس سوال کے جواب میں انجیل سے ایک مثال پیش خدمت کرنا چاہوں گا۔
ایک بار صبح صبح رات کی عبادت سے فارغ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل کی جھیل پر پانی پر چل کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تشریف لئے جا رہے تھے جہاں آپ کے حواریین آپ کے منتظر تھے۔ ان کی نظر ربی کو پانی پر چلتے دیکھ پڑی، حیرانی سے پوچھا کہ آپ پانی پر چل رہے ہیں کیا ہم لوگ بھی اسی طرح پانی پر چل سکتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، ضرور چل سکتے ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ میری طرف ہی دیکھتے رہنا۔ اگر ذرا بھی نظر ہٹاؤ گے تو پانی میں ڈوب جاؤ گے حواریین نے ان کی نظروں میں نظریں ڈال کر اپنے قدم پانی پر رکھ دیئے، جب کچھ دور چلے تو دل میں شک پیدا ہوا کہ درحقیقت پانی پر ہی چل رہے ہیں یا زمین پر۔ یہ یقین کرنے کے لئے جیسے ہی نظریں ہٹا کر نیچے دیکھا تو غڑپ کر کے پانی میں ڈوب گئے۔

عالم اسلام سے میری یہی درخواست ہے کہ اس دریائے دنیا پر چل کر دنیا سے پار ہونے کی جو شرط ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی کہ ہمیشہ ٹکٹکی لگائے میری طرف ہی دیکھتے رہنا اگر ذرا بھی نظریں ہٹیں تو دنیا کے سمندر میں ایسے غرق ہو جاؤ گے کہ ڈھونڈنے پر بھی وجود کا کہیں پتہ نہ چلے گا۔ ابھی بھی وقت ہے اپنے آپ

کو سنبھال لیں۔ نظروں کو صحیح مرکز پر مرکوز کردیں انشاء اللہ ہر مقام پر فتح و کامرانی ملے گی۔

سوال: آپ کی نظر میں مسلمان کیسا ہونا چاہیئے یا اس کی کیا تعریف ہونی چاہیئے؟

جواب: سرکار دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر مسلمان کی تعریف کون بتا سکتا ہے، آپ نے فرمایا مسلمان کی مثال سونے کے اس ٹکڑے کی طرح ہے جو تپ کر کندن بن گیا ہو جس کے اندر نہ میل رہتا ہے اور نہ باہر۔ اسے پھر کہیں بھی رکھ دیا جائے اس کی چمک کم نہیں ہوگی دوسری جگہ فرمایا کہ مسلمان کی مثال شہد کی مکھی کی مانند ہے جو خوبصورت و مہکتے پھولوں پر ہی جا کر بیٹھتی ہے گندگی پر نہیں۔ گلوں سے رس حاصل کر کے شہد بناتی ہے زہر نہیں بناتی اور وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے۔ جس سے انسان، پرندوں اور جانوروں تک کو فیض پہنچتا ہے وہ اسے کھا کر صحت مند اور سیر ہوتے ہیں شہد کی مکھی گلوں سے رس لینے کے لئے میلوں لمبی چلی جاتی ہے وہ جس شاخ پر بیٹھتی ہے اسے نقصان نہیں پہنچاتی، مسلمان کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوال: اب ایک آخری سوال، اس پہلی صدی کو اس دھرتی پر پھر سے دیکھنے کے لئے آپ کیا کچھ اور کس طرح کوششیں کر رہے ہیں؟

جواب: الحمد للہ سوال بہت اچھا ہے اسلام کی پہلی صدی اس دھرتی پر دیکھنے کے لئے تمنا بہت ہے دل والوں کی ہے وہ جو زندہ اور جوان ہیں، اسلام کی یہ صدی کسی بھی زمانے میں دور نہیں، سچ پوچھیں تو یہ صدی مسلمان کے دل میں صدیوں سے ایک زندہ بیج کے روپ میں پوشیدہ ہے صرف کچھ اعراض کے جالوں کو ہٹانے کی دیر ہے۔ اس صدی کو آج کے زمانے میں اتار لانے کے لئے اسلام کے سورماؤں کو ایک نئے عہد اور وفاداری کی قسم لے کر غیر معمولی طور پر اپنے خالص ایمان، بلند حوصلوں اور جہد بلالی کے جذبہ کے ساتھ میدان میں اترنا ہوگا۔ اپنے آپ کو مکمل سپردگی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کو اپنی زندگیوں میں اتارنا ہوگا اور ماننا ہوگا جب اس احساس کے ساتھ مسلمان کی زندگی گزرتی ہے تو اس میں مومنانہ شان پیدا ہوتی ہے پھر سارا ماحول بھلائیوں کے اندر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری طرف سے (MOMIN MAKING) مومنٹ

چلانے کی تیاری ہے۔جس میں ہر مسلمان کی زندگی کی گہرائیوں میں جھانک کر اس کے دنیوی و دینی مصائب کا حل تلاش کر کے پورے مسلم سماج کو ایک جان اور ایک جسم کرنا ہوگا۔فی الحال میں نے تین نکاتی پروگرام اس ضمن میں عملی طور پر شروع کر رکھے ہیں۔

ا:...... دفاع و تحفظ اسلام۔

۲:...... مسلمانوں کو دنیوی و دینی قدروں کے دائرے میں سنبھالے رکھنا۔

۳:...... پوری کائنات کو ان کی ہی زبانوں میں دعوت دین پہنچانا۔

اسلامی نام: ڈاکٹر غرینیہ **ملک کا نام:** فرانس

ایک فرانسیسی ڈاکٹر کے قبول اسلام کی کہانی

خود اپنی زبانی

ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمندری جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک مصر کے پاس اپنا سفر منقطع کر کے وہ ایک عالم کے پاس پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ یہ ڈاکٹر غرینیہ تھے جو پیرس کے ایک کامیاب پریکٹشنر ہونے کے علاوہ فرانسیسی پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے اسلام قبول کرنے کے بعد وہ پارلیمنٹ سے الگ ہو گئے اور پیرس کی سکونت ترک کر کے فرانس کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں سکونت اختیار کر لی اور خدمت خلق میں مشغول ہو گئے۔

محمود بے مصری نے ان سے ان کے مکان پر مل کر ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب دریافت کیا۔

''قرآن کی ایک آیت'' ڈاکٹر غرینیہ نے جواب دیا۔

سوال: کیا آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا ہے؟

جواب: نہیں میری اب تک کسی مسلمان عالم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

سوال: پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟

جواب: مجھے اکثر سمندری سفروں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے، میری زندگی کا بڑا حصہ پانی اور آسمان کے درمیان بسر ہوا ہے، اسی طرح ایک سفر میں ایک بار مجھے قرآن کا ایک فرانسیسی ترجمہ ملا یہ موسیو ساقاری کا ترجمہ تھا۔ میں نے اسے کھولا تو سورۂ نور کی ایک آیت سامنے تھی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی ہے:

او کظلمت فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقه موج م

ن فوقه سحاب ظلمت بعضه فوق بعض إذا أخرج یده

لم یکد یراہ ومن لم یجعل اللہ لہ نور فمالہ من نور

(سورہ نور آیت ۴۰)

''جیسے اندھیرا گہرے سمندر میں اس کو ڈھانپ لیا ہو موج نے، لہر کے اوپر لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے پر اندھیرا اس حالت میں ایک شخص اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو خدا نور نہ دے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں''۔

میں نے اس آیت کو نہایت دلچسپی سے پڑھا جس میں سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا، میں نے خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندروں میں سفروں میں گزرے ہوں، پھر بھی مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی حاصل کو کیسے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے گویا کہ وہ بذات خود رات کی سیاہی بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے کم الفاظ میں اتنے کامیاب طور پر خطرات بحر کی تصور کشی نہیں کرسکتا ہے۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم محض امی تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہوگیا میں نے سمجھا کہ یہ محمد کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے اس کے بعد میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

سابقہ نام : ہولیمین **سابقہ مذہب** : عیسائیت

اسلامی نام: عبدالہادی **ملک کا نام** : جرمنی

اسلام ہی دین حق ہے

اور وہی پورے عالم میں امن وسکون بحال کرسکتا ہے

ایک یہودی اخبار جو جرمنی کے دارالحکومت بون سے نکلتا ہے، اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے ''اسلام ساری مشکلات کا واحد حل ہے''

یہ کثیرالاشاعت اخبار اپنی خاص اہمیت اور انفرادیت رکھتا ہے اور بڑی شہرت کا حامل ہے، اس اخبار نے جرمن مسلمانوں کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ شائع کرنے کے بعد ان مسلمانوں کے انٹرویو بھی پیش کیے ہیں جو پہلے متشدد عیسائی تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ جیسے وہ اپنے سابقہ دین پر کاربند تھے اس سے کہیں زیادہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ اخبار نے ایسے لوگوں سے بات چیت کے دوران خصوصیت سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اخبار نے ایک کرسچین ہولیمین نومسلم عبدالہادی سے ملاقات کی تفصیل شائع کی ہے جو جرمنی کے موجودہ چانسلر ہیلموٹ کول کی قیادت میں برسراقتدار مسیحی سوشلسٹ پارٹی سے متعلق خبر رسانی کے شعبہ سے ایک لمبی مدت سے وابستہ رہ چکے ہیں، انہیں اپنی کتاب ''مختلف افسروں کے درمیان'' کی وجہ سے اپنی خدمات سے دستبردار ہونا پڑا، جو حکومت کے لوگوں کو اس لئے زیادہ کھٹکتی تھی کہ اس میں ان جرمن نو مسلم کی اذیتوں اور مصائب کا ذکر تھا جنہیں اس کے اسلام لانے کے بعد جھیلنا پڑا، اور معاشرہ میں اسے تیسرے درجے کا شہری سمجھا جانے لگا۔

اخبار نے وضاحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت جرمن میں ساٹھ ہزار ایسے مسلمان پائے جاتے ہیں جن کو ملک کی شہریت حاصل ہے اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے، اس وقت بہت سے ایسے لوگ جن کا سیاست ولیڈری سے تعلق ہے، یا

ڈاکٹر صاحبان ہیں، اور انجینئر زواسکالرز بھی بڑی تعداد میں اسلام لاچکے ہیں۔

اخبار نے لکھا ہے اسلام میں داخل ہونے والے لوگ دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جو اسلامی ملکوں میں گئے اور مسلمانوں کی بستیوں میں رہے اور اسلام کا مطالعہ کیا، دوسرے وہ ہیں جو کہیں گئے تو نہیں لیکن اپنے ملک میں ہی رہ کر اسلام کو سمجھا اور پڑھا، اور دین اسلام کی معرفت حاصل کی، آخر یہ بات ان پر آشکارا ہوگئی کہ دین اسلام ہی آخری سماوی دین ہے، اور تمام لوگوں کی نجات وکامیابی کے لئے اللہ نے اس دین کا انتخاب فرمایا ہے، معاشرہ کے ناسور کا علاج اسی سے ممکن ہے، اور زندگی کی تمام مشکلات کا حل اسی میں ہے، اور تمام الجھنوں سے اسی میں راحت ہے، خانہ جنگی اور فساد وانتشار سے بچاؤ بھی اسی دین سے وابستہ رہنے سے حاصل ہوگا، اور پوری دنیا میں امن وسکون اسلام ہی بحال کرسکتا ہے۔اس کی تعلیمات اپنا خاص اثر رکھتی ہیں۔

نومسلم عبد الہادی نے جو ایک معروف شخص اور سچے مسلمان ہیں گذشتہ سال حج کے موقع پر اخبار عالم اسلامی کو اپنے ایک انٹرویو میں اپنے اسلام لانے کے بارے میں یہ بتاتے ہوئے کہا تھا۔ میں وہ دن نہیں بھول سکتا کہ جب میں اپنے ایک باغ میں موسم گرما میں بیٹھا تھا، ایسا محسوس ہوا کہ نیلا آسمان ہے سورج کی چمک دمک پورے آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہورہی ہے۔ بجلی کی ایک شعاع ہے جو میرے دل کو لگی، اور زخمی کرگئی پورے جسم کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا، اور اس چنگاری نے یہ کہتے ہوئے دل کو زخمی کیا، بس اسلام ہی آخری دین الٰہی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے چنا جو ہمارا، تمہارا اور تمام لوگوں کا رب ہے، موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کا رب ہے، سب کا پروردگار اور مالک حقیقی اور منعم ورازق وہی ہے۔

صحافی ایڈ برٹ رائف نے جو علم لاہوت کے ماہر ہیں یہ بات واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ بتاتا ہے کہ اس نے ہر شخص کے لئے اسلام میں داخل ہونے کے لئے راستہ صاف رکھا ہے، اور سب کے لئے میدان کھلا ہوا ہے، ہاں جس کے ساتھ اللہ رب العزت ہدایت کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے دل کو اسلام سے مانوس کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء

صحافی کہتے ہیں ''موجودہ عیسائیت کئی چیزوں میں فطرت سے لڑتی ہے اور اس کی چیزیں اسلامی اصولوں کے سراسر منافی ہیں، اسلام میں مذہبی لوگوں پر شادی کرنا ممنوع اور حرام نہیں ہے جبکہ موجودہ عیسائیت میں ایسا کرنے والا قصوروار گردانا جاتا ہے، چنانچہ اب ایسا دیکھنے میں آرہا ہے کہ بڑی تعداد میں وہ عیسائی جن کا علم ودین سے تعلق ہے، اسلام لارہے ہیں، اس لئے کہ ان پر اب واضح ہوچکا ہے کہ اسلام روح و قلب کی پاکیزگی اور صفائی کی طرف خصوصیت سے زور دیتا ہے، اور اعلیٰ اخلاقی کردار پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

ایک نومسلم یورپین خاتون نے یورپین تہذیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان خاتون دوسری خواتین سے اپنی بہت سی چیزوں میں ممتاز ہے۔ یہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے اپنی نسوانیت کی حفاظت کرتی ہے اور اسے ضائع ہونے نہیں دیتی، برخلاف یورپین عورتوں کے کہ تیس سال سے عمر تجاوز ہو تو کریم وپاؤڈر سے اپنا چہرہ بگاڑلیتی ہیں، میک اپ کرکر کے اپنی ہیئت خراب کردیتی ہیں ایک فرق اور امتیاز یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی بیوی کا زیادہ خیال رکھتا ہے، اور اس کی ذات کو معاشرہ کی خرابیوں سے دور رکھتا ہے، اس کی جنس کا احترام کرتا ہے، بہت سی یورپین عورتیں اس وجہ سے بھی اسلام لائیں۔

اخبار نے آخر میں اس شکایت کا ذکر کیا ہے کہ یورپ میں اسلام کو بری شکل میں پیش کیا جارہا ہے، اور اس کو ایک بڑے دشمن کی حیثیت سے بتایا جارہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو اس کی اصلی اور صحیح شکل میں پیش کیا جائے، افسوس کی بات تو یہ کہ میڈیا جس کو امانتدار اور سچا ہونا چاہیئے، وہ بھی اسلام کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے، اور یہ باور کراتا ہے کہ اسلام تشدد، تخرب وفساد کا نام ہے، جبکہ اسلام امن وسلامتی اور بھائی چارگی، اعلیٰ اخلاق وکردار کی دعوت دیتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام جو سب سے بہتر مذہب ہے، اور سب سے بہتر راہ عمل رکھتا ہے، آخر کیوں پورا یورپ ومغرب اس کے پیچھے پڑا ہے، اور اس کی تعلیمات کے آگے رکاوٹ بن رہا ہے۔

سابقہ نام: اسرائیل **سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: اسماعیل

اسرائیل سے اسماعیل تک

اس جمعہ کے دن اور بہت سے لوگوں سمیت میری توجہ ایک طویل القامت شخص پر مبذول ہو کے رہ گئی تھی جو مسجد میں موجود دوسرے افراد سے ممتاز دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ وہ اسلام اور اسلامی کلچر سے متعلق دیئے جانے والے اسباق کو حد درجہ ارتکاز اور دھیان سے سن رہا تھا۔ میں نے اپنے اردگرد موجود لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو ایک صاحب نے جو اس سے واقف تھے، بتایا ''کبھی یہ شخص ساؤپالو چرچ کا سربراہ تھا اور اس کا نام اسرائیل تھا جسے بدل کر اس نے اسماعیل رکھ لیا ہے۔ وہ اسلامی کانفرنس میں بھی شرکت کر چکے ہیں اور نہایت سرگرم داعی ہیں۔ بے شک اللہ کا فرمان حق ہے کہ:

﴿یهدی به من یشاء (شوریٰ)﴾

''اللہ نور ہدایت کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے''

قرآن پاک کی دیگر آیتوں کی طرح یہ آیت بھی صدیوں سے اپنا آپ منوا رہی ہے۔

نماز کے بعد ہم ان کے پاس گئے اور ساؤپالو کیتھولک چرچ کے سربراہ سے مبلغ اسلام بننے تک کی روداد سننا چاہی تو وہ بولے ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام کی جانب میری رہنمائی فرمائی۔ میں ایک دن چرچ میں اپنے ہمراہ کام کرنے والے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا کہ ان میں سے ایک جو خاص طور پر مجھے عزیز تھا، ایک طرف لے جا کر بولا:

''میرا بیٹا گمراہ ہو کر مسلمان ہو گیا ہے۔ میں اسے واپس عیسائیت میں لانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکا ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔ مجھے اس سلسلے میں آپ کی مدد

درکار ہے، چونکہ وہ آپ کا بے حد احترام کرتا ہے اس لیے اگر آپ کوشش کریں تو شاید وہ پلٹ آئے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی بات ضرور مانے گا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ وہ فکر نہ کرے اور سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دے، میں اپنے انداز میں اسے نمٹاؤں گا۔

اس کے بعد میں سائے کی طرح اس کے بیٹے کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ جہاں بھی جاتا میں اس کے پیچھے ہوتا، کچھ عرصہ بعد میں اس کے ہمراہ ساؤپالو کی مسلم برادری کے اجتماعات میں گیا، اس نے مجھے وہاں ارکان اسلام اور مسلم عقائد پر ایک کتاب دی اور ان کی وضاحت بھی کی۔ مگر یہ سب ابتدا میں مجھے بالکل متاثر نہ کر سکا۔ لیکن اس طرح کے کئی اجتماعات میں شرکت کے بعد میں نے اسلام میں اپنی دلچسپی بتدریج بڑھتی ہوئی محسوس کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کی گفتگو اور خطبات واضح طور پر ان سے مختلف تھے جنہیں سننے کا میں عادی تھا۔ وہ نوجوان جو میرا ہدف تھا، فوراً اس بات کو تاڑ گیا اور اس نے مجھے کتابیں لا کر دیں، جن میں اسلام کا عیسائیت اور یہودیت سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا تھا، یہ کتابیں پرتگیزی زبان میں تھیں۔ ان میں ایک تو بہت ہی عمدہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ میں نے اس کتاب کو ہفتے کے روز پڑھنا شروع کیا اور منگل تک ماسوائے نیند کے چند گھنٹوں کے، مسلسل پڑھتا چلا گیا، جیسے ہی کتاب مکمل ہوئی میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہی سچا مذہب ہے جس کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ بس پھر دیر کیسی کی تھی میں نے وقت ضائع کیے بغیر کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

ان کی روداد واقعی متاثر کن تھی۔ ''کیا کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے آپ اس کے متعلق آگاہ تھے؟'' ہم نے پوچھا۔

ہاں میں نے اس نوجوان سے سنا تھا جس کو میں دوبارہ عیسائی بنانے کے درپے تھا۔ آپ کے قبول اسلام پر چرچ کا ردعمل کیا تھا؟

سچ تو یہ ہے کہ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ پہلے انہوں نے سوچا کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں یا پھر مذاق کر رہا ہوں مگر جب انہیں احساس ہوا کہ میں قطعی طور پر سنجیدہ ہوں تو یکدم میرے ساتھ تمام تعلقات منقطع کر دیئے اور میری تنخواہ روک لی۔ ساتھ ساتھ وہ پورا دباؤ ڈالتے رہے کہ میں اسلام سے پھر جاؤں مگر کامیاب نہ

ہو سکے۔ پھر ان پر عیاں ہو گیا کہ میں ہر قسم کے حالات میں ثابت قدم رہوں گا اور اسلام کے راستے میں جو بھی تکلیف آئی خندہ پیشانی سے برداشت کر لوں گا۔

ہمارا اگلا سوال ان کے خاندان کے رویئے کے بارے میں تھا، جس کے جواب میں انہوں نے بتایا: جب میری والدہ نے میرے مسلمان ہونے کے بارے میں سنا تو مجھ سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور ساؤ پالو سے دور ایک دوسری ریاست میں چلی گئی جبکہ دیگر رشتہ داروں نے بھی مجھے چھوڑ دیا اور مختلف طریقوں سے کوشش کرنے لگے کہ میں اسلام چھوڑ دوں لیکن ظاہر ہے وہ بھی ناکام ہوئے۔ اس دوران میں نے قرآن اور دیگر اسلامی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا اور یوں ایک سال گذر گیا، میری یہ کوشش تھی کہ کنبے کے دیگر افراد بھی ان کتابوں کو دیکھیں اور کسی حد تک ان کا مطالعہ ضرور کریں، اس لئے میں اکثر کتابوں کو میز پر کھلا رکھ کر چھوڑ جاتا۔ جب انہوں نے نمازوں میں میری باقاعدگی اور لگن دیکھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ میرے برتاؤ میں تبدیلی کا مشاہدہ کیا کہ میں کس طرح دیگر لوگوں سے اور خود ان سے برے برتاؤ سے باز آ گیا ہوں تو اللہ نے انہیں بھی ہدایت کی توفیق دی اور میرے کنبے کے سولہ مزید افراد مسلمان ہو گئے۔

ہم نے اسماعیل سے پوچھا کہ چرچ سے علیحدگی کے بعد گزارے کی کیا صورت ہوئی، تو انہوں نے جواب دیا کہ:

میں چرچ کی بے رخی کے بعد ساؤ پالو کے اسلامی مرکز کے شیخ احمد یوسفی سے جا کر ملا۔ انہوں نے مجھے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا اور مرکز میں ہی کام کرنے کا موقع دیا۔ اگرچہ اب میری آمدن پہلے سے بہت کم ہے، مگر میں خوش ہوں اور جو کچھ اللہ نے میرے مقدر میں لکھا ہے، اس پر قانع ہوں۔

ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ ساؤ پالو کیتھولک چرچ کے سربراہ کی حیثیت سے وہ جو کچھ لوگوں کو بتایا کرتے تھے، کیا اس پر قلبی اطمینان حاصل تھا، اسماعیل نے بتایا:

جو کچھ میں نے گذشتہ چھ ماہ میں اسلام کے بارے میں جانا، اتنا عیسائیت کے بارے میں چھ سال میں بھی نہیں جان سکا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ دوسروں کو بتاتا تھا

خود اپنا دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا تھا، خاص طور پر قصے کہانیوں اور من گھڑت داستانوں کے بارے میں۔ دراصل اسلام کی دعوت و تبلیغ عیسائیت کی تبلیغ سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام میں ہم کسی کو جنت کے ٹکٹ نہیں بانٹتے مگر اللہ کی وسیع رحمت اور بندوں پر اس کی بے حد مہربانیاں یاد دلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ جبکہ عیسائیت میں لوگوں سے ان باتوں کا وعدہ کیا جاتا ہے کہ جو کسی طور پر بھی انسانی بس میں نہیں ہے۔ نتیجتاً ایک عجیب قسم کا نفسیاتی خلاء پیدا ہو جاتا ہے جس کا اسلام قبول کرنے سے پہلے میں بھی شکار رہا اور بے شمار لوگ اب بھی ہیں۔

ہم اپنے بھائی اسماعیل سے اس دعا کے ساتھ رخصت ہوئے کہ:

"اے اللہ ہمارے اس بھائی کو اوروں کے لئے ایک مثال بنا، اس کے ذریعے سے اپنے دین کا کلمہ بلند فرما۔ تو بے شک قادر مطلق ہے اور تیرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔"

سابقہ نام: ہیرالال **سابقہ مذہب**: ہندو

اسلامی نام: عبداللہ **ملک کا نام**: بھارت

مہاتما گاندھی (ہندوستان کے وزیراعظم) کا بیٹا مسلمان کیسے ہوا؟

مہاتما گاندھی کے صاحبزادے ہیرالال (عبداللہ) کی ایمان افروز داستان

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ہیرالال نے ہندوستان کے ایک مشہور قومی لیڈر اور بیرسٹر موہن داس کرم چندر گاندھی (جو کہ عموماً مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہے) کے گھر میں زندگی کی پہلی سانس لیتے ہوئے آنکھ کھولی۔ ہیرالال گاندھی ابھی چھوٹے ہی تھے کہ انہوں نے عام لوگوں کی قابل رحم حالت کو محسوس کیا جو کہ کسمپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

ہندوستان میں ایک طرف برطانوی سامراج نے مقامی باشندوں کو غلامی زنجیروں میں جکڑ کر آمر بن کر ان کی فطری آزادی سلب کر کے زندگی کی راہیں تنگ کردی تھیں اور مطلق العنان حاکم بن کر اپنی من مانی کے مطابق حکم چلا رہا تھا، تو دوسری جانب ہندوستانی قوم کا ایک مخصوص طبقہ اپنی مصنوعی بالادستی مذہب کے سہارے قائم کر کے خود کو بنی نوع انسان کے پاکیزہ تر اور قدر و منزلت، عزت و شرف میں ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہوئے عام آدمیوں کا معاشی و اقتصادی، مذہبی و ملی استحصال کر رہا تھا۔ یہ اونچے طبقے میں شمار ہونے والا استحصالی گروہ ''برہمن'' کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والا ہر فرد عام آدمی کو اپنے برابر تو کجا، انسان تک تصور نہ کرتا تھا۔

ہندوستان کے عالمی شہرت یافتہ قومی لیڈر مہاتما گاندھی کے گھر میں نومولود ہیرالال ایسے وقت پالا پوسا جا رہا تھا۔ جب ان کے والد (مہاتما گاندھی) برطانوی سامراج سے محاذ آرائی کرتے ہوئے اپنے ہم وطن بھائیوں کو سمندر پار فرنگی غیروں کی غلامی سے نجات دلانے کی خاطر چلنے والی تحریک آزادیٔ ہند میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے، بایں وجہ انہیں اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ اپنے ننھے منے اور چہیتے فرزند ہیرالال کی تربیت پر بذات خود توجہ دے سکتے۔

ہیرالال کی تعلیم و تربیت وقت کے نامور اساتذہ کی نگرانی میں شروع ہوئی اور اسے آہستہ آہستہ معلوم ہونے لگا کہ اس کا مذہب کیا ہے اور کون سا مذہبی فرقہ ہے۔ اس نے اپنے آپ کو بھی اسی مذہبی فرقہ برہمن کا ایک فرد پایا جو کہ عوام الناس کا ہر طرح استحصالی طبقہ بنا ہوا تھا۔ یہ طبقہ ہندوؤں کے جملہ طبقہ حیات میں انتہائی اونچا اور ترقی یافتہ تھا۔ ہندوؤں کے مذہبی عقائد کے مطابق کائنات کی کارسازی اور دنیا و مافیہا کا نظام ان تین خداؤں کے زیر نگرانی چل رہا ہے جنہیں وہ برہما، وشنو اور شیوا کے نام سے موسوم کرتے تھے جبکہ ہندوں کے مندروں پوجا گھروں اور پاٹھشالاؤں وغیرہ میں تین چہروں والا رکھا ہوا مجسمہ ان کے اسی مذہبی عقیدے کی غمازی کرتا ہے۔

ہندو دھرم کے مطابق برہما ایسا خدا ہے جس نے جملہ کائنات کو پیدا کیا اور ارض و سما کے مابین بسنے والی جمیع مخلوقات کے اسباب خورد و نوش کا بندوبست کر کے ان سب کو اس دنیا میں آباد کر کے فارغ ہو کر خود جا کر تنہا بیٹھا ہوا ہے اب انسان میں سے کوئی بھی اس کی قربت و مصاحبت حاصل نہیں کر سکتا۔

وشنو: ایسا خدا ہے جو آلام و شدائد، مشکلات و مصائب سے بچاتا رہتا ہے اور لوگوں کو بگڑے ہوئے حالات بناتا ہے۔ جملہ کائنات کی ترقی، نشو و نما، مسرت و کامرانی غرض ہر طرح کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

شیوا: ایسا خدا ہے جو شکست و ریخت، آندھی، طوفان اور زلزلے وغیرہ لا کر ہلاکت و تباہی پیدا کرتا رہتا ہے۔

ہیرالال اپنے اس ہندو مذہب کو بنظر عمیق دیکھنے لگا، جس کی بنیادیں ۳ ہزار

سال قبل مسیح سے ہندو معاشرے میں پیوست تھیں۔ اس نے مذہب کے عقائد، تین خداؤں کی حقیقت اور ہندو مذہب کی قدیم کتابوں مثلاً وید، رامائن، یگ وید اور گیتا کا گہرا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مع ہذا ہندو مذہب کے بدھ دھرم سے تصادم کو بھی اپنی عقل و ذہن کی کسوٹی پر پرکھنے لگا جو ۵ سو سال قبل مسیح سے مذہبی کش مکش کی صورت اختیار کر کے دھرمی لوگوں میں رسہ کشی اور دھرمی سماج میں ہنگامہ آرائی کا سامان پیدا کر رہا تھا۔ جبکہ اسی کش مکش کے دوران بدھ دھرم نے وید مذہب کو شکست و ہزیمت دے کر اس کی جگہ تسلط جما لیا تھا اور اپنی مذہبی رسومات، قوانین و قواعد ''منو'' کی صورت میں ظاہر کر دیے تھے۔

ہندو دھرم کے جھگڑے:

ابتداء میں ہیرا لال کی توجہ ہندو دھرم کے نظریات اور دھرمی مت بھید کی جانب نہ تھی۔ یہ نظریے مثلاً تعداد مذہب کی آڑ میں عام انسانوں کے ساتھ اجتماعی ظلم اور لوگوں میں طبقاتی تقسیم وغیرہ تھے۔ پہلے پہل ہیرا لال کو یہ سوچ تو کیا پتہ تک نہ تھا کہ ہندو دھرم غلط اور باطل ہے، جس کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ خود بھی برہمن خاندان میں سے تھا جو کہ ہندو مذہب میں مقدس مانا جاتا ہے۔ لہٰذا انہیں مذہبی تقدس کے باعث بہت کچھ فائدہ معاشی و معاشرتی ہو رہا تھا۔ جیسا کہ اکرام و تعظیم، عزت و منزلت، دولت و ثروت، دامے درمے ہدایا و تحائف کا عوام و خواص سے ملنا وغیرہ۔

ہیرا لال وکالت پاس کرنے تک اپنے درسی مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہا۔ وکالت کے امتحان میں کامیابی کے بعد شادی کی اور ساتھ ہی وکالت کے پیشے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ فارغ اوقات میں وہ علم و ادب سے بھی دلچسپی زیادہ تر رکھنے لگا۔

وکالت نے ان کو سماج کی حالت زار اور اجتماعی برے ماحول کو قریب سے معلوم کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ایسا ماحول اور سماج جس میں اس کے ہم وطن عام آدمی رات دن بسر اوقات کر رہے تھے۔ اور ہیرا لال کو اس ظلم کی جھلکیاں بھی نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا جس میں ہندو لوگ دوسرے مذہبی لوگوں کے مقابلے میں بری طرح پس

رہے تھے بلکہ ہندوؤں میں سے چند ایسے بھی گروہ تھے، جنہیں اچھوت کے نام سے پکارا جاتا تھا اور دھرمی لوگ سمجھتے تھے کہ یہ محض برہمن کی خدمت کے لئے پیدا کیے گئے ہیں جنہیں خدمت کرنے کے علاوہ کسی قسم کی کوئی نجات یا اجر وثواب حاصل نہ ہوگا۔ یہاں کہ ان کے ہاں بلی اور مینڈک کے مارنے پر جرمانہ اور اچھوتوں میں سے کسی نومولود کے قتل کے جرمانے میں کوئی بھی فرق نہ تھا۔

بصیرت وبشارت:

اس ظالم ہندو طبقہ نے ہیرالال کو اپنی جانب دیکھنے اور اپنے گریبان میں جھانکنے (یعنی برہمنوں کو گہری نظر سے پرکھنے) پر مجبور کردیا تا کہ وہ اسی اثناء میں اسی مذہب کے صحت وبطلان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرسکے۔ وہ مذہب جس نے لوگوں کے مابین فرقے اور طبقے بنا کر رکھ دیئے تھے یہاں تک کہ ہندو دھرم کے ماننے والوں میں بھی فرقے اور طبقے بنادیے تھے۔

ہیرالال کو یہ احساس شدید تر ہونے لگا کہ وہ مسلمانوں کو بھی دیکھیں جو اس ملک ہندوستان میں مذہبی لحاظ سے تعداد میں دوسرے نمبر پر تھے۔ یہ مسلمان تو فقیر و امیر، شاہ وگدا میں کوئی بھی فرق روا نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی نامعلوم تن تنہا آدمی اور اونچے خاندان میں فرق کرتے ہیں اور نہ ہی اونچ نیچ کیا ان کو فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دیتے ہیں، یہی سبب تھا کہ تعلیمات اسلامیہ اور احکامات دینیہ کو گہرے فکر غور وخوض سے مطالعہ کرنے میں اس کا دلی اشتیاق دن بدن بڑھتا رہا۔ خصوصاً اس وقت جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخرالزمان ہوکر آنے کی پیشگی بشارت دیتے ہوئے لکھا ہے جیسا کہ سام وید کے دوسرے حصے کے چھٹے اور آٹھویں جملہ میں آیا ہے کہ ''احمد اپنے پالن ہار سے شریعت حاصل کرے گا جو کہ حکمت (دانائی) سے بھری ہوئی ہوگی اور اس شریعت سے ایسی روشنی ملے گی جیسے سورج سے ملتی ہے''

ایک کتاب ''ہو چیا پران'' میں آیا ہے کہ سندھ کے راجا بھوج بادشاہ کو خواب

میں ایک شخص نظر آیا جس نے اسے کہا کہ ''تجھے اس شخص کا دین قبول کرنا چاہیے جو ایک صحراء میں ظاہر ہوا ہے وہ پیدا ہوتے ہی ''مختون'' (ختنہ شدہ) ہے اس کا کلام ایسا ہے جو سننے کے قابل ہے اسے ''رام'' نے چنا ہے۔ وہ پاک گوشت کھاتا ہے اس کے ہاتھ پر بہت سے معجزے ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ دشمن کے نقصان سے محفوظ ہے (یعنی اسے دشمن قتل نہیں کر سکتے) اس کا نام ''محامد'' (یعنی کثرت سے حمد کرنے والا) ہے۔''

حق ہی غالب رہے گا:

ہیرالال نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ پیشگی بشارتیں پڑھیں، اسی طرح اسے دین اسلام اور قرآن شریف کے بارے میں کچھ معلومات ہوتی گئیں اب اس کے ذہن میں خدا کا وہی فرمان گونجنے لگا کہ:

''اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کہیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تا کہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

(آیت ۱۶۵ سورۂ نساء، رکوع ۲۳ ترجمہ شیخ الہندؒ)

ہیرالال نے اپنے آگے حق کی روشنی چمکتے اور اوپر بلندی کی طرف چڑھتے دیکھی تو ایمان لا کر مسلمان ہوا اور وہ جس راہ حق کو تلاش کر رہا تھا اس کی طرف جانے والا راستہ بالآخر اسے مل ہی گیا۔ جب خود اس نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ:

''اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے۔''

(سورۂ آل عمران، رکوع ۹، ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس کے بعد ہیرالال کے اسلام کے اظہار و ہدایت کی راہ اختیار کرنے اور سرِ عام اعلان کرنے کا سہرا دو مشہور علماء کرام حضرت مولانا زکریا مینار صاحب اور مولانا

نذیر احمد خجندی صاحب ارکان جمعیت تبلیغ اسلام بمبئی کے سر پہ سجتا ہے۔ ان حضرات نے ہیرالال کی اسلام کی طرف بڑھی ہوئی تڑپ، طلب واشتیاق کو معلوم کر لیا جو کہ پیش ازیں اس کے سینے میں روز افزوں بے چینی پیدا کر رہی تھی۔ اس طرح مذکورہ علمائے کرام نے ہیرالال کے ہندو مذہب سے بے زاری اور ایک سچی آسمانی کتاب والہامی دین (مذہب اسلام) کا مخلص تابعدار بننے، اسلام اور عیسائیت (یا دیگر مذاہب) کے مابین تمیز کرنے والی صلاحیت کو بھی محسوس کر لیا تھا۔ ان ہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں بزرگوں نے ہیرالال کو یقین دلایا کہ جس چیز اور جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کی روح متلاشی اور اداس ہے۔ وہ تو پورے کا پورا اسلام ہی کے اندر موجود ہے۔ یہ اسلام تو پیدائش کائنات سے لے کر خدا کا پسندیدہ دین رہا ہے۔ مذکورہ دونوں علمائے کرام اسلام کے احکامات کے متعلق مزید وضاحت سے بتاتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا کے چاہنے کے بعد وہ اسلام قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوا۔

مصری جریدہ ''الاسلام'' کے نامہ نگار کے مطابق جو اس پورے واقعہ کا عینی گواہ تھا۔ لکھتا ہے کہ ہیرالال ۱۳۵۵ھ ۸ ربیع الاول کی شام بمبئی پہنچا اور مولانا زکریا اور مولانا نذیر احمد و دیگر علمائے کرام اور معزز مسلمانوں سے ملاقات کی۔ بعد میں اس نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچاس برس تھی۔ اعلان کے بعد آنے والے جمعے کے دن سفید پیرہن، سفید ململ کا عمامہ باندھ کر جامع مسجد بمبئی میں پہنچا اور بیس ہزار سے زیادہ آئے ہوئے نمازیوں کے سامنے جامع مسجد میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا جس کے بعد اسے عبداللہ ہیرالال گاندھی پکارا گیا۔ اسلام کے اس اعلان کے بعد اس نے جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کی اور مسلمانوں کے اس بڑے اجتماع کو یوں مخاطب ہوا کہ ''آپ سب جانتے ہیں کہ میں ایک بڑے ہندو لیڈر مہاتما گاندھی کا بیٹا ہیرالال ہوں۔

میں ایک خدا پر ایمان ویقین رکھتا ہوں اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق مانتا ہوں کہ جو خاتم النبیین ہیں یعنی نبوت کے سلسلے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب ان کے بعد قیامت تک خدا کی طرف سے کوئی دوسرا نبی

یارسول نہیں آئے گا۔ قرآن پاک جو جو (احکامات) لایا وہ سب برحق ہیں۔ قبر سے اٹھنے اور حشر نشر، حساب و کتاب، عذاب وثواب، بہشت و دوزخ یہ سب برحق ہیں، فرشتے اور تقدیر برحق ہے۔ میں آج کے بعد قرآن پاک کی خاطر (اس کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے) زندہ رہوں گا۔ اسلام کا ہر طرح دفاع کروں گا اور اس کی حمایت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مضبوط ہو کر کھڑا رہوں گا اور اس پر عمل کرنے والوں کو بہشت کی بشارت دیتا رہوں گا۔ اور اس کی روشنی میں اپنے خاندان اور اپنی قوم کو دعوت دین دیتا رہوں گا۔ یقین جانیئے کہ یہ دین حق وہی علم، ثقافت، تہذیب، عدل، امانت، رحمت اور مساوات والا دین ہے۔

مذکورہ بالا اہم واقعہ کا ردعمل

''الاسلام'' میگزین کا نامہ نگار آگے لکھتا ہے کہ، اخبارات وٹیلی گرام کے ذریعے پورے ہندوستان میں ہیرالال کے مسلمان ہونے کی خبر پھیل گئی۔ ہندوؤں پر تو گویا بجلی گر چکی تھی۔ ہیرالال کے مسلمان ہونے کا سننے سے مہاتما گاندھی پر سکتہ طاری ہوگیا اور رنج و ملال ہوا اسی وجہ سے ایک دو دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا۔ بڑی بڑی دکانیں، شاپنگ سینٹر، ہندوؤں کے تجارتی مراکز، انڈسٹریز اور کارخانے اسی غم واندوہ کی وجہ سے بند ہو گئے۔ مہاتما گاندھی اپنے بیٹے کے مسلمان ہونے پر بے حد غضب ناک ہوا اور سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اسی طرح ہندوؤں کے اخبارات اور مختلف تنظیموں کے ہندو لیڈروں نے بھی ہیرالال کو سخت دھمکیاں دیں اور غم وغصہ کا اظہار کیا، لیکن مسلمانوں نے جامع مسجد میں ہیرالال کے اسلام لانے والے اعلان کا بے حد خوشی اور گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگائے گئے۔

مولانا زکریا صاحب نے عوام کے سامنے خوشی کا اظہار کیا اور عوام کے آگے ہیرالال سے کی گئی ملاقاتوں کا قصہ اور ہیرالال کو دین کی دعوت دینے کا تفصیل سے ذکر کیا اور اس کے ساتھ نئے ہونے والے مسلمان عبداللہ ہیرالال گاندھی کے اسلام کے متعلق محبت، رضامندی اور ان کے دین اسلام کو دیگر جملہ مذاہب سے برتر وبالا سمجھنے کا

بھی تذکرہ کیا۔ آخر میں مولانا زکریا صاحب نے نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا، وہ اپنے نئے مسلمان بھائی کو مبارک باد دیتے ہوئے مصافحہ کریں۔ بس پھر کیا تھا لوگوں کا سمندر ٹوٹ پڑا، لیکن مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ایک آدمی آگے ہو کر ہاتھ ملاتا، مبارک باد کہتا گیا۔ جبکہ مصافحہ کا سلسلہ بھی تین گھنٹے تک قائم رہا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے ہیرالال کو فرط محبت سے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے سیر کرائی۔

اس واقعے سے چند ہفتے بعد جناب عبداللہ ہیرالال گاندھی کو سورت انڈیا کے شہر میں ایک بڑے اسلامی اجتماع میں مدعو کیا گیا۔ جہاں عبداللہ گاندھی نے واضح الفاظ میں تفصیل سے بتایا کہ اسے اسلام قبول کرنے پر کس کس قسم کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ساتھ ہی اس نے ہندوؤں کے جان سے مارنے اور قتل وغیرہ کی دھمکیوں کا بھی ذکر کیا۔ اس تقریر میں انہوں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

''میں نہ تو پشیمان ہوں اور نہ ہی اس دین حق کو قبول کرنے پر مجھے کوئی ندامت وتأسف ہے جیسا کہ کہا جا رہا ہے یا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہ میرا گواہ ہے کہ میں نے جس صدائے حق پر لبیک کہہ کر اپنے ضمیر کی آواز کو قبول کیا ہے وہ تو محض اپنے گم کردہ راہ کو حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ اور اس حلقہ اور اس جماعت کے ساتھ ملنے کے لئے کیا تھا جو مجھ سے اوجھل ہو کر آنکھوں سے غائب ہوگئی تھی اب وہ گم گشتہ راہ اور ہدایت والی جماعت مجھے ہاتھ لگ چکی ہے، جس کے بغیر اس راہ اور جماعت کی روشنی میں عمل کرتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ کر کھڑا رہنا ممکن ہے باطل نہ تو آگے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے، کیونکہ ہماری زندگی کی رفتار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز!

عبداللہ نے اپنی تقریر کے آخر میں ہندوؤں کو ضمیر غائب کی صورت میں مخاطب کر کے کہا کہ اس قوم (ہندو قوم) کے لئے بہتر تو یہ ہوگا کہ وہ جب بھی موجودہ زہر آلودہ زندگی سے اپنی جان آزاد کرانے کے لئے سوچیں تو انہیں چاہئے کہ وہ تعصب، ہٹ دھرمی اور تنگ نظری یا ضد سے خالی ہو کر اسلام کی حقانیت پر غور کریں اور اسلامی

اخوت کی حقیقت کا گہرا مطالعہ کریں۔

اگر وہ اسلام کو نہ بھی چاہیں تب بھی اگر انصاف سے فیصلہ کریں گے تو نتیجہ ان کے فائدے میں ہوگا اور پھر انہیں چاہیئے کہ ہمارے متعلق بھی اسی کے مطابق سوچیں اور مہاتما گاندھی جی کے پیروں کے لئے بھی یہی خیالات رکھیں بلکہ مشرق و مغرب تک کی ساری دنیا کے لئے بھی یہی رائے رکھیں۔

عیسائیت کا سارا ڈھانچہ مشکوک ہو گیا

مجھے انسان کے ازلی گناہ گار ہونے کے عقیدے نے پریشان کرنا شروع کیا، یہ نظریات اتنے مکروہ تھے کہ مجھے ان سے گھن آتی تھی

میرا پرانا نام لارڈ برٹن اور اسلامی نام سر جلال الدین ہے اور میرا تعلق انگلستان کے ممتاز جاگیردار گھرانے سے ہے جو معاشرے میں زبردست عزت وافتخار اور نیک نامی کا حامل تھا۔

میرے والدین عیسائی تھے، وہ مجھے ابتدا ہی سے پادری بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے عیسائیت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور فارغ ہونے کے بعد چرچ آف انگلینڈ سے وابستہ ہو گیا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کام میں، میں کبھی گہری دلچسپی نہ لے سکا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد مجھے جس عقیدے نے سخت پریشان کرنا شروع کیا وہ انسان کے ازلی گناہ گار ہونے کا عقیدہ تھا۔ پھر اس پر یہ تصور کہ معدودے چند افراد کے سوا باقی ساری مخلوق دائمی عذاب سے دوچار ہوگی۔ یہ نظریات اتنے مکروہ تھے اور مجھے ان سے اتنی گھن آتی تھی کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں تقریباً بے دین ہو گیا۔ مذہب کا سارا ڈھانچہ میری نظروں میں مشکوک ہو گیا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ انسان اللہ کا شاہکار ہے، یہ ساری مخلوقات پر برتری رکھتا ہے، پھر اسے ازلی گناہ گار قرار دینا اور ہمیشہ کے لئے عذاب کا مستحق ٹھہرانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ یہ تصور تو براہ راست خالق کائنات پر اتہام کی حیثیت رکھتا ہے اور اس آئینے میں تو اس کی تصویر کچھ ایسی پسندیدہ نہیں ہے۔ میں اگرچہ اب بھی موہوم انداز میں اللہ پر یقین رکھتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے میں نے دوسرے مذہب کا مطالعہ شروع کر دیا۔

اسلام کے مطالعے کی ابتدا ہی میں یہ راز مجھ پر کھل گیا کہ یہ مذہب انسانی فطرت کے قریب ہے۔ شکوک وشبہات کی گرہیں کھلتی چلی گئیں اور میرے اندر سچے خدا کی عبادت اور خدمت کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیت کے سارے عقائد کی بنیاد بائبل کی تعلیمات پر استوار بتائی جاتی ہے، مگر ان میں تو زبردست تضاد پایا جاتا ہے...... کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تحریف کا شکار ہو چکی ہیں؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے میں نے بائبل کا گہرا، ناقدانہ مطالعہ جاری رکھا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی یہ کتاب تغیر وترمیم سے محفوظ نہیں ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کے خودساختہ عقائد راہ پا گئے ہیں۔

اسلام کے مطالعے نے مجھے بتایا کہ انسان میں ''روح'' نام کی غیر مرئی قوت ہوتی ہے کہ جو کبھی نہیں مرتی۔ گناہوں کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، اور آخرت میں بھی اور اگر انسان خلوص دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی مساوی رحیمی وکریمی کے ساتھ گناہوں کو معاف کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

اب میں نے اپنا تمام وقت صرف اسلام کے مطالعے کے لئے وقف کر دیا اور اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ تلاش حق کے لئے میں نے جو مطالعہ اور غور وفکر کیا وہ رائیگاں نہیں گیا، اور میں ل ے اپنے اندر اس دین کے لئے بے پناہ کشش محسوس کی، یہی کشش مجھے برصغیر کے ایک شہر لاہور لے گئی۔ یہاں میں نے ایک نواحی بستی میں قیام کیا، جہاں کی بیشتر آبادی اسلام ماننے والوں پر مشتمل تھی۔ میرے شب وروز ان ہی لوگوں کے درمیان گزرتے تھے جو جفاکش اور سادہ دل تھے اور غریبی وافلاس کے باوجود صابر وقانع اور خوش وخرم تھے۔ میں نے ان سے اسلام کا عملی سبق لیا، دین داری اور بھائی چارے کا احساس یہاں کے سارے ماحول پر حاوی تھا۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ بذات خود خون پسینا ایک کیا اور خاصے عرصے تک ان کے ساتھ رہ کر ان کی عادات اور عقائد کا بغور مشاہدہ کیا۔

اب تک میں پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ عیسائی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید مخالف اور نکتہ چیں

ہیں، بہر حال میں نے اس طرف توجہ کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا اور بہت جلد محسوس کرلیا کہ آپ حق وصداقت کے روشن مینار ہیں۔ میں نے دیکھا کہ انسانیت پر اس بشر کامل کے اتنے احسانات ہیں کہ ان کے بغض کا اظہار کرنا ظلم عظیم ہے، وہ لوگ جو ان پڑھ تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، جرم وگناہ میں سرتا پاؤں ڈوبے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عزت نفس، وقار، احترام انسانیت اور پاکیزگی کا درس دیا اور ان ساری صفات کے ساتھ خدائے واحد کے حضور میں لا کھڑا کیا۔ اعلیٰ انسانی اقدار نے فروغ پایا۔ شراب نوشی کا قلع قمع ہوگیا اور اسلامی معاشرہ پاکیزگی کی اس سطح تک جا پہنچا کہ تاریخ میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں نے سوچا ان عدیم النظیر کارناموں کے علاوہ پیغمبر اسلام کی اپنی ذات جس قدر بے عیب اور منزہ تھیں۔ اس کی موجودگی میں ان عیسائیوں کی خردہ گیری بدترین شقاوت اور سیاہ قلبی کے سوا کچھ نہیں۔ عیسائیت کے خلاف میری بغاوت لحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جارہی تھیں اور میں اکثر غور وفکر کی حالت میں رہتا کہ ایک دن ایک مسلمان سے میری ملاقات ہوئی۔ اسلام کے موضوع پر ان سے باتیں ہوئیں۔ میں نے بہت سے سوال کر ڈالے اور انہوں نے ہر بات کا جچے تلے انداز میں جواب دیا۔ مجھے کامل اطمینان اور یکسوئی حاصل ہوگئی، اس مسلمان نے میری چنگاری کو شعلے میں تبدیل کردیا۔ اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام ہی دین حق اور مکمل ضابطہ زندگی ہے تو ایک روز میں نے اس کے حلقہ بگوش ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ الحمد للہ اب میں مسلمان ہوں اور اسلام کی روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔ میں نے عزم کرلیا ہے کہ انشاء اللہ ان نعمتوں سے دوسری انسانیت کو بھی فیض یاب کروں گا۔

سابقہ مذہب: دہریہ **اسلامی نام**: ابراہیم کارلسن **ملک کا نام**: سویڈن

میں دہریہ تھا

نومسلم ابراہیم کارلسن

میرا اسلامی نام ابراہیم کارلسن ہے۔ میں ایک غیر مذہبی سویڈش گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے گھر کے لوگ ایک دوسرے سے بے حد محبت کرنے والے تھے اور گھر کا ماحول بے حد پرسکون تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ۲۵ سال میں نے اس تصور کے بغیر گزارے کہ خدا کا وجود ہے یا روحانی زندگی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ حقیقت میں میری شخصیت ایک مادہ پرست انسان کا ماڈل یا نمونہ تھی۔ بچپن میں میرے لئے مسلمان ایسے لوگ تھے جو لمبے عبا نما لبادے پہنتے تھے اور ان کی عورتیں سر کے بالوں کو اسکارف سے ڈھکتی تھیں تاہم مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کہاں سے آتے تھے؟

ہائی اسکول کے زمانے میں ایک مرتبہ اسکول لائبریری سے مجھے قرآن مجید کا ایک ترجمہ مل گیا اور میں نے اس کا کچھ حصہ پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے قرآن مجید کی کون سی آیات پڑھی تھیں تاہم جو کچھ میں نے پڑھا وہ بڑا بامعنی اور منطقی تھا۔ اس وقت بھی میری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ میں یہ جاننے یا تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ سائنسی نقطہ نظر سے میرے لئے نیوٹن کا فلسفہ ہی کافی تھا جو یہ بتاتا تھا کہ کائنات کس طرح کام کر رہی ہے؟ وقت گزرتا گیا میں نے گریجویشن کرلیا اور عملی زندگی میں قدم رکھا۔ میں نے کافی دولت کمائی اور اپنے ذاتی اپارٹمنٹ میں منتقل ہوگیا۔ اب میرا زیادہ تر وقت اپنے پرسنل کمپیوٹر پر گزرتا تھا۔ میں ایک پیشہ ور فوٹوگرافر بن چکا تھا، میں کافی وقت فوٹوگرافی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں ایک مارکیٹ کی دستاویزی فلم کے سلسلے میں فوٹوگرافی کر رہا تھا کہ ایک

مسلمان شخص جو یقیناً تارک وطن تھا، میرے قریب آیا اور غصے میں بولا کہ میں اس کی والدہ اور بہن کی تصویریں نہ کھینچوں۔ میں نے معذرت کی اور سوچنے لگا کہ یہ مسلمان کس قدر عجیب لوگ ہیں۔

ان ہی دنوں میرا رابطہ سویڈن میں ''اسلامک انفارمیشن آرگنائزیشن'' سے ہوا۔ میں نے ان کا ایک نیوز لیٹر پڑھا جس میں یوسف علی کے قرآن پاک کا اشتہار بھی تھا۔ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے میں نے قرآن پاک کا یہ نسخہ حاصل کرلیا۔ میں نے قرآن کا بیشتر حصہ پڑھ ڈالا۔ اس کی باتیں بے حد خوبصورت، دل نشین اور منطقی تھیں۔ تاہم ابھی تک اللہ تعالیٰ کا تصور میری زندگی میں داخل نہیں ہوا تھا، ایک سال کے بعد میں ایک بے حد خوبصورت جزیرے پر موسم خزاں کے رنگوں کی عکاسی کررہا تھا۔ کیمرا میرا ہاتھ میں تھا اور ادھر ادھر بکھرے ہوئے خزاں کے رنگ میرے کیمرے کے رول میں داخل ہورہے تھے۔ اچانک میں نے نہایت عجیب وغریب احساس میں ڈوبا ہوا خود کو محسوس کیا۔ میں اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں، لیکن ایک سنسنی سی میرے رگ وپے میں دوڑ رہی تھی، میرے آس پاس پھیلی ہوئی دنیا عجیب رنگ بکھیر رہی تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری شخصیت ان رنگوں کا منبع، مخرج یا شاید مرکز ہے، میں نے ایسا اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ میری پوری شخصیت اور میرے جسم کا انگ انگ توانائی کا خزانہ محسوس ہورہا تھا، میں محسوس کررہا تھا کہ شاید قدرت یا اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس تھا جو میرے شعور کو ہلائے ڈال رہا تھا۔ وہ لمحہ کہ جب کسی دلیل اور کسی محبت کے بغیر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کائنات کا خالق مطلق کوئی نہ کوئی ذات ضرور ہے جسے اللہ مسلمان ''اللہ'' کہتے ہیں اور عیسائی ''گاڈ'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے اس لمحے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ان دیکھی توانائی سے لطف اندوز ہونے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مائکروسافٹ نے ونڈوز ۹۵ پروگرام متعارف کرایا تھا اور کمپیوٹر کی صنعت میں ایک انقلاب برپا ہوگیا تھا۔ میں نے بھی اپنے کمپیوٹر کو مائکرو سافٹ نیٹ ورک سے منسلک کرلیا۔ جلد ہی ''اسلامی بی بی ایس'' میرے رابطے میں

آ گیا۔ یہ مائکروسافٹ نیٹ ورک کا ایک انتہائی دلچسپ پروگرام تھا، اس پروگرام کے ذریعے میری ملاقات ایک امریکی خاتون شاہدہ سے ہوئی شاہدہ نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ ہم جلد ایک دوسرے کے مزاج آشنا ہو گئے اور ہمارے درمیان قلمی دوستی کا گہرا رابطہ کمپیوٹر آن لائن کے ذریعے قائم ہو گیا۔ ہم ای میل کے ذریعے ایک دوسرے کو خط بھیجتے رہے صرف ۶ ماہ کے عرصے میں میرے میل باکس میں ۳ میگا بائیٹ کے پیغامات جمع ہو گئے تھے۔ میں نے اور شاہدہ نے اسلام کے بارے میں اور بالخصوص وجود باری تعالیٰ پر اپنے اپنے خیالات اور عقائد کا کھل کر اظہار کیا۔ شاہدہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقانیت، بندے اور رب کے باہمی تعلق اور اسلام کے بارے میں میرے تصورات کو درست اور راسخ کرنے میں میری بہت مدد کی۔ وہ بے حد صابر خاتون تھیں اور میرے ہر سوال کا جواب اس کے لئے چیلنج بن جاتا تھا اور وہ مجھے مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔ وہ میرے احمقانہ سوالات کا جواب بھی بے حد سنجیدگی سے دینے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ ہر مرتبہ مجھ سے کہتی تھی کہ میں اپنے دل کی آواز سننے اور سمجھنے کی کوشش کروں تو میں سچائی کو پالوں گا، اور اللہ رب العزت کی ذات سے معرفت مجھے حاصل ہو جائے گی۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور اپنی توقع سے بہت پہلے حاصل کر لیا۔ میں ایک مرتبہ بس میں اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا، میرے آس پاس بیٹھے ہوئے بیشتر لوگ سو رہے تھے اور میں بس کی کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی حسین اور دلفریب منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا یہ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں آسمان پر پھیلے ہوئے بادلوں پر پڑ کر منعکس ہو رہی تھیں اور ہر طرف گلابی اور زرد رنگ بکھر رہے تھے۔ رنگوں کے انتشار، ان کی جگمگاہٹ اور دل فریبی نے مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ فطرت کا یہ حسن پکار پکار کر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اپنے خالق کی نشانی ہوں، مجھے پہچاننے کی کوشش کرو، مجھے سمجھو، تم کوئی روبوٹ نہیں ہو، تم ایک جیتے جاگتے انسان اور اپنے خالق کی صناعی کا شاہکار ہو۔ طبعیات اور کیمیا کے علم میں غور کرو جہاں جا بجا نشانیاں ملتی ہیں۔ کائنات اور مادے کا پورا علم ایک خالق برحق کی شہادت دیتا ہے۔ وہ ذات جو مطلق ہے، جس کا کوئی شریک نہیں جو صناع بے بدل ہے۔ میں ان احساسات اور جذبات کے

ساتھ مکمل تسکین کی حالت میں اللہ رب العزت کی صناعی اور رنگوں سے بھرپور دنیا میں غور وفکر کرتا رہا۔ یہ لمحے میری پوری زندگی کا حاصل تھے۔

اگلی صبح جب میں بیدار ہوا تو پہلا خیال میرے دماغ میں یہی تھا کہ اللہ کی قدرت سے میں زندگی کے مواقع سے بھرپور ایک دن کا آغاز کر رہا ہوں۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ میرے اردگرد ہر شے ذات باری تعالیٰ کے وجود کی گواہی دے رہی تھی۔ تاہم ۲۵ سال تک اللہ کے وجود سے انکار کرتے رہنے کے بعد اس کا اقرار کرنا اور اس بنیاد پر اسلام کو بطور دین قبول کر لینا کوئی آسان فیصلہ نہیں تھا۔ میں امریکہ چلا گیا جہاں پر سویڈن کے مقابلے میں اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے زیادہ بہتر مواقع مجھے مل سکتے تھے۔ میں نے نماز پڑھنا اور اس کو محسوس کرنا اور اپنے دل پر گزرنے والی کیفیات کا ادراک اور شعور حاصل کرنا شروع کر دیا، یہ ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مسلسل رہنمائی ہو رہی تھی اور میں آہستہ آہستہ پورے شعور کے ساتھ اللہ کی ذات کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے اسلام کے بارے میں تمام کتابیں جو مجھے ملیں، پڑھ ڈالیں۔ ایک دن مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق ملی اور مجھے ایک مسجد کا پتا مل گیا، میں کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ اس مسجد تک پہنچا۔ یہاں میری کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے پڑھنے کے لئے کچھ کتابیں دیں اور گھر آنے کی دعوت دی۔ میرے ذہن میں جو سوالات تھے، مجھے ان کا جواب بھی مل گیا، اب اسلام میری زندگی پر غالب آ رہا تھا۔ میں باقاعدگی سے مسجد جانے لگا، بالآخر جمعہ کا مبارک دن آ گیا، یہ میری زندگی کا عجیب تجربہ تھا۔ ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو کر اپنی پوری توجہ کائنات کے مالک حق تعالیٰ جل شانہ کے حضور مرکوز کر کے رکوع اور سجود پر ایک ناقابل فراموش روحانی کیفیت تھی جو مجھ پر طاری ہو گئی تھی۔ میرا دماغ میرے دل کے قابو میں آ گیا تھا، جو وسوسے دماغ میں پیدا ہوتے تھے، دل خود بخود انہیں مسترد کر دیتا تھا۔

اسی دوران انٹرنیٹ پر میں نے ایک نومسلم خاتون کا واقعہ پڑھا جو کچھ عرصہ

پہلے مشرف بہ اسلام ہوئی تھی۔ وہ تقریباً ان کیفیات یا تجربات سے گزری تھی جن سے میں اپنی دہریت اور اللہ کے وجود سے انکار کے دور سے آج تک گزرا تھا۔ یہ داستان پڑھ کر میرے دل کی کیفیت عجیب ہوگئی اور میں زار و قطار رونے لگا۔ حق بار بار میرے سامنے آیا لیکن میں خود ہی اسے قبول کرنے میں تامل برتتا رہا، میں اب مزید انتظار نہیں کرسکتا تھا میری خواب گاہ کی کھڑکی سے یخ ہوائیں اندر آرہی تھیں اور مجھے ٹھٹھرائے دے رہی تھیں۔ موسم سرما کا آغاز ہونے والا تھا میں اپنی جگہ سے اٹھا، غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے اور دوڑ کر اپنی کار میں سوار ہوگیا۔ مسجد یہاں سے ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر تھی۔ مسجد پہنچ کر میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا، میرے تمام ساتھیوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ نماز ظہر کے بعد میں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ میرے غیر مسلم دوستوں کے لئے یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز بات تھی لیکن وہ یہ سب سمجھنے سے قاصر تھے تاہم انہوں نے میرے اس فیصلے کو قبول کرلیا۔ سچ تو یہ ہے کہ حق اسے ملتا ہے جو اسے پانے کی تمنا دل میں رکھتا ہو۔

سابقہ نام : جان دکلے **سابقہ مذہب** : عیسائی
اسلامی نام : مصطفیٰ الامین **ملک کا نام** : لائبیریا

ظلمت سے روشنی میں

مجھے ایک نومسلم نوجوان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی پرسوز قرأت نے مسحور کر دیا، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نوجوان کا نام مصطفیٰ الامین ہے اور اس کا تعلق مغربی افریقہ کے ملک لائبیریا سے ہے۔ بے اختیار دل میں اس نومسلم نوجوان سے تفصیلی ملاقات کا خیال جاگزیں ہوگیا۔ چنانچہ ان سے ملنے کے لئے وقت طے کیا اور ان سے ملاقات میں پہلا سوال یہ کیا کہ آپ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

مصطفیٰ الامین نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مجھے جان دکلے کے عیسائی نام سے پکارا جاتا تھا۔ دکلے دراصل ایک مسلمان قبیلہ ہے جو بنیادی طور پر گنی سے تعلق رکھتا ہے میں نے اسی قبیلے میں جنم لیا۔ یقیناً آپ کے ذہن میں یہ خیال آرہا ہوگا کہ مسلمان قبیلے میں پیدا ہونے کے بعد عیسائی کیسے بن گیا؟ مجھے درحقیقت بہت چھوٹی عمر میں ایک مشن اسکول میں بھیج دیا گیا تھا جیسا کہ وہاں عموماً بچوں کو تعلیم کے سلسلے میں مشن اداروں میں بھیجا جاتا ہے جو گریجویشن تک وہیں رہتے ہیں۔ اس عرصے میں ان کی اس قدر برین واشنگ کی جاتی ہے کہ ان کی شخصیت ایک نئے روپ میں ڈھل جاتی ہے اور وہ اپنا جوہر اصلی بھلا کر وہی بن جاتے ہیں جس کی انہیں تربیت ملتی ہے۔ پھر اسلام کے نزدیک پھٹکنے کا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ الاماشاء اللہ۔ اس ماحول میں جب میں سن شعور کو پہنچا تو مسلمان والدین کی اولاد ہونے کے باوجود میں عیسائی بن چکا تھا، میرے شب و روز ایک عیسائی کی مانند گزر رہے تھے۔

یہ ۱۹۹۰ء کا سال تھا جب میں مارودیا شہر میں اپنے خاندان کے پاس لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ پورا دکلے قبیلہ طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنا ہوا تھا اور مقامی ملحد اور عیسائی قوتیں ان پر تعذیب و تعدی کے بدترین ہتھکنڈے آزما رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس ماحول کو غیر محفوظ خیال کرتے ہوئے ہمیں مجبوراً ملک کے اندورنی حصوں کی طرف ہجرت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

وہاں پہنچ کر بھی طرح طرح کے امتحانوں اور آزمائشوں کا سامان رہا۔ ہمیں تفتیش کے متعدد مراحل سے گذرنا پڑا۔ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ تمہارا قبیلہ کون سا ہے؟ اور سابقہ حکومت سے تمہارا کوئی تعلق تو نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

میری زندگی کا سب سے اہم موڑ وہ تھا جب میں ملحد اور عیسائی باغیوں کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا جو خاص طور پر ہمارے قبیلے کی تلاش میں تھے۔ مجبوراً دوران تفتیش ہمیں اپنے قبیلے کا نام مخفی کرنا پڑا اور ہم نے اپنا تعلق جانسنز قبیلے سے ظاہر کیا (جانسنز امریکی نیگرو باشندوں کا ایک قبیلہ ہے جو امریکہ سے واپس آکر اپنے آباؤ اجداد کے وطن میں آباد ہوئے ہیں) اس قبیلے کا نام لے کر ہم مزید نقصان سے تو بچ گئے مگر میں سوچنے لگا کہ ہمارا جرم اس کے سوا کیا ہے کہ ہمارا تعلق ایک مسلم قبیلے سے ہے۔ مسلم مخالف رویے کے پیش نظر میں غور کرنے لگا کہ اس مذہب یعنی اسلام میں کوئی ایسی چیز ضرور ہے جو انہیں چبھتی ہے اور جس کی وجہ سے اسلام کو ماننے والوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور اس سوچ نے مجھے کھوج لگانے پر مجبور کر دیا کہ وہ حقیقت میں سب کیا ہے؟

جب میں اپنے والدین کو چھپ چھپ کر نماز پڑھتے دیکھتا تو مجھے انجانی سی خوشی کا احساس ہوتا وہاں علی الاعلان نماز پڑھنے کا مطلب اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ میں نے بارہا اس پر غور کیا کہ کیا یہ جرم ہے کہ کوئی اپنے پروردگار کی عبادت کرے۔ آخر عیسائیوں کے عبادت کرنے پر مسلمان تو کبھی معترض نہیں ہوئے۔ انہی دنوں مجھے ایک کتاب **Christian Muslim Dialogue** پڑھنے کو ملی جو افریقی مسلم ایجنسی نے شائع کی تھی۔ اس کے مندرجات کا مطالعہ کیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہونے والی

گفتگو پر غور کیا تو اس نتیجے پہ پہنچا کہ عیسائیت کی بنیاد اگرچہ تثلیث پر ہے لیکن دوران گفتگو جب ایک مسلمان نے عیسائی پادریوں اور ان کے مستند عالم سے تثلیث کی وضاحت چاہی تو بڑا الجھا دینے والا جواب ملا کہ ''ایک تین اور تین ایک ہے''۔ جس سے شرکاء گفتگو میں سے کوئی بھی مطمئن نہ ہوا۔ پھر یہ سوال کیا گیا کہ مقدس باپ، بیٹے جیسی طاقت و اختیارات کا حامل ہے تو بیٹے کے اختیارات کیا ہیں مگر اس کا بھی کوئی شافعی جواب نہ مل سکا آخر بحث اس نتیجے پر منتج ہوئی کہ بائبل اور قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو یہ فرق واضح ہو جائے گا۔

بائبل ہماری ذمہ داریوں کا تعین نہیں کرتی اور ہم صحیح معنوں میں اس سے رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے جب کہ وہ ایسے معاملات پر پیچیدہ انداز میں بحث کرتی ہے جس کا انسان کی عملی زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تو میں قائل ہو گیا کہ جو شخص بائبل پر اتھارٹی اور ایک مستند عالم ہونے کے باوجود صرف اس سادہ سے سوال کا جواب نہ دے پائے کہ تثلیث درحقیقت ہے کیا تو ایسا مذہب اور ایسی کتاب قابل اعتبار نہیں۔ جلد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جو لوگ ایک اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہی حق پر ہیں۔ اس حقیقت کو پالینے کے بعد میں قرآن کی طرف متوجہ ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ کے ہاں اگر کوئی اس کے علاوہ مذہب اختیار کرتا ہے تو وہ قیامت کے روز بلاشبہ خسارے میں رہے گا۔ اگر میں صحیح مذہب پر عمل نہیں کر رہا تو اپنا نقصان کر رہا ہوں اور ظلم کا مرتکب ہو رہا ہوں، پس میں نے فوری طور پر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو فطرت کے سپرد کر دیا۔ ماں باپ کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی سے میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ میں اسلامی مطالعاتی مرکز جاتا جہاں قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ میں ہر ہفتے، جمعہ ہفتہ اور اتوار کو وہاں چلا جاتا۔ نماز پڑھنا تو میں نے بہت جلد سیکھ لیا۔ یہ اسلام کی حقانیت اور سادگی کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی نہیں ہے اور یہ انسانی زندگی کے ہر لمحے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔''

''آپ کو اسلام سے متعلق کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟'' میں نے مصطفیٰ الامین سے اگلا سوال کیا جس کے جواب میں انہوں نے کہا:

''سب سے زیادہ متاثر کن یہ بات ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے اور دین پر عمل کرنے لگتا ہے وہ تمام عالم کے مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے اور یہ رشتہ ایسا مضبوط ہوتا ہے کہ واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ خون کے رشتوں پر بھی اسے فوقیت حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب ہدایت یعنی قرآن مجید نے انسانی زندگی کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا اور وہ ایسے حقائق پر مبنی ہے کہ سائنس کے لئے بھی انہیں تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ حقائق چاہے انسان کو تقویم و پیدائش سے متعلق ہوں یا فلکیات سے، معاشیات سے متعلق ہوں یا معاشرت سے، آج سے سوا چودہ سو سال پہلے اس عظیم کتاب نے جو انکشافات کر دیئے تھے جدید دور کے ماہرین اور سائنسدان انہیں آج دریافت کر رہے ہیں حالانکہ یہ تو پہلے سے دریافت شدہ ہیں۔ قرآن کے کل اور آج میں کوئی اختلاف نہیں، کوئی تضاد نہیں اس کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں پائی جاتی جب کہ دوسری آسمانی کتابیں آج تضادات اور تحریفات سے عبارت ہیں''۔

''آپ کے اسلام قبول کرنے پر آپ کے اردگرد کے لوگوں اور دوستوں کا کیا ردعمل تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ سوال بہت اہم ہے'' مصطفیٰ الامین کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ ''سب سے بڑا مسئلہ سماجی تنہائی اور معاشرتی بائیکاٹ کا ہوتا ہے۔ دوست سمجھنے لگتے ہیں گویا کہ میں نے کوئی بہت غلط فیصلہ کر لیا ہے، جو حد درجہ ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ میرے ایک دوست نے مجھے کہا کہ تمہارا اسلام قبول کرنے کا فیصلہ انتہائی غلط ترین ہے کوئی احمق شخص ہی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ مسلمان جنگ جو، امن کے دشمن اور فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تم نے پرامن مذہب چھوڑ کر ایسا مذہب کیوں اختیار کر لیا ہے؟

میں نے اسے جواب دیا: دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ ذرا بتاؤ تو کیا جنگ عظیم اول مسلمانوں نے لڑی تھی اور کیا جنگ عظیم دوم کا سبب مسلمان تھے؟ اس سے جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگا تم جانتے ہو کہ کچھ شرپسند ایسے ہوتے ہیں جن کے خلاف ایکشن لینا پڑتا ہے۔

تو میں نے کہا: بھلے مانس یہ تو غور کرو کہ ایکشن لینے والے کون تھے، اور جن کے خلاف لیا گیا وہ کون تھے؟ کیا وہ مسلمان تھے؟ دراصل اس طرح سوچنے میں قصور ان لوگوں کا نہیں، ان کی نئی نسل تو بڑوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کے زیر اثر رہتی ہے اور انہیں ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں کہ وہ اسلام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں، مبادا حقیقت سے آگاہ ہو کر وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غلط یا صحیح راستے میں فرق نہیں کر پاتے۔

سو میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے اگر تمہیں مجھ سے قطع تعلق کرنا ہے تو تمہاری مرضی میرا اللہ بہتر جانتا ہے کیا چیز موزوں ہے اور کیا غیر موزوں۔ انسان ہونے کے ناطے تم میرے لئے محترم ہو کہ اسلام ہمیں انسانیت کے احترام کا درس دیتا ہے لیکن اپنے معاملات کو آزادی سے چلانے کا حق میں محفوظ رکھتا ہوں''۔

اسلامی تعلیمات سے آگاہی کے بارے میں انہوں نے کہا:

''میں زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جس تعلیمی ادارے میں میں اپنی تعلیم مکمل کروں گا، وہاں زیادہ تر عیسائی نظریات کے حامل افراد ہیں ہو سکتا ہے کہ جب میں ان کے پاس جاؤں تو مجھ سے کوئی سوال کریں یا اسلام مخالف کوئی بات کہیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ میں جواب دینے کے قابل ہوں''۔

اسلام کی دعوت کے سلسلے میں مصطفیٰ الامین کا کہنا تھا:

''یہ ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کا کام کرے اس دین کو اللہ نے جب پسندیدہ دین قرار دیا ہے تو کون ذی عقل ایسا ہے جو اسے ناپسند کرے اور ناقابل عمل گردانے۔''

تاہم یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی مثالی مسلمان بن کر بسر کریں اور بتدریج دوسروں کو اسلامی زندگی کے فوائد سے آگاہ کریں۔ قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے کی جانب قدم بڑھائیں مگر

ضروری ہے کہ پہلے خود قرآنی تعلیمات کو سیکھا اور سمجھا جائے“۔

”نماز اور دوسری اسلامی عبادات کی ادائیگی میں کسی قسم کی مشکل تو نہیں پیش آتی“؟

ابتداء میں کچھ مشکل ضرور پیش آئی، نماز آتی بھی نہیں تھی مگر وقت گزرنے پر مجھے اس میں لطف آنے لگا اب تو اس کے بغیر زندگی ادھوری لگتی ہے۔ الحمدللہ میری زندگی تبدیل ہو چکی ہے۔ پریشانیوں اور جس بے سکونی کا پہلے شکار تھا اب نہیں ہوں۔ دراصل دین اسلام انسان کی منزل ہے اور کوئی انسان جب تک منزل کو پا نہیں لیتا بے سکونی و بے چینی کا شکار رہتا ہے۔

ہر ذی روح کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور انسان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی بندگی کرے۔ اس کے احکامات پر پورا اترنے کی کوشش کرے انسان کو اللہ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی ہے جو بہت بڑی دولت ہے۔ ہمیں صحیح بات کو صحیح رخ پہ سوچنے سے ہچکچانا نہیں چاہیئے بلکہ اس صلاحیت کو بروئے کار لا کر حقیقت کا کھوج لگانا چاہیئے، ہم اپنے چھوٹے معاملات میں کوشش کرتے ہیں اور عارضی امور و معاملات میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی اہمیت دینی امور کو نہیں دیتے حالانکہ یہ تو ہماری نظر میں کہیں زیادہ اہم ہونے چاہئیں۔ ہم میں سے کسی نے بھی مستقلاً اس دنیا میں نہیں رہنا، آخرت کی جانب سفر لازمی امر ہے، لیکن آخرت کی زندگی کا انحصار اس زندگی میں کیے جانے والے اعمال پر ہے اس لئے مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے حق بات کا کھوج لگا کر اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور اپنی ضرورت سمجھتے ہوئے نماز اور دوسرے تمام فرائض کو پورا کریں ہمیں دین کی احتیاج ہے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو بے نیاز ہیں اگر ہم نماز پڑھیں تو اس سے اللہ کی سلطنت میں اضافہ نہیں ہوگا اور نہ پڑھنے سے کوئی کمی نہیں ہوگی لیکن دوسری صورت میں نقصان ہمارا اپنا ہے۔

اللہ نے ہمیں بنایا اور کیا خوب بنایا اور زندگی میں طرح طرح کی نعمتیں عطا

فرمائیں تو ہم پر شکر گزاری لازم ہے۔ شکر سے نعمتوں کے زوال سے بچا جا سکتا ہے، میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ ذہن اپنے مالک کی طرف مرتکز رہے خشوع خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ پاکستانی بھائی خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے انہیں دین پر عمل پیرا ہونے کا موقع دیا ہے لہٰذا وہ دین سیکھیں اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کو پھیلائیں۔

سابقہ نام : ڈاکٹر آرتھر ایلیسن **سابقہ مذہب :** عیسائیت

اسلامی نام: ڈاکٹر عبداللہ **ملک کا نام :** انگلینڈ

قرآن کی حقانیت نے

ڈاکٹر آرتھر کو ڈاکٹر عبداللہ بنا دیا

اس کرہ ارض پہ رہنے والے انسانوں کے لئے قرآن مجید ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ اپنے آفاقی اور عالمگیر پیغام میں قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی ہر شعبہ زندگی میں جو رہنمائی کی ہے آج کی سائنسی تحقیقات اب اس نتیجہ پر پہنچ رہی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ قرآن مجید کے علم وعرفان کے اس پہلو کو غیر مسلموں بالخصوص نوجوان نسل پر واضح اور روشن کیا جائے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان دانشور علماء فضلاء اب اس جہت کو سامنے رکھ کر ٹھوس بنیادوں پر کام شروع کریں تاکہ اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے ایک نئے اور درخشاں باب کو رقم کیا جا سکے۔ اس دور میں اصلاح کے اس عالمگیر پیغام کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے بھی دیکھا جا رہا ہے۔ اور الحمدللہ مختلف سائنسی علوم میں پیش رفت کی وجہ سے جو بیش قیمت معلومات کٹھن تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں قرآن کریم اس کے نچوڑ اور خلاصے کو نہایت مدلل انداز میں چودہ سو سال سے مسلسل پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے بندے قرآن مجید کو جدید سائنسی علوم کا ماخذ تصور کر کے اپنے تجربات سے نہ صرف ثابت کر رہے ہیں بلکہ اس سے مزید رہنمائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر ایمان لاتے ہوئے مسلمان ہو رہے ہیں اور مغرب زدہ نئی گمراہ نسل کو بھی مسلمان کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

درج ذیل مضمون ایک دوست جناب احمد سلام کے ایک خط کا ترجمہ اور تلخیص ہے۔ یہ داستان ڈاکٹر آرتھر ایلیسن کی ہے جو گذشتہ چھ برس سے برٹش پیرا سائیکالوجی

اور روحانی تعلیمات کے ادارے کے چیئر مین ہیں اور اپنے اس منصب کی نوعیت کے پیش نظر انہیں مختلف مذاہب کے مطالعہ کا موقع ملا۔

ڈاکٹر آرتھر یورپ، امریکہ اور جاپان میں تحقیقاتی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے بہت سے تحقیقاتی مقالے تحریر کیے ہیں اور دنیا بھر میں کئی ممتاز بین الاقوامی کمپنیوں نے ان کی خدمات حاصل کی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ نے ان کی کایا ہی پلٹ دی اور وہ حیران رہ گئے کہ جس موضوع پر وہ سالہا سال سے عرق ریزی کر رہے تھے قرآن مجید نے وہ حقیقتیں اپنے دلکش پیرایہ میں بہت عرصہ قبل بیان کر دیں ہیں۔

قرآن نے نہ صرف یہ کہ ان کی کوئی مخالفت کی بلکہ ان سب تحقیقات کا سرچشمہ اور ماخذ خود قرآن ہے جوان مسائل میں رہنمائی کے سلسلے میں لاثانی ہے۔ ڈاکٹر آرتھر قرآن پاک کی حقانیت اور علمیت سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے فی الفور اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے قاہرہ (مصر) میں سائنسی موضوع پر ہونے والی ایک کانفرنس میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اب ان کا اسلامی نام ڈاکٹر عبداللہ ہے وہ ایک برطانوی یونیورسٹی میں شعبہ الیکٹرونکس کے صدر بھی ہیں۔

انہوں نے اپنے پر جوش پیغام میں مغربی سائنسدانوں پر زور دیا کہ وہ اسلام کی عالمگیر صداقتوں پر ایمان لے آئیں جو عقل وفکر، استدلال اور ذہانت کا سبق دینے کے ساتھ ساتھ جذبات کی تسکین اور روحانی تشنگی کو دوطرف کرنے کا ایک ذریعہ بھی فراہم کرتا ہے۔

انہوں نے اعلان کیا کہ قرآن مجید کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن دوسرے مذاہب اور فلسفہ ہائے زندگی کے مقابلہ میں بہت سی سائنسی اور فنی نظریات کی نہ صرف تائید کرتا ہے بلکہ جدید سائنسی تحقیق کورد نہیں کرتا۔

ڈاکٹر عبداللہ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے عیسائی تھے اپنے ان خیالات کا اظہار قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں کر رہے تھے جس کا عنوان تھا ''قرآن کریم سے طبی معجزات''۔ ڈاکٹر عبداللہ اس کانفرنس میں بطور ایک

پیرا سائیکالوجسٹ شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کانفرنس میں ایک تحقیقی مقالہ بھی پیش کیا، جس کا عنوان تھا، ''موت اور نیند کا قریبی تعلق''۔ انہوں نے اس موضوع کے متعلق انسانی دماغ پر عصر حاضر کی جدید مشینوں اور الیکٹریکل آلات سے تجربات کئے جو دراصل ان کے دائرہ تخصص میں آتے ہیں۔

اسی دوران انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا مطالعہ کیا، قرآن کریم نے ان کی جو رہنمائی فرمائی اور اپنے تجربات کے نتائج کو جب انہوں نے قرآن پاک کی روشنی میں دیکھا تو بے حد حیران کن نتائج سامنے آئے اور وہی قرآنی آیات جسے لوگ صدیوں سے تلاوت کرتے چلے آرہے ہیں، ایک غیر مسلم انسان کی کایا پلٹ دینے کا ذریعہ بن گئیں۔ قرآن مجید کا ''موت اور نیند کا قریبی تعلق'' پر نقطہ نظر ان کی اپنی ریسرچ کا گواہ اور عینی شاہد تھا جس تحقیق پر انہوں نے سالوں کام کیا قرآن مجید نے نہایت جامع زبان میں اس کو تھیوری کی شکل میں پیش کیا ہوا تھا۔ اور یہ ایک ہی نہیں، قرآن کریم ایسے بے شمار سائنسی معجزوں ورموشگافیوں کی حقیقت کا کھلے عام اعلان برسوں سے اور بے شمار جگہوں پر کر رہا ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ نے عام مسلمانوں کی قرآن کریم کی اس جدید سائنسی جہت سے بے خبری پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قرآنی تعلیمات کے اس پہلو سے روشناس کرانے کی بھی ضرورت ہے۔ جس سے لوگ ابھی تک بے خبر ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ قرآن سائنس کو رد نہیں کرتا بلکہ اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے اور یہ کہ اگر کہیں گاہے بگاہے ایسا شائبہ نظر بھی آجائے تو وہ سائنس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے اور اس مخصوص شعبے میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر قرآن کی آفاقی عظمت اور بزرگی بہر حال مسلم ہے، ان کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیات جو موت اور نیند سے متعلق ہیں میری تمام تر تحقیقات کا زندہ جاوید ثبوت ہیں۔

> ''یہ خدا جو مرنے پر لوگوں کی روحیں نکال لیتا ہے اور ایسوں کی جو نیند میں ہوتے ہیں اور ایسوں پر جن پر موت واجب ہوگئی ہو، روح کو دوبارہ نہیں بھیجتا اور جو سوئے ہوتے ہیں ان پر روح کو ایک

معینہ مدت کے لیے لوٹا تا ہے بیچ ہے اس میں ان کے لئے علامات
نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں"۔ (سورۃ الزمر: ۴۲)

قرآن مجید کے اس مخصوص حصے پر مزید تشریح اور تحقیق کی خاطر انہوں نے ڈاکٹر المشدفی کے ساتھ مل کر کام کیا اور سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت کر دی کہ موت اور نیند ایک ہی عمل ہے جو کہ قرآنی آیات میں بھی واضح طور پر موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں نے قرآن پاک کی ان خوبیوں کو غیر مسلموں تک پہنچانے میں بہت غفلت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سائنسی تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جب کوئی مرد یا عورت سو جاتا ہے تو کوئی چیز اس کے جسم سے نکل جاتی ہے۔ اور جب واپس آجاتی ہے تو وہ بیدار ہو جاتا ہے، اور جب وہ نہیں آتی تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ وہی نکات ہیں جو قرآن نے صراحت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ سائنس نے دل کی گہرائیوں سے قرآن کی اس دلیل کو تسلیم کر لیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے مسلمانوں کی اس بارے میں غفلت کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار پھر کہا کہ دوسرے نظریات نے جن میں ہندوازم اور توہم پرستی شامل ہیں دوسرے ممالک اور تہذیب میں سرائیت کرنے کی کوشش کی ہے اور لوگوں کو اپنے بے بنیاد ادیان پر گامزن کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اسلام کی ترویج اور اشاعت کے لئے بھرپور کوششوں کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے جو کہ آفاقی حقیقت ہے اور اسے دوسرے کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا اسلام کی بالادستی کا ثبوت اس کا مدلل انداز ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات و احساسات کی قدردانی بھی ہے۔ انہوں نے اس عزم کا اعلان بھی کیا کہ وہ انگلینڈ میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو غیر مسلموں بالخصوص نوجوانوں کو عصر حاضر کے جدید تقاضوں کو قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ کر کے ایسے شعور سے آشنا کر سکے جو قران کا حق ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ مغربی دانشوروں اور سائنسدانوں کے لئے ضروری ہے کہ قرآن اور اسلام کو سائنسی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں۔

سابقہ مذہب: عیسائی **اسلامی نام:** عبدالرحمن **ملک کا نام:** کینیڈا

اسلام سے پہلے زندگی بے مقصد معلوم ہوتی تھی

میرا نام، عبدالرحمن ہے اور میرا تعلق کینیڈا سے ہے۔ میں بصری میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اور ایک کل وقتی تکنیک کار کی حیثیت سے فرم میں ملازم ہوں۔ میرا ایک محدود خاندان ہے جس میں میرے علاوہ دو بہنیں اور والدین شامل ہیں، میرے اسلام لانے کا ذریعہ ایک ایسا خاندان بنا جو ہندوستان سے نقل مکانی کر کے انگلستان اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر کینیڈا میں آباد ہوا اور وہاں اسٹور چلا رہا ہے۔ اس خاندان کا ایک لڑکا میرا دوست بن گیا، ان لوگوں سے مل کر پہلی مرتبہ علم ہوا کہ اسلام کیا ہے کیونکہ مغرب میں اسلام کی صحیح تصویر بالکل پیش نہیں کی جاتی۔

ان لوگوں نے باقاعدہ انداز میں مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی مگر اسلام سے متعلق جاننے میں میری حوصلہ افزائی اور مدد ضرور کی۔ میں عیسائیت اور دیگر روحانیت کا داعیہ رکھنے والے مختلف مذاہب کا جائزہ لے چکا تھا، چنانچہ اسلام کا مطالعہ مجھے بے حد دلچسپ لگا میرے والد عیسائی تھے اور مذہب کے ساتھ غیر معمولی وابستگی رکھتے تھے۔ اس چیز نے مجھے اسلام کے مطالعے پر راغب کیا اور میں نے جاننا چاہا کہ اہل مغرب، بالخصوص ان کے ذرائع ابلاغ اسلام کے بے حد خلاف کیوں ہیں۔ یا واقعی اسلام مجموعہ نقائص ہے؟ چنانچہ میں نے اسلام کے متعلق تعلیمات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ بھی شروع کیا اور اس کی کاپی اس مسلمان خاندان نے مجھے دی تھی۔ مطالعہ قرآن کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ اسلام میں پائے جانے والے مساوات کے تصورات نے مجھے مبہوت کر دیا حالانکہ اس کا حقیقی مفہوم مسلمان ہوئے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سننے یا پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ محسوس کرنے کی ہے۔

میرے زیر مطالعہ علامہ عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن تھا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ جو بائبل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی، پڑھی تو قرآن کے صاف ستھرے متاثر کن انداز بیان نے جو آسمانی کتاب کے شایان شان ہے، بے حد متاثر کیا۔ فلسفہ حیات اور انقلاب و ثقافت کے پس منظر میں کارفرما عوامل اور انصاف و مساوات کی اصل حقیقت یہ سب باتیں بہت بھلی لگیں۔

میرے دوست کے والد صاحب ایک اچھے عملی مسلمان ہیں اور نماز پنجگانہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اہم معاملات پر ان سے بھی گفتگو رہتی۔ کافی عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ انہوں نے مجھے پیغمبر اسلام کی زندگی، دعوت حق، مکہ سے مدینہ ہجرت اور فتح مکہ کے واقعات سے آگاہ کیا یوں میری معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوا اور میں قبول اسلام کے فیصلے کی جانب بڑھتا رہا۔ پھر میں شہر کے دوسرے حصے میں چلا گیا جہاں ایک پاکستانی مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ نماز پڑھتے ہوئے وہ مجھے بہت بھلے لگے چنانچہ ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ انہوں نے مجھے (Towards understandin islam) کتاب بھی دی جس سے مجھے کافی رہنمائی ملی اور میں نے کافی کچھ سیکھا اب حقیقت پا لینے کے بعد کلمہ پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہ رہی تھی۔ چونکہ میں پہلے سے والدین سے الگ رہ رہا تھا لہٰذا میں نے انہیں فون پر اپنے اس فیصلے کی اطلاع کی پھر ان سے ملاقات پر انہیں بھی قائل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مختلف حوالوں سے مجھے قبول اسلام کے فیصلے پر نظر ثانی کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ انہیں میرا لادین ہونا بھی منظور تھا چنانچہ انہوں نے مجھے پیشکش کر دی کہ میں بے شک عیسائیت کو نہ بھی مانوں مگر اسلام قبول نہ کروں۔ مگر میں نے کہا کہ میں اسلام قبول اسی لئے کر رہا ہوں کہ یہ عیسائیت سے مختلف ہے۔ میں نے انہیں قرآن مجید کی کاپی بھی فراہم کی ہے جس کا وہ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میری ایک بہن سیکولر نظریات رکھتی ہیں ان سے بھی بات ہوئی، مغرب میں اگر کوئی روحانیت کا احساس رکھتا بھی ہے تو من مرضی کا چنانچہ انہوں نے کہا کہ وہ عبادت کرتو رہی ہیں مقدس مریم کی۔ استغفر اللہ۔ میری چھوٹی بہن کافی مذہبی اور سنجیدہ مزاج رکھتی ہے میں اس کے ساتھ بات کروں تو سنجیدگی سے سنتی ہے۔ والدہ کا

ردعمل یہ تھا کہ والدین کے بچے فرمانبردار ہوں یا نہ ہوں بچے ہی ہوتے ہیں۔ سب ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت دے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل جن لوگوں سے تعلقات تھے وہ ملتے ہیں تو پہلی جیسی سرگرمیوں کی دعوت دیتے ہیں مگر مجھے انہیں دین کی طرف بلانے کا موقع مل جاتا ہے۔

میرے اسلام قبول کرنے کی سب سے زیادہ خوشی تو اس مسلم خاندان کو ہوئی جو میری ہدایت کا باعث بنا تھا۔ دوست سے ملاقات پر جو ایک دوسرے شہر میں رہتا ہے، اسے عملی مسلمان بننے کو کہتا ہوں تو وہ اپنی کوتاہیوں کے لنگڑے لولے جواز فراہم کرتا ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد اللہ کی عبادت کا حقیقی مطلب معلوم ہوا۔ چنانچہ میں نماز کے اصل فوائد اور مفاہیم سے آگاہی اور نفع کے لئے کوشش کرتا ہوں کہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہوں اس کے مطلب پر بھی ساتھ ساتھ غور کرتا رہوں اور اللہ کی بڑائی اور اپنی کمزوری اور عاجزی کا احساس جگانے کی کوشش کروں۔ غیر مسلم ممالک میں نماز کی ادائیگی میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاہم مسلمان ممالک میں نماز کے اوقات کا اہتمام ہونا چاہیئے اور سفر کاروبار اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں اس کی رعایت رکھی جائے۔

اسلام سے پہلے زندگی بے مقصد محسوس ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ اسلام سے ناواقف یا عملاً اس سے دور لوگ عجیب وغریب اور غلط سلط تفریحات اور کبھی منشیات کا سہارا لے کر دل بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کوئی راہ انہیں سوجھائی نہیں دیتی۔ اس بے مقصدیت سے تنگ آ کر مغرب میں کئی لوگ اب اس بات پر غور کرنے لگے ہیں کہ بندے کی زندگی کا مقصد کیا ہے حالانکہ یہ مقصد اس حکم باری تعالیٰ سے سمجھ آتا ہے:

"ہم نے جن اور انسانوں کو اپنی عبادات کے لئے پیدا کیا ہے۔"

(سورہ ذاریات)

اور عبادت محض نماز روزے تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو تو ساری زندگی عبادت ہے۔

یہ تصور کہ میں جو اچھا یا برا عمل کر رہا ہوں مجھے اپنے مالک کے دربار میں حاضر

ہو کر اس کا حساب دینا ہے، صحیح طور پر انسان کے دل میں پیدا ہو جائے تو اسے بھٹکنے سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے پھر وہ ساری زندگی اس طرح گزارے گا کہ اس کی زندگی کا ہر کام عبادت کے زمرے میں آئے۔ اس تصور کے دل میں جڑ پکڑنے کے بعد خواہشات خود بخود قابو میں آ جاتی ہیں۔

اسلام کا معاشرتی نظام بڑا خوبصورت اور حقیقت پسندانہ ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے تو ہر سطح پر زندگی پر امن انداز میں بسر ہو سکتی ہے۔ اسلام نے تعلقات انسانی کی تقدیس اور تحریم کی جو راہ متعین کی ہے وہ عین حقیقی اور فطری ہے۔ اسلام نے عورت کو وہ مقام دیا ہے کہ اگر اعتدال کے راستے اور صراط مستقیم کو چھوڑا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا جو مغرب میں برآمد ہو چکا ہے۔ آسمانی ہدایت سے بغاوت کے نتیجے میں ہر جگہ فساد برپا ہو کر رہے گا۔ اب خود مغرب کی عورت حیرت اور استعجابی کیفیت کا شکار ہے۔ بے لگام آزادی کا صحیح مصرف اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مرد کی ذمہ داریاں اپنے ذمہ لے کر اب وہ دونوں جانب سے پس رہی ہے اور کچھ سوجھ نہیں رہا کہ کیا کرے؟ اپنی نمائش کرے یا خود کو محفوظ رکھے دونوں صورتوں میں اس کی سلامتی خطرے میں ہے۔ آزاد رہنے کے لئے اسے وہ کچھ کرنا ہے جس کا تقاضا وہاں اس سے کیا جا رہا ہے جو بہر حال انسانیت کی تذلیل ہے۔ اللہ کرے یہ باتیں جلد از جلد سب مسلمانوں اور دیگر انسانوں کی سمجھ میں آ جائیں اس لئے کہ عورت کی تباہی نہ صرف مرد کی بلکہ پورے معاشرے کی تباہی اور نقصان ہے۔ شیطان تو کبھی کوئی آڑ لے کر اور کبھی کوئی ذریعہ اختیار کر کے انسان کو گمراہ کرنے اور اسے نقصان پہنچانے میں مصروف ہے۔ وہ اس کا ازلی جو دشمن جو ٹھہرا۔

قبول اسلام کے بعد کبھی کبھی زندگی دوہری گزارنی پڑتی ہے۔ مسلمان مجھے عبدالرحمن کے نام سے پکارتے ہیں اور مجھے جاننے والے غیر مسلم پرانے نام سے۔ میں انہیں اپنا نام بتاتا ہوں۔ پھر کئی سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ جب انہیں میرے مسلمان ہونے کے متعلق علم ہوتا ہے تو وہ اسلام کے متعلق سوچنے لگتے ہیں۔

سابقہ نام: ہامیم کیلر **سابقہ مذہب**: رومن کیتھولک

اسلامی نام: نوح **ملک کا نام**: امریکہ

اللہ کی توفیق کے بغیر حق نہیں ملتا

ایک رومن کیتھولک اسکالر کے قبول اسلام کی سرگزشت

میرا نام نوح ہامیم کیلر ہے۔ میں شمالی مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دیہاتی علاقے میں ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوا۔ اور بطور رومن کیتھولک ایک مذہبی گھرانے میں پلا بڑھا۔ میرے بچپن کے زمانے میں چرچ نے میری تمام روحانی ضرورتوں کو پورا کیا۔ میں نے جب کیتھولک یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو مذہبی مطالعے میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے عقیدے کے بارے میں سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونا شروع ہوئے۔

۱۹۶۳ء کی سیکنڈ ویٹیکن کونسل کے مطابق چرچ کے کوئی مقررہ معیارات نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کیتھولک کلیسائی عبادات اور رسوم میں بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ چرچ کے پادری کلیسائی قواعد میں نرمی اور لچک کے قائل ہیں تاہم انہوں نے عام کیتھولک عوام کو اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کی کتاب انجیل مقدس کے عبرانی سے لاطینی اور لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ ہوتے ہوتے بہت کچھ بدل گیا۔ وحی الٰہی کے الفاظ کی جگہ مختلف زمانوں میں انسانوں نے اپنی سہولت اور آسانی کے مطابق تبدیلیاں کرڈالیں یہاں تک کہ اللہ کے کلام کو گوکار اور کلاسیکی موسیقی کا محتاج بنا دیا گیا۔

کلیسائی عبادتوں میں تبدیلی کی ایک اور وجہ عقیدے اور نظریات کی مشکلات بھی تھیں۔ مثال کے طور پر تثلیث کا نظریہ جس کی وضاحت دنیا کی تاریخ میں کوئی شخص نہیں کرسکا۔ نہ کوئی پادری اور نہ عام آدمی متاثر کن انداز میں اس کی توضیح کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ عقیدۂ تثلیث کے مطابق اللہ تعالیٰ جنت سے دنیا پر حکمرانی کررہا تھا اور

زمین پر اس کا بیٹا عیسیٰ علیہ السلام جس نے انسانیت کو بچایا اور مقدس فرشتہ جبرئیل علیہ السلام نے جس کو ایک سفید فاختہ کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے، نسبتاً ایک معمولی کردار ادا کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب بھی میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تھا میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ ان تین میں سے کس سے مدد کی درخواست کروں۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ تعالیٰ کو باقی دونوں پر غالب اور حاکم ہونا چاہیئے۔ میں جب تک عیسائی رہا ان تینوں کے اختیارات میں مساوات کا تصور میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا۔ کیونکہ یہ مساوات میرے کیتھولک عقائد میں ہمیشہ ایک رکاوٹ اور سقم پیدا کر دیتی تھیں۔

چرچ کے بارے میں میری بے اعتقادی کی ایک اور وجہ اس کا اسٹاکس اور ٹریڈنگ میں ملوث ہونا تھا۔ بائبل کا میں نے جب بھی مطالعہ کیا اس کے تضادات نے سوائے پریشان خیالی کے مجھے کچھ نہ دیا۔ بعد میں جب میں نے عیسائیت کے دوسرے فرقوں مثلاً پروٹیسٹنٹ کا مطالعہ کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ عیسائیت کی اس کمی کو کیسے پورا کیا گیا۔ پروٹسٹنٹ نے اپنا علیحدہ مذہب تخلیق دے لیا۔ ہر فرقے نے اپنے مطلب کے عقائد پر زور دیا اور باقی کو چھوڑ دیا کیتھولکس نے سوائے مذہبی رسومات کے تمام چیزوں کو چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ بائبل میں کہیں بھی پوری زندگی کے لئے ہدایات موجود نہیں تھیں اور جو کچھ بھی تھا وہ باہم متضاد تھا۔

جب میں نے کیتھولک یونیورسٹی میں عیسائیت کا گہرا مطالعہ شروع کیا تو میرے علم میں آیا کہ نئے عہد نامے اور پرانے عہد نامے کے تضادات نے اصل کتاب کی حقانیت کو ہی شک میں ڈال دیا ہے۔ خود عیسائیت کے ماننے والے محققین نے جب اس بارے میں تحقیقات شروع کیں تو سوائے تشکیک کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ میں نے جواکم جرمیاس کی کتاب ''دی پرابلم آف ہسٹاریکل جیس'' کا مطالعہ کیا جس کا ترجمہ نارمن پیرین نے کیا ہے۔ جرمیاس اس صدی میں نئے عہد نامے پر بنیادی اسکالر کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ انجیل مقدس کی اصل زبانوں کا عالم اور ماہر تھا اور اس نے بالآخر اسکالر روڈلف بلٹ مین کے اس مقولے سے اتفاق کیا کہ نئے عہد نامے کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی قابل اعتماد اور قابل اعتبار سوانح تحریر نہیں کی جا سکتی۔ جب عیسائیت کا

ایک دوست اسے تسلیم کر لیتا ہے تو عیسائیت کے مخالفین کو جواب دینے کے لئے عیسائیوں کے پاس کون سی دلیل رہ جاتی ہے۔

بائبل اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس میں سچ اور حق کو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کو انسانوں اور کہانیوں کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ افسانہ اور داستان طرازی سچ کے اوپر غالب آ گئی ہے اور کوئی شخص بھی کہانی کو حقیقت سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ جب جرمیاس جیسا شخص بھی بائبل کی اس کمی کو تسلیم کرتا ہے تو ایک عام عیسائی کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس دوران میں نے آرتھر شوپن ہار کا مطالعہ بھی کیا اور فریڈرک نطشے کا بھی، اور ان میں سے کوئی بھی عیسائیت کے بارے میں میری بے اطمینانی کا علاج نہ کر سکا۔ جب میں نے یونیورسٹی آف گلاسکو میں داخلہ لیا تو فلسفہ میرے مطالعے کا محور بن گیا۔ میں نے جین پال سارترے ہیزل ہاریس، کارل مارکس، انجلز، ایمائل درکھائم، جرمی شاپیرو، جرگن، ہبیر، ماس، ہیگل اور دوسرے فلسفیوں کا مطالعہ کیا۔

اس دوران اسلام کے بارے میں بھی متعدد کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں۔ ان میں وہ تصانیف بھی شامل تھیں جن کے مصنف مغربی آدمی کے ماحول اور مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ ایسے مصنفین نے اس چیز پر زور دیا کہ جدید انسان کے لئے سارے مسئلے پیدا ہی اس لئے ہوئے کہ اس نے دنیا میں بطور انسان اپنے مقام کو اپنے خالق کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں اور وحی الٰہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

انتہا یہ ہے کہ عیسائیوں کے تمام مذہبی ادارے یعنی چرچ بھی محض ایک کمرشل اور تجارتی ادارے بن کر رہ گئے۔ میں نے امام غزالی کی ایک تصنیف کا ڈبلیو منٹگمری کا کیا ہوا ترجمہ بھی پڑھا جس سے زندگی کے معاملات میں روشنی ملی۔ اس کتاب میں ایگل کے تصور کے مطابق ایک ایسے عقل مند اور باشعور شخص کا تذکرہ ہے جو حق اور باطل میں تمیز کا پورا اختیار اور تمیز رکھتا ہے۔ میں نے قرآن مجید کا اے جے آربیری کا ترجمہ بھی پڑھا۔

اگرچہ یہ ترجمہ ایک عیسائی کا کیا ہوا ہے، لیکن اس کی ہر ہر سطر سے بائبل کے مقابلے میں قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کے کلام کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کی بالادستی ثابت ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے بطور قادر مطلق اور انسان کے بطور ایک بندے کے ان

کے باہمی رشتے کی نمایاں توضیح ملتی ہے۔

ایک وقت یہ آیا کہ میں نے شکاگو یونیورسٹی میں عربی زبان سیکھنی شروع کردی۔ صرف قواعد اور صرف ونحو پر عبور حاصل کرنے میں مجھے ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔ عربی پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے میں نے قاہرہ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ نجی طور پر یہ زبان سیکھ سکوں۔ مصر میں مجھے ایسے تجربات ہوئے جن کی وجہ سے میرا اسلام پر یقین اور پختہ ہوگیا۔ مصر میں میری اچھے اور برے ہر طرح کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی، لیکن میں نے ان پر قرآن کا وہ گہرا اثر دیکھا جو مجھے پوری عیسائی دنیا میں عیسائیوں پر بائبل کا کہیں نظر نہیں آتا۔

دریائے نیل کے کنارے میناس گارڈنز میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پانی کی طرف رخ کرکے گتے کے ایک ٹکڑے پر نماز ادا کررہا تھا۔ اس کی حالت سے اس کی غریبی اور مفلوک الحالی ظاہر ہورہی تھی۔ میں اس کے سامنے سے گزرنا چاہتا تھا، لیکن اس وجہ سے رک گیا کہ اس کی توجہ میں مداخلت نہ ہو، لیکن وہ نماز میں اس قدر گم تھا اور اپنے رب کے ساتھ اس کی توجہ اتنی گہری تھی کہ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر نظر آرہا تھا۔ ایسی توجہ اور ایسا ادراک میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ انسان اپنے خالق اور اپنے مالک سے ایسا گہرا تعلق پیدا کرسکتا ہے۔ میں نے ایسی توجہ اور ایسا تعلق کبھی کسی پادری کا خدا سے قائم ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے خان الخلیلی کے قریب سیکنڈری اسکول کے ایک کمسن لڑکے کو دیکھا وہ تھوڑی سی انگریزی بول لیتا تھا اور مجھے تھوڑی سی عربی آتی تھی، اس لئے ہم ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے۔ وہ گیزا تک میرے ساتھ پیدل گیا جو کئی میل دور تھا۔ جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو وہ یہ دعا کررہا تھا کہ میں اسلام قبول کرلوں۔ شاید اس کے سچے دل کی دعا تھی کہ جس نے مجھے دین حق کی طرف مائل کیا اور ورنہ تو بہت سے اسکالر اور عالم جنہوں نے اسلام پر بڑے بڑے مقالے لکھے تھے، مسلمان ہوئے بغیر مرگئے، اور جنہیں اللہ نے توفیق دی انہوں نے صراط مستقیم کا انتخاب کیا۔

قاہرہ میں میری ملاقات ایک یمنی مسلمان سے ہوئی جس نے عربی زبان سیکھنے میں مدد کے لئے مجھے قرآن مجید کا ایک نسخہ دیا۔ میرے کمرے میں کوئی میز نہیں تھی اور میں اپنی کتابیں فرش پر رکھا کرتا تھا چنانچہ میں نے قرآن مجید کا یہ نسخہ بھی ان ہی کتابوں کے ساتھ فرش پر رکھ دیا۔ میرے یمنی دوست نے عجلت میں اس نسخے کو فرش سے اوپر اٹھایا اور اس وقت تک اسے اوپر اٹھائے رہا جب تک میں نے اس سے وعدہ نہیں کر لیا کہ میں اسے فرش پر رکھنے کے بجائے اپنے بستر پر سرہانے رکھوں گا تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ اللہ کے کلام کے لئے اس کی عقیدت اور محبت سے میں بے حد متاثر ہوا حالانکہ وہ کوئی مذہبی آدمی یا اسکالر نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

میں ایک مرتبہ دریائے نیل کے کنارے ایک کچی سڑک پر جا رہا تھا مخالف سمت سے ایک معمولی کپڑوں میں ملبوس ایک بوڑھی عورت آئی اس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ چادر میں چھپایا ہوا تھا، وہ جب میرے قریب سے گزری تو اس نے ایک لفظ کہے بغیر ایک سکہ میری طرف پھینکا اور اسی خاموشی سے آگے چلی گئی۔ میں اس کے ایثار پر حیران رہ گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ میں ایک غیر ملکی اور ضرورت مند ہوں اور غیر مسلم ہونے کے باوجود اس نے میری مدد کرنا ضروری سمجھا۔ یہ اس کے اور اللہ کے درمیان مضبوط تعلق کی شہادت تھی۔ ان مختلف تجربات نے مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ پڑھنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا۔

اپنی پوری زندگی میں میں نے کسی مذہب کے عام انسانوں پر ایسے گہرے اثرات نہیں دیکھے جیسے قاہرہ میں قیام کے دوران عام مسلمانوں پر اسلام کے اثرات نظر آئے۔ عیسائیت میں یقیناً بہت سی اچھی باتیں ہیں، لیکن ان تمام اچھائیوں پر نظریاتی خلفشار اور تضادات کا غلبہ ہے۔ یہ تضادات اور خلفشار قرآن مجید میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ ہر بات کھلی اور واضح ہے، ہر حکم دلیل اور منطق کے ساتھ ہے، قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر کا تذکرہ انتہائی احترام کے ساتھ ہے۔ جس طرح عیسائی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور شعائر اسلام کی

بے حرمتی کرتے ہیں اس طرح مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواریوں کی بے حرمتی نہیں کرتے بلکہ انہیں بھی دین اسلام اور حق پر تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے تو انجیل مقدس بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، لیکن اب وہ اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں نے کہانیاں اور افسانے شامل کر دیئے ہیں۔ اسلام کا پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرتاپا محبت ہے اور انسان کو اس کی تعریف اور توصیف اپنے اندر پیدا کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ایک دن قاہرہ میں میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا: ''تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟''

اس کی بات تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہو گئی۔ درحقیقت سلامتی کا راستہ تو وہی اختیار کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے، لیکن انسان میں خود بھی تو اس راستے کے جستجو ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

> ''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں، شاید کہ تم عقل سے کام لو''۔
>
> (۵۷:۱۶،۱۷)

بالآخر میں نے قاہرہ میں ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کر لیا۔ اور تب سے اب تک میں اسلام کے بارے میں کئی کتب تحریر اور کچھ کتابوں کے ترجمے کر چکا ہوں۔

سابقہ مذہب: کیتھولک عیسائی **اسلامی نام**: محمد ویلفرید **ملک کا نام**: فلپائن

اسلام قبول کرنے پر مسلمان کسی کو مجبور نہیں کرتے

نومسلم محمد ویلفرید کے تأثرات

میری زندگی ایک ہی راستہ پر گامزن تھی، اس میں نہ کوئی نیا پن تھا اور نہ ہی تبدیلی سوائے اس کے کہ میری بیوی کو کسی خلیجی ملک میں کام کرنے کا موقع ملا۔ میں اپنی اولاد کے ساتھ فلپائن میں مقیم رہا۔ چند سالوں کے بعد میں نے اپنی بیوی کے اندر بعض تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا۔ مثلاً معاملات میں احتیاط اور اخلاقیات کی بلندی اور بعض نئے رجحانات جو پہلے ان کے اندر نہیں تھے اور کچھ عرصہ کی بعد مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا دین ترک کر کے اسلام قبول کرلیا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ: ''ان ملکوں میں جہاں میں کام کرتی ہوں مسلمانوں کی اسلامی زندگی کو دیکھ کر میں بہت متأثر ہوئی پھر میں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور جیسے جیسے اسلام کا مطالعہ کرتی گئی اور اسلامی تعلیمات مجھے اپنی طرف کھینچتی گئیں یہاں تک کہ میں نے بغیر کسی جبر واکراہ کے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا''۔

شروع میں میری بیوی نے صرف اپنے اسلام پر اکتفاء کیا اور میری نصرانی زندگی کے بارے میں مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی اور اسلام قبول کرنے کا مجھ سے مطالبہ نہیں کیا۔ بس جو بات انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ اسلام ہی دین حق ہے ان کی خواہش ہے کہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔

بارہ سال تک یہی صورتحال رہی، میں نے اپنی بیوی کے اسلام لانے کے ایک سال کے بعد محسوس کیا کہ وہ ایسے اخلاق اور طور وطریق پر عامل ہیں۔ جو مجھ کو اسلام سے قریب تر کر رہے ہیں اور اسلام سے مناسبت پیدا کر رہے ہیں میں نے اپنی بیوی کو

اسلام، اس کی فضیلت اور اس سے انتساب کی ضرورت کے سلسلہ میں فکر مند پایا، وہ کہتی تھی کہ باطل اور کفر کو چھوڑ دینا چاہیئے، اسلام لانے کے بعد وہ مجھ سے پرہیز کرنے لگیں لیکن معاملات اور خدمت میں کوئی کمی نہیں کرتیں۔ اور اس اجتناب سے ان کے دوسرے ملکوں میں کام کرنے سے مدد ملی، انہوں نے دو معاملوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا معاملہ میرے سپرد کیا جس میں تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

یا تو اسلام لے آؤں اور مسلمان بیوی کے ساتھ رہوں؟ یا میں ان کو طلاق دے دوں کیونکہ مسلمان عورت کے لئے ایسے آدمی سے وابستہ رہنا جائز نہیں ہے جو مسلمان نہ ہو۔ اور مجھ کو اس پریشان کن مؤقف سے ان سفروں نے نکالا جو ان کو دوسرے ملکوں کے کام کے سلسلہ میں کرنے پڑتے تھے، کام کی مدت ختم کر کے فلپائن واپس آئیں تو میں خود ملازمت کے سلسلہ میں مملکت عربیہ چلا گیا اور اس طرح علیحدگی برقرار رہی، اور طلاق کی نوبت نہیں آئی۔ میں کیتھولک نصرانی تھا۔ اور میں اپنا دین اس تعصب کی بنیاد پر نہیں بدلنا چاہتا تھا جس نے اسلام کی طرف انتساب سے شروع ہی سے مجھے روک رکھا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات کی راہ کھلنے کے بعد میں اس عظیم دین کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ اور تعصب کی ضد نے ہتھیار ڈال دیا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

میرے سفر کرنے کے بعد میری بیوی مجھے خطوط بھیجتی رہی اور فون پر گفتگو کرتی رہیں اور ان کا مطالبہ تھا کہ میں اسلام قبول کرلوں اور یہ بھی مطالبہ تھا کہ میں اسلام کا مطالعہ کروں اور اسلام اور جس دین پر میں ہوں اس کو موازنہ نہ کروں، انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ انتظار تو کریں گی، مجھ سے طلاق کا مطالبہ نہیں کریں گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت سے سرفراز کردے انہوں نے مجھ سے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ ان کی خواہش ہے کہ میں اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوں نہ کہ زبردستی یا دباؤ کے نتیجہ میں اور اس عظیم آیت کا تذکرہ کیا "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" یہ آیت میں نے اتنی بار سنی کہ میں اس کو خود پڑھنے لگا اس کے معانی میں غور وفکر کرنے لگا اس آیت سے مجھے اطمینان ہوا کہ اسلام بغیر

رضامندی کے کسی کو قبول نہیں کرتا اور اسلام قبول کرنے پر مسلمان کسی کو مجبور نہیں کرتے ہیں، اسلام کے بارے میں میں اور میرے علاوہ بہت سے لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ مسلمان لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اسلام کی یہی تعلیمات ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ میری بیوی کے اسلام قبول کرنے سے ہی میرے لئے ہدایت ونجات کی طلب کا دروازہ کھل گیا۔ اس میں شک نہیں کہ میری بیوی نے ایمان کی حلاوت پالی تھی، اور اس بات سے واقف ہوگئی تھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ خاتم الانبیاء والرسل ہیں دین کی اتباع ہی ہلاکت وگمراہی سے نکالنے والی ہے۔ میں ابھی فکر وتدبر اور مطالعہ ومشاہدہ کے باعث اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے ہی مرحلہ میں تھا، اور میں اس دوران مملکت عربیہ ہی میں رہا۔ میری بیوی کی جانب سے مجھے مزید خطوط ملے اور اس دوسال کے وقفہ میں میں نے اپنی بیوی کو اپنے اسلام قبول کرنے کی نیت کے بارے میں باخبر کیا۔ اور اس سے میں نے وعدہ کیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہی فلپائن کا سفر کروں گا۔

یہ کہتے ہوئے محمد ولفرید مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اور گلوگیر آواز میں کہتے ہیں، لیکن میرے اسلام قبول کرنے کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے سے پہلے ہی میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔

میں نے اسلام دیر سے قبول کیا۔ یہ سب کیسے پیش آیا اور میں کب اسلام لایا؟ تقریباً دو ماہ ہوئے میں نے اپنی چھٹی گزار کے لئے فلپائن کے سفر کا ارادہ کیا اور سفر سے کچھ دن پہلے ہی مجھے اپنی بیوی کی بیماری اور اسپتال میں بھرتی ہونے کی اطلاع ملی اور مجھے معلوم ہوا کہ انہیں شکر اور تنفس کی شکایت ہے اور ان دنوں میں اسلام سے مکمل طور پر مطمئن ہوچکا تھا۔ اور عملاً اس دین حنیف سے نسبت کرنے کے بارے میں طے کرچکا تھا اور اپنے اسلام کا بھی اعلان کردیا اور کلمہ شہادت پڑھا اور کفر وضلالت کی زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال پھینکا۔ تاکہ ایمان ویقین اور دارین کی سعادت حاصل کرسکوں۔

جب میں نے سفر کرنے اور اپنی بیوی کو اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا تو اسی دوران ان کی وفات کی خبر مجھے موصول ہوئی۔ میں ان کو

اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع کر کے ان کی دلی تمنا پوری کرنے کی مسرت نہ حاصل کر سکا۔ اس پر مجھے بڑا رنج ہوا میں اپنے اندر ایسا غم اور افسوس محسوس کر رہا ہوں جو صرف بیوی کے جدا ہونے ہی کا نہیں ہے بلکہ مجھے یہ غم بھی ہے کہ انہیں میرے اسلام قبول کرنے کا علم نہ ہو سکا، اس لئے کہ انہوں نے ہی مجھے نصیحتیں کی تھیں۔ اور میرے سامنے اسلامی دعوت پیش کی تھی اور اس سلسلہ میں ۱۲ سال کی مدت تک صبر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ میری یہ خواہش تھی کہ انہیں اس کا علم ہو جاتا کہ ان کی کوشش اور ان کا صبر ضائع نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اور مجھے بھی اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی، میں اللہ کا ہر حال میں بہت زیادہ شکر ادا کرتا ہوں۔

میری بیوی کی تمنا تھی کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ صاف ستھری اور سچی اسلامی زندگی گزاریں لیکن اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب میں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اور ہر نماز میں یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ جنت میں اور دار الخالدہ میں مجھ کو میری بیوی کے ساتھ جمع کرے۔

اسلامی نام: ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس **ملک کا نام**: ہنگری

ظلمات سے نور کی طرف

''الحاج ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس، ہنگری کے مستشرق اور علم و داب میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ وہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان برصغیر میں آئے تھے۔ کچھ عرصہ ڈاکٹر ٹیگور کے شانتی نکیتین میں شریک رہ کر جامعہ ملیہ دہلی گئے۔ جہاں انہوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا، ڈاکٹر صاحب موصوف کئی زبانوں کے ماہر تھے، خصوصا ترکی میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ مشرقی علوم کا مطالعہ اسلام کی طرف آپ کی رہنمائی کا سبب ہوا تھا۔''

میں اپنے عنفوان شباب کے زمانے میں برسات کی خوشگوار سہ پہر کو ایک مشہور رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے صفحات پر عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات پھیلے ہوئے تھے۔ میں رسالے کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ نگاہ ایک تصویر پر ٹھٹکی۔ یہ تصویر کچھ چھت اور مکانوں کی تھی۔ جا بجا گنبد اور مینار آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے اور بہت سے آدمی رزق برق لباس پہنے سیدھی صفوں میں دوزانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا منظر ہمارے مغربی مناظر سے بالکل مختلف تھا، اس لئے میری توجہ اس میں جذب ہو کر رہ گئی، ایک نامعلوم سی بے چینی پیدا ہوئی کہ اس تصویر کا اصل مفہوم معلوم کیا جائے۔

میں نے ترکی پڑھنا شروع کی۔ مجھے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں، اس کی نثر میں فارسی اور نظم میں عربی عنصر غالب ہے۔

اب میں نے ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ میرے سامنے یہ مقصد تھا کہ ان زبانوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں گا جس کی تابنا کیوں نے انسانیت کو جگمگا دیا ہے۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے بوسنیا کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارا سب سے قریبی پڑوسی ملک ہے، وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور جیتے جاگتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے لگا۔

رات کا وقت تھا۔ مدھم برقی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی، میں ایک کم حیثیت کیفے میں داخل ہوا۔ اندر معمولی اسٹولوں پر بیٹھے دو بوسنیئی قہوے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ وہ ترکوں کے روایتی گھیے دار پانجامے پہنے ہوئے تھے جو کمر پر سے پیٹیوں کے ذریعے بندھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی پیٹی میں ایک خنجر لٹکا ہوا تھا، پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے کچھ دور ایک اسٹول پر دبک کر بیٹھ گیا۔

دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا اور تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا۔ وہ دونوں آپس میں کچھ سرگوشی کر رہے تھے اور جہاں تک میں سمجھ سکا، موضوع سخن کیفے میں اس وقت میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس خطرناک ماحول سے میں نے نکل جانے کا ارادہ کیا، لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

میں اسی پریشانی کے میں مبتلا تھا کہ ہوٹل کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کے طرف اشارہ کیا کہ یہ انہوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نگاہ ڈالی۔ اس پر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کے ساتھ نرم اور شیریں آواز میں مجھے سلام کیا۔ میں نے بادل نخواستہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے کیفے سے نکال کر باہر

کریں گے، لیکن انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شیریں لہجے میں دوبارہ سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک نے تپاک کے ساتھ سگار پیش کیا، اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ میں قدیم ترکی زبان میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا، یہ بات چیت بڑے کام کی ثابت ہوئی، انہوں نے بڑے خلوص سے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ مسلمانوں سے ذاتی طور پر یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

دن، مہینے، برس گوناگوں واقعات وحادثات اپنے دامن میں لے کر آتے اور گزرتے گئے۔ علم کا ہر مسئلہ اور زمانے کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربے سے دوچار کرتا رہا، میں نے یورپ کے تمام ملکوں کی سیاحت کی، قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں اور قدرتی مناظر کی رعنائیوں کا مشاہدہ کیا اور عربی، فارسی اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا۔

میں نے علم کے خشک وتر ذخیرے کا بڑا حصہ حاصل کر لیا جو صدیوں سے جمع ہوتا چلا آ رہا تھا۔ ہزار ہا کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی، لیکن کتابی معلومات کا یہ سرمایہ مجھے قلب کی تسکین کا سامان نہ دے سکا۔ دماغ سیراب تھا، مگر روح تشنہ تھی۔ میری دلی تمنا تھی کہ جو کچھ میں نے اب تک پڑھا ہے اسے یکسر فراموش کر کے دل کی داخلی کیفیات میں کھو جاؤں۔ میری روح مقدس مذہب کے سدا بہار چمن سے مشک بیز ہونا چاہتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جس طرح لوہار کچے لوہے کو آگ میں تپا کر اسے فولاد کی شکل دے دیتا ہے، اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے زیادہ کار آمد اور بیش بہا بن جائے۔

ایک رات میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک کا قدرتی رنگ حنا شدہ بالوں کی طرح تھا) لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اور اس میں سے ایک عجیب روح پرور خوشبو مہک رہی تھی۔ آپ نے نہایت دلپذیر لہجے میں ارشاد فرمایا:

"تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ سیدھا راستہ تمہارے
سامنے کھلا ہوا ہے، یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ۔"

میں نے ہمت کر کے عرض کیا۔ آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت عطا کی تھی، جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے اپنے دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور جس کی مساعی پر خدائے قدوس نے عظمت وجلال کا تاج رکھ دیا۔

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی عربی اس قدر فصیح اور پرشکوہ تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں پڑ رہا تھا۔ کلام الٰہی جو آپ کی پیغمبرانہ زبان سے ادا ہو رہا تھا، وہ میرے سینے پر ایک بھاری بوجھ ڈالے دیتا تھا:

"الم نجعل الارض مهدا ولجبال اوتاداً
وخلقناكم ازواجاً وجعلنا نومكم سباتاً"

"کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور
تم کو جوڑے کر کے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی
چیز بنایا۔"

اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی، میں نے کراہتے ہوئے کہا اب مجھے نیند نہیں آ سکتی میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جو ان پردوں میں نہاں ہے۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خشمگیں نگاہ سے میرے دل میں دہشت پیدا ہو گئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری نیند طاری ہو گئی ہے۔ میں اچانک جاگ اٹھا۔ رگوں میں دوران خون تیز ہو گیا تھا، سارا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا، جوڑ جوڑ میں درد تھا، زبان گنگ ہو رہی تھی بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے جمعے کو جامع مسجد دہلی میں ایک دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ بھورے بالوں اور زرد چہرے کا ایک اجنبی چند محترم ہستیوں کے ساتھ مجمع سے اپنا

راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر پر رام پوری ٹوپی تھی، سینے پر سابق سلاطین ترکی کے عطا کردہ نشانات امتیاز آویزاں تھے۔ ایک مختصر سی جماعت مجھے اپنے ہمراہ لئے سیدھی منبر کے سامنے پہنچی۔ یہاں علماء اور بزرگان ملت بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے ''السلام علیکم'' کہہ کر میرا استقبال کیا۔ میں منبر کے قریب بیٹھ گیا میری آنکھیں بلا ارادہ اٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے مسجد کی تعمیری صنعت کاری اور محراب و در کی زیب و زینت کی طرف جم گئیں۔ درمیان کی بلند محراب پر شہد کی مکھیوں نے چھتے لگا رکھے تھے جن کے گرد وہ مجمع سے بے پرواہ ہو کر چکر لگا رہی تھیں۔

یکایک اذان کی صدا بلند ہوئی جسے دور سے مکبروں نے جو دوسرے مناسب مقامات پر استادہ تھے، اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اس حکم الٰہی پر تقریباً چار ہزار مسلمان فوجی سپاہیوں کی طرح ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صفیں جما کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ بڑا پرکیف و حسین نظارہ تھا۔ نماز پڑھنے والوں میں ایک میں بھی تھا۔

اس کے بعد عبدالحی ہاتھ پکڑ کر مجھے منبر کے قریب لے گئے، زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ پگڑیوں سے آراستہ ہزاروں سر لہلہاتے چمن زار کی طرح جنبش میں آگئے، سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنا لیا۔ ان کی پر شوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے۔ میرے اندر جرأت اور امنگ پیدا ہو گئی تھی، کس جھجک کے بغیر میں نے منبر کے ساتویں زینے پر قدم رکھا۔

میں نے اچٹتی نگاہ سے مجمع کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر مواج کی طرح نظر آتا تھا۔ پچھلی صفوں کے لوگ گردن اٹھا اٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے، معلوم ہوتا تھا جیسے انسانوں کے اس سمندر میں ہلکا سا تلاطم برپا ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکل گیا۔ میں نے اپنی تقریر عربی میں ان الفاظ میں شروع کی:

ایہا السادات الکرام! میں ایک دور دراز ملک سے سفر کر کے یہاں اس علم کی

طلب میں آیا ہوں جو مجھے اپنے وطن میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں آپ کے پاس روحانی فیضان حاصل کرنے آیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفید فرمایا۔

اس کے بعد میں تقریر کے اصل موضوع کے طرف آیا اور تقویٰ کی زندگی اور گناہ وطغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تقریر کے دوران میں اللہ اکبر کے وجد آفرین نعروں سے فضا گونج اٹھتی تھی۔ بیان ختم کر کے میں وہیں منبر پر بیٹھ گیا۔ میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی کوئی اور بات سوائے اس کے یاد نہیں رہی کہ اسلم نے ہاتھ کے سہارے مجھے منبر سے نیچے اتارا اور مسجد سے باہر لے چلے۔

میں نے پوچھا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟ لیکن ذرا ہی دیر میں اس کا سبب معلوم ہو گیا۔ باہر بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ ناتواں اور عمر رسیدہ لوگ جو مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے، بڑی محبت کی نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہے تھے، ہر شخص اپنے لئے دعا کا خواستگار اور میرے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ میں نے پوری قوت سے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: ''اے اللہ کے نیک بندو! آپ مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہو بے شمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے۔ میری مثال اس ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے۔'' اپنے ساتھ اللہ کے ان مخلص بندوں کی عقیدت دیکھ کر میرا دل عجز وندامت سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

سابقہ نام : ولیم ہنری کوئیلم
سابقہ مذہب : عیسائیت
اسلامی نام: عبداللہ کوئیلم
ملک کا نام: برطانیہ

شیخ الاسلام آف برطانیہ عبداللہ کوئیلم

یوں تو شمالی برطانیہ کا شہر لیور پول فٹ بال کے کھیل اور موسیقی میں اپنی مخصوص شناخت رکھتا ہے لیکن عالم اسلام میں اس شہر کی ایک امتیازی حیثیت ہے۔ یہیں ایک صدی قبل ملک کی پہلی مسجد قائم ہوئی، اور چند برطانوی نژاد و اہل علم و دانش نے اپنی اسلامی شناخت کا باقاعدہ اعلان کیا جس کے امام شیخ عبداللہ کوئیلم تھے، ان کی مجاہدانہ قیادت میں اہل ایمان نے اپنی صدیوں قدیم مغربی معاشرت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، انیسویں صدی میں جبکہ دنیا کے بیشتر خطوط پر برطانیہ اپنی حکمرانی کے زعم میں بدمست، سامان تعیش و تہذیب نو کی رمق پر نازاں، سائنس و ترقی سے فرخنداں اور دولت کے نشہ میں چور تھا، انگریزوں کی اسی زمین کو اللہ نے دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے اس مشکل دور میں منتخب کیا۔

ولیم ہنری کوئیلم ۱۰ اپریل ۱۸۵۶ء کو ۲۲ ایلبورٹ اسٹریٹ لیور پول میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد رابرٹ کوئیلم ایک گھڑی ساز تھے جن کے اجداد کیپٹن جان کوئیلم برطانی فوج کے مشہور تاریخ ساز ہیرو نیلسن کے فرسٹ لیفٹنٹ تھے ولیم ہنری بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے، بقول کیپٹن سینٹ جان ولیم ہنری کا شمار برطانیہ کے چند لائق نوجوانوں میں ہوتا تھا، لیور پول انسٹیٹیوٹ سے تعلیم حاصل کی۔ قانون کی تعلیم کے دوران انہوں نے بطور صحافی ایک مقامی جریدہ میں جز وقتی کام کیا۔ ان کی تحریر پر کشش اور دلچسپ ہوتی تھی۔ حصول علم کے بعد انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں ہی وہ سپریم کورٹ کے وکیل مقرر ہوئے۔

ولیم ہنری کوئیلم کو سیر و سیاحت کا بے حد شوق تھا، انہوں نے بیرون ممالک کے کئی سفر کئے، اسی شوق سیاحت میں وہ مراکش گئے جہاں ان کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور مذہب اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا، یہی سفر ان کی زندگی کا انقلاب آفریں موڑ تھا۔ مذہب سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے شوق میں وہ تین ماہ مراکش میں مقیم رہے۔ مقامی علماء سے بھی رجوع کیا اور دین اسلام پر تفصیلی واقفیت حاصل کی مسجد میں شریک نماز بھی ہوئے اور روح پرور مناظر سے متاثر ہوئے۔

نوجوان ولیم ہنری کوئیلم کو محسوس ہوا کہ ان کے سب ہی سوالوں کا جواب مذہب اسلام میں موجود ہے اور یہی وہ دین ہے جس کے وہ متلاشی تھے انہوں نے نماز، حج، زکوۃ وروزہ وغیرہ کے مسائل وفرائض سے خود کو آشنا کرلیا اور مذہب اسلام کے بارے میں اتنی واقفیت حاصل کرلی کہ وہ قرآن پاک واحادیث نبوی سے مسائل حیات کی گتھیاں سلجھانے کی سعی کرسکیں، وہ واپس انگلینڈ گئے۔ اور ۱۸۸۷ء میں ۳۱ سالہ ولیم ہنری کوئیلم نے مذہب اسلام قبول کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اب وہ عبداللہ کوئیلم ہوگئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مدتوں تاریکی میں ڈوبا یورپ سیاسی واقتصادی انقلابات و حوادث سے گذر کر عہد نو کی تاریخ مرتب کر رہا تھا۔ اور جب حیرت انگیز سائنسی ایجادات و انکشافات سے ملکوں کی تقدیریں بدل رہی تھیں، ایسے میں مذہبی منافرت اور جنسی بے راہ روی بھی شباب پر تھی، عیسائی مبلغوں اور پادریوں کے خطبوں میں مذہب اسلام اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف دروغ گوئی عوام کو مسلمانوں سے بدظن کر رہے تھے یہ وہ دور تھا جبکہ برطانیہ دنیا کی عظیم الشان عیسائی جمہوری مملکت تھی، اس چھوٹے شہر لیورپول کے نامور وکیل کے قبول اسلام کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ عبداللہ کوئیلم نے دین اسلام کے موضوع پر مدلل و پرمغز تقریریں ٹمپرنس لیگ ہال میں کیں۔ مقامی باشندے ہفتہ وار نشست میں شریک ہونے لگے۔ مسز کیٹس پہلی انگلش خاتون تھیں جنہوں نے کوئیلم کے بعد دین اسلام قبول کیا۔ اور فاطمہ کیٹس کے نام سے مشہور ہوئیں۔

لیورپول میں عبداللہ کوئیلم نے مسلم انسٹیٹیوٹ قائم کیا جہاں سے باقاعدہ دعوت و تبلیغ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ مشرف بہ اسلام ہونے والے انگریز باشندوں کی تعداد بڑھنے

لگی۔ اور ۱۸۸۹ء میں یہ جماعت اپنی عمارت واقع ۸ براگھم ٹریس منتقل ہوئی اور اس مرکز علم و دانش سے دعوت دینے کا وسیع کام مثالی نوعیت اختیار کرتا گیا۔ ۱۸۹۳ء میں انہوں نے مشہور ہفتہ وار دی کریسنٹ جاری کیا۔ بعد میں ماہنامہ ''اسلامک ورلڈ'' کا بڑے آب و تاب سے اجرا ہوا۔ یہ دونوں کثیر الاشاعت تاریخی جریدے جو اعلیٰ قدر مضامین سے مزین ہوتے تھے ان کے اپنے پریس میں طبع ہو کر دنیا کے ۲۰ ممالک میں قارئین سے خراج تحسین حاصل کرتے، نہ صرف یورپ و افریقہ بلکہ ایشیاء و آسٹریلیا کے شہروں میں بھی ان دونوں جریدوں کے شائقین بڑی تعداد میں موجود تھے۔

مجاہد آزادی مولانا برکت اللہ بھوپالی جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ظلم و استبداد کے واقعات و حادثات سے دلبرداشتہ تھے۔ مدرسہ سلیمانیہ بھوپال سے سند فراغت حاصل کر کے شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں اور مولانا سید جمال الدین افغانی سے سمت راہ پا کر ۱۸۸۳ء میں لندن پہنچے۔ لندن ٹائمز میں مضمون نویسی کے علاوہ عربی کا درس دینے لگے۔ شیخ عبداللہ کوئیلم نے اس بیش قیمت جوہر نایاب کو بھانپ لیا، اور مولانا برکت اللہ لیور پول جا پہنچے جہاں انسٹیٹیوٹ کے کاموں میں شریک ہو گئے۔ انہوں نے اس مرکز علم و دانش کے دعوت و تبلیغ کے کاموں میں گرانقدر تعاون کیا۔ مولانا برکت اللہ، اردو، عربی، فارسی انگریزی کے علاوہ دیگر یورپی زبانوں میں اچھی واقفیت رکھتے تھے ان کے علمی مضامین نے دونوں جریدوں کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ انسٹیٹیوٹ کا دائرہ عمل یورپ و افریقہ سے بڑھتے ہوئے براعظم ایشیاء اور آسٹریلیا تک پھیل گیا۔

لیور پول کے اس دینی درسگاہ کے دروازے بلا لحاظ مذہب و رنگ و نسل سب پر کھلے تھے، ایک وسیع مسجد، بیش قیمت و مختلف مضامین پر مشتمل کثیر تعداد کتابوں سے آراستہ وسیع لائبریری اور دارالمطالعہ، میوزیم سائنس کی لیبارٹری، مسلمانوں و غیر مسلموں کے لئے دلچسپ و انواع اقسام کے علمی مضامین پر مشتمل نصاب کے کورسیس، وغیرہ اس کے اہم شعبے تھے۔ محترمہ فاطمہ کٹیس اس مرکز علم و دانش کی اہم رکن انتظامیہ تھیں ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم کی کارکردگی میں مزید توسیع ہوئی اور مدینہ چلڈ رنس ہوم قائم ہوا جس میں یتیم و نادار بچوں کی رہائش اور تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام تھا۔ رمضان کے ایام میں انسٹیٹیوٹ

میں بڑے پیمانے پر افطار وخورد ونوش کا انتظام کیا جاتا تھا۔

یورپ کی اس عظیم الشان وطاقتور جمہوری مملکت کو جو دنیا کی کسی طاقت کو ۱۹ ویں صدی میں اپنا ہمسر نہ سمجھتی تھی۔ اس طرح اپنے ملک میں ایک مشرقی مذہب کے فروغ پانے پر حیرت زدہ ہوئی، اور عوام وخواص کو صدمہ ہوا، انسٹیٹیوٹ کے قیام اور دعوت وتبلیغ کے بڑھتے ہوئے اسلامی اثرات سے اظہار غم وغصہ ہوا۔ اور ملک کے طول و عرض میں احتجاج ہوا۔ لیور پول کے مقامی باشندوں نے ان نومسلموں کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں پہنچائیں عیسائی آبادی کو اذان کی آواز ناگوار گذرنے لگی۔ اور بارہا مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنگسار کیا برف کے گولے میں پتھر رکھ کر بالکنی سے اذان دیتے ہوئے مؤذن پر پھینکا، مسجد سے نکلنے والے نمازیوں پر ناشائستہ آوازیں کستے اور مسلم عورتوں سے نازیبا سلوک سرراہ کرتے کئی بار تبلیغی جماعت سے واپس لوٹتی خواتین پر کیچڑ پھینکا، ایک ستر سالہ بوڑھے اور پچاس سالہ خاتون کو اس وقت زدوکوب کیا جب وہ مسجد سے نکل رہے تھے۔ نمازیوں کو پریشان کرنا عام روش ہوگئی تھی۔ شب میں مسجد کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ دیئے جاتے۔

لیکن اہل ایمان ثابت قدم رہے اور تعلیمات اسلامی کے مطابق صابر وشاکر رہے۔ مخالفت جس قدر شدید ہوئی دین کا کام اسی قدر برق رفتاری سے فروغ پاتا گیا۔ مجنونانہ جملوں اور رخنہ اندازیوں سے دعوت وتبلیغ کے کاموں میں اور فروغ ہوا۔ عبداللہ کوئیلم مضبوط ارادے اور پختہ عزم کے مالک صابر وشاکر بندۂ خدا تھے۔ ان کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ان کی رہنمائی کے لئے موجود تھی وہ قابل منتظم، جفاکش اور دور اندیش، وسیع القلب تحریر وتقریر کے غازی اور اپنی دھن کے پکے تھے۔ دشواریوں سے ان کی پریشانی پر کبھی شکن نہ آئی اور تبلیغ کے کاموں میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں پڑا۔

خلیفہ اسلام عبدالحمید خان ثانی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۷ء) نے عبداللہ کوئیلم کو ۱۸۹۰ء میں قسطنطنیہ مدعو کیا۔ اور ان کی بیش علمی خدمات ودینی کارناموں کے اعتراف میں شیخ الاسلام آف انگلستان کے اعزاز سے نوازا۔ اس عظیم مفکر وداعی اسلام کی ترکی

میں قدر و منزلت ہوئی۔ عبداللہ کوئیلم اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ قسطنطنیہ میں تقریباً ایک ماہ رہے۔ ۱۸۹۳ء میں اسپین اور مراکش کے اندرون ملک دور افتادہ اور دشوار گذار خطوں کا بھی تکلیف دہ سفر کیا۔

امیر عبدالرحمٰن خاں شاہ افغانستان کی جانب سے نصر اللہ خاں نے ۱۸۹۵ء میں لیورپول کے اس مرکز علم ودانش کا دورہ کیا اور شاہ کی جانب سے ۲۵۰۰ پونڈ کی کثیر رقم پیش کی جیسے عبداللہ کوئیلم نے انسٹیٹیوٹ کی تعمیرات وانتظامات میں خرچ کیا۔

حکومت برطانیہ عبداللہ کوئیلم کی تحریک و بے باک تصنیفات سے خوفزدہ و ہراساں ہو اٹھی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں ان پر کئی بے بنیاد الزامات لگا کر لیورپول سے جلاوطن کر دیا گیا۔ عبداللہ کوئیلم نے سوڈان و ہندوستان جو تاج برطانیہ کے ماتحت ملک تھے وہاں کی عوامی تحریک کی کھلے لفظوں میں موافقت بھی کی تھی۔ حکومت اپنے ہی ملک میں بڑھتے ہوئے اسلامی اثرات سے پریشان تھی، چنانچہ عبداللہ کوئیلم پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کی گرفتاری کا حکم دیا گیا بالآخر اپنی گرفتاری سے بچنے کے لئے عبداللہ کوئیلم اپنے اہل خاندان و چند رفقاء کے ساتھ ترکی چلے گئے۔ ۱۹۰۹ء میں واپس برطانیہ لوٹے اور اپنا تبلیغی کام جاری رکھا۔

اس عظیم عالم دین وداعی اسلام کا ۱۹۳۲ء میں لندن میں انتقال ہوگیا۔ بروک وڈ قبرستان میں ان کے پہلو میں عبداللہ یوسف علی اور محمد مرمادوک کی قبریں ہیں جنہوں نے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ کیا جو یورپ میں آج بھی مقبول ومعروف ہے۔ آج برطانیہ کے ۲۰ لاکھ مسلمانوں کو لیورپول سے عقیدت ہے کہ اولین شیخ الاسلام یہاں پیدا ہوئے اور انتہائی ناموافق حالات میں پہلا اسلامی تبلیغی مرکز قائم ہوا۔ دیار مغرب کی گمراہ تہذیب میں عبداللہ کوئیلم اولین داعی اسلام تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس یگانہ روزگار دانشور کی زندگی کے مختلف پہلو تھے اور ہر پہلو مانند آفتاب روشن ومثالی تھا۔ وہ کامیاب صحافی تھے، شعلہ بیان مقرر، بیدار مغز وکیل وقانون درو آشنا ہمدرد، جید عالم دین، ٹریڈ یونین رہنما بھی اور اہل ایمان کے امام بھی۔ ان کی کئی قابل قدر تصانیف یادگار ہیں جن

میں چند حسب ذیل ہیں:

1) *Freemasonry and islam.*
2) *Muhammed and his times.*
3) *The jews under islamic rule.*
4) *A fullexposure to the fraud.*
5) *Mono gamy versus polygamy.*
6) *Islam science and speeulation.*
7) *The islamic path an appeal to christans*

اس جلیل القدر عالم دین نے ایک صدی قبل جو چراغ مغرب میں روشن کیا آج اس سے نہ صرف برطانیہ بلکہ پورے یورپ میں بے شمار چراغ روشن ہیں اور دعوت کا کام رواں دواں ہے۔

سابقہ نام : کیٹ اسٹیونز **سابقہ مذہب** : عیسائیت

اسلامی نام : یوسف اسلام **ملک کا نام** : برطانیہ

برطانیہ کے مشہور پاپ سنگر کے قبول اسلام کی داستان

﴿مجھے ایک تربیتی کورس کے سلسلے میں اپریل تا جولائی لندن میں قیام کا موقع ملا۔ ایک روز اسلامی کتابوں کی ایک دکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک چھوٹی سی کتاب (Islam:My religion) (اسلام میرا دین) پر نظر پڑی۔ مصنف کا نام کیٹ سٹیونز (Cat Stevens) لکھا تھا اور اندر کے صفحے پر وضاحت کی گئی تھی کہ یہ صاحب برطانیہ کے مشہور موسیقار اور پاپ سنگر رہے ہیں، اب مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور یوسف اسلام کے نام سے موسوم ہیں۔ میں نے یہ کتاب خرید لی اور اسے شوق سے پڑھا۔ یہ دراصل یوسف اسلام کا ایک انٹرویو تھا جو مارچ ۱۹۸۰ء میں لیا گیا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:﴾

سوال:...... میں پہلا سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اسلام کے بارے میں معلومات کس ذریعے سے حاصل ہوئیں؟

جواب:...... اسلام کے بارے میں مجھے سب سے پہلے اپنے بھائی ڈیوڈ کے ذریعے سے معلومات حاصل ہوئیں۔ پانچ سال پہلے انہوں نے یروشلم کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہاں انہوں نے جن مقدس مقامات کی زیارت کی، ان میں ایک مسجد اقصیٰ بھی تھی۔ اس سے قبل وہ کبھی کسی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے، یہاں کی فضا مسیحی گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں سے اس قدر مختلف تھی کہ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ یہ دین (اسلام) عیسائیت کی طرح پر اسرار کیوں نہیں ہے؟ وہ مسلمانوں کے رویئے اور سکون بخش انداز عبادت سے بہت متاثر ہوئے۔ انگلستان واپس پہنچتے ہی انہوں نے

قرآن حکیم کا ایک نسخہ خرید اور لا کر مجھے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رہنمائی کا محتاج تھا، الحمدللہ!

سوال:...... جب آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا تو آپ کو کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب:...... یہ اس پیغام کی دائمی نوعیت تھی۔ میں حیران تھا کہ الفاظ سب کے سب جانے بوجھے قسم کے تھے لیکن ہر اس چیز سے بے حد مختلف تھے جس کا میں پہلے مطالعہ کر چکا تھا۔ اس مرحلے تک زندگی کا مقصد میرے لئے ایک سربستہ راز کی حیثیت رکھتا تھا۔ مجھے ہمیشہ اس بات پر یقین رہا کہ زندگی کی اس تصویر کشی کے پس پردہ ایک زبردست تخلیق کار کا ہاتھ ہے۔ لیکن وہ ان دیکھا تخلیق کار کون ہے؟ اس کا پتہ نہیں چلتا تھا، میں اس سے پیشتر بہت سے روحانی راستوں کی جادہ پیمائی کر چکا تھا، لیکن تسکین کی پیاس کہیں نہیں بجھی۔ میں ایک ایسی ناؤ کی مانند تھا جو چوار اور کھیون ہار کے بغیر چلی جارہی تھی اور جس کی کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کے لئے اور یہ میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بار بار مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران میں میری ملاقات کسی بھی مسلمان سے نہیں ہوئی۔

میں قرآن کے پیغام میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب جلد ہی یا تو مجھے پوری طرح ایمان لے آنا ہوگا یا پھر اپنی ہی راہ پر چلتے چلتے موسیقی کی دنیا میں کھوئے رہنا ہوگا۔ یہ میری زندگی کا سب سے مشکل قدم تھا، ایک روز مجھے کسی نے بتایا کہ لندن میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے، پس اب میرے لئے اپنا دین قبول کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ ۱۹۷۷ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ ایک جمعہ کے روز میں مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا، نماز جمعہ کے بعد میں امام صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہوں، مسلم برادری سے یہ میرا پہلا رابطہ تھا۔

سوال:...... اب آپ مسلمان ہیں، مسلمان کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب:...... میرا خیال ہے کہ بہت سارے مسلمان اپنا راستہ کھو بیٹھے ہیں، کیونکہ انہوں

نے صحیح طور پر قرآن کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ تو علم کا جوہر ہے اور جو لوگ اسے سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے سچی ہدایت کا حامل ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام اصل میں صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری، میرے نزدیک جنت کا یہی واحد محفوظ راستہ ہے۔ ہمیں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنا چاہیئے، اس کے لئے ہمیں اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہیئے اور راہ حق پر چلنے والوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے خزانے کی بے شمار کنجیاں دنیا میں بکھیر کر اسے محفوظ فرمادیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو صرف آپس میں قریب آنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنوں میں اسلام کی حقانیت کی زیادہ جامع تفہیم حاصل ہو سکے۔ تمام مسلمان ایک خدا، ایک قرآن اور ایک رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہر فرد اپنی پسند کے مطابق اپنی راہ متعین کرتا ہے، آخرت میں ہر کوئی اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

سوال:...... آپ کے لئے یہ کس قدر دشوار ثابت ہوا ہوگا کہ اچانک وہ بہت ساری باتیں ترک کردیں، جن کے آپ پہلے عادی رہ چکے تھے؟

جواب: ...... یہ دشوار نہیں تھا کیونکہ میں بخوبی جانتا تھا کہ ان برائیوں کو ترک کردینا ہی بہتر ہے۔ یہ برائیاں دراصل مجھے تباہ کررہی تھیں۔ مثلاً شراب نوشی، سگریٹ نوشی، اور سودخوری وغیرہ۔ لیکن اپنے پرانے دوستوں سے قطع تعلق کرنا میرے لئے سب سے زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ پیغام اسلام کا فہم کیوں پیدا نہیں کرسکے؟ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا، میں ان سے دوستی نبھاتا چلا گیا، لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب اپنے دین کی خاطر میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے ماضی اور اسلام کے درمیان مجھے ایک خط کھینچنا ہوگا۔ اس کے لئے مجھے کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ مثال کے طور پر جب میں غیر مسلموں کے درمیان ہوتا تو ان سے معذرت طلب کرکے چپکے سے نماز کے لئے نکل جاتا۔ میں یہ نہ بتاتا کہ میں کہاں جارہا ہوں؟ کیونکہ یہ ان کے لئے قدرِ عجیب سی بات ہوتی، پھر ایک روز میں نے تہیہ کرلیا کہ اب میں سب کو بتادوں گا کہ

میں نماز کی ادائیگی کے لئے جارہا ہوں۔ چنانچہ سب نے میرا نقطہ نظر سمجھ لیا اور اس کے لئے وہ میری عزت کرنے لگے۔ جب آپ اپنی بات پر ڈٹ جائیں اور اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ اس میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

سوال:...... آپ اپنے ماضی کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب:...... میں پندرہ برس کا تھا جب مجھے موسیقی سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی، میرے والد میرے لئے ایک چھتارا (گٹار) لے آئے اور میں نے اپنے گیت لکھنے کا آغاز کردیا۔ میں نے کیٹ سٹیونز کا نام منتخب کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں میرا پہلا ریکارڈ بہت مشہور ہوا۔ میں بہت کامیاب ہوا اور میرے گانوں کے ریکارڈ یورپ بھر میں فروخت ہونے لگے۔ لیکن شو بزنس مجھے راس نہ آیا۔ میں نے کثرت سے مے نوشی اور سگریٹ نوشی شروع کردی، لہٰذا میں دق کا مریض بن گیا۔ اس سے میرا ذریعہ معاش ختم ہوگیا اور مجھے چند ماہ ہسپتال میں رہنا پڑا۔ اس دوران میں میں نے مشرقی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا۔ میرے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام The Secret path (خفیہ راستہ) تھا۔ یہی کتاب روحانی معاملات سے میرا پہلا تعارف ثابت ہوئی۔ اسی کے ذریعے میں طمانیت وبصیرت کی تلاش کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ اس سفر نے بالآخر مجھے اسلام کے دروازے پر پہنچادیا۔ میں نے ایسے گیت لکھنے شروع کیے جن میں اس روحانی بیداری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے یہ گیت میری سرگزشت بنتے چلے گئے۔ میں اکیس برس کا تھا جب مجھے پہلی عالمی سطح کی بڑی کامیابی حاصل ہوئی میرے ان گیتوں کا سلسلہ Tea for tiller man کے نام سے مشہور ہوا اور اس طرح میرا شمار اعلیٰ درجے کے فنکاروں میں ہونے لگا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایک لحاظ سے میرے گانوں کے سلسلے میری اگلی منزل اور میرے سفر کے مختلف مراحل ثابت ہوئے۔

سوال:...... اس زمانے میں لوگ ساز وسنگیت کے متوالے ہورہے ہیں حتیٰ کہ مسلمان بھی اس میں کھوئے جارہے ہیں، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:...... بدقسمتی سے آجکل لوگ اپنی ادنیٰ خواہشات کے مطابق چیزوں کی خریداری

کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ریکارڈ، فلمیں، ٹیپ، رسالے ان میں سے اکثر پیسہ کمانے کی غرض سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ پاپ موسیقی سننے والے عموماً حقیقت سے اتصال کے آرزومند ہوتے ہیں۔ موسیقی انہیں کچھ وقت کے لئے سکون پہنچاتی ہے۔ یعنی اس بے رحم نظام سے تھوڑی دیر کے لئے فرار ہے، جسے ہم ماڈرن زندگی کہتے ہیں۔

سوال:...... تو کیا آپ نے موسیقی سے قطع تعلق کر لیا ہے؟

جواب:...... میں نے موسیقی کے مشاغل ترک کر دیے ہیں۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہ مشاغل مجھے صراط مستقیم سے بھٹکا نہ دیں۔ میرا یہ کہنا شاید بڑا بول نہ سمجھا جائے گا کہ میں اب کبھی موسیقی کا شغل اختیار نہیں کروں گا، لیکن اس کے ساتھ "انشاء اللہ" کہے بغیر بات مکمل نہیں ہو سکتی۔

سوال:...... تو اب آپ کیا پیشہ اختیار کریں گے؟

جواب:...... میں دراصل صرف اللہ کا کام کر رہا ہوں۔ وہی میری دست گیری کر رہا ہے اور اس نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ میری خواہش ہے کہ میں برطانیہ میں تبلیغ اسلام کی خدمت بجا لا سکوں۔ اس کے لئے مجھے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے اور کسی بھی حیثیت سے خدمت انجام دینی پڑے۔ مسلم برادری روز بروز مستحکم ہو رہی ہے۔ اس وقت میرا کام عربی زبان کی تحصیل ہے، میری بڑی آرزو ہے کہ میں قرآن کو سمجھ سکوں۔ بہت سارے مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور ان کے لئے یہ کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن مجھے ابھی تفہیم قرآن کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی ہر آیت مکمل ہدایت ہے اور بذات خود ایک باب کا درجہ رکھتی ہے مجھے اکثر یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا مناسب احترام نہیں کرتے اور اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب زمانوں کے لئے کارآمد ہے۔ یہ ہر سچے دیندار کے لئے ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

سوال: برطانیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:...... اس سلسلے میں ہمیں احتیاط برتنی چاہیے اور عیسائیوں کا طریق کار اختیار نہیں

کرنا چاہیئے ۔ یہ ہم سب کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اسلام کا پیغام صرف زبان سے ہی نہیں پھیلانا چاہیئے ۔ پہلے تو آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے اپنے اعمال درست ہیں، پھر سادہ اور واضح طریقے سے اتنی خوشخبری سنائیں کہ **قل ھو اللہ احد** (کہیئے کہ وہ اللہ ایک ہے) اس بات کی کوشش نہ کریں کہ اسلام کا پورا پیغام ایک ہی بار منتقل کر دیا جائے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہٰذا انہیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا۔ جب یہ بات ان کی سمجھ میں آ جائے تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی جائیدادوں میں سے زکوۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ زکوۃ ان میں سے مالدار لوگ ادا کریں گے اور محتاجوں میں تقسیم کی جائے گی اور اگر وہ اس پر رضامند ہو جائیں تو ان سے زکوۃ وصول کر لینا، لیکن لوگوں کی بہترین جائیدادوں سے درگزر کرنا۔ ایک مسلمان کو اول تو خوش خلق، مہربان اور متواضع ہونا چاہیئے کہ یہ اوصاف خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ اگر ہم لوگوں کے سامنے بڑی منطقی بحثیں کرتے رہیں تو شاید وہ ہم سے متفق بھی ہو جائیں گے لیکن وہ ہم سے رخصت ہوتے ہی سب باتیں فراموش کر دیں گے، کیونکہ انہوں نے ہمیں عملی طور پر کچھ کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجسم قرآن تھے“ یہی بنیادی بات ہے۔ قرآن کو صرف پڑھ دینا کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کی تکمیل کے لئے صادر فرمائے گئے اور قرآن انہی احکام کا مجموعہ ہے۔ آپ اسے صرف زبانی تبلیغ و بیان کے لئے استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ اس پر عملدرآمد بہت ضروری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ باتیں کم کریں اور عمل زیادہ۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی کسی شخص کو قبول اسلام کی توفیق ملتی ہے۔

سوال :...... اس ملک میں ذرائع ابلاغ سے اسلام کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل ہی نہیں کر سکتے یا صحیح

صورتحال سے واقف نہیں ہو پاتے۔ ہم ان تک اپنی بات کیسے پہنچا سکتے ہیں یا انہیں کم از کم اتنا بتانے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ صحیح اسلام کیا ہے؟

جواب:...... یہ بات میں آپ پر واضح کرنا چاہوں گا کہ لوگ اپنی مرضی کے آپ مالک ہوتے ہیں اور اپنی راہ کا آپ تعین کرتے ہیں، وہ سب اس قدر احمق نہیں کہ جو کچھ اخبار میں پڑھیں یا خبروں میں سنیں تو اس پر یقین کر بیٹھیں۔ تاہم جب وہ خود مسلمانوں کے اعمال وافعال میں کچھ خرابیاں دیکھتے ہیں تو پھر اس بات کا احتمال بڑھ جاتا ہے کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں اس پر اعتبار کر لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دعوت تو ذاتی طور پر دی جانی چاہئے۔ تبلیغ اسلام کا کام بہترین طور پر رفاقت کے ذریعے سے سرانجام پا سکتا ہے۔ آج کی خبر کل پرانی ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں اس طرح اشتعال تو پیدا کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا دیرپا اثر نہیں ہوتا۔ انہیں حقیقی معنوں میں متاثر کرنے والے درحقیقت وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ گھلتے ملتے ہیں، اس لئے اگر آپ ایک مسلمان ہیں اور آپ کے قرابت داروں میں سے کوئی شخص اسلامی ضابطوں کا پابند نہیں ہے تو بلاشبہ آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کسی غیر شخص کے پاس جانے سے پہلے اپنے اس قرابت دار کی خبر لیں۔ سب سے پہلے اپنے کنبے کی حفاظت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ صرف مسلمان کہلوانے سے ہم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہم میں سے بہت سارے تو ابھی اسلام کے اصل پیغام سے ہی ناآشنا ہیں۔

یوسف اسلام کا یہ انٹرویو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور ان کے بارے میں مزید جاننے کا شوق پیدا ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب لندن ہی میں رہتے ہیں اور انہوں نے تبلیغ دین کے لئے اپنا ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے، تھوڑے ہی دنوں بعد یہ مژدہ جانفزا سننے میں آیا کہ یہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۸۲ء کو اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے اسمبلی ہال میں جمعہ کی نماز کے بعد خطاب فرمائیں گے۔

میں اپنے کورس کے سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں آیا کرتا تھا۔ مذکورہ اسکول وہاں سے قریب ہی تھا اور جمعہ کی نماز اکثر وہیں ادا کرتا تھا، اسکول کے ایک کمرے میں جائے نمازیں اور چادریں بچھا دی جاتی تھیں اور

یونیورسٹی کے مسلمان اساتذہ اور طلبہ وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ باقاعدہ خطبہ ہوتا اور نمازیوں کی تعداد تیس پینتیس کے قریب ہوا کرتی تھی۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہمارے انسٹیٹیوٹ میں دوپہر کے کھانے کے وقفے میں پڑھتا تھا اور کلاس دوبارہ شروع ہونے تک جمعہ سے فارغ ہوکر واپس پہنچ جاتا۔

اس اطلاع سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ میں اور میرے ایک ساتھی پروگرام کے مطابق وہاں پہنچ گئے، اس روز اسمبلی ہال کے ایک حصے میں اسلامی کتابوں کی نمائش بھی ہو رہی تھی، ایک نظر ان کتابوں پر بھی ڈالی لیکن نگاہیں یوسف اسلام کی جستجو میں تھیں۔

نماز سے پہلے ایک صاحب نے خالص عربی لہجے میں اذان دی جو بڑی مسحور کن تھی۔ یہ صاحب لمبا سفید کرتہ پہنے ہوئے تھے، سر پر چھوٹی سی پگڑی، خوبصورت داڑھی، متناسب مونچھیں، سرخ و سفید رنگت، نوجوانی کا عالم، چہرے پر اطمینان اور آنکھوں میں کشش، بعد میں انکشاف ہوا کہ یہی یوسف اسلام ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی جائے نماز، چادریں وغیرہ سمیٹ دی گئیں ہال کی کرسیاں اور بنچیں ترتیب سے لگا دی گئیں۔ تقریب کا آغاز ہوا، یوسف اسلام کی تقریر شروع ہوئی میں بڑی اشتیاق اور انہماک سے تقریر سن رہا تھا نظریں مقرر کے چہرے پر جمی تھیں رات کو وہ ساری تقریر یاد کر کے اردو میں قلمبند کی، آپ مطالعہ فرمایئے:

''میں بچپن ہی سے ایک فنکار بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک گلوکار بننے کے لئے میں نے بڑی مشقت کی، پھر مجھے ایک رقاص بننے کی سوجھی، ان مشاغل کے ساتھ ساتھ میری روحانی جستجو کا سفر شروع ہو چکا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنی عمر کے انیسویں برس، جب کہ میں اپنی شہرت کی بلندیوں پر تھا مجھے ایک ذہنی کرب کا احساس ہوا۔ میں مادی چیزوں میں کھو چکا تھا، لیکن کبھی کبھی وہ سب کچھ مجھے بے اصل اور ہیچ معلوم ہونے لگتا تھا۔ ایک بار تو سکون کی تلاش میں، میں نے بدھ مت کا پیروکار بننے کی ٹھان لی لیکن اس کے مطالعے سے پتہ چلا کہ ایک بھکشو کی زندگی ایک عام شخص کی زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ پھر وہ زندگی کیا ہوئی کہ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور سب سے قطع

تعلق کر کے جنگل بیابان کی راہ لیں اور زندگی کی کوئی سرگرمی باقی نہ رہے۔

کبھی مجھے یوگا نے بڑا متاثر کیا، اس کی مختلف مشقیں مجھے پسند آئیں اور کبھی کبھی مجھے قدر اطمینان کا احساس بھی ہوا۔ لیکن جلد ہی ظاہر ہوگیا کہ یوگا یا اس قسم کے اور سب طریقے زندگی کی حقیقت نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی کو آپ زندگی کا لائحہ عمل قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے اصول و قاعدے بظاہر کتنے ہی بھلے کیوں نہ لگتے ہوں، زندگی کی ساری وسعتوں اور عملی ضرورتوں پر محیط نہیں ہیں آپ اپنے سارے سوالوں کا جواب ان سے طلب نہیں کر سکتے۔ مختلف طریقوں اور مذہبوں میں بعض بعض باتیں بہت ہی عمدہ اور دلکش دکھائی دیتی ہیں، لیکن ان سے زندگی کی مکمل رہنمائی میسر نہیں آتی اور حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ سوچ کر میرے گرد مایوسی اور اداسی کا ایک پردہ چھا گیا۔

میری عمر اب ۲۵ برس کے لگ بھگ ہوگئی اور کام حسب معمول ہو رہا تھا، انہی دنوں میرے بڑے بھائی ڈیوڈ کو یروشلم جانے کا اتفاق ہوا یہ ایک ایسا سفر تھا، جس کا ایک مقصد مقدس مقامات کی زیارت بھی تھا۔ شاید وہ وہاں جا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کے دن کہاں کہاں گزارے اور کس کس مقام پر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا؟ شاید وہ اطمینان قلب کی خاطر وہاں گئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں وہاں کچھ نہیں ملا۔

ایک روز گھومتے پھرتے مسجد اقصیٰ جا نکلے۔ وہ اس کے حسن و جمال اور وقار سے قدرے متاثر ہوئے اور وہاں ایک خاص طرح کا روحانی سکون محسوس کیا، یہودی اور مسیحی عبادت گاہوں کے برعکس یہاں ان کو ایک مختلف تجربہ ہوا۔ کشادگی اور مسجد میں نمازیوں کی سجدہ ریزی کا سکون بخش منظر انہیں کہیں دکھائی نہ دیا تھا، وہ اس سے پہلے کبھی کسی مسجد کے اندر نہیں گئے تھے انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی راز نہیں، ہر شے عیاں اور کھلی ہوئی ہے۔ بہر حال انہوں نے انگلستان پہنچتے ہی قرآن شریف کا ایک ترجمہ خرید لیا انہوں نے شاید اس کا تھوڑا بہت مطالعہ بھی کیا۔ اگرچہ ہم بھائیوں کے درمیان تحفوں کا تبادلہ شاید ہی ہوا لیکن انہوں نے یہ انگریزی ترجمہ بطور تحفہ مجھے عنایت فرمایا، شاید یہ سوچ کر کہ مجھ پریشان خاطر کو ہدایت کی زیادہ ضرورت تھی۔

الحمدللہ! میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کیا۔ جوں جوں آگے بڑھتا گیا مایوسی اور اداسی کا پردہ چاک ہوتا گیا، رفتہ رفتہ زندگی کا ایک واضح مفہوم میری سمجھ میں آنے لگا۔ زندگی کی روشنی مجھ پر طلوع ہونے لگی اور حقیقت کے انکشاف کا آغاز ہوگیا۔ میں آہستہ آہستہ گردوپیش، اپنے ماحول اور اپنے دوستوں سے بیزار ہونے لگا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا گیا، اس سلسلے میں مجھے بڑی دشواری کا سامنا ہوا۔

قرآن شریف کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ میں جو مکمل نظام حیات تلاش کررہا تھا اور جس حقیقت کے حصول کے لئے بھٹکتا پھر رہا تھا، وہ اسلام کی راہ پر چلنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ شک کے سب کانٹے نکل چکے تھے اور ایمان کے تازہ پھول کھلنے لگے تھے۔ میں کوئی ڈیڑھ سال تک قرآن شریف کو بار بار پڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ شاید میں اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور یہ میرے لئے تخلیق ہوا ہے۔ میں اب تک کسی مسلمان سے نہیں ملا، لیکن مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھے جلد ہی یا تو مکمل طور پر ایمان لے آنا ہوگا یا موسیقی کے دھندے ہی میں پھنسے رہنا ہوگا۔ یہ وقت میرے لئے بڑا کٹھن تھا۔

ایک روز کسی نے لندن کی ایک نئی مسجد کا تذکرہ کیا۔ قبول دین کا لمحہ آ پہنچا تھا۔ ۱۹۷۷ء کا موسم سرما تھا کہ ایک جمعہ کے روز میرے قدم مسجد کی طرف اٹھنے لگے، جمعہ کی نماز کی بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور اس طرح مسلمانوں سے میرا پہلا رابطہ قائم ہوا۔

مجھے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نظر آئے جن کی اپنی ایک شخصیت تھی اور جن کا اپنا ایک پیغام تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ کے نیک بندے اور رسول تھے۔ ان کی صرف ایک ہی تصویر ابھرتی ہے اور وہ ایک انسانی تصویر ہے۔ دنیا کے مختلف گرجا گھروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنی ہوئی تصویریں اور مورتیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، وہ مختلف شخصیتوں کو نمایاں کرتی ہیں لیکن وہ اللہ نہیں تھے، اور نہ ہی اس کے بیٹے۔ قرآن شریف میں ان کی صحیح شخصیت کا تصور واضح ہوتا ہے۔

مجھے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نظر آئے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی کے لئے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ وہ آزمائش میں پورے اترے اور اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا بھیج دیا۔ تب سے انسانی قربانی کا تصور ختم ہوا اور جانور کی قربانی کی روایت قائم ہوئی۔

بہرحال سب پیغمبر اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ قابل احترام ہیں اور سب کے بعد تشریف لانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کا پیغام رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن رہیں اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کریں۔

الحمدللہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بہت خوش ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی مسلمان ہے، ہم اپنے بچوں کو بھی اچھا مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلام کی خدمت میں زندگی گزار دینا چاہتے ہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک)

(۲)

۱۹۷۷ء کی بات ہے، یورپ میں شہرت کی بلندیوں کو چھونے والے پاپ سنگر کیٹ اسٹونز (Cate Stevense) نے اپنے قبول اسلام کے اچانک اعلان کے ساتھ مغرب کو حیرت زدہ کر دیا۔ یہ حیرت اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب سابق کیٹ اسٹیفنز اور نو مسلم (اور موجودہ) یوسف اسلام نے خدمت اسلام کے لئے سربکف ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب وہ دولت، ناموری، اور شہرت کی معراج کو چھو رہا تھا۔ اس کا فن برطانیہ میں ہی نہیں بلکہ پورے مغرب سے خراج تحسین پا رہا تھا، اسے سننے کے لئے ہفتوں اور مہینوں پہلے سیٹیں بک ہو جاتیں۔ لیکن لہو ولعب کی یہ زندگی اس کے دل کو زیادہ عرصہ تک لبھا نہ سکی۔ وہ مغربی ثقافت کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والدین عیسائی تھے، وہ ہر طرز سے زندگی سے لطف اندوز ہوا۔ شراب نوشی، اور ڈانس میں مصروف رہا، گانے لکھے بھی اور گائے بھی لیکن وہ اپنے دل و دماغ کی تنہائی دور نہ کر سکا۔ تنہائی کے اس احساس نے اسے ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سائنسی علوم فلکیات و نیورالوجی وغیرہ کے مطالعے

کی جانب مائل کیا۔ آخر کار وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید تک بھی پہنچ گیا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ قرآن پوری دنیا کے لئے راہنما کتاب ہے اور پوری مسلم امت صرف ایک اللہ کو مانتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کتاب کسی مخصوص علاقے یا قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کیلئے ہے تو اس کا ذہن بے اختیار اس کتاب کی جانب کھنچتا چلا گیا۔ پہلے پہل اس نے قرآن کا ایک انگریزی ترجمہ لیا، پڑھا تو محسوس ہوا کہ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ مل گئی ہے۔ سورۂ یوسف کا مطالعہ کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ یہ مطالعہ ایک سال تک جاری رہا اس دوران میں اگرچہ گانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، لیکن اس جانب اس کی توجہ بتدریج کم ہوتی چلی گئی تا آنکہ دسمبر ۱۹۷۷ء کی ایک سہانی صبح لندن کی ایک مسجد میں پہنچ کر اللہ رب العالمین کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یہی یوسف الاسلام آگے چل کر برطانیہ کے ممتاز اسکالر ثابت ہوئے، جن کی اسلام سے وابستگی کو آج ۱۴ برس ہو چکے ہیں لیکن وہ اس مختصر دورانئے میں ہی اپنے علم وعمل کی وجہ سے عالم اسلام میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ وہ دامن اسلام سے وابستہ ہونے کے بعد نچلے نہیں بیٹھے، اس کے بعد انہوں نے زندگانی کا ایک ایک لمحہ اسلام کے فروغ واشاعت اور مسلم امت کی امداد واعانت بالخصوص افغان مہاجرین کے قحط زدگان کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے ''مسلم ایڈ'' کے نام سے ایک ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ خود ان کے بقول ''وہ مسلم ایڈ کے ذریعے سے مظلوم مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ خدمت خلق کا کام عیسائی کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں انسانی خدمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔'' اللہ تعالیٰ کو ان کا اخلاص اور تندہی سے کام کرنے کا یہ جذبہ بڑا پسند آیا اور ان کے لئے راہیں کشادہ ہو گئیں۔ وہ برطانیہ میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے بھی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ طلبہ اور طالبات کے لئے اسلامی طرز کے متعدد اسکولز قائم کر چکے ہیں۔

مہاجرین افغانستان سے اعانت کے ضمن میں جناب یوسف اسلام آج سے چار سال قبل بھی پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس دورے کے دوران میں انہوں نے افغان کیمپوں اور پشاور میں قائم مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال بھی فرمایا تھا۔ اپنے اس دورے کے

دوران لاہور تشریف لائے تو مرکز تحریک اسلامی منصورہ بھی آئے، جہاں منصورہ آڈیٹوریم میں انہوں نے اہم خطاب بھی فرمایا تھا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ایک عجیب شکایت کی تھی، انہوں نے فرمایا کہ ''مجھے پاکستان میں مغرب کے پیرووں کی جھلک نظر آئی ہے۔ میں نے پہلی بار پاکستان ٹی وی پر خبرنامہ دیکھا تو ایسا لگا کہ خبریں پڑھنے والی بی بی سی کی ایک ماڈل ہے، جس کے سر سے ایک دھاگہ لپٹا ہوا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان نیوز ریڈر ہے۔''

اب چار سال بعد جناب یوسف اسلام تشریف لائے ہیں تو ہمیں افسوس ہے کہ ٹی وی کے اطوار اب بھی وہی ہیں بلکہ معاشرتی تناظر میں یہ بات کہی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بگاڑ فزوں تر ہوا ہے۔ تاہم احیائے اسلام کے لئے سر بکف مجاہدین اس عزم سے سرشار ہیں کہ وہ ایک نہ ایک روز اس مسلمان مملکت کے خاکے میں وہ رنگ بھر دیں گے جس کی تیاری ۴۴ برس قبل قیام پاکستان کے وقت کی گئی تھی۔

جناب یوسف اسلام اس مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو پشاور اور اسلام آباد کے بعد لاہور آئے۔ یہاں انہوں نے جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ اور تنظیم اساتذہ کے متعدد پروگراموں سے خطاب فرمایا۔ اس سلسلے کا سب سے بڑا پروگرام ۴ جنوری کو الحمراء ہال میں منائی جانے والی ''یوسف اسلام کے ساتھ ایک شام'' تھی جس کی صدارت نائب امیر جماعت جناب خرم مراد نے فرمائی۔ مہمان خصوصی امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد تھے، جبکہ جناب یوسف اسلام مہمان مقرر تھے۔ نظامت کے فرائض امیر جماعت اسلامی پنجاب حافظ محمد ادریس انجام دے رہے تھے۔

استقبالیہ تقریب کا افتتاحی خطاب نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب خرم مراد کا تھا۔ انہوں نے جناب یوسف اسلام کے حوالے سے تعارفی کلمات سے آغاز خطاب کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ بیسیوں صدی کے وسط میں استعمار کے چنگل سے عالم اسلام کے متعدد علاقے آزاد ہوئے لیکن استعماری قوتیں اس کے باوجود مطمئن تھیں کہ وہ فوجی لحاظ سے تو ان علاقوں سے رخصت ہو رہی ہیں لیکن ان کی تہذیب، ثقافت، تعلیم، تمدن اور زندگی کا پورا نظام انکے بعد بھی اسی طرح موجود ہے، لیکن الحمدللہ! وہ وقت

بھی آ گیا ہے کہ مغرب یہ خطرہ محسوس کر رہا ہے کہ ان کا چھوڑا ہوا نظام بھی ناکامیوں سے دوچار ہو رہا ہے، دوسری طرف ملت اسلامیہ پھر بیدار ہو رہی ہے اور خصوصاً نوجوان نسل تو اسلامی انقلاب کی علمبردار بن رہی ہے۔

جناب خرم مراد کے بعد نومسلم راہنما اور مہمان مقرر جناب یوسف اسلام کو دعوت خطاب دی گئی۔ ''مغرب، اسلام اور مسلم امت'' ان کا موضوع تھا۔ انہوں نے فرمایا: آج کے دور میں جہاد افغانستان نے اسلامی تہذیب اور عقائد کے تحفظ کے لئے درپیش خطرات کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے تو رب العالمین نے بھی ان کی ہر طرح سے تائید و نصرت فرمائی۔ آج سوویت یونین کی بربادی اور شکست و ریخت کی بڑی بڑی توجیہات پیش کی جاتی ہیں مگر دریافت طلب امر ہے کہ کیا یہ گیارہ سالہ افغان جہاد کا کرشمہ نہیں ہے؟ اس حقیقت کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ افغانوں نے جارح روس کا خون نچوڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ پھر اسی مثال پر موقوف نہیں، تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے جنگیں محض ہتھیاروں کے زور پر نہیں جیتیں بلکہ ان میں اللہ پر کامل ایمان اور ان کے اپنے مثالی اخلاق و کردار کو بھی بڑا دخل حاصل رہا ہے۔ ہماری آج کی زبوں حالی اور ناکامیوں کے اسباب میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم میں تقویٰ کا فقدان اور مادی اشیاء پر بھروسہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے منصب و وقار سے ہی محروم نہیں ہو گئی بلکہ اس احساس سے بھی نابلد ہو چکی ہے کہ اس کا مقام دنیا کے پیچھے چلنا نہیں بلکہ دنیا کی امامت و سیادت کرنا ہے۔ میرے خیال میں آج ہماری سب سے بڑی ضرورت اور ذمہ داری یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان اپنی عظمت، وقار اور قوت کو بحال کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں، لیکن جان لیں کہ مغرب سے سیکنڈ ہینڈ چیزیں خرید کر ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک مسلمان جان لے کہ اس کے لئے گائڈ بک صرف اور صرف قرآن ہے۔ امت مسلمہ کے لئے یہی ذریعہ نجات ہے اور یہی وہ منشور ہے جس پر کاربند رہتے ہوئے وہ پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔ میرے لئے یہ امر حد درجہ حیران کن ہے کہ آج کے مسلمان قرآن کی طرف لوٹنے کی بجائے مغربی تہذیب میں داخلے کے لئے اس کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں تاکہ ان کے سسٹم میں پناہ لیں۔ میرے نزدیک مسلمانوں کا بے دینی پر مبنی

کردار بڑی عجیب، حیرت انگیز اور اذیت ناک چیز ہے۔ وہ اپنے بچوں کو ڈگریاں، ڈپلومے اور تعلیمی امتیازات دلوانے کے لئے مغربی تعلیم سے رجوع کر رہے ہیں۔ اس طرز عمل کے حامل مسلمانوں سے میرا سوال ہے کہ کیا اس طرح وہ غیر اللہ اور باطل کی پرستش نہیں کر رہے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ مغرب میں ان کے خلاف کیا جذبات پائے جاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ مغرب ہی ہے جو اس دور میں اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی سب سے زیادہ کوششیں کر رہا ہے وہاں کے ذرائع ابلاغ جو آزادی رائے اور آزادی اظہار کے بڑے علمبردار کہلاتے ہیں وہ اہل مغرب کو اسلام کے بارے میں کنفیوز کرتے ہیں اور یوں وہاں اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کی جارہی ہے۔

جناب یوسف اسلام کا یہ فکر افروز خطاب جابجا آیات قرآنی سے مزین تھا۔ انہوں نے اپنے خطاب کا اختتام قرآن عظیم کی اس آیت سے کیا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی روکتا ہے، ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے ﷺ اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہ فلاح پانے والے ہیں۔''
>
> (الاعراف: ۱۵۷)

جناب یوسف اسلام کے بعد تقریب استقبالیہ کے مہمان خصوصی امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کو کلیدی خطاب کے لئے پکارا گیا تو الحمراء کے در و دیوار حاضرین کے نعروں سے گونج اٹھے لاشرقیہ، لاغربیہ، اسلامیہ اسلامیہ، اسلامی انقلاب، جہاد اور اللہ اکبر کے ان نعروں نے پورے ماحول میں ایک عجیب طرح کا جوش وخروش بھر دیا۔ قاضی صاحب کا خطاب متعدد قومی اور بین الاقوامی موضوعات کا احاطہ کئے

ہوئے تھا۔ انہوں نے تہذیب مغرب کے حوالے سے مسلمانوں کے رویئے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''مغربی تہذیب مسلمانوں کی دشمنی پر مبنی ہے، مسلمان اس تہذیب کے متعلق خوش گمانی کا شکار نہ ہوں۔ یہودی اور عیسائی اس تہذیب کے خالق اور روح رواں ہیں اور ان اقوام کے متعلق خود قرآن میں واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ:

> ''یہود اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ وہی ہے، جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں۔'' (البقرہ)

سائنسی تعلیم کا حصول، تجارت اور تبادلے دوسری بات ہیں، مگر مسلمانوں کو جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جگری دوست نہ بنایا جائے۔ بلکہ امت مسلمہ کو ایک اور ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اسلام کے پیغام ہدایت کو پوری دنیا پر آشکارا اور عام کردیں۔ آج کے حالات میں اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ایک ایسا صحیح اور مثالی مسلم معاشرہ قائم ہو''۔

جناب یوسف اسلام کے ساتھ منائی جانے والی اس شام کا اختتام جناب یوسف اسلام ہی کی تلاوت پاک سے ہوا۔ یہ ایک عجیب فرحت انگیز منظر تھا کہ وہ شخص جو ایک زمانے تک مغرب میں پاپ میوزک کی علامت بنا رہا، ۴ جنوری کی شام ایک ایمان افروز ترنم کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا۔ پڑھنے والے کی حلاوت ایمانی، قلبی توجہ، جذب وشوق اور سب سے بڑھ کر کلام ربانی کی تاثیر حاضرین مجلس کے قلوب کو بھی اپنے دائرے میں لے رہی تھی۔ یوں ۹۰ منٹ کی یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔

(ماخوذ ہفت روزہ ''ایشیا'')

سابقہ نام : ٹیس ٹیکلس　　**سابقہ مذہب** : عیسائیت
اسلامی نام : احمد برازیلی　　**ملک کا نام** : برازیل

احمد برازیلی کا قبول اسلام

قرآن مجید نے مجھے اسلام کی طرف سب سے زیادہ مائل کیا

﴿احمد برازیلی کے تاثر میں دیکھیں کہ وہ کس طرح تثلیث کے بھول بھلیوں اور پادری کے سفارشی ہونے سے پریشان ہیں، اس طرح کتنے عیسائی تثلیث اور سفارشی سے پریشان ہوں گے﴾

الجامعۃ الاسلامیہ نوٹنگم (برطانیہ) عربی اول کے ایک محنتی طالب علم کو ہم لوگ ''احمد برازیلی'' کہتے ہیں۔ یہ برازیل کے شہر سنپال کے باشندے ہیں یہ تین سال پہلے تک عیسائی مذہب رومن کیتھولک کے پیروکار تھے، اس وقت ان کا نام ٹیس ٹیکلس تھا۔ ان کے والدین پکے عیسائی تھے اس لئے ان کو کثرت کے ساتھ چرچ لے جایا کرتے تھے تا کہ یہ بھی عیسائیت میں پختہ اور مضبوط ہو جائے اور ان کا مبلغ اور داعی بن جائے۔ احمد صاحب فلسفہ کے طالب علم تھے، اس میں ان کو اچھی مہارت تھی اس لئے وہ ہر مسئلے کے دلائل پر اچھی طرح غور کرنے کے عادی تھے۔ ایسے اعتقادات کا جو مسئلہ فطرت سے بہت دور عقل کے خلاف اور متضاد باتوں پر مبنی ہوتے ان پر اس کا ذہن بار بار اٹک جاتا اور سوچتا رہتا کہ یہ بات بالکل خلاف عقل و فطرت ہے، آسمانی اور خدائی مذہب میں یہ کیسے درست ہو سکتی ہے، چنانچہ چرچ کے پادری صاحب جب یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے کہ باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور ہولی گھوسٹ (روح القدس) تین اہم خدا ہیں پھر فوراً کہتے کہ یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں تو احمد پریشان ہو جاتا کہ تین خدائیں الگ الگ ہوں پھر ایک ہی شے ہوں یہ متضاد باتیں کیسے ہو سکتی ہیں، پھر یہ تضاد

کسی جزئی مسئلہ میں نہیں تھا بلکہ عیسائیت کے سب سے پہلے اور اہم مسئلے میں واقع تھا اس لئے وہ تثلیث کے اعتقاد سے انتہائی پریشان ہوتے، پادری صاحب ان کے چہرے سے شکوک وشبہات کی چنگاری بھانپ لیتے اور بار بار ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے لیکن احمد صاحب کی فطرت سلیمہ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

جناب احمد صاحب کے والد رومن کیتھولک کے پیروکار تھے، رومن کیتھولک کے یہاں پادری اللہ اور امت کے یہاں سفارشی مانا جاتا ہے، پادری کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اللہ کی جانب سے کسی آدمی کے گناہ معاف کردے یا کسی آدمی کی اللہ کے یہاں سفارش کرے بغیر پادری کے واسطے کے کوئی انسان خدا تک قربت حاصل نہیں کرسکتا، احمد صاحب کے ذہن میں زبردست خلجان رہتا تھا کہ ایک آدمی جو ہماری ہی طرح انسان ہے وہ خدا کی جانب سے گناہ بخشنے والا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم گنہگاروں کا رابطہ براہ راست خداوند کریم سے کیوں نہیں ہوسکتا نعوذ باللہ یہ کیسے خدا ہیں کہ انہوں نے ایک آدمی کو اپنے اور امت کے درمیان حائل کر رکھا ہے۔

احمد صاحب کو یہ بات بھی بار بار ستاتی تھی کہ ان کو صلیب کی تصویر کی پوجا کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی، وہ سوچتے تھے کہ تصویر ہمارے ہاتھوں کی مصنوعات ہے پھر بھی اس میں کونسی قوت آگئی ہے کہ ہم اس کو پوجا کریں اور اس کو خدا مانیں۔

جناب احمد صاحب جہاں عیسائیت کی اور خامیوں کے بارے میں حیران اور سرگرداں رہتے اور بطور خاص ان تین اہم اعتقاد تثلیث پادری کا سفارشی اور تصویر کی پوجا کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے، اسی دوران انہوں نے اپنی زبان پرتگیز میں دستیاب اسلامی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ وہ اسلام کے بارے میں جتنی گہرائی میں پہنچتے اتنی ہی ان کو سرور، خوشی اور مسرت حاصل ہوتی وہ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس بات سے اطمینان ہوا کہ اسلام اس بات کا اولین داعی ہے کہ ہمارا خدا صرف ایک ہے، وہی کارساز ہے، اور تنہا، وہی ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، ہم نہ کسی پادری کے محتاج ہیں اور نہ کسی "بیٹے" اور گھوسٹ کے دست نگر ہیں، ہم اپنے خالق و مالک سے براہ راست رابطہ رکھ سکتے ہیں اور جتنا چاہے تقرب حاصل کرسکتے ہیں اور یہی

وہ توحید خالص کی تعلیم ہے جو مجھے عیسائیت سے نکال کر ایمان لانے اور اسلام پر مر مٹنے کی طرف کھینچ لائی۔

وہ کہتے ہیں کہ میرا دل اس بات سے بھی بہت شاد ہے کہ مسلمان تمام رسولوں اور نبیوں کو یکساں احترام اور مکرم مانتے ہیں وہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین بھی برداشت نہیں کرتے بلکہ ان نبیوں کے صحابی کا بھی نام احترام سے لیتے ہیں اس کے برخلاف عیسائیت اور یہودیت میں اتنا غلو ہے کہ اپنے نبیوں کو خدا تک کا درجہ دے دیتے ہیں اور دوسرے نبیوں کی صرف انکار ہی نہیں توہین تک کے درپے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے بھیجے ہوئے سارے نبی یکساں قابل احترام ہیں۔ ہم لوگ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام احترام سے لیتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں تو احمد صاحب آج بھی خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔

احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک برازیل میں بہت سے لوگ ہیں جو حق کے متلاشی ہیں، لیکن وہاں صحیح انداز میں اسلام کو پیش کرنے والے مسلمان نہیں ہیں کچھ عرب حضرات وہاں رہائش پذیر ہیں لیکن وہ سنت پر اتنا عمل پیرا نہیں ہیں اور نہ اچھے انداز میں تبلیغ و دعوت کے فرائض انجام دیتے ہیں وہ لوگ تقریباً ہماری طرح دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے اسلام کو کوئی خاص ترقی نہیں ہے، کاش! کہ یہ نسلی مسلمان دعوت و تبلیغ کو اوڑھنا بچھونا بناتے تو کتنے برازیلی جہنم کی آگ سے بچ جاتے اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہوتے۔

جناب احمد صاحب بڑے وجد کے انداز میں اس بات کو دہراتے ہیں کہ کروڑوں عیسائی ایسے ہیں کہ صرف ماحول کے اثر اور معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے تثلیث کی بھول بھلیوں کو رسمی طور پر تسلیم کئے ہوئے ہیں لیکن ان کا ذہن تثلیث کے تضاد سے قطعاً غیر مطمئن ہے۔ البتہ معاشرے کا دباؤ اتنا ہے کہ میری طرح جرأت کے ساتھ اس اعتقاد سے احتجاج نہیں کر سکتے اور بادل نخواستہ اس تضاد کو مان لیتے ہیں، میرا تو یقین ہے کہ خود پادری صاحب اور مبلغ کا ذہن بھی اس تضاد سے مطمئن نہیں ہے لیکن معاشرہ کو اور عہدہ کو نبھانے کے لئے وہ اس کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔

احمد صاحب کا عزم یہ ہے کہ وہ پہلے دینی علوم میں مہارت پیدا کریں گے پھر برازیل جا کر ایک نومسلم لڑکی جو ابھی کالج میں زیر تعلیم ہے اس سے شادی کریں گے اور اپنا گھر بسا کر اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام کریں گے وہ کہتے ہیں کہ پورے برازیل میں حقانیت اسلام کی اشاعت کرنے کا میرا مکمل ارادہ ہے۔ واللہ المستعان۔

قابل غور باتیں:

یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ اہل مغرب بار بار یہ دہراتے ہیں کہ اسلام تلوار کی زور سے پھیلا ہے یا یہ کہ اسلام میں تشدد اور سختیاں ہیں۔ بھلا یہ بتائیں کہ احمد صاحب کو کس نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا اور کس تلوار کی زور پر وہ پختہ مسلمان ہیں۔ آجکل یورپ اور امریکہ میں ہزاروں آدمی مسلمان ہو رہے ہیں آخر ان لوگوں کو کس نے مجبور کیا کہ یہودیت اور عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کریں آخر میں ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی حقانیت سچائی معقولیت اور اخلاق مندی نے ان کے دلوں کو موہ لیا اور وہ لوگ خوشی سے اس کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

حقیقت خود منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

سابقہ نام : لی کوپر **سابقہ مذہب** : عیسائیت **ملک کا نام** : برطانیہ

میں نے اسلام کیسے قبول کیا؟

ایک نیک بخت، نومسلم کے تأثرات

سب سے پہلے اسلام سے میرا تعلق اس وقت قائم ہوا جبکہ ایک برٹش فرم نے مجھے مراکو میں کام کرنے کا موقع دیا۔ مراکش کے قومی ٹیلی ویژن میں نشر ہونے والے کمپیوٹر پروگرام کے پرزوں کو صحیح حالت میں رکھنے کا کام مجھے سونپا گیا تھا۔ میری یہ ملازمت اکتوبر ۱۹۹۱ء میں شروع ہوئی اور چند ہی مہینوں میں کام پورا ہوگیا۔

میرا تقرر اس کام کے لئے کیوں کیا گیا تھا؟ اس کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ شاید یہ میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ بہت سے کارکن اس کام میں مجھ سے زیادہ مہارت رکھتے تھے اور وہ لوگ فرانسیسی زبان میں بات کرسکتے تھے لیکن مجھے یہ کام سونپا گیا۔

مجھے سیاحت کا شوق تھا، میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ میں مراکو اور اس کی تہذیب کے بارے میں جو بھی معلومات حاصل کرسکتا ہوں، ضرور کروں گا۔ میں اپنے خالی اوقات میں زیادہ تر کاسابلانکا میں پیدل چکر لگایا کرتا یا پھر ریل سے رباط اور مراکش شہر جایا کرتا تھا۔ ان سفروں میں اکثر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا جن کی خوشگوار یادیں آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔

ان سفروں کے درمیان مجھے افریقہ کی سب سے بڑی مسجد "شاہ حسن دوم مسجد" دیکھنے کا موقع ملا جو اس زمانے میں زیر تعمیر تھی، جو صاحب مجھے گائیڈ کررہے تھے، انہوں نے بتایا کہ اس مسجد کے میناروں میں روشنی کا ایسا انتظام کیا جائے گا جس سے روشنی کی کرن قبلہ رخ جاتی نظر آئے گی۔

میں اکثر دیکھتا تھا کہ مسلمان پنج وقت نمازوں کے لئے اذان کے فوراً بعد تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے مسجدوں کی جانب جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں اپنے اس تجسس کو دور کرنا چاہتا تھا لیکن عربی اور فرانسیسی سے ناواقفیت نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا، میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ مسجد میں کیوں جاتے ہیں اور اللہ اکبر کے کیا معنی ہیں، مراکش کے قیام کے دوران یہ سوالات برابر میرے ذہن میں اٹھتے رہے لیکن قبل اس کے کہ مجھے ان کا جواب ملتا مجھے مراکش سے واپس لوٹنا پڑا۔

یہ تجسس انگلینڈ میں بھی قائم رہا بلکہ انگلینڈ واپس آنے پر اسلام کے متعلق جو کچھ میں مراکش میں جاننا چاہتا تھا۔ اس میں کچھ اضافہ ہی ہوگیا، مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس سے میں تبادلۂ خیال کرسکتا، میرے گھر سے قریب ترین مسجد ساؤتھ ہمپٹن کے بیرونی حصے میں کئی میل دور پر واقع تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ میں ان لوگوں سے مذہب کے متعلق سوالات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، جنہیں اس قسم کے سوالات سے اکثر پریشان کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی اسلام قبول کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں تو صرف ذہنی تشفی کا طالب تھا۔

۱۹۹۳ء میں ساؤتھ ایمپٹن یونیورسٹی میں شام کے وقت لگنے والی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ میرے نصاب میں تاریخ اسلام بھی شامل تھی، کچھ ہفتوں بعد میں نے عربی درجات میں بھی داخلہ لے لیا اسلامی تاریخ کی کلاس سے مجھے دو ماہ کے بعد میری عدم دلچسپی کی وجہ سے نکال دیا گیا میں اور میرا ایک ساتھی اس سے دل برداشتہ نہ ہوئے، کیونکہ مجھے ان سوالات کا جواب مل گیا تھا جو مراکش میں میرے ذہن کو کرید رہے تھے۔ عربی کی تعلیم بھی دو تین ماہ جاری رہی لیکن مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہ کورس میرے لئے بہت مشکل ثابت ہوا۔ اور مجھے اسے چھوڑنا پڑا۔

ریتیلے شہر کی جانب:

مراکو سے واپسی پر میں نے ملازمت دلانے والی ایک فرم میں اپنا نام رجسٹرڈ کروالیا تھا۔ ۱۹۹۴ء میں اس نے مجھ سے رابطہ قائم کرکے پوچھا کہ میں کیا ایک کمپنی کی

خاطر کویت میں کام کرنا پسند کروں گا؟ میں نے اپنے نئے مالکوں سے رابطہ قائم کیا اور کویت جانے کی رضامندی دے دی۔

لندن ہیتھرو ہوائی اڈے پر انٹرویو کے بعد یکایک مجھے کچھ عجیب سی ذہنی الجھن ستانے لگی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اپنا مستقبل اندھیروں کی نذر کر دیا ہو۔ میں خوفزدہ ہوگیا، میں سوچنے لگا کہ انگلینڈ میں جس طرح حفاظت واستحکام اور کسی تذبذب کے بغیر زندگی گزار رہا ہوں تو پھر میں کسی عرب ملک کیوں جانے پر تیار ہوگیا، جو دو سال قبل میدان جنگ بن چکا ہے، شاید مجھے کسی صحراء میں کام کرنا پڑے اور مجھے کسی خیمے میں رات بسر کرنی ہو، جس میں سانپ اور بچھو پھرا کرتے ہیں، حالانکہ جنگ کے زمانے میں ٹیلی ویژن پر کویت کے اکثر مناظر دیکھے تھے لیکن میرے ذہن پر وہ نقشہ حاوی تھا جو کہ لارنس آف عریبیا نے پیش کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے کویت جانا میری تقدیر میں لکھ دیا تھا۔

کویت میں آمد:

۱۹۹۴ء میں کویت پہنچنے پر مجھے پلازہ ہوٹل لے جایا گیا، مجھے یہاں ایک ماہ گزارنا تھا کیونکہ جو مکان مجھے ملا تھا اس کی مرمت ہو رہی تھی۔ مراکو کی طرح کویت میں بھی اپنے خالی وقت میں شہر کا پیدل چکر لگایا کرتا۔ ۳۰ ڈگری سینٹی گریڈ گرمی بھی اس میں مانع نہیں ہوئی۔ میں اسلامک پریزینٹیشن کمپنی (آئی۔ پی۔ سی) کے دفتر اور مکتبوں میں چلا جاتا لیکن میں نے کسی سے اسلام کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

کچھ دنوں بعد میں ٹیلی ویژن کے اسلامی پروگرام دیکھنے لگا، الوائس ٹیلی فون نمبر سے واقف ہوگیا جس سے میں اسلام کی بابت مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن میں اس نمبر سے کسی قسم کی مزید واقفیت حاصل کرنے کا داعیہ نہیں پیدا ہوا لیکن ٹیلی فون نمبر اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں ان ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو دیکھنے اور ان کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے سوال کرنے لگا اور اس طرح ۱۹۹۵ء میں اسلام کے متعلق میری دلچسپی میں اضافہ ہوگیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ

کچھ کتابیں خرید کر پڑھوں۔ ہیکل کی ''حیاتِ محمد'' پڑھنے کے بعد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے سرسری طور پر واقف تو ہو گیا لیکن اس وقت تک مجھے اس کا یقین نہیں تھا کہ واقعی خدا کا وجود بھی ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ میں کام کرتا تھا وہ اچھے اور ایماندار لوگ تھے اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں بتائیں گے۔ پھر بھی سوال یہ تھا کہ مجھے ان لوگوں کی بات پر یقین کیوں نہیں تھا؟ مغرب کے ایک باشندے کو جسے خدا کے موجود ہونے پر یقین ہی نہیں تھا، کون اس کا ثبوت دے سکتا تھا کہ واقعی خدا کا وجود ہے، یہ خدا جیس نہیں تھا۔

آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں اس نسل کا پرداختہ ہوں جسے مذہب کے نام پر اسکول میں کچھ تعلیم دی جاتی ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ نہ کبھی عبادت کرنے کا موقع ملتا ہے اور نہ اسے سمجھنے کا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ بتایا جاتا ہے اس پر کوئی ایمان ہی نہیں لاتا۔ مجھے کسی واقف کار کی ضرورت تھی لیکن اس کا ابھی موقع نہیں تھا۔ مجھے کرسمس کے لئے انگلینڈ جانے کی دو ہفتے کی رخصت ملی ہوئی تھی اور میں اسے کسی قیمت پر گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

اسلام پریزینٹیشن کمیٹی:

انگلینڈ میں ہی میں نے طے کر لیا تھا کہ کویت واپس ہونے پر میں آئی پی سی سے رابطہ کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ تہذیب و تمدن کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور عربی کی تعلیم بھی، میں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ میں عربی ضرور سیکھوں گا۔ اس طرح جنوری ۱۹۹۶ء کے آخر میں، میں نے آئی پی سی کو پہلا مراسلہ بھیجا، میری پہلی ملاقات کمیٹی میں ریسرچ کرنے والے جناب عبداللطیف اور کمیٹی کے صدر جناب عبدالوہاب الشیٰ سے ہونا طے پائی۔

میرا خیال تھا کہ ملاقات کے دوران مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتایا جائے گا لیکن ان حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں، لہٰذا وہ اپنے خیالات و نظریات سے مجھ پر اثر انداز ہونا پسند نہیں کرتے بلکہ یہ مناسب ہوگا کہ

میں جو کچھ سوال کرنا چاہوں وہ اس کا جواب دیں۔ میرا خدا پر ایمان نہیں تھا۔ نہ جیسس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر اور نہ اللہ پر۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ میں کیا سوال کروں؟ اس کے بارے میں میری ذہن میں کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ کار کے اندر سفر کرتے ہوئے کچھ وقت خاموشی میں گزرا تھا کہ مجھے اسلامی تاریخ کے بارے میں کچھ یاد آیا اور پھر گفتگو کا آغاز ہوا۔

چند ایک ملاقاتوں کے بعد میں نے ان سے کہا وہ یہ ثابت کریں کہ خدا کا وجود ہے، اس سوال کے جواب میں انہوں نے مورلس بوکایئے کا کتابچہ ''قرآن اور ماڈرن سائنس'' دیا۔ اس کتابچہ میں، میں نے قرآن کے کچھ اقتباسات دیکھے جن کے بارے میں یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف چھ سو سال بعد کوئی شخص لکھ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۃ الرحمٰن آیت نمبر ۳۳ میں ہے کہ

''اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے تو نکل بھاگو، نہیں نکل سکتے کہ بدون (ہمارے) اختیار کے''۔

اسی طرح سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۳۳ میں زمین کی گردش کا تذکرہ ہے، جبکہ اس زمانے میں دنیا زمین کی مسطح ہونے پر یقین کرتی تھی۔

''اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب اپنے اپنے گھر (یعنی مقررہ راستے) میں گھوم رہے ہیں''۔

میں نے اپنے گردو پیش پر نظر ڈالی۔ خاص طور پر آکسیجن کی موجودگی پر نہ تو ہم اسے دیکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی چھو سکتے ہیں، لیکن زندہ رہنے کے لئے اس کی موجودگی ضروری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ خدا موجود ہو لیکن ہم اس کی صفات کے ادراک سے قاصر ہوں؟

اس موقع پر میرے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ خدا نے اس کائنات کو نہیں بنایا ہے تو پھر کس نے بنایا ہوگا۔ اگر یہ کائنات عظیم دھماکے (Big bang) کے

نظریے کے مطابق وجود میں آئی ہے تو بھی یہ عظیم دھماکہ کس نے کیا تھا؟ میں ذہنی طور پر ایک ایسے گوشہ تنہائی میں پہنچ چکا تھا جہاں میرے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ کسی نے مجھے خدا کے وجود کے بارے میں قائل نہیں کیا بلکہ میں خود ہی قائل ہو گیا۔ اس طرح میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ خدا موجود ہے مگر یہ ''خدا'' کون سا خدا ہے؟

خدا تو ہے لیکن وہ کونسا خدا ہے؟

کیا یہ خدا جیسس تھا۔ اسکول میں بائبل پڑھتے وقت بھی مجھے اس پر کبھی یقین نہیں تھا لہٰذا اب اس پر ایمان لانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے برعکس میرے ہاتھ میں قرآن کریم تھا جس کی صحت سائنس کی تسلیم شدہ حقیقتوں سے ثابت ہوئی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس کے علاوہ میں نے بائبل میں وہ مقامات بھی تلاش کئے جس میں جیسس کے خدا ہونے سے صریحاً انکار کیا گیا ہے۔ عیسائی اپنے اس مقدس صحیفے میں یہ عبارتیں پڑھنے کے بعد کس طرح جیسس کرائسٹ کو خدا مان سکتے ہیں؟

کتاب متی باب ۱۹ آیت ۱۶/۱۷ میں مرقوم ہے:

''اس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کہ نیک تو وہی ایک ہے جو خدا ہے۔''

کتاب یوحنا، باب ۱۵ آیت ۳۰ میں ہے:

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔''

اسلام قبول کرنے کا فیصلہ:

پس اس طرح رمضان المبارک میں جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پہلی بار نازل ہوا تھا، میں اسلامک پریزینٹیشن کمیٹی کے ساتھ ہر ہفتہ میں دو تین بار رات میں ملاقات کرتا تھا، یہ ملاقاتیں الاشیہ دیوانیہ یا پلازہ ہوٹل کے کافی روم میں ہوا کرتی تھیں، یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ یہ ملاقاتیں اسی ہوٹل میں ہو رہی تھیں جہاں کویت آنے

کے بعد میں نے پہلے چند ہفتے گزارے تھے۔

گزشتہ سال ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ (بمطابق ۱۸ فروری ۱۹۹۶ء) کو اس وقت سے تقریباً پانچ سال بعد جب میں نے اسلام سے دلچسپی لینی شروع کی تھی میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ مجھے اللہ پر ایمان لانا چاہیے جو کہ واحد معبود ہے اور جیسس اللہ کے فرستادہ رسول تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ میں اسلامک پریزنٹیشن کمیٹی سے اپنے دوستوں کی موجودگی میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا۔ میں الاشیہ دیوانیہ گیا اور میں نے کمیٹی کے صدر کے ساتھ کلمۂ شہادت دہرایا۔

اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جانب میری رہنمائی کی۔ میں اسلامک پریزنٹیشن کمیٹی کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے تلاشِ حق میں میری مدد کی۔

سابقہ نام: مالک رام **سابقہ مذہب**: ہندو

اسلامی نام: عبدالمالک **ملک کا نام**: ہندوستان

میں نے قادیانیت چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا؟

جناب مالک رام برصغیر پاک وہند کی مشہور و معروف علمی وادبی شخصیت تھے۔ وہ ان لوگوں کی صف میں شامل تھے جنہیں اردو زبان کی نزاکتوں اور لغت کی لطافتوں پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ ماہرین اردو زبان نے انہیں اردو ادب میں اتھارٹی تسلیم کیا ہے، مالک رام کو مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت عقیدت تھی اور وہ خود کو مولانا کے علمی خوشہ چینیوں میں فخریہ شمار کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد پر بہت ریسرچ کی اور ریسرچ کا حق ادا کیا۔ مولانا اور ان کے فن پر مالک رام کی لکھی گئی کتابیں اردو ادب اور ہندوستان کی تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

مولانا سے محبت و رغبت کی وجہ سے مالک رام نے اسلام کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کے ذہن پر اسلام کے گہرے نقوش تھے، جو ان کی بہت سی تحریروں سے عیاں ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے غالبیات پر گراں قدر کام کیا۔ جناب مالک رام ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہیں جن کی زندگی کی کشتی ہمیشہ کفر کے بھنوروں اور گردابوں میں پھنسی رہتی ہے اور قریب ہوتا ہے کہ کوئی موج بلاخیز اٹھے اور اس کشتی حیات کو بحر کفر میں غرق کر دے کہ اچانک کوئی موج رحمت اٹھتی ہے اور اس کشتی کو نکال کر ایمان کے ساحل مراد پر پہنچا دیتی ہے۔ جہاں جنت کی بہاریں اس کے لئے چشم براہ ہوتی ہیں۔

مالک رام نے ایک ہندو گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا ہندومت میں گزارا، وہ زندگی کے آخری ایام ہسپتال میں گزار رہے تھے۔ ان کا چراغ زیست موت کی تند ہواؤں سے آخری مقابلہ کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ یہ چراغ بجھتا، مالک رام نے اپنی موت سے پانچ روز قبل یعنی ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کو اسلام قبول

کرلیا۔ اور مالک رام سے اپنا اسلامی نام عبدالمالک رکھا۔ انہوں نے بتوں سے ناتا توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑ لیا۔ ہندومت کی فرسودہ رسومات کو چھوڑ کر تاجدار ختم نبوت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے سامنے اپنی گردن خم کردی۔ اللہ کی وحدانیت اور نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی گواہی دیتے ہوئے اور اس پر لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے مالک رام اس جہان فانی سے جہان باقی پہنچ گئے۔

قادیانی جماعت جو بڑے لوگوں کی شہرت سے قادیانیت کو تقویت دینے کی تاک میں لگی رہتی ہے، نے جھٹ اعلان کردیا کہ مالک رام مرنے سے پہلے قادیانی ہوگئے تھے۔ قادیانی دجالوں کا یہ پہلا حربہ نہیں ہے بلکہ وہ اس سے پہلے باکسر محمد علی کلے، پاک فضائیہ کے ہیرو ایم ایم عالم، جنرل حمزہ وغیرہ ہم کے قادیانی ہونے کا اعلان کرچکے ہیں۔ لیکن ان حضرات نے ان اعلانات کے جواب میں قادیانیت کی سخت مذمت اور مرمت کی اور خود کو حضور ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ظاہر کیا۔

جناب مالک رام کے بارے میں قادیانی اخبار ''الفضل'' اپنی ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ جناب مالک رام اردو ادب کے ایک درخشندہ ستارے تھے آپ نے کئی علمی ادبی کتب لکھیں۔ غالبیات آپ کا خاص مضمون تھا، اس ضمن میں آپ نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ جناب مالک رام ایک مخلص احمدی تھے۔ اگرچہ انہوں نے عمر بھر اپنی احمدیت کا باضابطہ اعلان نہیں کیا۔ لیکن ان کے جاننے والے اس بات سے باخبر تھے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ احمدی ہیں۔ ان کی علمی کتب میں دین حق کے بارے میں خاصا مواد ہے۔ ''عورت اور اسلام'' کے نام سے انہوں نے ایک شاندار عالمانہ مضمون بھی سپرد قلم کیا۔

استاذی المکرم محترم پروفیسر ناصر احمد پروازی صاحب نے خاکسار راقم الحروف کو ایک بار بتایا کہ ان کو ایک بار ادبی کانفرنس کے سلسلے میں ہندوستان جانے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ محترم پروازی صاحب اردو ادب کے جاننے والوں میں متعارف ہیں۔ اس لئے جناب مالک رام سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ مالک رام صاحب کو پتہ چلا کہ ڈاکٹر پروازی صاحب احمدی ہیں تو وہ احمدیت کی محبت میں ان کو ان کے ہوٹل سے

اپنے گھر لے گئے اور فرمایا کہ ہوٹل میں نہیں رہیں گے۔ میرے گھر رہیں گے، چنانچہ پروازی صاحب اُن کے گھر پر رہے، اس قیام کی جو خاص بات محترم پروازی صاحب نے بتائی وہ یہ تھی کہ مالک رام صاحب نے خوب خوب نمازیں مجھے پڑھائیں۔

جناب مالک رام سے ہمارے ادرہ الفضل کے شعبہ ادارت کے ایک رکن مکرم سید ظہور احمد شاہ صاحب کی بھی قاہرہ میں ملاقات ہوئی، مکرم سید ظہور احمد شاہ نے بتایا کہ ۱۹۴۲ء میں برٹش آرمی کی انڈین میڈیکل کور (آئی اے ایم سی) میں بطور کلریکل حوالدار متعین تھا۔ یہ دوسر جنگ عظیم کا زمانہ تھا، ہماری یونٹ کے بعض افراد کو مصر بھیجا گیا ہم سمندری جہاز کے ذریعے پورٹ سعید پہنچے، وہاں سے بذریعہ ٹرین قاہرہ گئے۔ جہاں پر ایک بڑا انفورسمنٹ کیمپ برٹش آرمی کا قائم تھا۔ یہ کیمپ مشہور اہرام مصر کے بالکل قریب تھا وہاں میرا قیام چار پانچ ماہ رہا۔ سمندری جہاز کے سفر کے دوران ایک احمدی کلرک سے میری دوستی ہوگئی جو اس وقت جمعدار (آج کل یہ عہدہ نائب صوبیدار کہلاتا ہے) کے رینک پر تھا۔ میری ڈیوٹی اسی احمدی کلرک کے ساتھ لگی، اس احمدی کلرک کا رابطہ کسی طرح مالک رام صاحب سے ہوگیا۔ جناب مالک رام ان دنوں ہندوستانی سفارت خانے میں ٹریڈ کمشنر کے طور پر قاہرہ میں متعین تھے۔ ایک دن وہ احمدی کلرک مجھے کہنے لگا کہ آؤ آج جمعہ پڑھنے چلتے ہیں۔ یہ مجھے مالک رام کے گھر لے گئے، مالک رام صاحب کا فلیٹ قاہرہ کے گنجان آباد علاقے میں تھا۔ ہم دن کے دس، گیارہ بجے ان کے ہاں پہنچ گئے۔ جناب مالک رام صاحب نے یہ دیکھ کر کہ دو احمدی بھائی ان کے پاس آئے ہیں ہماری بڑی آؤ بھگت کی اور دوپہر کا شاندار کھانا بھی ہمیں اپنے گھر کھلایا۔ جمعہ کا وقت ہوا تو ۱۰/۱۲ اور احمدی فوجی بھی جو اس فوجی کیمپ میں تھے، جمعہ پڑھنے کا وقت آیا جناب مالک رام نے کمرہ کی کنڈی چڑھائی، ہم ان کی اس حرکت پر بڑے حیران ہوئے کہ اس احتیاط کی کیا وجہ ہے؟

تو انہوں نے بتایا کہ میری بوڑھی والدہ بھی میرے ساتھ ہیں اور میں نے اپنی والدہ کی خاطر احمدیت کا اظہار نہیں کیا۔ چونکہ اگر ان کو میرے احمدی ہونے کا علم ہوگیا تو انہیں شدید دکھ ہوگا اور خطرہ ہے کہ وہ اس غم کو برداشت نہ کر پائیں۔ انہوں نے بتایا کہ

میری بیوی کو اس بات کا علم ہے۔ اگر چہ خود احمدی نہیں ہے، مالک رام صاحب نے بتایا کہ انہوں نے اپنے بچوں کے نام بھی (احمدیوں) والے رکھے ہیں میری والدہ نے جب مجھ سے پوچھا کہ ان کے نام (احمدیوں) جیسے کیوں رکھے ہیں تو میں نے یہ بہانہ بتایا کہ چونکہ ہم مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں اس لئے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ان کے نام بھی ایسے ہی رکھے جائیں۔

جناب مالک رام نے قبول احمدیت کے بارے میں بتایا کہ میں ہندو اخبارات ''ملاپ''،''ترپاب'' کے نمائندہ کے طور پر سالانہ جلسے کے موقع پر لاہور سے قادیان جایا کرتا تھا، وہاں میری ملاقات حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ہوگئی جنہوں نے میرے ساتھ نہایت محبت کا سلوک کیا۔ مجھے اپنے گھر میں بلاتے رہے اور احمدیت کے بارے میں بتاتے رہے حتیٰ میں احمدی ہوگیا۔ مگر میں نے احمدیت کا اعلان نہیں کیا۔ اس وقت انہوں نے ابھی سرکاری نوکری نہیں کی تھی، بعد ازاں غالباً چوہدری صاحب کے توسط سے انہیں ہندوستانی وزارت خارجہ میں نوکری مل گئی اور یہ انڈین ہائی کمیشن کے ٹریڈ کمشنر کے طور پر قاہرہ آگئے۔

مکرم شاہ صاحب نے بتایا کہ ان دنوں مالک رام کی عمر ۲۵، ۳۰ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ موزوں قد اور درمیانے جسم کے مالک تھے، رنگ کھلتا ہوا سفید تھا، شاید عینک بھی لگاتے تھے، جس کمرے میں ہم جمعہ پڑھتے تھے وہ خاصا فراخ تھا۔ اس میں ان کی لائبریری بھی تھی جس میں قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتب بھی رکھی ہوئی تھیں، یہیں ایک احمدی دوست احمدیوں سے چندے بھی موصول کیا کرتے تھے۔ مالک رام صاحب کہا کرتے تھے کہ میں اپنی والدہ کی زندگی تک اپنی احمدیت کا اعلان نہیں کروں گا۔ مکرم شاہ صاحب نے بتایا کہ اس جگہ قیام کے دوران مجھے تین چار جمعے جناب مالک رام صاحب کے گھر پر پڑھنے کا موقع ملا۔ میری پوسٹنگ اسکندریہ اور وہاں سے چند ماہ بعد مجھے اٹلی بھیج دیا گیا۔ جہاں میں روم میں جنگ ختم ہونے تک رہا۔

جناب مالک رام صاحب نے ایک کتاب ''دے صورتیں الٰہی'' ۱۹۷۰ء میں دہلی سے شائع کی تھی اس کے حوالے سے جناب مالک رام صاحب کے ذکر پر مبنی ایک

مضمون محترم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پروازی نے ''الفضل'' ۲۲ فروری ۱۹۸۹ء میں شائع کروایا تھا۔ اس مضمون کے چند اقتباسات پیش ہیں اس سے جناب مالک رام صاحب کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے، محترم پروازی صاحب کہتے ہیں۔

مالک رام اردو زبان و ادب کے ان محققین اور محسنین میں شمار ہوتے ہیں جن کی علمی اور تحقیقی فتوحات بے حد و حساب ہیں۔ خاص طور پر وہ غالب کے سلسلہ میں ان کی تحقیقی مساعی زیادہ مستند اور وقیع سمجھی جاتی ہیں۔ مالک رام اردو عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا علمی ذوق رکھتے تھے فارسی کا ذوق تو ہماری پرانی نسل کے تمام بزرگ ادیبوں میں موجود تھا۔

اب رفتہ رفتہ یہ ذوق معدوم ہوتا جارہا ہے اور ہم لوگ ایک متاع گراں بہا سے محروم ہوتے جار ہے ہیں مالک رام بھارت کی وزارت خارجہ میں ملازم ہونے کے ناطے طویل عرصہ تک قاہرہ میں مقیم رہے اس طرح آپ نے عربی زبان سے کما حقہ واقفیت حاصل کی اور اس طرح اسلام اور قرآن فہمی میں بھی خاصا نام پیدا کیا۔ ''عورت اور اسلام'' کے موضوع پر ان کا ایک مضمون پڑھ کر سید سلیمان ندوی مرحوم نے فرمایا تھا کہ ''اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ مضمون کس کا لکھا ہوا ہے تو میں اسے پڑھ کر یہی خیال کرتا کہ یہ کسی مسلمان عالم نے لکھا ہے''۔

مالک رام صاحب کے اس شغف میں حسن رہتاسی کا کیا حصہ تھا، یہ مالک رام صاحب کی زبان سے ہی سنئے۔ ''ہائی اسکول میں میرے ایک ہم سبق دوست ملک احمد حسن رہتاسی ...... تھے جو بعد کو بہت دن تک ہفتہ وار ''دور جدید'' لاہور کے ایڈیٹر بھی رہے...... وہ بھی میری طرح اردو، فارسی اور خاص طور پر شعر کے رسیا تھے ہم دونوں کا ایک دانت کاٹی روٹی والا معاملہ تھا۔ وہ احمدی تھے، ان کی بدولت مجھے اسلام کے متعلق بہت وسیع مطالعہ کرنے کا موقع ملا نہ جانے وہ میرے لئے کہاں کہاں سے کتابیں بٹور بٹور کر لاتے تھے اور میں بڑی سے بڑی کتاب دو چار دن میں ختم کر کے واپس کر دیتا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرتے کرتے میری مذہبی واقفیت عموماً اور اسلامی واقفیت خصوصاً میری اپنی عمر کے طلبہ سے کہیں زیادہ تھی...... میں نے طے کرلیا تھا

کہ مجھے عربی پڑھنی چاہیے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم قرآن کو معنوں کے ساتھ کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیے...... پھر خدا نے ایسا سامان پیدا کر دیا کہ مجھے ایک زمانے تک مصر میں قیام کرنا پڑا۔ یہاں میں نے عربی میں شدھ بدھ پیدا کر لی۔

مالک رام نے عربی میں شدھ بدھ کیا، اتنی علمیت بہم پہنچائی کہ علمی حلقوں میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔

محترم پرواز ی صاحب کے اس مضمون سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جس حسن رہتاسی صاحب کا ذکر کیا گیا وہ قادیان میں رہنے والے مشہور احمدی شاعر حسن رہتاسی تھے اس مغالطہ کو اس مضمون کے ساتھ ہی محترم مولانا نسیم سیفی صاحب نے وضاحتی نوٹ دے کر دور کر دیا ہے اور بتایا کہ رسالہ ''دور جدید'' لاہور کے ایک ایڈیٹر ملک احمد حسن رہتاسی الگ شخصیت تھے اور معرف شاعر حسن رہتاسی اور شخصیت تھے۔

درج بالا تفاصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک احمدی کے ذریعے دینی لٹریچر کے مطالعے کے بعد جناب مالک رام کو احمدیت سے شناسائی اغلباً پہلے ہی ہو چکی ہو گی اور جس طرح جناب مالک رام پڑھنے کے دھنی تھے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے خاصی کتب اس بارے میں پڑھی ہوں گی۔ چنانچہ جب ان کی ملاقات قادیان میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان جیسی علم پرور ہستی سے ہوئی تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی، اور موصوف احمدیت کے حلقہ میں آ گئے، اگرچہ عمر بھر انہوں نے اپنی احمدیت کا کھلے طور پر اعلان نہیں کیا لیکن چونکہ واقفان حال ان کے بارے میں جانتے تھے اس لئے جناب جمیل الدین عالی نے یکم جون ۱۹۹۳ء کے جنگ لاہور میں اپنے کالم میں لکھا ہے ''افواہ ہے کہ آپ قادیانی تھے'' اللہ تعالیٰ جناب مالک رام صاحب کے درجات بلند کرے اور اپنی رحمت سے نوازے''۔ (الفضل ربوہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قادیانی بازی گروں نے جناب مالک رام کو قادیانی ثابت کرنے کے لئے کتنی پر پیچ اور لچھے دار کہانی تیار کی ہے۔ ایسی ہی لچھے دار کہانیاں مرزا قادیانی اپنی نبوت اور پیشن گوئیوں کے لئے تیار کیا کرتا تھا۔ مالک رام کیسے مسلمان ہوئے؟ اس کا مکمل پتہ ہمیں مالک رام کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے عالم اسلام

کے نامور اسکالر مولانا سید ابوالحسن ندوی کے نام لکھا ہے۔ یہ تاریخی خط بہت سے دینی رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ ہم ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے فروری کے شمارے سے اس خط کی نقل پیش کرتے ہیں۔ جناب مالک رام اس خط کے پانچ روز بعد انتقال فرما گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشفق من سلام مسنون

چند یوم قبل ہمدردی اور درد سے بھرا ہوا مکتوب موصول ہوا۔ فوراً جواب اس کا حق تھا مگر غور وفکر کرتا رہا آجکل میں ہسپتال پہنچا۔ اپنے کرم فرما حافظ محمد اقبال امینی جو ایک بھولے بھالے اور مخلص مسلمان ہیں کو بلوا کر انہی سے یہ خط ہسپتال میں تحریر کرا رہا ہوں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خود حاضر ہو کر آپ کی محبت اور احسان کا حق تو کیا بس زبانی شکریہ ادا کرتا۔ مگر اس حال میں نہیں اچھے مسلمان دوستوں سے زندگی میں واسطہ پڑا مگر آپ سا دوست آپ سا مخلص لعلک باخع نفسک الا تکونوا مومنین کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ میں حافظ اقبال اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتا ہوں:

اشهدان لا الٰه الا الله واشهدان محمدا عبده ورسوله امنت بالله كما هوا باسمائه و صفاته وقبلت جميع احكامه امنت بالله وملئكة وكتبه و رسله واليوم الاخر والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ والبعث بعد الموت، ورضيت بالله ربا و بالا سلام دينا وبمحمد رسولا صلى الله عليه وسلم، وبالقرآن كتابا، الحمدلله الذى هدانا لهذا وما كنا نهتدى لولا ان هدانا اللهo

کل قیامت کے دن آپ سے وصول کرلوں گا، کاش اللہ تعالیٰ صحت یاب فرمائے تو کچھ کفر وشرک کی زندگی کی تلافی اور اپنے سب سے بڑے محسن کی زیارت خود خدمت میں حاضر ہو کر، کر سکتا۔ آپ کے احسان کا اجر بس مولائے کل ہی دے سکتا ہے، جس نے ساری عمر کے گم کردہ راہ کو ہدایت اور توفیق بھی عطا فرمائی۔

کاش! آپ سے پہلے ملاقات ہوگئی ہوتی اس کی دعا بھی آپ ہی کریں
اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی
الایمان اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی عمر دراز کرے۔

والسلام مع الاکرام، خاکسار ''عبدالمالک'' مالک رام۔

جناب مالک رام اس خط کے پانچ روز بعد وفات پا گئے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ قادیانی پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ مالک رام قادیانی تھے، لیکن مالک رام قبولیت اسلام پر مولانا کا شکریہ ادا کر رہے ہیں اور ان کے مرہون احسان ہو رہے ہیں کتنی حیرت کی بات ہے کہ مالک رام قادیانی ہونے پر مولانا ابوالحسن ندوی کو گواہ بنا رہے ہیں۔ کس قدر اچنبے کی بات ہے کہ مالک رام قادیانی ہونے پر مولانا ابوالحسن ندوی کو خط بھی ایک مسلمان سے لکھوا رہے ہیں۔ کس قدر حیران کن بات ہے کہ قادیانی ہونے پر آخری وقت میں مالک رام قادیانی سربراہ مرزا طاہر کی بجائے مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ سے ملاقات کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

قادیانیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مولانا سید ابوالحسن کون ہیں؟

وہ عالم اسلام کے نامور اسکالر اور مذہبی ہیرو ہیں۔ وہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد علی مونگیریؒ کے تحفظ ختم نبوت کے مشن کے قافلہ سالار ہیں۔ یہ وہی مولانا ابوالحسن ندوی ہیں جنہوں نے اپنے مرشد کامل حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ کے حکم پر اپنی شہرہ آفاق اور معرکۃ الآراء کتاب ''قادیانیت'' لکھی ہے، جس نے قادیانیت کے قلعے میں دراڑیں ڈال دی ہیں، جس میں مولانا کے قلم نے مرزا قادیانی کے کفر کو طشت از بام کیا ہے۔ قادیانی نبوت کے تار و پود کو بکھیرا ہے، ملت اسلامیہ کو قادیانی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا ہے اس حقائق افروز اور قادیانیت سوز کتاب کے انگریزی اور عربی تراجم ہو کر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ مولانا کی قادیانیت سے شدید نفرت سے کون آگاہ نہیں، لیکن تعجب ہے ایک پڑھے لکھے شخص مالک رام پر کہ وہ قادیانی ہونے کے لئے مولانا ابوالحسن ندوی کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

قادیانیو! تم تو مرزے کو نبی بنا لیتے ہو، تم مرزے کی باتوں کو حدیث رسول بنا لیتے ہو، تم مرزے کی ہفوات کو وحی الٰہی بنا لیتے ہو، تم تو مرزے کی بیوی کو ام المومنین بنا لیتے ہو، تم تو مرزے کے ساتھیوں کو اصحاب رسول بنا لیتے ہو، تم تو مرزے کے خاندان کو اہل بیت بنا لیتے ہو...... تو بے چارے مالک رام کو قادیانی بنانا تمہارے لئے کون سا مشکل کام ہے؟

قادیانیو! ۱۹۷۴ء سے پہلے کی بات ہے۔ ٹی آئی کالج ربوہ میں سالانہ جلسہ ہو رہا تھا، سابقہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر جو ٹی، آئی کالج ربوہ کا پرنسپل بھی تھا، جلسہ کی صدارت کر رہا تھا اور چیف جسٹس ہائی کورٹ جناب جسٹس کیانی مہمان خصوصی تھے۔

اپنی صدارتی تقریر میں مرزا ناصر نے جناب جسٹس کیانی کو مخاطب کر کے کہا:

جناب! جب ہم ربوہ میں آئے تو یہ ایک سنگلاخ اور بنجر علاقہ تھا۔ یہاں گھاس تک نہ اگتی تھی، درختوں کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا، ہمارے محنتی اور جفاکش لوگوں نے پندرہ پندرہ فٹ گہرے گڑھے کھودے، پتھریلی مٹی باہر پھینکی اور گڑھوں میں نرم مٹی اور کھاد ڈالی اور وہاں پودے اگائے۔ اب یہاں آپ کو جو درخت نظر آ رہے ہیں، یہ وہی پودے ہیں جنہیں ہمارے محنتی ہاتھوں نے سنگلاخ زمین کا سینہ پھاڑ کر نکالا ہے۔

مرزا ناصر کے بعد جسٹس کیانی خطاب کے لئے اسٹیج پر آئے تو انہوں نے مرزا ناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

مرزا صاحب! آپ نے سنگلاخ زمین کا سینہ چیر کر درخت اگانے کا جو ذکر کیا ہے، واقعی بڑی جفاکشی اور محنت کا کام ہے، میں آپ کی ہمت اور جفاکشی کو داد دیتا ہوں لیکن آپ کی جفاکشی کو کہاں کہاں پر داد دوں۔ آپ تو ختم نبوت کی فولادی زمین پھاڑ کر اس سے میں سے نبوت کا پودا بھی نکال لیتے ہیں۔

سابقہ مذہب: عیسائیت **اسلامی نام**: عامر لطیف شاہد

نومسلم ڈاکٹر عامر لطیف شاہد کے تأثرات

﴿قارئین کرام! آپ نے ''ظلمت کدہ سے نور اسلام کی طرف'' کے عنوان جناب ڈاکٹر عامر عبد اللطیف شاہد جو کہ نومسلم ہیں کے دردناک حالات پڑھے تھے جس میں موصوف نے اپنے زمانہ طالب علمی سے بلوغ تک کے مختصر حالات لکھے تھے اب آپ ذیل میں نومسلم موصوف کے قبول اسلام کے بعد کے تأثرات ملاحظہ فرمایئے اور دعا بھی کریں کہ اللہ رب العزت ڈاکٹر صاحب کو اسلام پر استقامت بخشے۔ آمین﴾

تمام تعریفیں اس ذات ایزدی کے لائق ہیں جس نے لفظ ''کن'' سے کائنات کی تخلیق فرمائی اور اس کے کروڑوں احسانات ہیں مجھ ناچیز پر کہ مجھے کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی شمع فروزاں کی روشنی میں زندگی گزارنے کا موقع دیا۔

ایک وقت تھا جب کہ زمانہ جاہلیت میں، میں فرعونیت اور گمراہیوں کی حدود کو پار کر چکا تھا اور صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے سابقہ تمام ہم مذہب بھی کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم ہی یہی تھی۔ اس مذہبی تعلیم یعنی عیسائیت کی تعلیم میں میں تو بالکل پاک صاف تھا کیونکہ اس کے قوانین ہی ایسے ہیں جن میں پیروکار پر اس کے مذہب کی کوئی خاص گرفت نہیں، جہاں مذہب انسانوں کی پیروی کرتا ہے نہ کہ انسان مذہب کی پیروی کرتے ہیں، اس کی تازہ ترین مثال مرد کی مرد سے شادی کی مذہبی طور پر اجازت ہے۔ جیسے چاہو مذہب کو تبدیل کر لو، یعنی اپنی آسائشوں اور اپنے گناہوں کو جائز قرار دینے کے لئے روزانہ خیالات اور مذہب تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

عیسائیت میں کسی محترم ہستی کو (پیغمبروں) کو برا بھلا ہی نہیں کہا جاتا بلکہ ان پر

شدید الزام تراشیاں تک کی جاتی ہیں اور یہ مذہب کا جزو ہے۔ جب ایک بات بائبل میں لکھ دی گئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہب کا حصہ ہے، حتیٰ کہ عیسائی توہین عیسیٰ علیہ السلام ہی نہیں بلکہ نعوذ باللہ توہین خدا تک جا پہنچتے ہیں۔ بحوالہ بائبل المختصر

خدا مریم کے پیٹ میں داخل ہوا، ۹ ماہ کے بعد پیدا ہوا، کھاتا تھا، پیتا تھا، اور پھر وہی عیسیٰ علیہ السلام کچھ کے نزدیک خدا کا بیٹا رہا۔

یہ لوگ ظلم و بربریت کی سیاہ کاریوں کو بھی مات دے چکے ہیں، کلیسا کا اندھیرا ان کے دماغوں کو مفلوج کر چکا ہے، یہ گمراہوں کا ٹولہ مزید گمراہیوں کی طرف گامزن ہے، ان میں فہم و فراست، سوجھ بوجھ، بالکل ختم ہو چکی ہے، اور اب تو یہودیت اور عیسائیت دونوں مل کر عیسائیت کو بگاڑنے میں لگے ہوئے ہیں، اور آئندہ عیسائی یہودیت کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے، یہودیت ان پر غالب آ رہی ہے اور آہستہ آہستہ ان پر غلبہ پاتی جا رہی ہے۔ عیسائیت تو پہلے ہی نہیں رہی فقط نام ہے، مذہب تو یہودیوں کا ہے۔

بہر حال وہاں پر میں گمراہ ہی نہیں بلکہ اتھاہ گہرائیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تھا، ایک مشن کے تحت کسی کو بھی صحیح معلومات فراہم نہیں کی جاتیں کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ اس سے لوگ ہدایت کی طرف راغب ہوں گے۔ بہر حال تائید ایزدی سے رحمت خداوندی نے مجھے آ لیا اور میں راہ حق کا متلاشی ہوا، یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھ جیسا گنہگار اور بے کار شخص اسلام کیسے قبول کرے گا؟ میرا خیال تھا کہ میں تو راغب بہ اسلام ہوں مگر میں اسلام قبول نہیں کر سکوں گا، کیونکہ تجربات بتاتے تھے کہ جب ہم کسی برتن کو استعمال کرتے تھے تو مسلمان اسے پلید و نجس خیال کر کے اس کو استعمال میں نہیں لاتے تھے۔ بہر حال سہمے سے انداز میں ڈرتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو ششدر رہ گیا کہ اسلام تو اتنا وسیع اور تحمل و بردباری والا دین ہے جو مجھ جیسے گنہگار شخص کو بھی قبول کر لیتا ہے، اب میں اپنے سابقہ کارناموں پر نظر کرتا ہوں تو شدید اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہوں اور گناہوں کا تصور کر کے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔

بزرگان دین کی شفقت اور رحمت خداوندی ہے کہ صبر آ جاتا ہے ورنہ اپنے

گناہوں کو دیکھ کر زندہ درگور ہونے کو جی چاہتا ہے، مجھے اسلام نے حوصلہ دیا ہے کہ ''اب نئے سرے سے زندگی کی ابتدا ہے، تمہارے تمام سابقہ گناہ معاف ہیں'' تو میں دوبارہ باہمت ہو جاتا ہوں، عرض کرتا چلوں کہ جب میں نے اسلام کی شمع کو تجسس بھری نظروں سے دیکھنا شروع کیا تھا تو مجھے میری قریبی لوگوں نے سمجھایا کہ بھائی جس دین کی طرف تم راغب ہو یہ وہ دین نہیں جو آیا تھا اس میں تو کئی فرقے ہیں سنی، بریلوی، شیعہ، قادیانی، لاہوری اور اہلحدیث کئی فرقے ہیں۔ اگر اسلام سچا ہوتا تو صرف مسلمان ہوتے؟ وہاں بھی بریلوی بنو گے، قادیانی بنو گے مسلمان تو نہیں ہو سکتے بہتر یہ ہے کہ تم سچے مذہب یعنی عیسائیت پر ہی ٹھیک ہو، دیکھو! اعلیٰ تعلیم کے بعد تم خود عیسائی پادری بنو گے، محقق بنو گے، یہ ہوگا، وہ ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

ان کی گفتگو سننے کے بعد فوراً میرے ذہن میں نپولین کی کہی ہوئی بات آ گئی کہ ''سچائی ڈھونڈنے کے لئے سچائی کے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے'' میں نے کہا کہ تحقیق میں حرج ہی کیا ہے؟ پس تحقیق کر لینے کے بعد جب اسلام کو حقیقت پر مبنی مایا، تو سابقہ وہم سے واسطہ پڑا کہ اب میں کس فرقے کا فرد بنوں، میں یہ سوچتا کہ اسلام تو سچا ہے پھر یہ تفرقے کیوں ہیں؟ اب اس کشمکش میں کبھی کسی مجلس ذاکرین میں جا پہنچا، تو کبھی ربوہ کی جنت دیکھنے کا اور حوروں کا نظارہ کرنے کو دل مچلتا بلکہ یار لوگ تو ان پروگراموں میں پیشگی ترتیب دے چکے ہوتے۔ اگر دل میں وہی پرانی باتیں نہ آ جائیں کہ قادیانیت میں اور عیسائیت میں کوئی فرق تو نہیں ہے۔

آخر کار ایک دن ایک رسالہ میں اشتہار پڑھا کہ ''ردعیسائیت وقادیانیت کورس پانچ شعبان سے دفتر عالمی تحفظ ختم نبوت میں شروع ہوگا'' میں نے اس میں شرکت کا پکا ارادہ کیا۔ کورس میں شرکت کے بعد میرے دل کی دنیا بدل گئی، جس پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنا تھا کہ انتہائی نرم خو، سادہ زندگی، اعلیٰ واکمل، سید مرسل، حتیٰ کہ دشمنوں کے لئے بھی رحمت وہی پیغمبر علیہ السلام جن کو طائف کے دشمنوں نے لہولہان کر دیا تھا ان کے لئے بھی بددعا نہ فرمائی، بلکہ فرمایا: ہو سکتا ہے ان کی نسل میں کوئی ایک شخص مسلمان ہو جائے'' اتنا درد کہ انسانیت تباہ نہ ہو اور ایک شخص بھی آنے والے وقتوں

میں مسلمان ہو جائے تو کافی ہے، اسی ہمدردانسانیت کی روش پر ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کو پایا، عمر میں بزرگ مگر سادہ، مقام اعلیٰ مگر عاجزی، حد سے زیادہ تو میں نے اپنے اوپر موجود عیسائیت کے تمام نقاب نوچ کر پھینک ڈالے، مگر کورس میں مسلمان ہو کر شرکت کی۔ میں دل سے مسلمان ہو گیا اور عیسائیت سے بالکل تائب ہو گیا۔

اس وقت میں میڈیکل کالج کا اسٹوڈنٹ تھا، زیادہ وقت نہ ملا کہ میں مکمل اسلامی تعلیم پر عبور حاصل کروں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں بہت خوش نصیب ہوں اور صحیح منزل اور راہ حق بھی مل گئی، اسلام میں وہ سکون ملا جو زندگی بھر نہیں ملا تھا۔

پہلے میں خیال کرتا تھا کہ پتہ نہیں خدا ہے بھی سہی یا نہیں؟ بس یہ تصور تھا کہ یہ ایک آٹومیٹک نظام ہے جو چل رہا ہے، چیزیں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں، لوگ پیدا ہو بھی رہے ہیں اور مر بھی رہے ہیں، اور مذہب متحد رہنے کی آڑ ہے، وگرنہ کچھ نہیں، یعنی میں سب کچھ سائنس کو مانتا تھا، مگر اب نماز پڑھتے ہوئے سکون ملا ہے کہ سبحان اللہ! ایک وہ عیسائیت تھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر کی پوجا تھی اور جس میں خدا مصلوب ہو گیا ہے اور پتہ نہیں یہ دنیا کیسے چل رہی ہے؟ بنانے والا پھانسی چڑھ گیا اور چڑھایا بھی اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے لوگوں نے، اب میں اپنے حقیقی غفار کا بندہ ہوں، اسی کو مانتا ہوں، اس ذات رحیم کا عظیم احسان ہے جس نے مجھے عقل انسانی دی اور حیوانیت سے بچا لیا ہے، اب مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہی ایک خدا ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا تھا (اور وہ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے) اور وہی ایک خدا اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے، بنا بھی رہا ہے اور مٹا بھی رہا ہے۔

شروع شروع میں مجھے نماز پڑھنا نہیں آتا تھا تو میں مسجد میں جا کر صرف باجماعت نماز کا مشاہدہ کرتا، سب لوگوں کو ایک لائن میں کھڑے ہوئے دیکھتا، اور جب سارے لوگ سجدے میں جاتے تو مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی، بڑا مسحور کن منظر ہوتا، دل کو اطمینان نصیب ہوتا، یہ تو انتہائی دلکش منظر ہوتا تھا، پھر میں سوچتا تھا کہ پڑھنے والے کتنے خوش نصیب ہیں اور انہیں کتنا مزہ آتا ہوگا؟

اب دیکھئے! ذات لم یزل کتنی عظمت والی ہے اور کتنی عالیشان ہے، جو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس نے کیا خوب انتظام کیا ہے کہ تمام انسان صرف ایک خدا کے سامنے سجدہ کریں، ذرا سوچئے تو سہی کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ ہی اسی لئے دیا ہے کہ وہ در بدر نہ بھٹکے اور در در سے مانگتا نہ پھرے بلکہ صرف ایک ہی ذات جو تمام اختیارات کا مرکز ہے یعنی اللہ رب العزت کے در پر حاضر ہو جائے۔ حکم ہے کہ رزق مانگو، عقل مانگو، سیرت مانگو، کردار مانگو، علم مانگو، جس چیز کی ضرورت ہے وہ مانگو، ۲۴ گھنٹے میں جب جی چاہے اپنی مشکلات کا ازالہ کروائیں اور اسی ذات سے مانگتے ہوئے مزہ آتا ہے جو نہیں روکتا تو نہ آ کیونکہ تو گنہگار ہے، وہ اپنے دفتر میں امیر، غریب، عالم، جاہل، مومن کافر سب کو آنے دیتا ہے، کسی کو روکا نہیں جاتا کسی کو شرمسار نہیں کیا جاتا کہ تو نے تو یہ گناہ کیا تھا، یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ تو ابھی تو آیا تھا تو پھر آ گیا ہے بلکہ زیادہ آنے والا، یہاں دوستی اور مضبوطی پاتا ہے۔ اللہ رب العزت کتنی عظمت والا ہے جو کہتا ہے کہ اے انسان! تو تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے، ایک ماں کے پیار سے بھی ستر گنا زیادہ پیارا ہے۔ میں کتنا بھٹکا ہوا تھا، مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ کوئی ہستی مجھے اتنا چاہتی ہے، کسی کو میں اتنا پیارا لگتا ہوں، کیا خوب ہے وہ ذات! باوجود یہ کہ ہم اس کے نافرمان ہیں پھر بھی اس کو پیارے ہیں۔ پہلے میں محسوس کرتا تھا کہ میں تنہا ہو گیا ہوں، مگر اب نہیں کیونکہ پوری کائنات کا مالک ومختار جو میرے ساتھ ہے، مجھے وہ ذات پیار بھی کرتی ہے اور ہر وقت ساتھ بھی ہے تو تنہائی کیسی اور اس سے بڑھ کر مجھے چاہیئے بھی کیا؟

آجکل میں دین کا طالب علم ہوں اور گہرائی اور دلجمعی سے اسلامی تعلیم حاصل کر رہا ہوں اور جب میں قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھتا ہوں اور شفیق استاد محترم جب آیات مقدسہ کا شان نزول اور تفسیر پڑھاتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے براہ راست محو گفتگو ہے۔ میں جب سابقہ گناہوں پر نظر کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھتا ہوں تو دل کی دنیا اتھل پتھل ہو جاتی ہے، آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں، دل کرتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دوں، یہیں سے سارے اندازے پختہ یقین میں بدل جاتے ہیں اور بچ

خوشی بھی ہوتی ہے کہ شاید میں خوش قسمت ہوں جو مجھے اپنے در پر بلالیا ہے۔

دین اسلام میں کیا کیا رنگ ہیں اور خوشخبریاں ہیں! کہ تم زندہ ہو تو بھی دنیا کے لئے ، مفید بھی ہو، کار آمد ہو، کتنی عظمت ہے اسلام میں کہ کھاؤ پیو، آرام و آسائش میں خود رہو اور ثواب بھی کماؤ، اور اگر غیرت اسلامیہ کے پابند ہو کر اپنی غیرت و عظمت اپنے ایمان و مذہب کے لئے میدان کارزار میں اترے ہو تو پھر بھی انعامات ہیں، زندہ ہو تو جری، بہادر اور غازی ہو، اور اگر اللہ کو پیارے ہو گئے تو ہمیشہ کے لئے جاویداں ہو جاؤ گے، آپ کو لافانی زندگی عطا کر دی جائے گی اور تم عظیم نعمتوں کے مالک بن جاؤ گے۔

کتنا معتدل دین ہے! کہ اس میں مکمل ضابطہ حیات مضمر ہے، دلوں کا اطمینان ہے، روح کی تسکین ہے، یہاں پوری کائنات سمٹ گئی ہے، تمام مسلمان ایک ہی باپ آدم کی اولاد ہیں اور سب آپس میں بھائی بھائی قرار پائے ہی نہیں بلکہ انہوں نے بن کر دکھایا بھی ہے۔ یہاں پر گورے، کالے، عربی، عجمی کا کوئی فرق نہیں، یہاں پر ورلڈ آرڈر جس کے پیچھے منافقانہ پالیسیاں چھپی ہوئی ہیں، بالکل نہیں، مکروہ عزائم نہیں، یہاں پر تو ہر چیز کھلی کتاب کی طرح ہے، سب لوگ ایک ہی ذات کے سامنے ایک ہی صف میں بغیر تفریق کے سجدہ ریز ہیں۔

تمام غیر مسلم اپنی گزشتہ تہذیب پر نظر دوڑائیں کہ آپ لوگ کیا تھے؟ اور اپنی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کے علمی تاریخی ثقافتی ورثے کو آپ لوگوں نے کس طرح مسخ کیا تھا، (اور کروایا تھا)؟ اور اب آپ ہماری ہی کتابیں اپنی یونیورسٹیوں میں رکھتے ہیں اور ایک عرصہ دراز تک آپ کی میڈیکل یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہماری ہی مطبوعات یعنی بوعلی سینا وغیرہ کی کتب پڑھائی جاتی رہی ہیں، اور پھر اب بھی پاکستان کے عظیم ڈاکٹر عبدالقدیر ہوں ہندوستان کے سائنسدان ہوں یا امریکہ کے، مسلمانوں کے بغیر آپ کی یہ ایٹمی تحقیقات نامکمل ہیں اور یہ سب دریافت قرآن مجید کی رو سے ہے، ابھی تک آپ اپنی طرف سے ایک نقطہ بھی دریافت نہیں کر سکے ہیں اور نہ کر سکیں گے، بلکہ غور کرنے کا موقع ملے تو سوچنا اے نادان انسانو! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ زبردستی آپ لوگوں کو اسلام پر عمل پیرا کروا رہا ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلامی شریعت یہ کہتی ہے کہ کھانا ہاتھ دھو کر کھایا کرو، آپ بیچارے مجبور ہیں اس پر عمل کرنے پر کیونکہ آپ کو سائنس کہتی ہے کہ خبردار ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاؤ ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔

الغرض ایسی ہزاروں مثالیں ہیں، اسلام تو ایک انسان کیا جانور کو مارنا بھی برا تصور کرتا ہے، (سوائے موذی جانوں کے) کسی کی پیٹھ پیچھے بات غیبت کہلاتی ہے جو کہ اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے، اسلام تو دشمنوں کے لئے بھی باعث رحمت ہے، جو باتیں آج سے چودہ سو سال پہلے فخر انسانیت، محسن اعظم، نبی معظم نے بیان فرمائی تھیں، سائنس آج ان کو من وعن تسلیم کرتی ہے، اور ان پر عمل پیرا ہونے میں ہی عافیت ہے۔ کاش کہ ہم بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیں اور اسلام پر پورے طور سے عمل کرنے والے ہو جائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سابقہ مذہب: قادیانیت **اسلامی نام:** ڈاکٹر اسماعیل **ملک کا نام:** نائیجیریا

پروفیسر ڈاکٹر اسماعیل اسلام کی پناہ میں کیسے آئے؟

''پروفیسر ڈاکٹر اسماعیل الف۔ ب۔ بالاغون شعبہ عربی و اسلامیات جامعہ ابادان نائیجیریا، قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام کی پناہ میں آنے والے وہ خوش نصیب انسان ہیں جنہوں نے قادیانیت کے مکرو فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے، فرماتے ہیں کہ ''میری تمنا ہے کہ نائیجیریا اور دیگر ممالک کے قادیانی غور و فکر کریں اور قادیانیت کے ساتھ اپنی وابستگی پر نظر ثانی کریں''۔

میں اللہ کے سامنے بہ قسم یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں قادیانی فرقہ اور ان کے مذہب قادیانیت کے خلاف، کسی قسم کا ذاتی بغض و کینہ نہیں رکھتا، میرا یہ پختہ ایمان ہے کہ ہر شخص ذاتی طور پر اپنے دین اور اپنے اختیار کردہ مذہب کے لئے اللہ کے سامنے خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ قادیانیت سے توبہ کے سلسلے میں میری اس تحریر کا اصل مدعا بالکل واضح الفاظ میں صرف یہ اعلان کر دینا ہے کہ میری تحقیق کے مطابق قادیانیت اسلام نہیں ہے۔ یہ اعلان اس لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اکثر و بیشتر مواقع پر میں نے محسوس کیا کہ قادیانیت کے ساتھ میری وابستگی، دوسروں کو قادیانی مذہب اپنانے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

اس لئے جب قادیانیت کی اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی تو میں نے اپنی ذمہ داری اور بوجھ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور دل میں یہ بات آئی کہ اس حقیقت سے انہیں باخبر کروں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ پر منکشف کیا ہے۔
موجودہ کاوش سے میرا مقصد دراصل یہ ہے کہ جو لوگ خلوص دل کے ساتھ قادیانیت کی حقیقت کے متلاشی ہیں ان کو صحیح صورتحال سے آگاہ کروں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان

کو عقل سلیم عطا کرے اور صراط مستقیم دکھائے، میں ان کے حق میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ غلط راستے کو ترک کرنے اور جھوٹ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے معاملے میں شجاعت اور جرأت مندی سے کام لیں۔

ترجمہ:...... ''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، وہ ان سے اعراض کرے، ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے'' ﴿سورۃ السجدہ:۲۲﴾

ترجمہ:...... ''آپ (ان سے) کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں، یہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت، سب گئی گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آیتوں (یعنی کتب الٰہی کا) اور اس کے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں، سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان کے (نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (بلکہ) ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ۔ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور (یہ کہ) میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔''

﴿سورۃ کہف:۱۰۲ تا ۱۰۴﴾

ان دنوں ہندوستان کے مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کے خلاف عالمی سطح پر ایک زوردار شورش برپا ہے۔ آنجہانی مرزا صاحب نے ۱۹۰۸ء میں اپنی وفات سے قبل خود کو اور اپنے متبعین کو ''احمدی'' کے نام سے ممتاز کیا تھا (جو بعد میں دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے) یہ شورش خاص کر ان مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیانی اسلام کے نام پر خفیہ طور پر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے مقامات کے مقابلہ میں پاکستان میں یہ تنازعہ اور اس کی تلخی زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ یہ صورت حال انہیں صرف مذہبی طور پر ہی نہیں بلکہ سیاسی طور پر متاثر کر رہی ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے نام سے ظاہر ہے، یہ ملک اسلام کے نام پر عالم وجود

میں آیا۔ اسی وجہ سے پاکستان کے دستور کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی ہے کہ ملک کے اعلیٰ سیاسی منصب پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتا ہے۔ یہ دفعہ کسی مذہبی تعصب کے تحت شامل نہیں کی گئی، اس کا منشاء صرف اسلام کی مصلحتوں کا تحفظ تھا جو ہمیشہ سے پاکستان کا سرکاری مذہب رہا ہے۔

حصول آزادی کے بعد ہی سے پاکستان کے مسلمان، اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ قادیانیوں کا تعلق ایسی اقلیت سے ہے جس میں سے نہ وزیر اعظم منتخب کیا جا سکتا ہے اور نہ صدر اور اس کا مطلب یہی تھا کہ پاکستان کی نظریاتی حدود کا بھی تحفظ ہو سکے۔

اکثریت نہ قادیانی کو اسلامی سمجھتی ہے اور نہ ان کو مسلمان مانتی ہے۔ آیئے دیکھیں کہ قادیانیوں کے خلاف دنیا کے مسلمانوں کے اس مؤقف کی حمایت یا مخالفت میں کیا کیا دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

بچپن میں میری تربیت کچھ ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ ہندو پاکستان کے قادیانی تبلیغی مشنوں کو میں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہ مشن ہماری دینی سرگرمیوں کی نگرانی اور راہنمائی کرتے تھے، جب یہ جماعتیں ہمارے بزرگوں اور ان کی وساطت سے ہم تک پہنچیں تو اسی اعتماد کی وجہ سے ہم ان کی تمام باتوں پر پورا یقین کر لیتے تھے۔

ان کے وعظ بظاہر قابل عمل ہوتے تھے اور ان کے استدلال کو ہم نیک نیتی کے ساتھ قبول کر لیا کرتے تھے، وہ لوگ ان مسائل میں اپنے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لئے اسلامی کتابوں کا حوالہ دیتے تھے اور ہم اپنے اعتماد کی وجہ سے ان حوالوں کی چھان بین کئے بغیر ہی بے چوں چرا قبول کر لیا کرتے تھے۔

ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ہمیں مسلمانوں کے سواد اعظم سے بیگانہ کر دیں، جن کی اسلامی طرز زندگی میں وہ کیڑے نکالا کرتے تھے۔ اس طرح اپنے زعم میں وہ قادیانیت کے نام پر ہمارے سامنے حقیقی اسلام پیش کرتے تھے۔

وہ اکثر ہمیں یہ تاثر دیتے کہ تقسیم ملک سے قبل ہندوستان میں اور اس کے بعد پاکستان میں قادیانیوں کو جس شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا وہ قادیانیت کی صداقت کا

حتمی ثبوت ہے۔ کیونکہ کوئی نبی خود اپنی ہی بستی یا اپنے ہی ملک میں آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ دلیل بھی ہمیں قابل فہم نظر آتی تھی، اس لئے پر خلوص اعتماد کے ساتھ ہم ان کے پیچھے چلتے رہے۔

بعد ازاں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی روشنی میں مجھے قادیانیوں کے ان دعوؤں کا جو اس وقت تک مقبول ہو چکے تھے، از سر نو جائزہ لینا پڑتا کہ ان کے حوالوں کی مزید چھان بین کی جا سکے۔

میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ قادیانیوں کے خلاف روز افزوں مخالفت کے مقابلے کے لئے خود کو مضبوطی کے ساتھ تیار کروں، یونیورسٹی کے ایک استاد کی حیثیت سے مجھے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ قادیانیت کی جماعت میں، میں جو اعلانات کرتا رہتا ہوں، ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مستند اسلامی کتب و حوالہ جات پر مبنی ہوں، مگر قادیانی تبلیغی مشن کے حوالہ جات کی اس چھان بین کے مایوس کن نتائج برآمد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے سامنے مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے دعوؤں اور ان کے مفروضہ مقاصد کی، خود انہی کی خاطر میں نے جتنی زیادہ چھان بین کی اتنی ہی وضاحت سے مجھ پر منکشف ہوا کہ قادیانی تبلیغی مشن دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے اور اپنے بہت سے متبعین کی لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔

اکثر وہ ایسے مصنفین کا حوالہ دیتے ہیں جو کھل کر قادیانی عقائد کے خلاف ہیں مگر یہ حوالے چالاکی کے ساتھ ایسے طور پر پیش کئے جاتے ہیں کہ محسوس ہو کہ یہ مصنفین قادیانی عقائد ہی کی حمایت کر رہے ہیں۔ ایک قاری اور حقیقت حال کا متلاشی یہ بات صرف اسی وقت محسوس کر سکتا ہے جب وہ حوالہ جات کی بنیادی کتابوں کا خود مطالعہ کرے اور ان کے سیاق و سباق کو ذہن میں رکھ کر انہیں پڑھے۔ مثال کے طور پر دعوائے نبوت کی حمایت میں اکثر و بیشتر قادیانی اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب کی جاتی ہے:

"یہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مہر ہیں یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب یہ حوالہ صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی امام مالک کی موطا یا مسند امام احمد بن حنبل یا مشکوۃ المصابیح وغیرہ حدیث کی ایسی کتابوں میں موجود نہیں ہے جو عالمی سطح پر مانی ہوئی حدیث کی کتابیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مجہول الاسناد اور نا قابل اعتبار ہے۔ نیز بخاری ومسلم کی احادیث متواترہ، مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔ مگر قادیانیوں کے یہاں، یہی حدیث بڑی گرانقدر سمجھی جاتی ہے اس لئے مستند احادیث کو سامنے رکھ کر ہمیں اس کا جائزہ لینا چاہئے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قادیانی جماعت اس حدیث کا حوالہ صرف یہ ثابت کرنے کے لئے دیتی ہے کہ ''خاتم النبیین'' سے مراد نبی آخر الزمان نہیں ہیں۔

ان کلمات کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمائی ہے جو صحیح مسلم، فضائل ۲۶ میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

> ''میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر کے لئے چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تا کہ مکان کی تعمیر مکمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پر کیا اور مجھ سے ہی قصر نبوت مکمل ہوا، اور میں ہی خاتم النبیین ہوں (یا) مجھ پر تمام رسل ختم کردیئے گئے۔''

مذکورہ حوالہ جات اور دوسری مستند احادیث سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی یہی تھا کہ آپ افضل الانبیاء اور اللہ کے سارے نبیوں میں سب سے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی اور

نبی آنے والا نہیں ہے، یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کے لقب سے یاد کیا ہے اور اس پر قرآن مجید کا واضح اعلان موجود ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز خوب جانتا ہے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے ذکر کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرزند باقی نہ رہے۔ مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ سید الانبیاء ہونے کے باوجود آپ کے فرزند کا منصب نبوت پر فائز نہ ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے مناسب نہ تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی بھیجنا نہیں تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نرینہ اولاد باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کسی فرزند کا زندہ نہ رہنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

چونکہ قادیانیوں کے ذہن پر ہمیشہ سے یہ خیال مسلط رہا ہے کہ ہر قیمت پر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ثابت کی جائے، اس لئے یہ لوگ نہایت عجیب وغریب طور پر اور بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے اس مقصد کی حمایت میں قرآن پاک کی بعض آیتوں کے معنی اور تفسیر، توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کی ہیر پھیر انہوں نے قرآنی آیت:

"ومن یطع اللہ والرسول .... الخ"

کے ترجمہ میں کی ہے وہ کہتے ہیں:

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے اس نبی .... کی اطاعت کرتا ہے''

اس آیت کے جن کلمات کا ترجمہ قادیانی مشن ''اور اس کے اس نبی'' کی شکل میں کرتے ہیں، وہ قرآن کے عربی متن میں والرسول ہیں جن کے معنی ہر اعتبار ومعیار سے صرف ''اور رسول'' ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ قرآن کے سیاق وسباق سے انحراف کرتے ہوئے (قادیانی) تبلیغی مشن نے جو ترجمہ فی

الواقع کیا ہے، وہ ان عربی کلمات کے ہو سکتے ہیں "ورسولہ ہذا" یعنی اس کا یہ رسول۔ اگر نام نہاد تبلیغی مشن کی اس کرتوت کا اس کے منطقی نتیجہ تک پیچھا کیا جائے تو اس کے معنی یہی نکلیں گے کہ قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور بلاشبہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک سنگین جرم ہے، اس لئے کہ اگر صرف قادیانیوں کے ترجمہ کو شائع کیا جائے تو ان کلمات کی حد تک یہ ترجمہ متن سے بالکل مختلف ہو جائے گا۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ نائیجیریا اور دوسرے افریقی ممالک کے مسلمان جو قادیانی مشن کی رفاقت کا دم بھرتے ہیں، اپنی اس رفاقت پر نظر ثانی کریں اور اگر وہ واقعی دل سے اس اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو روشناس کرایا۔

قادیانی مشن نے اس آیت شریفہ کے صرف ابتدائی حصہ میں اس لئے اضافہ کیا ہے کہ اپنے غلط ترجمہ کے ذریعہ پوری آیت سے اس کی چول ملا کر اسے اپنی غرض سے ہم آہنگ کر دیں پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے:

> "اور جو شخص اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداً اور صلحاً اور یہ (حضرات) بہت اچھے رفیق ہیں۔" ﴿سورۃ نساء : ۶۹﴾

اس آیت کی غلط تفسیر پیش کر کے قادیانی کہتے ہیں کہ خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر کے کوئی شخص نبوت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے جو بھی نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبعوث ہوں گے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر اور قرآن پر عمل کریں، کیونکہ ان کو یہ روحانی مرتبہ براہ راست نہیں ملے گا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل ہی ملے گا۔

اس غلط تفسیر کرنے کا سبب صرف یہ ہے کہ اس متفقہ رائے کے خلاف، جس پر مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اجماع ہے اور جس میں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

رائے مبارک بھی شامل ہے، یہ ثابت کیا جا سکے کہ مرزا غلام احمد بھی اللہ کے ایک رسول اور نبی تھے (نعوذ باللہ) یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قادیانی مشن نے دنیا والوں کو اس تفسیر سے آگاہ کیوں نہیں کیا جو قرآنی الفاظ کی مستند قاموس کی روشنی میں کی گئی ہے۔ مثلاً مفردات، راغب یا اس کی روشنی میں جو قرآن و حدیث، مفسرین و محدثین کی مشہور و معروف کتابوں میں منقول ہے۔ قادیانی یقیناً اس تفسیر سے انکار نہیں کر سکتے جس کو اسلامی علوم اور تفسیر قرآن کے مستند علماء کرام اس آیت کے بارے میں آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے احاطہ تحریر میں لا چکے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ابن کثیر (بیروت ایڈیشن ۱۹۶۹ء، جلد اول صفحہ ۵۲۲) پر کہتے ہیں:

> ''یعنی جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام پر چلتا ہے اور ان چیزوں سے بچتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے، تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو اپنے عالیشان محل میں ان لوگوں کے ساتھ رکھے گا جس پر اس نے انعام فرمایا اور اس کی رفاقت عطا فرمائی ان نبیوں کی، پھر ان کے بعد مذکورہ صدیقین کی، پھر شہیدوں کی اور عام مومنوں کی جو متقی ہیں اور جو چھپ چھپ کر اور اعلانیہ نیک عمل کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی تعریف یوں بیان فرمائے گا: یہ بڑی اچھی رفاقت میں ہیں۔''

حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً مسلم، مسند احمد بن حنبل وغیرہ کی روایات میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے جو اس آیت کا شان نزول ہے۔ مدینہ کے انصار میں ایک شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا چہرہ اداس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اداسی کا سبب دریافت فرمایا:

''اے رفیق میں کیوں تمہیں اداس دیکھتا ہوں؟'' ''اے اللہ کے رسول میں کسی سوچ میں پڑ گیا ہوں۔'' ''وہ کیا ہے؟'' ''ہم لوگ رات دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے روئے مبارک کو دیکھتے ہیں اور آپ کی

صحبت سے مشرف ہوتے ہیں، شاید کل قیامت کو آپ نبیوں کے پاس اٹھ جائیں اور آپ تک ہماری رسائی نہ ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام وحی میں آیت لائے اور فرمایا "وہ لوگ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، روز قیامت انبیاؑ وغیرہ کے ساتھ ہوں گے۔"

یہ ہے آیت کا شان نزول اور اس کی یہ ساری تفسیر، یہ اتنی واضح ہے کہ کسی مزید واضح تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میری صرف یہی خواہش ہے کہ قادیانی حضرات مناسب انداز میں اس پر غور وخوض کریں اور ان مذہبی عقائد کو مسترد کر دیں، جن کے جال میں ان کے مبلغین نے بڑی کامیابی کے ساتھ انہیں پھنسا رکھا ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ کوئی شخص یا ایک جماعت جمہور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دھوکے میں نہیں رکھ سکتی۔ کسی نہ کسی دن اس فریب کی قلعی کھل جائے گی۔ نائیجیریا کے قادیانیو! ذرا غور کرو اور نظر ثانی کرو (اپنے گمراہ کن عقائد پر) اب رہی بات اس قرآنی آیت کی:

"یبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی
فمن اتقی واصلح فلاخوف علیهم ولاهم یحزنون ۰"

﴿الاعراف:۳۵﴾

قادیانی مشن نے اپنے حوالہ میں جو اس کا ذکر کیا ہے، تو وہ بھی سیاق وسباق سے بالکل ہٹ کر غلط تفسیر بیان کی ہے، ایک کہانی ہے جس مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس غلط نظریہ کی پشت پناہی کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔

قرآن کی تکذیب اور معنوی تحریف کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا ایک دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ قرآن کی مخالفت کے علاوہ یہ عقیدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول جو (ابن ماجہ الفتن ۸ حنبل ۲/۲۷۸، ۳۵۷، اور ۳۸۲) میں مروی ہے یوں آیا ہے:

''میری امت کا اجماع غلطی پر نہیں ہوگا، تم معشر المسلمین پر
سواد اعظم کے فیصلوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ جس شخص نے ایک
بالشت کے برابر بھی امت سے کنارہ کشی اختیار کی تو اس نے گویا اسلام
کے حلقے کو اپنی گردن سے اتار پھینکا۔''

یہ حدیث بھی حقیقتاً اس قدر واضح ہے کہ کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔
قادیانیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اپنی لڑکیوں کی شادی مسلمانوں سے نہ کریں، یہ بھی
اسی ضمن میں آتا ہے، اپنے اس عقیدہ کی حمایت میں وہ اسلام کے اس حکم کا حوالہ دیتے
ہیں کہ مسلمان عورتوں کی شادی غیر مسلموں کے ساتھ نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے معنی تو یہ
ہوئے کہ قادیانی لوگ مسلمان کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ کا جواز صرف اسی صورت
میں پیش کیا جاسکتا ہے جبکہ قادیانیت کو اسلام سے بالکل ہی مختلف مذہب قرار دیا جائے۔
ورنہ بصورت دیگر یہ عقیدہ بالکل ہی ناجائز اور ناقابل دفاع ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت
میں اگر سعودی عرب کی حکومت یا کوئی اور حکومت قادیانیت کو غیر اسلام اور قادیانیوں کو
غیر مسلم سمجھتی ہے تو کون ہے جو اس حقیقت کو مان لینے کے بعد بھی آسانی سے ان حکومتوں
کو مورد الزام ٹھہرائے گا۔

قادیانیوں کی ایک دوسری خصوصیت جو انہیں مسلمانوں سے الگ تھلگ
کر دیتی ہے ان کی وہ چالبازی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں پر مسلط
کرتے رہتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان ان کو منہ نہیں لگاتے وہ اپنی جماعت کے
تعلیم یافتہ ارکان کو حکومت کی کلیدی اسامیوں پر فائز کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور
ایسے افراد کی وساطت سے اسلام کے نام پر قادیانیت کے مفاد میں پوشیدہ طور پر
بالواسطہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ قادیانی حضرات کے لئے اب وہ وقت آگیا ہے کہ دنیا کے
سامنے اپنا مؤقف ظاہر کر دیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر وہ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ان
کو مسلمانوں کی اجماعی رائے پر عمل کرنا ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے
تابع کے خیال سے دستبردار ہونا پڑے گا، دیگر باطل اور جھوٹے عقائد کو بھی یکسر چھوڑنا

ہوگا۔انہیں اسلام کو مستحکم اور متحد کرنے کے لئے دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش کام کرنا ہوگا۔ وہ اس فریضہ کو دوسرے مسلمانوں سے مل جل کر ہی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے گمراہ کن عقیدوں اور طرز عمل کے ذریعہ انہیں الگ تھلگ کردیں۔ بخلاف اس کے اگر قادیانی کسی مخصوص جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ نئی پیداوار ہیں تو انہیں چاہیئے کہ دوسرے مسلمانوں سے الگ رہیں اور اپنی امتیازی حیثیت کا اعلان کردیں تاکہ جولوگ قادیانیت اختیار کریں، ان کو شروع سے ہی اس بات کا علم ہوجائے کہ وہ ایک نئے مذہب میں داخل ہورہے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

قادیانیت کے نام کو چمٹائے رکھنے کے لئے یہ عذر کافی نہیں ہے کہ ایک طبقہ غلام احمد کو صرف مجدد مانتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ (اگر انہیں مجدد فرض بھی کرلیا جائے تو) اسلام میں صرف یہی ایک صاحب مجدد نہیں ہوئے ہیں۔ مختلف اوقات میں بہت سے مصلحین اسلام، غلام احمد قادیانی سے قبل آچکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اسلام کی مجموعی ترقی کے لئے خصوصی فرائض انجام دیئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام نے ایسی کوئی شرط عائد نہیں کی ہے۔ کوئی مصلح اپنی ایک خاص جماعت بناکر اس کا کوئی خاص نام رکھ دے۔ غلام احمد سے قبل کبھی کسی سابق مجدد نے ایسا نہیں کیا۔ مثلاً اسلام کے سب سے رفیع الشان مصلح حضرت امام غزالیؒ تھے۔ انہوں نے کبھی کسی خاص نام سے کوئی خاص جمات نہیں بنائی (اس کے علاوہ اسلام کے کسی مجدد یا مصلح نے کبھی خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مجدد یا مصلح بنا کر بھیجا ہے) یہ لقب تو ان کی زندگی میں یا وفات کے بعد ان کی دینی خدمات کے اعتراف میں، جمہور اسے دیتی ہے۔ جو شخص خود اس قسم کا دعویٰ کرے اور اپنی مجددیت کا ڈھنڈورا پیٹے، وہ یقیناً کوئی فریبی ہی ہوسکتا ہے۔ قادیانی حضرات کو دنیا کے سامنے اپنا موقف ظاہر کردینا چاہیئے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ جہاں تک نائیجیریا اور دوسری جگہ مثلاً لاہوری قادیانیوں کا تعلق ہے، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غلام احمد صرف ایک مجدد یا مصلح

تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان دونوں جماعتوں میں کوئی فرق نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت بھی ان دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرتی ہے اگر ان دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی معتد بہ فرق ہے تو یہ دونوں ایک ہی مشترک نام یعنی ''احمدیت'' سے کیوں موسوم ہیں؟ سارے قادیانیوں کے نزدیک ''احمدیت یا احمدی'' کا نام بانی قادیانیت یعنی غلام احمد قادیانی کے نام پر ہی رکھا گیا ہے۔ ان کو ایک دوسرے نام ''قادیانی'' سے بھی یاد کرتے ہیں جو مرزا احمد کی جائے ولادت ہندوستان کے قصبہ ''قادیان'' سے منسوب ہے۔

لاہوری جماعت یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا بلکہ قادیانی جماعت نے غلام احمد کی تحریروں میں تحریف کر کے انہیں مدعی نبوت بنا دیا۔ اگر اسے صحیح فرض کر لیا جائے تو ایک جماعت دوسری جماعت کے نزدیک کافر ہوگئی۔ بایں ہمہ کسی جماعت نے دوسری جماعت کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں اپنی اپنی جگہ ایک ہی مقصد کی خدمت کر رہی ہیں۔

اگر یہ سچ ہے (بقول قادیانیوں کے) کہ قادیانیت عین اسلام ہے تو کیا وجہ ہے کہ قادیانی مسلمانوں کے درمیان قادیانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ کیا اس تبلیغی مہم سے ظاہر نہیں ہوتا کہ قادیانیت بذات خود ایک الگ مذہب ہے؟ اگر قادیانیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے تو ان کے مبلغ اپنے قادیانیوں کو یہ سبق کیوں پڑھاتے ہیں کہ:

> ''جب بھی احمدی کسی نئی جگہ جائے اور آس پاس کوئی دوسرا احمدی نہ پائے تو وہ اس وقت تک اکیلا ہی نماز پڑھتا رہے، جب تک کہ دوسروں کو احمدی نہ بنا لے، اور پھر بعد میں ایسے ''احمدیوں'' کے ساتھ باجماعت نماز کا اہتمام کرے۔''

یہ ہیں وہ سوالات جو قادیانیت کے بارے میں ذہن میں ابھرتے ہیں۔ میری تمنا ہے کہ نائیجیریا اور دیگر ممالک کے قادیانی غور وفکر کریں اور قادیانیت کے ساتھ اپنی وابستگی پر نظر ثانی کریں۔ اگر وہ واقعی حقیقی اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں تو گرہ باندھ

لیں کہ اس سوال کا جواب ''قادیانیت'' نہیں ہے۔

اگر میرا موقف غلط ثابت ہو جائے تو میرے والد مجھے مردود اور عاق کر دیں، اجتماعی طور پر قادیانی مجھ پر لعنت بھیجیں اور مجھے سولی پر چڑھا دیں۔ بخلاف اس کے اگر میرا موقف درست ثابت ہو تو نائیجیریا کے سارے قادیانیوں پر، جن میں میرے خون اور خاندانی رشتہ دار بھی شامل ہیں واجب ہوتا ہے کہ (قادیانیت کے ساتھ) اپنے تعلق پر نظر ثانی کریں جیسا کہ میں نے خود کیا ہے۔ اللہ عزوجل کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ اللہ انہیں سچے اسلام کی راہ دکھائے اور اس پر گامزن ہونے کی انہیں توفیق دے۔

﴿والسلام علی من اتبع الھدیٰ﴾ (طٰہٰ:۴۷)

آخر میں نہایت سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ میں ان سب لوگوں سے جو اسلام کی سچی محبت اور تلاش میں اب تک قادیانیت سے چمٹے ہوئے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ اچھی طرح یہ سمجھ لیں کہ کسی اعتبار سے بھی قادیانیت اسلام نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بانی نے اس کو قادیانیت کا نام دیا، یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شروع سے (اسلام سے جدا) یہ ایک نیا مذہب رہا۔ علاوہ بریں قادیانیوں کے چند بنیادی عقائد اور اعمال، قادیانیت کو اسلام سے بالکل جدا کر دیتے ہیں۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہر شخص اس معاملہ میں آزاد ہے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے، بلاشک وشبہ، یہ قانون، قواعد وضوابط اور بنیادی انسانی حقوق کی قرارداد کے عین مطابق ہے، بایں ہمہ یہ بات بھی اہم ہے کہ ایک شخص کا ذہن اس کام کے بارے میں بہت صاف ہونا چاہیئے جسے کہ وہ کر رہا ہے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قادیانیت اسلام سے الگ کوئی اور مذہب ہے۔ اس لئے اس کے کٹر پیروؤں کو قرآن کے اس ارشاد کو یاد رکھنا چاہیئے اور اس پر غور وفکر کر لینی چاہیئے کہ:

ترجمہ:...... ''جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کا طالب ہو تو اس سے وہ مذہب قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں ہوگا؟''

سابقہ نام: ہجیت بکر بورئی
سابقہ مذہب: ہندو
اسلامی نام: نورالدین
ملک کا نام: ہندوستان

ایک ایسے نوجوان کی ایمان افروز داستان

جو ہندو سے مسلمان ہوا

دارالعلوم دیوبند ملت اسلامیہ کی گذشتہ پوری تاریخ کا وہ تابناک اور درخشاں قلعہ اور مضبوط چھاؤنی ہے جو اگر ایک طرف باطل کے خرمنِ دجل وفسوں کے لئے برق سوزاں ثابت ہوا ہے تو دوسری طرف اسلام کو جو بلاشبہ دینِ حق ہے، عظمت کی رفعتوں تک پہنچایا ملت اسلامیہ کے اس عظیم ادارہ نے جس کی بنیاد قرآن وحدیث، اجماع و قیاس، سلف کے اقوال وافعال اور تقویٰ وطہارت پر رکھی گئی ہے۔ اپنے گذشتہ ایک سو بیس سالہ دور میں بے شمار مفسرین، محدثین، مبلغین، مصنفین، مدرسین، حفاظ وقرآء، ارباب افتاء وقضا، روحانی بزرگ، سیاسی رہنما اور اہل قلم ودانش پیدا کیے ہیں۔

عروس اسلام کی ان بے پناہ خوبیوں کو عرصۂ دراز سے سنتے آئے تھے چنانچہ اسے دیکھنے اور اس سے استفادہ کا داعیہ دل میں پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ دوسری طرف قانونی بندشیں اور پیچیدگیاں اس قدر تھیں کہ اس تمنا کا پورا ہونا ایک خواب نظر آ رہا تھا۔ مگر پھر بھی محض خدائے کریم کی مہربانی اور توفیق سے ایک سال کی کوششوں کے بعد کسی طریقہ سے وہاں جانا نصیب ہوا، اور دورۂ حدیث شریف کی غرض سے پورا ایک تعلیمی سال وہاں کے روح پرور ماحول میں گذارا تقسیم ہند کے بعد اس چالیس سالہ دور میں یہ ناچیز شاید پہلا پاکستانی تھا جس نے وہاں سے فراغت حاصل کی۔

اپنی اس تعلیمی، مطالعاتی اور تفریحی سیر سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ آپ کی

خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ سال رواں کی جنوری کا قصہ ہے میں دیو بند کی جامع مسجد میں کسی کام سے جا رہا تھا۔ دار العلوم دیو بند اور جامع مسجد کا فاصلہ آدھ فرلانگ ہوگا۔ راستہ میں میرے ساتھ چلنے والا ساتھی اچانک رک گیا اس نے ایک خوب رو نوجوان کو سلام کیا اور خیریت پوچھی، پھر میرا تعارف کرانے کے بعد اس نوجوان کا تعارف کرایا۔ ان کا نام نور الدین چکر بورٹی ہے اور نہ جانے مجھے کیوں بے اختیار ہنسی آئی اور میرا قہقہہ چھوٹ گیا۔ مگر میرے دونوں ساتھی سنجیدہ تھے اور میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ میری ہنسی کی وجہ جاننا چاہتے تھے، میں تاڑ گیا اور میں نے کہا کہ حلوہ اور اچار کبھی ملا کر نہیں کھایا تھا۔ آج اتفاق ہو رہا ہے، تب وہ سمجھ گئے ظاہر ہے کہ نور الدین مسلم نام ہے، جبکہ چکر بورٹی ایک ہندو نام ہے، پھر مجھے میرے ساتھی نے بتایا کہ نور الدین مسلم ہے۔ چکر بورٹی ایک ہندو، آپ کا ہندوانہ نام سجیت چکر بورٹی ہے۔ تب میں سمجھا اور اچانک سنجیدہ ہوا۔ نومسلموں کے واقعات تو ہم نے بہت پڑھے تھے۔ مگر زندگی میں پہلا اتفاق ہوا تھا کہ کسی نومسلم سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور نہ جانے کس طرح منٹوں، سیکنڈوں کے عرصہ میں نور الدین کی بے پناہ محبت، وقعت اور عزت میرے دل میں بھر دی گئی۔ میں نے نور الدین سے درخواست کی کہ میں دار العلوم کے مہمان خانہ کمرہ نمبر ۱۶ میں رہتا ہوں مہربانی کر کے آپ پہلی فرصت میں مجھے تفصیلی ملاقات کے لئے وقت دیجئے۔ میں آپ کا ممنون ہوگا۔ مجھے آپ کے ساتھ آپ کی سابقہ اور موجودہ زندگی کے بارے میں کئی تشنہ موضوعات پر گفتگو کرنی ہے یہ کہہ کر ہم نے ایک دوسرے سے رخصت لی اور جدا ہو گئے۔

رات کو عشاء کے بعد جب کہ میں بخاری ج ۲ کا سبق پڑھ کر آیا ہی تھا کہ نور الدین میرے کمرے میں آیا۔ کمرہ انسان کے حسن و جمال سے بھی روشن ہوتا ہے، یہ ہم نے پہلے صرف سنا ہی تھا۔ اس رات کو عملاً دیکھا سر سے لے کر پاؤں تک سنت کا مرقع اور اسلام کا یہ جوش عملی داعی صرف اس کا دیکھنا ایمان کی تقویت کا باعث تھا۔ دار العلوم دیو بند کا مہمان خانہ باب قاسم کے سامنے بالائی منزل پر واقع ہے، اس کی پہلی منزل میں ایک ہوٹل، چند گیراج، دار العلوم کا مکتبہ اور ملازمین کے مکانات ہیں۔ میں چارپائی

سے اترا اور اسی قریبی ہوٹل سے چائے منگوا کر دوبارہ کمرے میں آیا تب میں نے نورالدین سے اپنی سابقہ زندگی اور اسلام کی طرف رغبت، بیان کرنے کو کہا اور اس نے بیان کرنا شروع کیا:

یہ آج سے چار سال پہلے کی بات ہے۔ میں کلکتہ شہر کے ایک بہترین انگلش میڈیم اسکول میں پڑھتا تھا اور دسویں جماعت کا طالب علم تھا اس وقت میرا ہندوانہ نام سجیت کے آرچکر بورتی تھا کلکتہ میری آبائی شہر ہے اور میرا شمار اسکول کے قابل ترین طلبہ میں تھا۔ اس وقت میری عمر ۱۸ برس تھی، تعلیمی میدان میں محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی میرا گہرا لگاؤ تھا کیونکہ ہندوؤں کی برہمن ذات سے میرا تعلق تھا اور یہ ذات ہندوؤں میں سب ذاتوں سے اونچی، متبرک اور ایک طرح سے مذہب کی ٹھیکدار خیال کی جاتی ہے اور اس لئے ہندو تہذیب سے میرا تعلق اور لگاؤ ایک طبعی امر تھا۔ اس لئے جوں جوں اسکول سے میری فراغت کا زمانہ آتا گیا اس قدر مجھے اس بات کا احساس زیادہ ہوتا گیا کہ فراغت کے بعد میں بحیثیت ہندو مذہب کے ایک پیروکار کے کس صورت میں زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی خدمت کر سکوں گا۔ اپنے ہندو بزرگوں سے میں نے سنا تھا اور وہ ہمیشہ یہ نصیحت کرتے تھے کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن مسلمان ہیں۔ جہاں تک تمہارا بس چلے ان کی مخالفت اور دشمنی پر ڈٹے رہو، چنانچہ میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ اپنی ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جدوجہد میں گذارنی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک، پھر میں نے سوچا کہ اسلام کے خلاف تب کوئی ردعمل کامیاب ہو سکتا ہے جب اسلام کا مطالعہ کیا جاوے اور اس کے کمزور پہلو کو سمجھ لیا جائے، تب میں قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ ذاتی طور پر پڑھنا شروع" اور یہی آپ کے ایمان لانے کا سبب بنا" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

آپ سنیں تو سہی! ابھی تو قصہ باقی ہے۔ اس نے ہنس کر کہا اور پھر اپنا بیان شروع کیا:

تو ہاں! کہتے ہیں کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے ان دنوں میری مجلس اور صحبت اکثر قرآن کے ساتھ رہتی تھی اور جب کافر اور گنہگار لوگوں اور گندی کتابوں کے پڑھنے میں

اثر ہے تو خدا کی اس عظیم اور لاثانی کتاب کے پڑھنے میں کیونکر اثر نہیں ہوگا جو تمام سچی کتابوں کی سردار ہے۔ اور اس سے بڑھ کر سچی صحیح اور ابدی کتاب کوئی نہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کے لہجے میں داعیانہ جوش اور طمطراق تھا جو سننے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن نے اپنی حقانیت کے انجکشن آپ کے دل میں لگانا شروع کر دیئے تھے، میں نے پوچھا۔

جی ہاں! اب میں متاثر ہونے لگا تھا اور کافی متاثر ہو بھی گیا تھا۔''تب میرا ذہن ایک واقعہ کی طرف چلا گیا اور میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکا'' آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ سنا ہے؟ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے چلے تھے اور خدا نے ان کا دل پلٹ دیا تو وہ مسلمان ہو گئے، جی ہاں! میں نے یہ واقعہ سنا ہے اور جب میں اپنا واقعہ سناتا ہوں تو یہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ مگر بہر حال وہ بڑے لوگ تھے ہمیں ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ تو ہاں! میں بتا رہا تھا کہ قرآن پاک کے مطالعے کے دوران میں متاثر ہو گیا تھا مگر یہ تاثر ابھی اس حد تک نہیں پہنچا تھا جو مجھے اسلام کی طرف لے آئے۔ مگر خدا کا بھی عجیب قانون ہے، اور وہ اچانک رک گیا، میں سر جھکائے اس کی باتیں سننے میں مستغرق تھا میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ فرط جذبات سے رو رہا تھا۔ آنسو اس کے رخساروں پر جاری تھے مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پا کر اس نے دوبارہ بات شروع کر دی۔

مگر خدا کا بھی عجیب قانون ہے اور اس کی بھی عجیب شان بے نیازی ہے، جب وہ اپنی فیاضی پر آتا ہے تو پھر اس کے نزدیک اہلیت کوئی معنی نہیں رکھتی، پھر وہ اہل اور نا اہل سب کو دیتا ہے۔ مجھ میں تو کوئی خوبی نہیں تھی بلکہ اس وقت شر ہی شر تھا مگر یہ اس ذات کی بے نیازی کی حد ہے کہ اس کریم ذات نے شاید میری ہدایت کا فیصلہ فرما لیا تھا اور اب کسی بہانے کی ضرورت تھی۔

یہ اپریل کے آخری ایام کا کوئی دن تھا، کہ آپ پر بہار آگئی کیونکہ بہار اپریل میں ہوا کرتی ہے، میں نے کہا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا میں نے روز کے معمول کے مطابق قرآن پاک لیا اور مطالعہ کرنے کے لئے بیٹھ گیا اب میرے پہلے اور اس

مطالعہ میں زمین وآسمان کا فرق تھا، وہ مطالعہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کے طور پر تھا اور یہ مطالعہ اسلام کی ہمدردی کے لئے تھا، تو میں بتارہا تھا کہ میں نے قرآن مطالعے کے لئے لیا اور آج جہاں سے میرا مطالعہ شروع ہورہا تھا وہ قرآن کریم یہ آیت تھی:

واذ قال ابراهيم لابيه اذر اتتخذ اصناما الهة
انی اراک وقومک فی ضلل مبین ﴿سورۃ انعام: ۷۵﴾

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ کیا آپ بتوں (جیسی بے جان چیز) کو معبود ٹھہراتے ہیں، بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔''

یہ گمراہی کو چھوڑنے کے لئے دعوت کی ابتدا تھی اور اس دعوت سے جب قوم یہ عبادت نہیں چھوڑتی تو پھر ایک ترکیب کے ذریعہ اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں۔

''پس جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو ایک ستارہ کو دیکھ کر کہا کہ (چلو تمہارے زعم میں) یہ میرا رب ہے، پس جب وہ چھپ گیا تو کہا چھپنے والوں کو میں پسند نہیں کرتا۔'' ﴿سورۃ انعام: ۷۷﴾

اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے چاند کے نکلنے پر اسے ان کے زعم کے مطابق رب کہا، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس کے رب ہونے سے انکار کردیا اور پھر اگلی مثال میں تو وضاحت اور سمجھانے کی انتہا ہوگئی، اس مثال میں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہو نہ ہو یہی سب سے بڑا ہوسکتا ہے، مگر جب وہ بھی غروب ہوتا ہے تو پھر قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ جس چیز کو تم رب سمجھتے تھے وہ ایک ختم ہونے والی اور ناپائیدار ہے اور خدا کی ذات ختم ہونے والی نہیں۔

یہ ہندو مذہب پر براہ راست ایک کاری ضرب اور زبردست حملہ تھا۔ تب میں نے سوچا کہ ہم نے بھی تو اسی طرح کے کئی بت دیکھے ہیں، جن کو ہم پوجتے ہیں اور وہ ہماری زندگی میں ہی ختم ہوجاتے ہیں بھلا جو ہم سے پہلے ختم ہوجائے وہ کیسے رب ہوسکتا ہے۔ وہ کیسے عظیم عالم کا سنبھالنے والا ہوسکتا ہے، اس وسیع وعریض کائنات کو چلانے کے

لئے تو اس سے کئی گنا زیادہ عظیم خدا چاہیئے جو نہ تھکتا ہو نہ مٹتا ہو اور نہ اس کی علو الشان و عظیم المرتبت ذات میں کچھ فرق آتا ہو۔

اب میرے دل کی دنیا بدل گئی تھی، کفر و شرک سے نفرت اور اسلام کی محبت نے دل میں جگہ پکڑ لی تھی اور اب مجھے کوئی آخری اقدام اور فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے خوش قسمتی سے یہ بھی میرے لئے اس دن کے سبق میں موجود تھا، اس میں لکھا تھا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما أنا من المشرکین ٭

''اب میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف پھیر دیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ کہ میں اب مشرکین میں سے نہیں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حقیقت کھول دی تھی، حق ظاہر ہو گیا تھا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا تھا، چنانچہ اب میں نے ارادہ کر لیا کہ میں ایک مخلص مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیروکار بنوں مگر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس عظیم مقصد کے لئے مجھے اسکول چھوڑنا پڑا، گھربار، والدین، عزیز و اقارب، پیارے پیارے دوست اور اپنا محبوب شہر چھوڑنا پڑا کیونکہ اس ماحول میں رہتے ہوئے میں مسلمان نہیں رہ سکتا تھا۔ اور میں ان چیزوں کو کیوں نہ چھوڑتا کہ جس عظیم چیز کے لئے میں یہ سب کچھ چھوڑ رہا تھا وہ ان سب سے زیادہ اونچی، قیمتی اور ضروری تھی۔ تب میں ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی آیا اور ۳ مئی ۱۹۸۲ء بمطابق ۱۴ رجب ۱۴۰۶ھ کو دہلی کی جامع مسجد میں کلمۂ شہادت پڑھ کر عظیم اسلامی برادری میں شامل ہو گیا وہ دن میرے لئے بڑی خوش قسمتی کا دن تھا کیونکہ میں نے ایک عظیم مقصد کو پالیا تھا۔ پھر میں نے آہستہ آہستہ نماز سیکھی اور ایک قریبی مسلم علاقہ میں رہنے لگا۔

مسلمان ہونے کے بعد جلد ہی رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا اور میں نے الحمدللہ تمام روزے رکھے اس مسلم علاقے میں، میں نے تین مہینے گذارے، کچھ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ گذارا، جس سے بہت زیادہ فائدہ ہوا، مگر پھر بھی میں یہاں ایک

قسم کا روپوش رہا۔ کیونکہ اگر میرے بارے میں ہندوؤں کو پتہ چل جاتا تو وہ مختلف طریقوں سے مجھے تنگ کرتے مگر میں نے کسی کو پتہ نہیں ہونے دیا اور اس وجہ سے جن لوگوں نے مجھے پناہ دی تھی ان کو بھی میرے رکھنے کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

پھر مجھے خیال آیا کہ میں اسکول میں آخری سال کا طالب علم ہوں۔ اور مجھے اپنی تعلیم مکمل کر لینی چاہیئے۔ اس غرض کے لئے میں ۱۸ اگست ۱۹۸۲ء کو کلکتہ آیا اور SIC امتحان میں بیٹھنے کے لئے درخواست دی جس میں اپنی ۳ مہینے کی مسلسل غیر حاضری کی صحیح اور مکمل تفصیلات لکھ دیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ انڈیا ایک سیکولر اسٹیٹ ہے اور وہاں ازروئے قانون کوئی انسان بھی کوئی سا مذہب اختیار کر سکتا ہے اس لئے قانونی طور پر ہندوستانی حکومت نہ مجھے تعلیم سے روک سکتی تھی، اور نہ ہی کسی طرح تنگ کر سکتی تھی تاہم قانونی حدود سے نکل کر انہوں نے مجھے سیاسی طور دباؤ میں رکھا اور مجھے آج تک کسی امتحان میں شریک نہیں ہونے دیا۔

اس کے علاوہ دسمبر ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۴ء تک مجھے مقامی پولیس نے ناجائز اور غیر قانونی طور پر اپنے قبضہ میں رکھا اور مجھ پر مظالم ڈھائے بعد میں، میں نے عدالت میں کیس جیت لیا اور یوں عدالت کے حکم پر مجھے مقامی پولیس کے دباؤ اور ڈرانے دھمکانے سے قانونی طور پر نجات مل گئی، مگر کچھ ہی دنوں بعد میرے خلاف میرے رشتہ داروں اور دوستوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں اور اس لئے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ چنانچہ ۱۶ مارچ اور ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء کے دوران مجھے عقل و ہوش کے لئے زبردستی پاگل خانہ بھیج دیا گیا جہاں مجھے انتہائی تکلیفیں دی گئیں۔ مجھے ہر آٹھویں دن پانچ ذہنی جھٹکے دیئے جاتے اور کل تیس انجکشن لگائے گئے اور جب مجھے فارغ کر دیا تو میں نیم پاگل ہو گیا تھا اور انتہائی کمزور اور تخفیف ہو گیا تھا۔

کلکتہ کے مسلمان یہ سب کچھ جانتے تھے مگر انہوں نے میری کچھ بھی مدد نہیں کی ایک تو وہ کچھ مجبور تھے، مگر جو ان کی قدرت میں تھا وہ بھی نہ کر پائے وہ مجھے صرف صبر و استقامت کی تلقین کرتے تھے اور میں محسوس کرتا تھا کہ خدا کی اتنی بڑی زمین پر صرف میں مسلمان ہوں۔

پاگل خانے سے رہائی کے پندرہ دن بعد یکم جون کو رمضان شروع ہو رہا تھا اور میں اتنا کمزور تھا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں دیکھ پاتا تھا اس لئے میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے اس کی ہمت بھی دے اور اس کے اسباب بھی مہیا فرمائے یہ میری اس نئی زندگی کا تیسرا رمضان تھا اور پھر جب خدا نے میرے ذہن میں ڈالا تو میں قریبی مسلم آبادی میں چلا گیا۔ ایک گاؤں میں نماز عصر کی ادائیگی کے بعد میں نے امام مسجد سے مختصراً اپنی ساری داستان سنادی اور درخواست کی کہ وہ مجھے رمضان المبارک میں اپنے ہاں اعتکاف کی اجازت دیں، چونکہ وہ مجھے جانتے تھے اس لئے انہوں نے انکار نہیں کیا اور میں نے پورا رمضان وہاں گذارا، امام صاحب نے میری خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا پورا رمضان خیال رکھا اور پھر عید الفطر بھی میں نے وہاں ہجرت کی حالت میں گذاردی عید کے بعد جولائی کا مہینہ اسلامی مہینوں کے مطابق شوال بنتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ حکومت ہند مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے گی اس لئے میں نے اسلامی علوم سیکھنے کا ارادہ کیا اور دنیا کے اس مشہور دارالعلوم یعنی دارالعلوم دیوبند میں آکر ابتدائی دینیات میں داخلہ لے لیا۔ یہاں میں نے قرآن عربی الفاظ اور ہجوں کے ساتھ سیکھا، نیز اردو رسم الخط اور دین کے بنیادی عقائد و مسائل سیکھے، میں یہاں اپنی دینی تعلیم مکمل کر لینا چاہتا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ متعصب ہندو مجھے یہاں بھی آرام سے نہیں چھوڑیں گے اور میری تعلیم ادھوری رہ جائے گی اس لئے میں نے عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے سربراہوں کے نام خطوط ارسال کردیے ہیں جن میں ان سے درخواست کی ہے کہ وہ مجھے اپنے ہاں کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ دیں اور یہ بھی میری اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایک قسم کی ہجرت ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اکثر دوست مجھے چھپے رہنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس طرح میں محفوظ رہوں گا مگر میں کہتا ہوں کہ جب ایک دین حق ہے اور وہ تمام دنیا کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں تمام ملل وادیان باطل ہیں تو پھر کیونکر میں چھپا رہ سکتا ہوں میں پوری دنیا کے سامنے اس کا اعلان کروں گا اور کسی ظالم کے ظلم یا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں دبوں گا اور اس لئے میں نے اپنے اسلامی

نام کے ساتھ اپنے پرانے ہندو نام کا ایک جزو باقی رکھا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ ہندو مسلمان ہوا ہے۔

آخر میں جب نورالدین نے انگڑائی لی تو میں نے محسوس کرلیا کہ بات کسی حد تک ختم ہوگئی ہے۔ تب میں نے اپنے سوالات شروع کیے، سب سے پہلے میں نے پوچھا کہ آپ کے بیان سے ظاہر ہے کہ آپ نے گذشتہ زندگی بڑی آرام کی گذاری ہے پھر اس طرح سختیوں سے نمٹنے میں آپ کیسے کامیاب ہوئے؟

اس کے جواب میں نورالدین نے ہنس کر بتایا کہ یہ انسان کی بس کی بات نہیں یہ تو اس کریم کا کام ہے کہ وہ انسان کو اغواء شیطانی سے برآمد کرے اپنی طرف بلالے اور پھر استقامت نصیب فرمادے تاہم یہ بات میرے مشاہدہ میں آئی اور بعض اوقات شدت سے محسوس کی کہ کوئی غیبی طاقت میری راہنمائی کررہی ہے اور یہی بات میرے یقین کی پختگی کے لئے خضر راہ ثابت ہوئی نیز یہ کہ مشقتیں تو مجھ پر بے شمار آئیں مگر ان میں ایک خاص قسم کا لطف اور سکون واطمینان میں نے محسوس کیا انہی وجوہ کی بنا پر میں کبھی نہیں گھبرایا اور نہ میرے پائے ثبات کبھی ڈگمگائے ہیں۔

اسلام کو آپ نے کیسا پایا یہ تو معلوم ہوگیا مگر یہ بھی بتائیں کہ مسلمانوں کو آپ نے کیسے پایا؟ اس بات کے جواب میں نورالدین نے بتایا کہ مسلمان الحمدللہ اب بھی دنیا کے تمام مذاہب والوں سے اچھے ہیں تاہم جس طرح میں نے قرآن کا مطالعہ کیا اور میں نے اسلام پڑھا تھا مسلمانوں کو عملاً اس طرح نہیں پایا۔ جس پر مجھے افسوس ہوا، کاش مسلمان اپنے مقام کو پہچان لیں اور دنیا کے حرص ولالچ کو ٹھکرا کر اپنے محبوب دین کی طرف توجہ دیں "عمل میں ہم واقعی کمزور ہیں یہی بات ہر نومسلم محسوس کرتا ہے، آپ نے بھی بجا طور پر محسوس کیا، اچھا یہ بتائیں کہ مسلمانوں کے نام آپ کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟

ضرور اس نے پر جوش اور تاکیدی لہجہ میں کہا، دنیا کے تمام مسلمانوں کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ وہ خدا اور اس کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات و طریقوں پر سختی سے عمل کریں کہ یہی کامیابی کا راستہ ہے اور تمام مسائل اور مشکلات کا حل ہے نیز یہ کہ دین کی دعوت کے مقدس فریضہ کو لے کر پوری دنیا میں پھیل جائیں اور پیار و

محبت اور دلائل کے ساتھ ہر فرد کو اسلام اور اس کی خوبیاں سمجھائیں، آجکل پوری دنیا سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کہیں بھی ایٹم بم اور تلوار کی ضرورت نہیں پڑے گی، جو لوگ اسلام دشمن ہیں وہ ناواقفی کی وجہ سے ہیں، حقیقت کھلنے پر سب اسلام کے شیدائی بن جائیں گے مگر اس کام کے لئے مسلمانوں کو قربانی دینے پڑے گی جس کے لئے وہ آگے بڑھیں اور کام کریں۔

سابقہ نام :انیل کمار **سابقہ مذہب** : ہندو **ملک کا نام** :ہندوستان

چودہ سال کی عمر میں اسلام قبول کرنے والے لڑکے کی ایمان افروز داستان

﴿انیل کمار ایک ہندو نوجوان تھا اس کے والد متعصب ہندو تھے اس کے تعلقات ہندو لڑکوں کے بجائے مسلمان لڑکوں کے ساتھ تھے۔ انھی میں ایک نوجوان اعزاز علی بھی تھا، ایک مرتبہ وہ اپنے شہر آگرہ میں ایک پان والے کی دکان پر بیٹھا تھا کہ تبلیغی جماعت والے حضرات گشت کرتے ہوئے آئے جنھوں نے اسے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی دعوت دی یہ دعوت اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن گئی، جناب اظہر ندیم صاحب نے انیل کمار سے جو اب مجاہد اسلام بن چکا تھا اسلام قبول کرنے کی تفصیلات دریافت کیں اس نے جو کچھ بیان کیا ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔﴾

ایک مرتبہ شام کے وقت میں رشید پان والے کی دکان پر بیٹھا تھا کہ چند آدمی جو نہایت ہی شریف معلوم ہوتے تھے۔ لمبے لمبے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بعض کے منہ بھی آہستہ آہستہ ہل رہے تھے، میرے سامنے کھڑے ہو گئے، ان میں سے ایک نے کہا آؤ بیٹا نماز پڑھ لیں ان کو میرے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ میں ہندو ہوں اور میں بھی نہیں جانتا تھا کہ نماز کیا ہوتی ہے۔

میرے دل میں آیا کہ میں انکار کر دوں اور ان کو بتا دوں کہ میں ہندو ہوں لیکن پھر سوچا کہ کتنے خلوص سے اس نے مجھے کہا ہے تو میں نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا

کہ اچھا میں نماز کے لئے آ رہا ہوں۔ بس میرا یہ کہنا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا، وہ لوگ چلے گئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تبلیغی جماعت والے تھے اور جو میرے ساتھ بات کر رہا تھا اس کو امیر کہتے ہیں۔

آگرہ کی مسجد اور ہماری دکان

اور پھر میں سوچ کی گہرائیوں میں ڈوب گیا کہ مسجد میں جانا چاہئے یا نہیں، جانے کی صورت میں والد صاحب کو پتہ چل گیا تو پھر نا معلوم میرا انجام کیا ہوگا، آگرہ کی جامع مسجد کے نیچے بہت سی دوکانیں ہیں ان میں مسلمانوں کی بھی ہیں اور ہندوؤں کی بھی، ہماری دوکان بھی مسجد کے نیچے بازار میں تھی لیکن مسجد کا دروازہ دوسری طرف تھا یعنی ہماری دوکان سے مسجد جانے کے لئے دوکان کا چکر لگانا پڑتا تھا آخر میں نے ارادہ کر لیا کہ رات آٹھ بجے جب والد صاحب گھر چلے جائیں گے تو میں دوکان بند کر کے مسجد جاؤں گا، خیر میں دوکان پر گیا اور والد صاحب کے گھر جانے کا انتظار کرنے لگا وقت مقررہ پر والد صاحب چلے گئے۔

میری پہلی نماز

پھر میں نے آہستہ آہستہ دوکان بند کرنی شروع کر دی، دوکان سے فارغ ہو کر میں نے ایک چادر اپنے اوپر ڈال لی، اس وجہ سے کہ کوئی مجھے پہچان نہ لے جب میں مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ کچھ آدمی نماز پڑھنے میں مشغول تھے دوسری طرف ایک آدمی منہ دھونے میں مصروف تھا میں اس کے قریب بیٹھ گیا جیسے وہ کرتا اسی طرح میں بھی کرتا رہا۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پھر ایک طرف کھڑے ہو کر اس نے نماز شروع کر دی، میں نے بھی اس کی طرف دیکھا دیکھی نماز شروع کر دی، نماز کے بعد اس آدمی نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا:

''یا اللہ میرے گناہ معاف فرما دے''

بار بار انہی الفاظ کو دہراتا تھا میں نے بھی اسی طرح کہنا شروع کر دیا، چند منٹوں کے بعد وہ چلا گیا، میرا دل کرتا تھا کہ میں انہی الفاظ کو دہراتا رہوں ان الفاظ کے

ساتھ مجھے بہت سرور ملتا تھا۔ غالباً ساٹھ یا ستر مرتبہ میں نے ان الفاظ کو کہا ہوگا، پھر اچانک مجھے گھر کا خیال آیا اور میں مسجد سے باہر آ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا، جب گھر پہنچا تو والد صاحب سو گئے تھے اور والدہ میرے انتظار میں جاگ رہی تھیں، اور مجھے دیکھتے ہی پیار کیا اور کہا کہ بیٹا انیل آج اتنی دیر کیوں لگادی میں نے کہاماں آج کام زیادہ تھا، کھانا کھا کر میں لیٹ گیا۔

اور بار بار ذہن میں یہ الفاظ گردش کر رہے تھے ''یا اللہ میرے گناہ معاف فرمادے'' اور پھر نہ معلوم کب نیند کی گہرائیوں میں پہنچ گیا۔ چند دنوں تک یہی معمول رہا یعنی عشاء کی نماز پڑھتا رہا۔

پھر خیال آیا کہ والد صاحب تو دوکان پر دیر سے آتے ہیں کیوں نہ ان کے آنے سے پہلے صبح کی نماز پڑھ لیا کروں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب میں گھر سے چلا تو سیدھا مسجد چلا گیا اور ہاتھ منہ دھو کر نماز پڑھنی شروع کر دی، مجھے معلوم نہ تھا کہ صبح کی نماز کی کتنی رکعتیں ہوتی ہیں بس میں تو جس طرح رات کی نماز پڑھتا تھا اسی طرح صبح بھی پڑھ لیتا تھا نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوکان پر آ جاتا، اور والد صاحب کے آنے سے پہلے پہلے دوکان صاف کر کے لین دین شروع کر دیتا۔

دوکان پر گاہک زیادہ آنے لگے

اب ایک نئی بات ہوئی کہ ہماری دوکان پر گاہک زیادہ آنے لگے اور ہر وقت اچھا خاصا ہجوم لگا رہتا اور جب والد صاحب دوکان پر آتے تو مجھے گاہکوں کے ساتھ مصروف دیکھ کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور پیار سے میری طرف دیکھتے اور کہتے بیٹا انیل اب تم اپنے کام کر لو میں دوکان پر بیٹھتا ہوں، چنانچہ میں والد صاحب کی سائیکل پر پان رکھتا اور چھوٹی چھوٹی دوکانوں پر سپلائی کرتا اس طرح دن گزرتے رہے۔

اعزاز علی سے باتیں

ایک مرتبہ میں اپنے دوست اعزاز علی سے ملنے ان کے گھر گیا تو اس کے بھائی نے بتایا کہ وہ نماز پڑھنے مسجد گیا ہوا ہے میں اس کے انتظار میں بیٹھ گیا، دس منٹ بعد وہ

آ گیا مجھے دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھا۔ کہنے لگا نیلی (مجھے پیار سے نیلی کہتا تھا) آج مجھے تمہارے آنے پر بہت خوشی ہوئی، نیلی کاش تم مسلمان ہوتے تو ہم دونوں اکٹھے مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے۔

اس کے یہ الفاظ سن کر میرا دل دھک دھک کرنے لگا میں نے سوچا شاید اس کو میرا مسجد میں جانا معلوم ہو گیا ہے، خیر تو ہے میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا، علی تم مسجد میں جایا کرتے ہو، کہنے لگا ہم اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، میں نے کہا کس کس وقت تم نماز پڑھتے ہو، کہنے لگا پہلی نماز سورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے، دوسری نماز ایک اور دو بجے کے درمیان، تیسری نماز چار اور پانچ بجے کے درمیان اور چوتھی نماز سورج غروب ہوتے ہی، پانچویں نماز رات کو سات اور آٹھ کے درمیان۔

میں نے کہا جو وقت تم نے بتائے ہیں اگر ان میں کوئی نہ پڑھ سکے، کہنے لگا پھر وہی نماز بعد میں پڑھ لے، میں نے کہا نماز میں تم کیا پڑھتے ہو کہنے لگا ہماری ایک کتاب ہے جس کو قرآن مجید کہتے ہیں وہ اللہ کی کتاب ہے اس میں سے جو زبانی یاد ہو وہ پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا اگر کسی کو قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ آتا ہو تو وہ نماز میں کیا پڑھے، کہنے لگا جو بھی مسلمان ہوگا اس کو قرآن میں سے کچھ نہ کچھ ضرور آتا ہوگا، پھر بھی اگر کسی کو نہ آئے تو "سبحان اللہ، سبحان اللہ" ہی پڑھ لیا کرے (اگر یہ تحریر اعزاز علی کی نظر سے گزرے تو وہ راقم الحروف سے لاہور میں رابطہ قائم کرے)

اس کے بعد میں علی سے رخصت ہو کر گھر چلا آیا، اور راستہ میں سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتا رہا گھر سے کھانا کھا کر دوکان پر جانے لگا تو والدہ نے کہا بیٹا انیل جلدی گھر آ جانا میں نے کہا اچھا اور گھر سے نکل پڑا۔

جماعت کیساتھ مغرب کی نماز کی ابتداء

پھر مجھے خیال آیا کہ سورج غروب ہونے کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ بھی پڑھنی چاہیے، چنانچہ میں دوکان پر جانے کی بجائے مسجد چلا گیا، ہاتھ دھونے کے بعد میں مسجد کے اندر جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد ایک آدمی کھڑا ہوا اور زور زور سے کہنے لگا اللہ

اکبر اللہ اکبر حالانکہ میں نے پہلے بھی ان کلمات کو سنا تھا لیکن آج تو بس دل ہی میں اترے جا رہے تھے اس کے بعد تمام لوگ لائنوں میں کھڑے ہو گئے اور ایک آدمی نے آگے بڑھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا بہت ہی دلکش آواز تھی دل کرتا تھا کہ وہ پڑھتا رہے اور میں سنتا رہوں۔ اس نماز میں اتنا سکون ملا جو بیان سے باہر ہے، کیونکہ میں نے پہلے لوگوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھی تھی، بلکہ اپنی علیحدہ نماز پڑھتا تھا۔

مسجد سے نکلتے ہوئے ہندو نے دیکھ لیا

نماز سے فارغ ہو کر مسجد کی سیڑھیاں اترتے ہوئے مجھے ایک ہندو جس کی دوکان ہماری دوکان کے ساتھ تھی اس نے دیکھ لیا، میں ایک دم گھبرا گیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا مسجد میں کس لئے گئے تھے، میں نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ اپنے دوست علی کو دیکھنے گیا تھا اس نے کہا اچھا اب میں چاچا گوپال سے بات کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا اور میں سوچنے لگا اب کیا کیا جائے اگر واقعی میرے والد کو اس ہندو نے میرا مسجد میں جانا بتا دیا تو پھر والد صاحب میرا کوئی عذر نہیں سنیں گے، بہر حال میں دوکان پر چلا گیا والد صاحب نے کہا اتنی دیر کہاں لگا دی تھی، میں نے کہا اپنے دوست سے ملنے چلا گیا تھا، خیر والد صاحب گھر چلے گئے اور میں دوکان پر بیٹھ گیا وقت مقررہ پر دوکان بند کی اور پھر رات کی نماز پڑھنے مسجد میں چلا گیا۔

نماز پڑھنے کے بعد میں نے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور اپنے رب سے فریاد کرنے لگا "یا اللہ میرے گناہ معاف فرما دے، اور مجھے ہر معاملہ میں ثابت قدم رکھنا" نماز کے بعد میں گھر کی طرف چل پڑا، آج نہ معلوم کیوں میرا دل دھک دھک کر رہا تھا، جب گھر پہنچا تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔

مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ والد نے بے تحاشہ پیٹا

میرے والد صاحب بڑی بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا انہوں نے کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ پکڑا اور کمرہ میں لے گئے۔ اچانک ان کے ہاتھ مشین کی طرح چلنے لگے، انہوں نے ہاتھوں اور لاتوں سے مجھے مارنا شروع

کر دیا اور وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جسم کے کس حصہ پر مار پڑ رہی ہے۔ میرے کان، ناک، منہ، سینہ، پیٹ وغیرہ میں سے کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں انہوں نے نہ مارا ہوا، آخر جب ہاتھوں سے مار مار کر تھک گئے تو انہوں نے آواز دی ذرا میرا بیت لانا، میری ماں اور بہنیں جو دروازہ پر کھڑی رو رہی تھیں کسی میں بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ مجھے والد صاحب سے چھڑاتیں، والد صاحب کا گھر پر اتنا رعب تھا کہ جب بھی وہ گھر آتے تھے سب گھر والوں کو سانپ سونگھ جاتا تھا اور خاموش ہو کر کمرہ میں دبک جاتے تھے۔ جب بیت کوئی نہ لایا تو والد صاحب خود بیت لانے کے لئے کمرہ سے نکل گئے۔

گھر والے ادھر ادھر ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ والدہ دوسرے دروازے سے کمرہ میں داخل ہوئیں روتے ہوئے کہنے لگیں بیٹا! انیل سچ سچ بتا دو ورنہ جب تک تم نہ بتاؤ گے یہ نہیں چھوڑیں گے، میں نے کہا امی میرا قصور کیا ہے، اپا نے تو مجھے بتایا بھی نہیں ویسے ہی پیٹنا شروع کر دیا۔ اچانک والد صاحب بیت لے کر کمرہ میں داخل ہوئے ان کو دیکھتے ہی والدہ کمرے سے باہر چلی گئیں اور والد صاحب نے آتے ہی مجھ پر بیت برسانے شروع کر دیئے۔

چودہ سال کی عمر میں میرے جسم کی چمڑی ادھیڑ دی گئی

میری عمر اس وقت چودہ سال تھی میں والد صاحب سے اتنا ڈرتا تھا کہ یہ پوچھنا بھی میرے لئے محال تھا کہ میرا قصور کیا ہے، والد صاحب کے بیت کو پہلے تو میں اپنے ہاتھوں پر کھاتا رہا ان کی مار کا یہ عالم تھا کہ سانس لینے کے لئے بھی ان کے ہاتھ نہ رکتے تھے۔

پھر میرے ہاتھ خود بخود ڈھیلے ہو گئے اور اتنی سکت نہ رہی کہ میں اپنے دفاع میں ہاتھوں کو اوپر اٹھا سکوں، تقریباً پچاس سے بھی زیادہ بیت مارے ہوں گے میرے جسم پر شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بیت نہ لگے ہوں، میرے بازو سوج گئے تھے اور ان میں خون رس رہا تھا، سر میں گومڑے پڑ گئے تھے، مجھے الٹا لٹا کر میری کمر میں لگاتار بیت مارتے رہے، میرے جسم پر اپنے پاؤں رکھ کر اپنا پورا وزن ڈالتے تھے میرے جسم کی بعض جگہ سے چمڑی بھی ادھڑ گئی تھی۔

محلے والے اور میرے والد

میری چیخ و پکار سن کر محلے والے جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی اکٹھے ہوگئے، اور میری والدہ کی حالت قابل دید تھی، اس نے محلے والوں کو بھگوان کا واسطہ دے کر کہا کہ میرے بیٹے کو چھڑا دو، چنانچہ تین آدمی آگے بڑھتے ہیں دو ہندو تھے اور ایک مسلمان، والد صاحب نے ان کو دیکھا تو گرج کر کہا خبردار میری نزدیک کوئی نہ آئے، لیکن پھر بھی ان تینوں سے ایک آگے بڑھ گیا اور کہا مہاراج بس کرو کیا جان سے مارنے کا ارادہ ہے، والد صاحب نے کہا اگر اس حالت میں یہ پلید مر گیا تو مجھے فخر ہوگا۔

میرا چھوٹا بھائی شیام والد صاحب کی ٹانگوں سے چمٹ گیا

اتنی دیر میں میری والدہ میرے چھوٹے بھائی شیام کو گود میں اٹھا لائیں اور والد صاحب کی ٹانگوں کے پاس لا کر چھوڑ دیا، وہ میرے والد کی ٹانگوں سے چمٹ گیا، میرے والد کو شیام سے بہت پیار تھا، چنانچہ بیت کو ایک طرف پھینک دیا اور شیام کو اپنی گود میں اٹھا لیا چنانچہ محلے والے میرے والد کو گھر سے باہر لے گئے۔

والدہ اور بہن بھائیوں کا مجھ سے پیار

ایک دم میری والدہ اور بہن بھائی میرے ارد گرد جمع ہوگئے، سب ہی رو رہے تھے میری والدہ نے رومال سے خون صاف کیا اور میری بہن کو کہا کہ جاؤ دودھ گرم کر کے لے آؤ میرا بڑا بھائی اشوک دوائی لینے چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد گرم گرم دودھ والدہ چیچ سے میرے منہ میں ڈال رہی تھیں اور اشوک میرے زخم صاف کرنے اور دوائی لگانے میں مصروف ہوگیا۔

جب میں تھوڑا سا سنبھلا تو والدہ نے کہا بیٹا آئندہ مسجد نہ جانا میں نے کہا امی کیا مجھے مسجد میں جانے کے سبب سے پیٹا گیا ہے ماں نے کہا، ہاں! حالانکہ ابھی میں نے عملی طور پر اسلام بھی قبول نہ کیا تھا صرف اپنے شوق سے مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔

تبلیغی جماعت کے امیر کی دل موہ لینے والی باتیں

آہستہ آہستہ میرے زخم ٹھیک ہو گئے، بس صرف ایک مرتبہ والد صاحب نے کہا اگر اب مجھے پتہ چلا کہ تم مسجد گئے ہو تو پھر میں تم کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اب میں بہت ہی احتیاط سے مسجد جاتا اور نماز پڑھتا رہا، تقریباً دو ماہ گزر گئے ایک مرتبہ پھر وہی تبلیغی جماعت کے امیر سر راہ ملے حالانکہ امیر صاحب کو کسی نے بتا دیا تھا کہ یہ لڑکا ہندو ہے، پھر بھی مجھ سے پوچھا کیا ارادہ ہے، میں نے جواب دیا میں سوچ رہا ہوں، فرمانے لگے بیٹے تم لوگ بہت سے خداؤں کو پوجتے ہو مجھے بتاؤ آخر کس کس خدا کو راضی کرو گے؟ ہم صرف ایک خدا کو مانتے ہیں ہمارے کوئی ٹکڑے بھی کر دے ہم تب بھی کسی اور کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے ہیں، تم اپنے ہاتھ سے مورت بناتے ہو اور پھر اسی کو پوجا شروع کر دیتے ہو، اور آخر میں فرمانے لگے بیٹے اگر تم دل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ تو گذشتہ تمہارے سب گناہ اور غلطیاں اللہ پاک معاف فرمادیں گے۔ اور تم اس طرح ظاہری اور باطنی طور پر پاک صاف ہو جاؤ گے گویا ابھی پیدا ہوئے ہو، میں نے جواب دیا آج رات مزید میں سوچ لوں، کل آگرہ کی جامع مسجد میں شام سات بجے اپنے فیصلے سے آپ کو آگاہ کر دوں گا۔ انہوں نے بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اللہ تمہاری مدد کرے یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور میں گھر آ گیا۔

اسلام قبول کرنے کے بارے میں کشمکش

رات کو میں چارپائی پر لیٹ کر سوچنے لگا، کیا فیصلہ کروں، آیا اسلام قبول کرلوں یا نہ قبول کروں دل میں خیال آیا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں تم کو والدین، بہن بھائی، رشتہ دار اور اپنا گھر دوکان وغیرہ سب کچھ چھوڑنا پڑے گا اس کے علاوہ نہ معلوم میرا ٹھکانہ کیا ہوگا اور میرا کام کیا ہوگا، اور پھر والدین سے ملنا نصیب ہوگا یا نہیں؟

لیکن اسلام کی جو مٹھاس میں محسوس کر رہا تھا، وہ ان سب پر حاوی تھی اور مجھے یہ سب تکلیفیں برداشت کرنا تھیں، بہر حال اس قسم کے بہت سے خیالات میرے ذہن

میں گردش کرتے رہے، آخر میرے دل میں خیال آیا کہ صبح اٹھتے ہی اگر دل مطمئن ہوا تو اسلام قبول کرلوں گا ورنہ نہیں۔

گھر میں آخری رات

میرا چھوٹا بھائی شیام میرے ساتھ لیٹا ہوا گہری نیند سو رہا تھا میں نے اسے پیار کرتے ہوئے سرگوشی میں کہا ننھے شاید کل میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں۔ پھر میں اپنی چھوٹی بہن کی طرف دیکھنے لگا جو دوسری چارپائی پر بے خبر سو رہی تھی، نائٹ بلب کی روشنی میں والد صاحب کے علاوہ سب گھر والوں کے چہرے میرے سامنے تھے، کیونکہ والد صاحب ہم سب سے علیحدہ سوتے تھے جب میں نے اپنی والدہ کی طرف جی بھر کر دیکھا تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آگئے، روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔

میں سوچ رہا تھا کہ میری والدہ میرے ساتھ کتنا پیار کرتی ہیں، میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے، میں نے اپنے آپ کو چپ کرانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، غیر ارادی طور پر خود بخود رونا آتا تھا۔

بہن سے باتیں

اچانک میری بڑی بہن پسپہ کماری کی آنکھ کھل گئی اس نے میری طرف دیکھا تو جلدی سے اٹھی اور میری چارپائی پر آکر میرا چہرہ اپنی گود میں رکھ لیا اور پوچھنے لگی کیا بات ہے انیل؟ میں نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا باجی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے اس نے دھیمے دھیمے میرا سر دبانا شروع کردیا اور کپڑے سے میرے آنسو صاف کرنے لگی، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا باجی بس کرو اب آرام آ گیا ہے۔

اس بچاری کو کیا معلوم تھا کہ مجھے اصل میں کیا روگ ہے وہ یہ کہتی ہوئی اٹھی لو میں اپنے بھیا کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں، میں پھر سوچ کی گہرائیوں میں اتر گیا کہ بہن بھائی کا رشتہ کتنا مقدس ہوتا ہے اور بہن کو اپنے بھائی سے کس قدر محبت ہوتی ہے۔ عملی طور پر اس کا نمونہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ کون ہے جو اپنی نیند کو چھوڑ کر دوسرے کے درد

میں شریک ہوا آخر میری بہن چائے لے آئی اور میں اٹھ بیٹھا اور چائے پینے لگا، چائے پی کر میں نے کہا باجی اب تم آرام کرو باجی نے کہا نہیں پہلے تم سو جاؤ پھر میں جاؤں گی۔

چنانچہ میں لیٹ گیا اور مصنوعی طور پر آنکھیں بند کرلیں، تھوڑی دیر کے بعد بہن نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کہا بھگوان تمہاری حفاظت کرے، یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور میں سوچنے لگا کہ کس طرح میں اپنے بہن بھائیوں کے بغیر رہ سکوں گا، اور ہر وقت مجھے ان کی یاد تڑپائے گی۔ اسی کشمکش میں مجھے نیند آ گئی، جب صبح آنکھ کھلی تو دیکھا شیام نے اپنے بازو میری گردن میں حائل کیے ہوئے تھے میں نے آہستہ آہستہ اس کے بازو جدا کیے اور جب رات کے واقعات کے بارے میں سوچا تو میرا دل مطمئن تھا۔

گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا

میں نے واقعی فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے اسلام قبول کرلینا چاہیئے۔ اس دن میں نے اپنے بہن بھائیوں سے خوب دل کھول کر باتیں کیں، شیام تو میری گود سے اترتا ہی نہیں تھا، چنانچہ میں اس کو بازار لے جانے لگا تو میرے دوسرے بھائی رام کمار نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا بھیا میں بھی بازار جاؤں گا، میں نے اس کو بھی ساتھ لیا، اور ان دونوں کو طرح طرح کی چیزیں خرید کردیں۔ پھر گھر آکر وہ اپنی چیزوں سے دل بہلانے لگے اور میں اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گیا ماں نے کہا بیٹا دوکان پر کیوں نہیں جاتے میں نے کہا ابا جان ہر وقت بات بات پر مجھے جھڑک دیتے ہیں۔ ماں نے کہا آج تمہارے چچا گھر آئیں گے میں انہیں کہوں گی کہ وہ تمہارے ابا کو سمجھائیں ماں کافی دیر تک باتیں کرتی رہی اور میں ان کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا آخر وہ وقت آ گیا جب میں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گھر کو خیرباد کہنا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے بہن بھائیوں کی طرف دیکھا، میرا دل بے طرح دھڑکنے لگا قریب تھا کہ میرے آنسو نکل آتے لیکن میں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور گھر سے باہر نکل آیا، باہر گلی کے کنارے پر جاکر میں نے اپنے گھر پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور آگرہ کی جامع مسجد کی طرف چل پڑا۔

میں نے اسلام قبول کرلیا

مجھے اس بات پر ہمیشہ فخر رہے گا کہ ابھی میں سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال کردیا۔ تقریباً ساڑھے چھ بجے شام جامع مسجد پہنچ گیا، امیر صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟ میں نے کہا اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مجھے سینے سے لگالیا اور مجھے کہا اچھی طرح غسل کرکے یہ کپڑے پہن لو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، مغرب کی نماز کے بعد امیر صاحب مجھے ایک کمرہ میں لے گئے، پہلے مجھے کلمہ پڑھایا اور پھر قرآن کی کچھ آیتیں پڑھائیں، پھر کہا اب میرے ساتھ دو رکعت نماز نفل پڑھو، میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ سلام پھیرتے ہی میرے دل کو کامل سکون ہوا اور ہر قسم کے غم وفکر سے بے نیاز ہوگیا۔

سابقہ مذہب : عیسائیت اسلامی نام: حلمی محمد فہمی عبدہ ملک کا نام: مصر

مسیحیت سے اسلام تک

مصر کے ایوانوں میں شور بپا ہے میرے اسلام قبول کر لینے سے

قبول اسلام کے بعد ''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کا مسیحیت پر بے لاگ تبصرہ

''موجودہ توریت اور انجیل محرف ہیں'' یہ اس مسیحی نوجوان کا موضوع ہے جس نے اسلام اور عیسائیت کے تقابلی مطالعہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے اور جس کی وجہ سے مصر کے عیسائی ایوان میں شور بپا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کو منور کیا اور فطرت سلیمہ کے راستہ پر گامزن کر دیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس مسیحی نوجوان نے ''العالم الاسلامی'' مکۃ المکرمہ کو اپنے ایمانی سفر کی طویل، سنسنی خیز اور عیسائیوں کو چیلنج کرنے والی داستان پر مشتمل جو انٹرویو دیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ اس کا اردو ترجمہ اسی کی زبان میں پیش کر دیا جائے۔

سب سے پہلے مسیحی نوجوان نے اپنی بصیرت افروز گفتگو میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت یہودی اور نصرانی جس توریت اور انجیل کی بات کرتے ہیں وہ محرف اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کی حقانیت، توریت اور انجیل میں جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بشارت، عالم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں اور یہودیوں کی مکروہ سرگرمیوں کا علمی، تحقیقی اور تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

یہ اہم موضوعات ہیں جن کو اس جرأت مند نوجوان نے اپنی گفتگو کا مرکز بنایا ہے، اگرچہ ان موضوعات پر آج سے پہلے علماء اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے اور مخالفین کی تردید کی ہے، لیکن آج آپ اس مسیحی نوجوان سے اسلام کی حقانیت سنیں گے، جس کی نشوونما مسیحی خاندان میں ہوئی تا آنکہ اس پر اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور اسلام کی روشنی

عطا فرمائی۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

میں گواہی دیتا ہوں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور اسی کے قبضے میں موت ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے، بے شک سب سے زیادہ سچا کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین طریقہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

میں اللہ کے اس قول پر ایمان لاتا ہوں جس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی معتبر ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے برحق اور آخری رسول مانتے ہوئے ان کے فرمان کی صداقت پر ایمان لاتا ہوں جس نے فرمایا کہ ہر انسان کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے یہودی، نصرانی اور مجوسی اس کے والدین بنا دیتے ہیں۔

سیدنا ابوالقاسم، میرے قلب کی روشنی، آنکھوں کی ٹھنڈک اے اللہ کے رسول میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ نے اللہ کے پیغام کو امت تک پہنچا دیا، امانت کو ادا کر دیا اور تاریکی کو مٹا دیا اور امت سے مصیبتوں کو دور کر دیا اور اللہ کے راستے میں قربانیاں پیش کیں ہزاروں صلوٰۃ وسلام ہو آقاء مکی مدنی پر، آپ کی پاک بیویوں اور آپ کے جانثار ساتھیوں پر۔

پیدائش

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' عیسائیت کے ظلمات اور تاریکیوں سے اسلام کی روشنی کی طرف کی خوبصورت اور ولولہ انگیز داستان سفر کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ۱۹۶۰ء میں صوبہ سوہاج کے ایک دیہات ''کوم'' میں میری پیدائش ہوئی میرا خاندان روایتی طور پر عیسائی رسم و رواج کا پابند تھا، ۱۹۶۶ء تک میں اپنے گاؤں کے ایک عیسائی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا، مدرسہ اور گھر کے درمیان ایک گرجا گھر بھی تھا جس میں تمام بچے روزانہ پابندی سے جایا کرتے نگران کے ساتھ اور اکیلے کبھی گرجا گھر میں داخل نہیں ہوا چونکہ میں نے اپنے والدین اور بہنوں کو بھی کبھی کسی گرجا گھر میں جاتے نہیں دیکھا

بس روایتی طور پر ہمارا خاندان مسیحی چلا آ رہا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے دوران میں نے دیکھا کہ ہر اتوار کو چھٹی ہوتی ہے اور مدرسہ کے تمام بچے گرجا گھر جاتے ہیں اور ان لڑکوں سے ہی میں نے ''بسملہ ثلاثہ'' یعنی بسم الاب والابن والروح القدس سنا اور سیکھ بھی لیا جس کو ہر عیسائی کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے پڑھتا ہے، اسکول میں ہمیں بتایا جاتا کہ ایک اللہ میں یہ تینوں داخل اور تینوں مل کر ہی ہمارا معبود ہے اور اس نظریہ اور فلسفہ کو سمجھانے کے لئے پادری آگ اور سورج کی مثالیں دیتے کہ آگ کی طرف دیکھو اس میں (۱) آگ کے شعلے (۲) روشنی (۳) گرمی تینوں چیزیں موجود ہیں اور یہ تینوں مل کر آگ ہے اسی طرح سورج کی طرف دیکھو اس میں (۱) سورج ٹکیہ (۲) شعاع (۳) گرمی اور تمازت یہ تینوں مل کر ایک سورج ہے، اسی طرح اب، ابن اور روح القدس تینوں مل کر ایک اللہ ہے اور وہی ہم لوگوں کا معبود ہے۔ اعاذنا اللہ عنہ

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ محض اللہ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے ہی اس عمر میں ان پادریوں سے سوال اور ان پر جرح کرتا کہ آگ کے اندر دھواں اور راکھ دو مزید چیزیں ہیں یہ سوال سن کر پادری میری طرف حیرت اور استعجاب کی نظروں سے دیکھتے مگر مجھے اس سلسلہ میں کبھی بھی تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔ میں نے پادریوں کو یہ بھی تعلیم دیتے دیکھا کہ کھاتے، پیتے، سوتے جاگتے، تجارت، زراعت شادی بیاہ ہر کام کے شروع میں صلیب کا نام لیتے ہیں اور اس کو ضرور پوجتے ہیں، میں نے عیسائیوں کو ان کے نزدیک دین کی اہمیت کو اس سے زیادہ محسوس نہیں کیا جس قدر ایک کسان کو زمین اور جانوروں کی ضرورت پڑتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے عیسائیوں کو شدید جاہلی تعصب میں مبتلا پایا۔

میں ایک متوسط عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا، اکثر میں گھر کے افراد سے سوال کرتا کہ آخر اب، ابن اور روح القدس تینوں مل کر ایک کیسے ہیں؟ آج تک مجھے اس کا تشفی بخش جواب نہیں مل سکا۔ اور میری حیرت کی انتہاء اس وقت نہ رہی جب عیسائیوں کے بنیادی عقیدے کا علم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ سولی پر

چڑھائے گئے ہیں اور ان کا خون صلیب پر موجود ہے جو دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کا کفارہ ہے۔

فطری سوالات کے گھیرے میں

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ ابتدائی مدرسے میں میرے ہم سبق چند مسلمان دوست تھے، ان کو میں نے درسگاہ اور درسگاہ سے باہر مختلف اسلامی آداب میں پایا جو عیسائیوں کے یہاں میں نے کبھی نہیں دیکھا، ایک روز ان ہی مسلم احباب کے ساتھ میں نے قرآن کریم کی سورۂ اخلاص سنی اور پڑھی جس نے میرے قلب ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور قلب میں پھیلی ہوئی گمراہیوں کو محسوس کیا، جب مجھے معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہے اور وہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے، تو مجھے تسلی اور تشفی ہوگئی، اس صاف وشفاف عقیدۂ توحید کو پاکر اسلام کے تئیں مزید معلومات کے لئے میں مضطرب ہو اٹھا۔

یہاں تک کہ میں نے ابتدائی درجات مکمل کرلئے اور درجہ اعدادیہ کے لئے سوہاج کے ایک قدیم ادارے میں درخواست ڈال دی چنانچہ ۱۹۷۳ء میں میرا داخلہ اعدادیہ میں ہوگیا، گھر سے ۱۲ کلو میٹر دور واقع اس مدرسہ میں ہاسٹل کا انتظام تھا اور اس میں مسلمان طالب علم بھی قیام پذیر تھے، اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے میں ہاسٹل میں مقیم ہوگیا۔

یہاں آکر میں قدرے مطمئن ہوگیا تھا، اب روزانہ مسلم دوستوں سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتا اور عیسائیوں کے عقیدے کے بارے میں میں نے منظم مطالعہ شروع کردیا اور سب سے پہلے اپنے عیسائی ساتھیوں سے موجودہ اناجیل کے بارے میں بحث شروع کردی۔

مطالعہ کے دوران اناجیل اربعہ (انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا) میں سب سے زیادہ حقیقت کے قریب انجیل یوحنا کو پایا مگر تحریف سے وہ بھی پاک نہیں ہے، جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۶/ ۲۷ سور ۵۶ اور عدد ۴۳ میں ہے:

"میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تمام غلط اور باطل

نظریات کے ذریعہ بدل دیا گیا ہے۔"

انجیل یوحنا اصحاح ۲۰ عدد ۳۰ میں ہے:

"اور بہت سی نشانیاں جو حضرت عیسیٰ مسیح نے اپنے تلامذہ کے سامنے ظاہر کیئے وہ اس کتاب (موجودہ انجیل) میں نہیں لکھی گئی ہیں۔"

اس پس منظر میں بار بار میرے ذہن و دماغ میں سوال ابھرتا کہ آخر ان حقائق کو موجودہ انجیل کے صفحات میں کیوں نہیں لکھا گیا اس لئے موجودہ اناجیل یقیناً محرف ہیں اور اس کی نشاندہی خود انجیل اعمال الرسل اصحاح اعدد ۱۱ میں کی گئی ہے:

"اور کہا گیا اے لوگوں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے ہیں اسی طرح آسمان سے ایک روز تشریف لائیں گے۔"

یہ اسلامی نظریہ اور عقیدہ کی واضح تصدیق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا ہے ان کو سولی نہیں دی گئی ہے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک میں درجہ اعدادیہ کا طالب علم رہا اور اس دوران میرا قیام صوبہ سوہاج میں رہا، سوہاج کے شہروں میں واقع گرجا گھروں میں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ میں نے قصداً ادھر کا رخ نہیں کیا، البتہ اس دوران بار بار میرے ذہن میں نماز اور روزے کے بارے میں طرح طرح کے سوالات ابھرتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نماز اور روزہ کی پابندی کرتے ہوئے میں نے بارہا اپنے مسلم دوستوں کو دیکھا تھا۔

عیسائیوں کے عقیدہ میں دن رات میں سات نمازیں ہیں اگرچہ عیسائی صرف اتوار کے دن اور عید کے دن کی نماز پڑھتے ہیں اور اکثر تو نماز سے واقف ہی نہیں۔ نمازوں کے اوقات اس طرح ہیں (۱) صبح کی نماز (۲) تیسرے گھنٹہ کی نماز (اس میں یہ وضاحت نہیں ملتی کہ اس سے کیا مراد ہے دن یا رات؟) (۳) دن میں چھٹے گھنٹے کی نماز (۴) نویں گھنٹہ کی نماز (۵) غروب کے وقت کی نماز (۶) گیارہویں گھنٹے کی نماز (۷) آدھی رات کی نماز۔ ان مذکورہ ساتوں نمازوں میں موجودہ اناجیل اور مزامیر کے الگ الگ

مخصوص حصے ہیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر نماز کی کیفیت دوسری نماز سے مختلف ہے۔

پادریوں سے چند سوالات

عیسائی پادریوں سے میں بار بار سوال کرتا کہ آخر کس نے ان نمازوں کو مشروع کیا ہے، اور ان کی تفصیلات کس نے بتائی ہیں؟ ان کے اوقات کس نے متعین کیے؟ اور نمازوں کے مکلف، صرف وہی کیوں ہیں جو اناجیل اربعہ کو اچھی طرح قرأت کر سکے اور جو ناواقف ہو ان پر نماز فرض کیوں نہیں ہے؟

اور جب میں نے پوچھا کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اور جو نہیں پڑھتا ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ پڑھنے والوں کے لئے ثواب اور نہ پڑھنے والے پر عذاب ہے؟ اور کتاب مقدس میں وہ کون سی آیات ہیں جن سے ان نمازوں کا ثبوت ملتا ہو، یہ سن کر پادری حیران ہو گئے اور مجھے آج تک مطمئن نہیں کر سکے۔

اسی وقت میں نے پادریوں کو مخاطب کر کے کہا اس کے برخلاف اسلامی نماز میں تمام تفصیلات اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں، سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم کی سورتوں میں آیات کی قرأت، اللہ تعالیٰ کی تکبیر، تسبیح اور تہلیل اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پر مشتمل نماز کی پوری صفت اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ اس میں کسی طرح کی تحریف کی گنجائش نہیں۔

نیز اسلامی عقیدے میں نماز کی پابندی کرنے والوں کے لئے آخرت کی کامیابی، ثواب، جنت کی بشارت اور نماز ترک کرنے والوں پر اللہ کے غضب اور جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی وجہ سے اسلامی ارکان خمسہ میں دوسرا رکن نماز ہے، اسلام میں نمازی اور غیر نمازی کے درمیان واضح فرق موجود ہے، جب کہ تمہارے لئے اس کا تصور تک نہیں، تمہارے لئے صلیب کی پوجا ہی اصل عبادت ہے تو دراصل تمہارا دین وہ ہے جس پر تمہارا نفس راضی ہو۔

میری زندگی کا فیصلہ کن مرحلہ

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ ۱۹۷۷ء میرا آخری سال تھا اور اسی سال طویل بحث ومباحثہ اور جستجو کے بعد اللہ نے میرا سینہ کھول دیا، میں اس لمحہ کو یاد کرتا ہوں تو سر سجدۂ شکر کے لئے بارگاہ رب العزت میں جھک جاتا ہے اور اللہ کے اس فرمان کو بار بار زبان دہراتی ہے:

''سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینے کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے، اس کے سینہ کو تنگ دبے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر، اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر۔''

(سورۃ انعام آیت ۱۲۵)

اور میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب میں نے اسلام کے پہلے "اشھدان لا الٰہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ'' کا زبان سے اقرار کیا تو مجھے کتنی خوشی ہوئی اور کس قدر اطمینان وسکون ملا اس کلمہ کے اقرار کے بعد، کاش میں پہلے اس حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوتا۔

مجھے اسلام میں اپ اپ کو ڈھالنے میں دیر نہیں لگی اور میں پابندی سے فرائض کو ادا کرنے لگا مگر ابھی اسلام کو قبول کیے ہوئے چند ہی ماہ گذرے تھے کہ مجھ پر مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا، ہوا یوں کہ ایک دن ایک عیسائی طالب علم نے مجھے سوہاج شہر کی جامع مسجد القطب میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اس کو اپنی طرف سے مزید نمک مرچ لگا کر میرے والدین اور بہنوں کو بتا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے والدین نے مسلم دوستوں سے ملاقات اور ان کے ساتھ رہنے پر پابندی لگا دی اور مجھے اپنی خالہ کے یہاں سخت نگرانی میں منتقل کر دیا جو میرے لئے ایک قید خانہ سے کم نہیں تھا۔

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے کہ شدہ شدہ یہ خبر سوہاج کے بڑے پادری تک پہنچ گئی

اور ایک روز زبردستی مجھے اس بڑے پادری کے پاس میرے والدین لے گئے، جب میں پادری کے پاس پہنچا، تو مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور سلام کیا تو وہاں موجود بہت سارے عیسائی اور پادری کے خلاف توقع یہ میرا طرز تھا، اس لئے کہ عیسائیوں میں طریقہ ہے کہ جب کوئی پادری کا سامنا کرتا ہے تو اس کے سامنے فوراً جھک جاتا ہے، اس کے ہاتھوں اور چہرہ کو چومتا ہے اور کہتا ہے "نہارک سعید یا ابونا وسیدنا المطران" اے بڑے باپ آپ کا دن مبارک گذرے، لیکن میں نے اس طرح کی کوئی غیر اسلامی حرکت نہیں کی اس لئے وہاں موجود تمام عیسائی حیران ہو گئے اور مجھے نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

بڑے پادری نے مجھ سے کیا کہا

مجھے اپنے والدین، بہنوں اور دیگر متعصب عیسائیوں کی موجودگی میں بڑے پادری نے مخاطب کرتے ہوئے کہا اے نوجوان سچ سچ بتا تمہیں مال و دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے جن کو تمہارے والدین نے اب تک پورا نہ کیا ہو، آخر تم کس چیز کی لالچ میں بددین ہو گئے؟ اور سنو! اگر آئندہ میں نے سن لیا کہ تم مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہو تو میں تمہیں ذبح کر دوں گا اور ایسی جگہ دفن کر دوں گا کہ کالے کوے تک کو اس کی خبر نہ مل سکے گی اور یاد رکھو بقیہ تعلیمی ایام ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک اب تم مسلمان لڑکوں کے ساتھ نہیں گذارو گے بلکہ تم عیسائی اسٹوڈینس یونین کے تحت رہو گے، یہ کہہ کر بڑی حقارت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری طرف سے کسی جواب کا انتظار کئے بغیر مجھے پادری روم سے جانے کی اجازت دے دی میں نے پادرری کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ آخر پادریوں نے مجھے عیسائیوں کے ہاسٹل میں رہنے سے کیوں روکا؟ صرف اس لئے کہ میں ان کی سخت نگرانی میں رہوں اور آئندہ میں نماز کے لئے باہر نہ جاسکوں، حتیٰ کہ میرے اساتذہ (عیسائی) نے مجھ پر سخت اور کڑی نگرانی شروع کر دی اور مجھے پابند کر دیا کہ میں ہاسٹل میں تمام عیسائی لڑکوں کے

ساتھ نویں گھنٹے کی نماز میں شریک رہوں ورنہ سخت اذیتوں کے لئے تیار ہو جاؤں شروع میں عیسائی طالب علم اگر چہ میرے احوال سے ناواقف تھے لیکن اساتذہ پر میری حقیقت حال واضح تھی یہی وجہ ہے کہ بعض اساتذہ میرے پاس تنہائی میں آتے اور کہتے اے میرے بھائی حلمی تم ہم لوگوں کے ساتھ خوش ہو، کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے؟ تمہیں روپے یا کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی اور تم نے ہم سے نہیں بتایا تو ہم لوگ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکرو احسان ہے کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ اخلاق و کردار اور حسن معاملات کے ساتھ وقت گذارا اور کیوں نہیں جب کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' بڑے فخر اور مسرت سے کہتے ہیں کہ خدا کا فضل ہے کہ ابھی ہاسٹل میں مجھے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ میں دوبارہ سوہاج شہر کی جامع مسجد میں بغیر کسی پرواہ اور خوف کے نماز ادا کرنے چلا گیا، لیکن افسوس ہے کہ پانچوں نمازوں کے لئے مسجد نہیں جا پاتا۔ اور آخر کار وہ دن بھی آ گیا جب میں نے اپنا تعلیمی سفر پورا کر لیا اور ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۱ء میں ڈپلوما کی سند حاصل کر لی اور اس کے فوراً بعد میں نے اپنا ایڈمیشن فوج میں کروا لیا یہ کوئی دو سال کا کورس تھا، اس دوران میں الحمدللہ نماز کی پابندی کرتا رہا اگر چہ میرے تعاقب میں فوج میں بھی دشمن موجود تھے۔

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میرے والدین اور گھر والوں نے محسوس کر لیا کہ دن بدن اسلام کے لئے میرے پاؤں جمتے جا رہے ہیں تو نہایت غصہ میں ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کاش تم ایک لڑکی ہوتے اور تمہارے ساتھ زنا کا عمل کیا جاتا یہ ہمیں قبول تھا مگر تم نے ہمارے سر کو شرم سے جھکا دیا فضیحت اور عار میں مبتلا کر دیا اور دنیا کے سامنے ہماری ناک کٹا دی صرف اس لئے کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے مسیحی دین کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا۔

کاش میرے والدین اس طرح کہنے کے بجائے وہ میرے سینے پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے اور میں حضرت بلال حبشیؓ کی طرح احد احد پکارتا، اس وقت بے اختیار

میرے منھ سے یہ اشعار نکل پڑے۔

اے اللہ تیری محبت میرے خون اور ہستی میں سمائی ہے
دنیا کی بے پناہ گمراہیوں میں پڑا ہوں اور تو ہی میرا مددگار ہے
خدایا تو ہی میرا خالق ہے تو ہی میرا وکیل ہے
اے اللہ تو ہی میرے تمام امور کے لئے کافی ہے

نئی زندگی کا آغاز

یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو میں فوج سے واپس گھر لوٹ آیا تاکہ بقیہ زندگی اسلام کے مطابق گذاروں اور اس سفر کی تکمیل کروں جس کا میں نے آغاز کیا تھا اور فطرت کی آواز پر لبیک کہوں جو مجھے ہوش سنبھالنے کے بعد سننے کو ملی تھی، چونکہ سوہاج میں رہ کر مجھے آزادی حاصل نہیں تھی اس لئے میں نے عراق کا سفر کیا اور وہاں معمار کی حیثیت سے ایک کمپنی میں کام کرنے لگا۔ عراق میں مجھے اچھے مسلم دوست مل گئے اور مطمئن نہج پر میری زندگی گذر رہی تھی کہ اچانک میری ایک بہن کا تار آ گیا کہ میں فوراً اپنے وطن سوہاج واپس لوٹ آؤں اور ایئر فورس کا تقرری نامہ حاصل کرلوں چنانچہ میں فوراً گھر آ گیا اور وطن واپس آنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف مجھے گھر بلانے کا ایک بہانہ تھا۔

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ میرے گھر والوں کو اب تک یقین نہیں تھا کہ میں پورے طور پر اسلام میں داخل ہو گیا ہوں، اس لئے ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ فوراً چچازاد مسیحی بہن سے میری شادی کردی جائے تاکہ وہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور میری مسیحیت پر مہر لگ جائے، لیکن افسوس صد افسوس ان کی تدبیر پر، کیا ممکن ہے کہ جس قلب نے اپنے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمولیا ہو اور جس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی ہو کیا دوبارہ ضلالت کی طرف لوٹ جائے گا اگرچہ اس کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دیا جائے، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہرگز نہیں۔ اے اللہ تمہارے ہی لئے تعریف اور شکر ہے، میں نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو اپنے لئے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغمبر۔

مگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گئے اور نہ معلوم یہ سب کیسے ہو گیا کہ ۱۹۸۶ء میں میری شادی چچازاد عیسائی بہن سے کردی گئی، یہ شادی صرف چار سالوں تک کے لئے ہی برقرار رہ سکی، چار سال کی ازدواجی زندگی میں میرے دولڑکے ہوئے اور فوراً مجھے کہا گیا کہ دونوں لڑکوں کو لے کر گرجا گھر جاؤں اور وہاں پادریوں کے درمیان عمل تغطیس ''عیسائی بنانے والا عمل'' کرواؤں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو مولود مسلمان ہوتا ہے۔

مجھے اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صداقت کا احساس ہوا کہ ''ہر مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، عیسائی، یہودی اور مجوسی اس کے والدین بنادیتے ہیں تو بھلا میں اس عظیم گناہ کا ارتکاب کیوں کر کرتا، مجھے معلوم ہوا کہ تغطیس کا عمل سراسر کفر و شرک ہے، میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ اب تک میں تغطیس سے محفوظ رہا چوں کہ میری والدہ نے مجھے بتایا کہ ولادت کے بعد بھی میں اس لعنت سے محفوظ رہا وذالک من فضل اللہ

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ میں ایک عیسائی لڑکی سے شادی پر اس لئے راضی ہو گیا تھا کہ اس وقت میرا شعور پختہ نہیں ہوا تھا، والدین اور کنبہ کا خوف دامنگیر تھا لیکن اب تو میں ایک آزاد اور عاقل بالغ انسان ہوں، مجھے پورا حق ہے کہ حق کا بہانگ دہل اعلان کردوں اور دل کی گہرائیوں میں موجزن جذبات کا اظہار کردوں اور لوگوں کے سامنے اقرار و اعلان کردوں کہ میں اس دین و مذہب سے بری ہوں جو اسلام کے خلاف ہے۔

میں نے پادری سے چیلنج کیا کہ تم تو کہتے ہو کہ جس نے عمل تغطیس نہیں کیا وہ جنت میں نہیں جائے گا تو تم حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا جنت میں ہے یا جہنم میں؟ اور یقیناً تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ جنت میں ہیں تو آخر بغیر عمل تغطیس کے جنت میں کیسے داخل ہو گئے؟ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

اسلام کا باضابطہ اعلان

۲۰/۹/۱۹۹۰ء کو شہر ناصر سوہاج کے مکتبہ التوثیق میں میں نے اسلام قبول کے تئیں دیرینہ جذبات کا اظہار ایک مجمع عام میں کر دیا، اس وقت میں نے نہ کوئی خوف محسوس کیا اور نہ تردد، وقتی مصلحت یا کسی دنیوی غرض اور کسی کے دباؤ میں آ کر میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ میں اپنی فطرت وضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کی رضا اور اپنی آخرت کو سنوارنے اور اہل وعیال اور خاندان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے ہوئے کہ زمرۂ اسلام میں داخل ہوا اور اس کے لئے میں نے ہر اپنی محبوب چیز کو چھوڑ دیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو بندے سے یہی مطلوب ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی تو یقیناً اس کو اللہ اور اس کے رسول ملیں گے۔ اور اگر کسی نے کسی دنیوی غرض یا کسی عورت سے نکاح کے ارادے سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی۔

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والدین، بیوی اور بچوں کو چھوڑ دیا اگرچہ میری خواہش اور تمنا تھی کہ بیوی اور بچے میرے ساتھ رہیں تا کہ اللہ انہیں بھی ہدایت نصیب فرمائے مگر میری بیوی نے خود مجھ سے جدائی اختیار کر لی اس لئے کہ عیسائیوں نے میرے بارے میں اخباروں کے ذریعہ یہ خبر پھیلا دی تھی کہ میں نے اسلام دس ہزار پونڈ اور ایک مکان کے بدلے میں قبول کیا ہے۔

میں ان لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ میرے اسلام قبول کر لینے سے اسلام کو کیا فائدہ ملا؟ اور کیا اس کی وجہ سے اسلام میں فرد کی زیادتی ہوگئی، کیا میں دنیا میں پہلا فرد ہوں جس نے اسلام قبول کیا ہو، یہی نہیں میرے اسلام قبول کرنے کی خبر پورے شہر میں پھیلنے کے دس دن بعد ہی میرے پاس میرے والدین اور بہن، بیوی اور بڑا لڑکا آیا اور سب نے بیک زبان یہ کہا کہ تم اپنی مرضی سے یہ لکھ کر ہمیں دو کہ میں پاگل ہو گیا ہوں اور اس کی ایک سند بنا لوں (العیاذ باللہ) آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ روشنی کے بعد کسی کو ضلالت پسند ہے؟ اللہ سے دعا ہے کہ حالت ایمانی ہی میں دنیا سے لے جائے اور آخرت میں صالحین اور مومنین کی زمرے میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ بچوں سے جدائیگی کے چھ ماہ بعد ۱۰؍۳؍۱۹۹۱ء کو میں نے عدالت سے درخواست کی کہ کم ازکم میرے بچے میرے حوالہ کردیئے جائیں اس سے پہلے کہ عیسائیت کی مسموم فضاؤں میں ان کی نشو ونما اوران کے عقیدے کے اندر فساد آئے میرے پاس آجائیں، چنانچہ عدالت نے میری درخواست منظور کرلی اور بچوں کو میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ صادر کردیا۔

اس وقت میرے بڑے لڑکے کی عمر تین سال اور چھوٹے لڑکے کی عمر چودہ ماہ ہے، مجھے یقین تھا کہ بچوں کے ساتھ بیوی بھی ضرور میرے ساتھ آجائے گی اور ایک نہ ایک دن اسلام کے لئے نرم بھی ہوجائے گی لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان دونوں بچوں کے لئے بھی اس کی ممتا نہ جاگی اور کسی حال میں بھی میرے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہوئی، یہ درحقیقت اسلام کے خلاف عیسائیت کی دشمنی کی ایک بدترین مثال ہے کہ اس نے ممتا کے مقابلے میں اسلام دشمنی کو ترجیح دی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ماں کے قدموں تلے جنت ہے''۔

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ ابھی میں بچوں کی پرورش اور تربیت کے بارے میں فکر مند ہی تھا کہ اللہ نے میری زندگی میں ایک مسلمان دیندار عورت کو شریک حیات بنا کر داخل کردیا اور زندگی کے مصائب کے سامنا کے لئے ایک بہترین ساتھی دیدیا۔ وہ بچوں کو الفت ومحبت اور ممتا کے علاوہ اسلامی اخلاق وکردار سے مزین کررہی ہے، بے شک اللہ نے میری سابقہ بیوی سے بہتر بیوی، رضاعی بہنوں سے بہتر بہنیں اور جس ماں نے مجھے دودھ پلایا ہے ان سے مشفق ماں اور والدین کے گھر سے زیادہ پرسکون اور اچھا گھر مجھے عطا فرمایا اس کے لئے پروردگار کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ فللہ الحمد والشکر ۰

سابقہ نام : رام چندر **سابقہ مذہب** : ہندو

اسلامی نام: محمد علی **ملک کا نام** : ہندوستان

تبلیغی جماعت کی محنت سے رام چندر کے قبول اسلام کا واقعہ اور

جہاد افغانستان میں شرکت کی روح پرور داستان

ہمارے گاؤں میں زیادہ تر گھر مسلمانوں کے تھے اور تبلیغی جماعت والے وہاں تبلیغ کرنے اکثر آیا کرتے۔ سات آٹھ سال کی عمر میں میرا ان سے واسطہ پڑا میرے والد کی پرچون کی دکان تھی۔ وہ مجھ سے کہتے کہ میں تبلیغی جماعت والوں کی خدمت کروں تاکہ وہ اپنی ضرورت کے لئے سودا سلف ہماری دوکان سے خریدیں اپنے والد کی اس ہدایت کے مطابق میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا۔ ان کے لئے پانی بھر کر لاتا اور انہیں لکڑیاں خرید کر دیتا۔ ان کا رہبر بن کر ان کے ساتھ مسلمانوں کے گھر جاتا، ان کے علاوہ بھی جو کام وہ کہتے میں کرتا۔ تبلیغی جماعت والے اس سے بہت خوش ہوتے اور مجھے شاباش دیتے، میرا نام پوچھتے میں بتاتا کہ میرا نام چندر ہے تو سن کر تعجب کا اظہار کرتے وہ کہتے کہ حیرت ہے اس گاؤں میں مسلمان ہمارے ساتھ تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں جبکہ ایک ہندو بنیے کا بچہ ہمارے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ لوگ بھی ہماری دوکان سے سودا سلف خریدتے، بیماری کے وقت ہم لوگ ان سے تعویذ بھی لیتے اس طرح مجھے تبلیغی جماعت والوں کے قریب آنے کا مسلسل موقع ملتا رہا۔

گاؤں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس لئے مسلمانوں کے رسم و رواج میرے لئے کوئی نئے نہ تھے، مگر تبلیغی جماعت والوں سے جب واسطہ پڑا تو میں شعوری طور پر مسلمانوں کی طرف کچھ زیادہ ہی توجہ دینے لگا اور ان کے متعلق میری سوچوں کے

دائرے پھیلتے چلے گئے۔ اتنی چھوٹی عمر میں مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور احسان تھا جس نے میری ذہن کو اسلام کے بارے میں سوچنے پر لگا دیا ورنہ سب جانتے ہیں یہ عمر غور وفکر کی نہیں بلکہ صرف کھانے پینے اور شرارتیں کرنے کی ہوتی ہے۔

میں نے جب پہلی بار تبلیغی مسلمانوں کو اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے دیکھا تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ ہم ہندوؤں میں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، وہاں تو چھوت چھات کا راج ہے، جب میں نے پہلے دن تبلیغی جماعت والوں کو اکٹھے کھاتے دیکھا تو میرا خیال تھا کہ ایک دوسرے کی بیماریاں ان سب کو لگ جائیں گی اور کل وہ لوگ بیمار ہو جائیں گے، دوسرے دن میں انہیں غور سے دیکھتا رہا، مگر ان میں سے کوئی بھی بیمار نہ تھا۔ وہ جتنے دن بھی رہے تندرست رہے مگر مجھے حیرانیوں اور پریشانیوں میں ڈال گئے، میں اپنے والدین سے پوچھا کرتا تو وہ ٹال جاتے مگر میں سوچتا رہتا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہندو اکٹھے کھائیں تو انہیں ایک دوسرے کی بیماریاں لگ جائیں مگر مسلمانوں کو کچھ بھی نہ ہو، میں ابھی انہی سوچوں میں گم اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا ہوتا کہ دوسری تبلیغی جماعت آ جاتی اور وہ میرے ذہن میں اسلام کی کوئی اور بات ڈال جاتی۔ تبلیغی جماعت کے جانے کے بعد میں ان کی بتائی ہوئی باتوں کا مقابلہ اپنے مذہب سے کرنے لگ جاتا مگر میرا چھوٹا سا ذہن کسی نتیجے تک نہ پہنچ پاتا، یہ باتیں میرے ذہن میں گردش کرتی رہتیں مگر زبان پر نہ آتیں۔

میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا مجھے ہندومت سے محبت تھی، پیار تھا، عشق تھا۔ ہندومت میرا ایمان تھا مجھے اپنے دیوتاؤں اور بھگوان کی مورتیاں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھیں لیکن تبلیغی جماعت والوں کی باتیں مجھے پریشان کر دیتیں۔ میں فیصلہ نہ کر پاتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ انہی سوچوں میں دن گزرتے رہے۔

ہمارے گاؤں کے اکثر لوگ شیعہ تھے۔ محرم میں وہ تعزیے نکالتے۔ ہندو عورتیں بھی تعزیوں کو بہت مانتی تھیں جن کے ہاں اولاد نہ ہوتی وہ تعزیوں کے نیچے سے گزرتیں، منتیں مانتیں اور نذرانے پیش کرتیں، میں بھی ان ہی کی دیکھا دیکھی تعزیے کے

جلوسوں میں شریک ہوتا اور ان لوگوں کی آواز میں آواز ملا کر مرثیے پڑھتا۔ ہمارے گاؤں سے کوئی سوا کلومیٹر دور چمبریا گاؤں کے قریب شنکر مندر تھا جہاں میں اکثر جایا کرتا، وہاں کرشن اور گائے ماتا کی مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں گائے ماتا کا منہ اور سری کرشن کا پاؤں آپس میں ملتے تھے عورتیں دودھ لاتیں اور دونوں کے چرنوں میں ڈالتیں۔ سادھو دودھ اکٹھا کر کے فروخت کر دیتے۔

تبلیغی جماعت والے اسلام کی نئی نئی باتیں میرے ذہن میں ڈالتے اور جب میں پریشان ہونے لگتا تو مندر چلا جاتا مگر وہاں بھی ذہن کو سکون نہ ملتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میں جنگل میں بھٹک رہا ہوں دور سے کسی کی آواز سنائی دیتی ہے، میں آواز کی طرف بھاگنا چاہتا ہوں مگر کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا، مزید پریشان ہو جاتا ہوں۔

میرے ماں باپ مجھے شری کرشن، رام چندر، بعد میں لچھمن، سیتا اور سادھوؤں کی کہانیاں سنایا کرتے۔ کبھی میں وہ کہانیاں سن کر جھوم اٹھتا تھا اور وہ بہت اچھی لگتی تھیں، میں اپنی والدہ اور دادی سے یہ کہانیاں نے کی بار بار فرمائش کرتا تھا مگر اب یہ کہانیاں کوئی سناتا تو مجھے اچھی نہیں لگتیں، مجھے مسلمانوں کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حضرت ابوبکرؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ وحسینؓ کے واقعات بہت اچھے لگتے۔"

جب تبلیغی جماعت والے یا دوسرے مسلمان یہ واقعات بیان کرتے تو میں بڑے غور سے سنتا۔ میرے دل میں ان ہستیوں کے لئے ایک محبت اور عقیدت پیدا ہوتی جا رہی تھی، میں تفصیل سے جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون تھے، میں اپنے مذہب پر غور کرتا تو پریشان ہو جاتا میں ڈرتا تھا کہ اگر میرے بھگوان کو میرے خیالات کا پتہ چل گیا تو وہ مجھے جلا کر بھسم کر دے گا۔ ان خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا مگر ناکام رہتا۔ یہ کشمکش جو آٹھ سال کی عمر میں شروع ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ ہمارے گاؤں سے دو کلومیٹر دور، بڑا گاؤں بازار ہے، میں وہاں کے پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ میرے ہم جماعت زیادہ تر مسلمان تھے ان میں جعفر علی بھی تھا جو میرا دوست تھا، اسی اسکول میں میرے گاؤں کے ایک استاد نسیم صاحب بھی پڑھاتے تھے، میں جعفر علی سے اسلام کے بارے میں معلومات لینے لگا، وہ میری ہی طرح کم عمر تھا مگر اسلام کے بارے

میں کافی معلومات رکھتا تھا۔ وہ اکثر اسلام کے متعلق مجھے بتاتا اور میں بھی اس سے طرح طرح کے سوالات پوچھتا رہتا، کبھی کبھی وہ ماسٹر نسیم صاحب سے میرے سوالوں کے جواب پوچھ کر دیتا۔

پرائمری اسکول کے بعد میں اور جعفر جونیئر مڈل اسکول گھوسی میں آگئے، یہاں بھی ایک مسلمان استاد عبدالغنی صاحب تھے۔ یہ مدھوبن گاؤں کے رہنے والے تھے، جعفر علی، عبدالغنی صاحب کا رشتے دار بھی تھا، اس نے میرے بارے میں عبدالغنی صاحب کو بتایا تو انہوں نے مجھ پر خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی انہوں نے اسلام کے متعلق میری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے، میں سوچتا ہندو بھی تو کہتے ہیں کہ بھگوان ایک ہے۔ پھر مسلمانوں کے اللہ اور ہندوؤں کے بھگوان میں ناموں کے سوا کیا فرق رہ جاتا ہے، میں نے یہی سوال ایک دن جعفر اور عبدالغنی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مسلمان اس خدا کو مانتے ہیں جس نے پوری کائنات کو بنایا، پھر انسان کو پیدا کیا، اور اس کی ضرورت اور خدمت کے لئے جمادات، نباتات اور حیوانات پیدا کئے۔ مسلمان اس خدا پر ایمان رکھتے ہیں جو سورج اور چاند کی گردش کو کنٹرول کرتا ہے اور آسمانوں سے بارش برساتا اور ہوائیں چلاتا ہے، اسے کبھی اونگھ نہیں آتی، وہ خود کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے، وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اور اسے کسی مٹی یا پتھر کے بت میں قید نہیں کیا جا سکتا، وہ اتنی قوت والا ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے کے لئے انبیاء بھیجتا ہے اور انسانوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے لیکن ہندو جن، مٹی، پتھر اور لکڑی کے بتوں کو بھگوان سمجھ کر پوجتے ہیں، وہ سب انسانوں کے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں، یہ سب انسان کی تخلیق ہیں اور خالق ہمیشہ اپنی مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اعلیٰ کبھی ادنیٰ کے سامنے نہیں جھکتا۔ اس لحاظ سے بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو، پھر ہندو جن بتوں کو بھگوان اور ایشور کا درجہ دے کر خدا کی طرح ان کی پوجا کرتے ہیں، ان کے اندر اتنی بھی سکت نہیں کہ وہ اپنے اوپر بیٹھی

ہوئی کسی مکھی کو بھی اڑا سکیں، یا کسی ایک تنکے ہی کو تخلیق کر سکیں، پھر بھگوان اور ایشور کی مورتیوں کی چوریاں بھی ہوتی ہیں اور وہ اپنی چوریاں بھی نہیں روک سکتیں، اس لئے یہ بھگوان یا ایشور کے بت خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ حقیقی خدا تو وہ ہے جس کی مرضی سے درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا اور جس کے تخلیق کردہ اس نظام میں بھگوان یا ایشور کے سارے بت مل کر بھی کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔ کیا بھگوان یا ایشور کے یہ بت کبھی سورج کو مغرب سے طلوع کر سکتے ہیں؟ کیا وہ بارش برسا سکتے ہیں؟ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اگر کوئی انہیں گندے نالے میں پھینک دے تو وہ باہر نہیں نکل سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''اگر آسمان اور زمین میں ایک اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔'' (الانبیاء)

ان کی اس گفتگو نے میرے ذہن کے دریچے کھول دیئے تھے اور میرے سوچنے کی راہیں اور وسیع ہو گئی تھیں مگر صراط مستقیم سے میں ابھی بھی بہت دور تھا۔

جعفر اور عبدالغنی صاحب کی گفتگو کے بعد میں سوچتا تو مجھے اپنا مذہب ایک فریب نظر آتا۔ ہندوؤں کی ایک ایک رسم اور عبادت کے مناظر میرے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگتے، کس طرح لڑکیاں اور لڑکے مل کر ہولی اور دیوالی کے تہواروں میں غیرت کا جنازہ نکالتے ہیں گن پتی کے دن ہندو اپنے دیوتاؤں کا کیا حال کرتے ہیں۔ وہ مٹی کے بھگوان بناتے، ایک ہفتہ ان کی پوجا کرتے اور پھر گن پتی کے دن پتھر اور مٹی کے اپنے ان خداؤں کو دریاؤں اور سمندر میں پھینک دیتے، وہ مٹھائی کے بھگوان بنا کر لاتے، ان کی سیوا یعنی پوجا کرتے، پھر سب مل کر بیٹھتے کوئی اپنے اس مٹھائی سے بنے ہوئے بھگوان کی ناک اتار کر کھانے لگتا، کوئی کان، کوئی دانت، اور کوئی دوسرا حصہ کھا رہا ہوتا اور یہ بھگوان اپنے ہی پجاریوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ یہ سب دیکھ کر مجھے یقین آنے لگتا کہ جعفر صحیح کہتا ہے کہ جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور پھر ہم ان کی پوجا کیوں کریں، یقیناً جعفر کا خدا ہی حقیقی خدا ہے اور وہی پوجا کے لائق ہے، لیکن نہ جانے لاشعور میں ابھی تک ان بتوں کا خوف میرے دل کو گھیرے

ہوئے تھا اور خوف زبان سے ایک لفظ بھی ان بتوں کے خلاف نہیں نکلنے دیتا تھا۔ ایک طرف دل جعفر کے خدا کی سچائی کی گواہی دینا چاہتا تو دوسری طرف پنڈتوں، سادھوؤں اور والدین کے کرشن، ایشور، بھگوان اور دوسرے دیوتاؤں کے بارے میں سنائے ہوئے مافوق الفطرت واقعات ذہن میں گھومنے لگتے اور میں ڈر جاتا، سچائی کی روشنی میرے دل ودماغ میں جلتی اور بجھتی رہتی۔

میری عجیب کیفیت تھی، رات دن میرے ذہن میں بھگوان اور خدا کے تصور گڈمڈ ہوتے رہتے۔ جعفر مجھے اکثر اسلام کے بارے میں بتاتا رہتا، ماسٹر نسیم اور عبدالغنی صاحب بھی کبھی کبھی اسلام کے بارے میں بتاتے۔ جعفر مجھے اپنے نبیوں کے قصے سناتا، ایک دن اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ وہ بت پرست قوم میں پیدا ہوئے اور ان کا باپ آزر خود بت بنایا کرتا تھا لیکن ابراہیم علیہ السلام انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ پھر ایک رات اور دن کو وہ ستاروں، چاند اور سورج کو طلوع اور غرب ہوتے دیکھ کر کس طرح ان کے خدا ہونے کے اقرار وانکار کی کیفیت سے گزرے۔ جعفر نے یہ سارا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سننے کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ ایک دن یقیناً میں بھی سچائی کو پالوں گا۔ میں میٹرک میں تھا جب جعفر علی اور عبدالغنی صاحب کے کہنے پر میں نے اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ، موت کا منظر، مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ قیامت کب آئے گی؟ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا۔ کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت اور آیت الکرسی تو میں نے زبانی یاد کرلی۔ جب کوئی مشکل پیش آتی یا خوف کی فضا ہوتی تو میں دل ہی دل میں کلمہ طیبہ پڑھتا اور اللہ سے مدد مانگتا، مجھے یاد ہے کہ جس رات اسکائی لیب گرنے کا واقعہ ہونے والا تھا میرے والد بتوں کی پوجا کر رہے تھے اور میں دل ہی دل میں رات بھر کلمہ طیبہ پڑھتا رہا۔

جن دنوں میں اسلامی کتب اور قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا مجھے رات کو خواب میں اکثر ایک بزرگ نظر آتے۔ بزرگ کی سفید داڑھی اور چہرے پر ایک نور ہوتا اور میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا، خواب میں اگر میں گھبرا جاتا تو مجھے تسلی دیتے اور کہتے:

''اے راہ حق کے مسافر! کامیابی کے لئے تجھے ابھی آگ کے دریا میں سے گزرنا ہوگا، ایمان کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے، مشکلات میں صبر اور ہمت سے کام لوگے تو آگ کے دریا سے بسلامت گزر جاؤ گے''۔ مجھے ان کی باتیں اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتی تھیں کہ یہ آگ کا دریا کیا ہے اور ایمان کی رسی کیا ہے لیکن بعد میں جب واقعی آگ کے دریا آئے تو ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

۸۲-۱۹۸۱ء میں ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شودر مسلمان ہوئے تھے۔ ۱۹۸۳ء میں بھی مسلمان ہونے والے شودروں کی تعداد بہت زیادہ تھی، یہ سب کچھ ہندوؤں کے تعصب اور چھوت چھات کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ میں بھی ذہنی طور پر مسلمان ہونے کے لئے بالکل تیار تھا لیکن گھر والوں، پنڈتوں اور دوسرے ہندوؤں سے ڈرتا تھا کہ وہ مجھے ماریں گے، شودر جو مسلمان ہو رہے تھے ان کے تو پورے پورے خاندان اور برادریاں مسلمان ہو رہی تھیں، اس لئے انہیں تو کسی قسم کا ڈر نہیں تھا جبکہ میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ گاؤں کے دوسرے افراد کے مسلمان ہونے کے واقعات میرے سامنے تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد کس طرح ان پر ظلم وتشدد ہوا۔

۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں اسکول سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ لوگوں کا مجمع دیکھا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ کسی شخص کو جلایا گیا ہے، اب وہاں صرف لکڑیوں کا دھواں اٹھ رہا تھا، لیکن گاؤں میں تو کوئی ہندو نہیں مرا تھا اور یہ ہندوؤں کے جلانے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ ''یہاں کسے جلایا گیا ہے؟'' میں نے وہاں کھڑے کئی افراد سے پوچھا مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا، بعد میں پتہ چلا کہ ۲۰ سالہ معصوم لڑکی کو جلایا گیا ہے، یہ ایک ذہین لڑکی تھی جب یہ کالج میں پڑھتی تھی تو ایک مسلمان طالب علم سے اس کا رابطہ ہوا، اس کے ذریعے اس نے اسلام کا مطالعہ کیا، اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے اور اس طالب علم سے بحث ومباحثے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی صراط مستقیم ہے اور راہ نجات ہے، اس نے اسلام قبول کر لیا مگر اپنے مسلمان ہونے کو خفیہ رکھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد وہ گھر میں رہ رہی تھی کہ ایک دن گھر والوں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا، اس پر تشدد کا ہر طریقہ آزمایا گیا تا کہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ ہندو

ہو جائے، اس لڑکی نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا، اس لئے ہر قسم کا تشدد برداشت کیا مگر اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔

جب گھر والے اور ہندو پنڈت مایوس ہو گئے تو اسے گاؤں سے باہر لے جایا گیا اور کرسی سے باندھ کر زندہ جلا دیا گیا، وہ زندہ جل کر شہید ہو گئی اور ہندو اس قدر ظلم وتشدد کے باوجود اس کے قدم راہ حق سے ایک انچ بھی پرے نہ ہٹا سکے، وہ ایسی چٹان تھی جسے باطل اپنے سامنے جھکا نہ سکا۔ ایک اور آدمی لطیف الرحمٰن جو غالب پور کا رہنے والا تھا، اس کا انجام بھی میرے سامنے تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کے گاؤں کے ہندوؤں نے اس کی جبری نس بندی کر دی۔ ان کے علاوہ بھی کئی واقعات میرے سامنے تھے۔ میں سوچتا کہ کیا مسلمان ہونے کے بعد اس تشدد سے بچ جاؤں گا اور اگر تشدد ہوا تو کیا میں اس قدر سختی برداشت کرلوں گا۔ میں اپنے اندر اتنا تشدد برداشت کرنے کی ہمت نہ پاتا۔

ہمارے ہی علاقے کا ایک آدمی بانکے رام مسلمان ہو کر ضیاء الرحمٰن بن گیا تھا۔ یہ اس وقت مسلمان ہوا تھا جب میں بہت چھوٹا تھا۔ ضیاء الرحمٰن صاحب آجکل سعودی عرب میں استاد ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں میری بھابھی مایا کی چھوٹی بہن ریشماں سے میری منگنی ہو گئی۔ اس منگنی نے اب میرے مسلمان ہونے کے راستے میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دی تھی، پہلے میں صرف اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے خوفزدہ تھا، اب یہ بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دیگر رشتے دار بھی ماریں گے۔ ایک طرف مار اور تشدد کا خوف تھا اور دوسری طرف اسلام قبول کرنے کے لئے دل بے قرار ہو رہا تھا، میں رات دن اپنے خدا کو پکارنے لگا کہ یا اللہ میری مدد کر جو راستہ تو نے دکھایا ہے اس پر چلنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمادے۔

میں اس بات سے بھی خوفزدہ تھا کہ مسلمان ہو گیا تو میرے ماں باپ اور بہن بھائی سب مجھ سے چھوٹ جائیں گے، جب میں نے اس کا ذکر جعفر علی سے کیا تو اس نے مجھے قرآن کی آیت سنائی اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے مسلمانو! تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور

اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں
اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ
اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی رکھے گا تو (وہ اللہ کے گروہ
میں سے ہے اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا ہے۔"

(المائدہ ۵۵/۵۶)

پھر سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے اہل ایمان! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے
مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی
رکھیں گے تو وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے اور بھائی
اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور
وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو پسند
کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، اللہ کی راہ
میں جہاد کرنے سے، تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ
اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

ان کے علاوہ بھی اس نے کئی آیات اور احادیث سنائیں اور میں یہ سب کچھ
سن کر حیران رہ گیا کہ کتنا مکمل دین ہے اور قرآن کتنی مکمل کتاب ہے کہ جو سوچو، اس کا
جواب پہلے ہی اس کتاب میں موجود ہے۔ آخر وہ دن آ پہنچا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے
اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرنے کی توفیق دے دی۔ یہ بروز بدھ ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء کو صبح
دس بجے کا وقت تھا جب میں کریم الدین پور میں، جہاں پانچ ہزار مسلمان رہتے ہیں،
مولانا رضوان احمد رضوی صاحب کے پاس پہنچ گیا اور اسلام قبول کرلیا، میرا اسلامی نام
محمد علی رکھا گیا۔

میں نے شروع میں ا[illegible] اسلام کو خفیہ رکھا، جمعے کا دن تھا میں مسجد میں جا کر
جمعہ پڑھنا چاہتا تھا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا، جمعے کے دن مسجدوں کے دروازوں پر
بہت بڑی تعداد میں ہندو اپنے مریضوں اور بچوں کو دم کرانے کے لئے کھڑے ہوتے

ہیں اور کئی ہندو چیزیں بیچنے کے لئے بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے پہچان لئے جانے کا خطرہ تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لئے مولانا رضوان صاحب میرے لئے جعلی داڑھی اور مونچھیں لے آئے اور مجھے لگادیں۔ علی گڑھ کا کرتا پاجامہ اور کھڑی ٹوپی پہنی۔ مولانا صاحب نے شیروانی بھی دی، آنکھوں پر لگانے کے لئے چشمہ بھی دیا، اس طرح حلیہ بدل کر میں مولانا کے ساتھ مسجد میں آیا، میری شکل کسی بہت بڑے عالم کی طرح لگ رہی تھی۔

میں نماز کی عملی ترکیب سے آگاہ نہیں تھا، جب امام صاحب دو فرضوں کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوگیا، سجدے میں گیا تو داڑھی گر پڑی، میں نے مونچھیں بھی اتار کر جیب میں ڈال لیں، دوسرے سجدے میں عینک بھی اتار لی، نماز سے فارغ ہوکر لوگ میری طرف تعجب سے دیکھنے لگے، میں اس صورت حال سے گھبرا گیا، مولانا رضوان صاحب نے تسلی دی۔ وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اعلان کردیا کہ رام چندر ولد جمنا داس مسلمان ہوگیا ہے، اس لئے آپ بھی اسے خفیہ رکھیں، اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ رام چندر کو جس کا اسلامی نام محمد علی ہے دہلی بھیج دیا جائے تاکہ وہاں وہ ہندوؤں کے ظلم وستم سے بچ کر تعلیم حاصل کرسکے (یہ اعلان مسجد کے اندر کیا گیا اس لئے دروازے کے باہر کھڑے لوگوں کو یہ آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی) نمازیوں نے یہ سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور بہت خوش ہوئے، مجھے مبارکباد دی اور سب نے میرے لئے استقامت کی دعا کی۔

اتفاق سے اسی جمعے کو میری دادی بیمار تھی وہ بھی دم کرانے مسجد کے دروازے پر آئی ہوئی تھی، میں مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس نے مجھے پہچان لیا اور چیخ کر پوچھا: تو مسجد سے آرہا ہے؟ میں نے کہا: ''ہاں دادی اماں! میں مسلمان ہوگیا ہوں'' یہ سننا تھا کہ اس نے میرے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا۔ برا بھلا کہنے لگی، شور مچادیا اور چیخ چیخ کر ہندوؤں کو پکارنا شروع کردیا، چیخ و پکار سن کر اردگرد کے ہندو، مسلمان جمع ہوگئے، مسلمان تو خوش تھے جبکہ ہندوؤں کے چہروں پر غیظ وغضب دیکھنے والا تھا یہ صورتحال دیکھ کر میں پریشان ہوگیا اور دل ہی دل میں اللہ سے مدد کی دعا کرنے لگا۔

ہندو بڑے چالاک اور مکار تھے، وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودگی میں وہ مجھے نہیں پکڑ سکتے، اس لئے پولیس کو بلالائے، پولیس نے مجھے گرفتار کرلیا اور گھوسی تھانے میں لے گئی، میرے ایمان کی آزمائش کا دور یہاں سے شروع ہوگیا۔ تھانے دار نے پہلے پیار سے پوچھا کہ تمہیں کس نے ورغلایا ہے؟ اس کا نام بتادو، ہم اس کی ہڈی پسلی ایک کردیں گے اور تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ''مجھے میرے دل نے ورغلایا، میرے رب نے ورغلایا ہے، مجھے سچائی نے ورغلایا ہے'' میں نے جواب دیا۔

''تھانے دار صاحب! اس معصوم بچے پر مسلوں نے جادو کردیا ہے، یہ رام چندر نہیں اس کے اندر کوئی مسلا بول رہا ہے'' ایک ہندو نے آواز لگائی۔ تھانے دار پھر پیار سے پوچھنے لگا ''دیکھو بیٹا! ہم جانتے ہیں کہ مسلے بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں، ہمارے بچوں کو بے وقوف بناتے ہیں، تم ابھی بچے ہو اور سیدھے سادھے بھی ہو، تم اس عمر میں ان کی چالاکیوں کو نہیں سمجھ سکتے، اگر تمہیں انہوں نے روپے پیسوں کا لالچ دیا ہے تو وہ بھی بتادو۔''

''مجھے کسی مسلمان نے روپے پیسے کا لالچ نہیں دیا، میں نے اسلام کو سچا دین جان کر قبول کیا ہے'' میں نے بتایا۔ ''دیکھو بیٹا! ان مکار مسلموں کی خاطر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہ لوگ تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے اور کسی مصیبت میں تمہارا ساتھ نہیں دیں گے، مصیبت کے وقت ہمیشہ اپنے بہن بھائی ہی کام آتے ہیں، اس لئے تم بھگوان سے معافی مانگ لو، بھگوان بہت اچھے ہیں وہ تمہیں معاف کردیں گے، پنڈت جی اور ہم سب مل کر بھگوان سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کریں گے، اگر بھگوان کو تم نے جلد راضی نہ کیا تو ان کا غصہ تمہیں تباہ کردے گا۔'' تھانے دار نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے جواب دیا:

''میں تمہارے کسی بھگوان کو نہیں مانتا اور نہ مجھے تمہارے کسی بھگوان کی خوشی اور ناراضگی کی پرواہ ہے۔ تمہارا بھگوان اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تو اڑا نہیں سکتا، میرا کیا بگاڑے گا؟''

''ذلیل کمینے، ہمارے سامنے ہمارے بھگوان کی شان میں گستاخی کرتا ہے،

میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کردوں گا" تھانے دار چیخا۔ مجھے زمین پر لٹا دیا گیا اور ڈنڈوں سے پٹائی شروع ہوگئی، تشدد نا قابل برداشت تھا۔ میں ذہنی طور پر اس تشدد کے لئے تیار ہو چکا تھا، میں جانتا تھا کہ یہ میرے ایمان کی آزمائش کا وقت ہے، یہ وہی آزمائش کی بھٹی ہے جس میں سے حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت خبیبؓ جیسے صحابی گزر کر سونا بنے تھے۔ ان عظیم ہستیوں کے واقعات جعفر علی مجھے سنا چکا تھا۔ مشرکین مکہ کے مظالم اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت مجھے یاد تھی، مجھے آج انہی کی سنت پر چلنا تھا مجھے سورۃ العنکبوت میں دیا جانے والا خدا کا یہ حکم بھی یاد تھا، جو میں نے کتاب میں پڑھا تھا:

> "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ضرور یہ معلوم کر کے رہے گا (اظہار ایمان میں) سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔" (سورۃ العنکبوت آیت ۲)

مجھے اپنی سچائی کو ثابت کرنا تھا، اس لئے میں نے اپنے اللہ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے کہا: "اے اللہ! میں کمزور ہوں، اس ظلم وتشدد کے مقابلے میں مجھے ثابت قدم رکھنا، جس طرح تو نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی، اب اسی طرح اس کی سچائی کی شہادت کی توفیق بھی دینا۔" مشرکین مکہ اگر ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرتے تھے تو یہاں بھی مشرک اور کافر ہندو ہزاروں بتوں کی پوجا کرتے تھے بلکہ کافروں نے تو گائے اور ہنومان (بندر) کو بھی دیوتا کا درجہ دے رکھا تھا۔ ایک بات اور مشترک تھی وہ یہ کہ دونوں ظالم اور ہٹ دھرم تھے۔

ہر چوٹ پر میری زبان سے آہ کے ساتھ نکلتا "یا اللہ مدد کر" اللہ کا لفظ سن کر ہندو کے ڈنڈے میں اور زور آجاتا اور وہ غصے میں اور زیادہ زور سے مارتا۔ تشدد بڑھتا جارہا تھا، میں ڈر رہا تھا کہیں میرا حوصلہ، میری ہمت جواب نہ دے جائے، جب بھی ہمت جواب دینے لگتی تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ میرے ذہن میں

گونجنے لگتے:

''جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی، یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔'' (حم السجدہ آیت: ۳۲/۳۰)

اس سے مجھے حوصلہ ملتا، پھر اس نو مسلم لڑکی کی استقامت بھی میرے سامنے تھی ایک لڑکی ہو کر وہ زندہ جل گئی، لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، یہ سوچ کر میری ہمت بندھ جاتی۔ جس قدر وہ مار سکتے تھے، انہوں نے مجھے مارا، مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب وہ میرے پاؤں کے تلووں پر ڈنڈے مارتے تھے تو ان کی چنگاریں مجھے اپنی آنکھوں سے نکلتی محسوس ہوتی تھیں، اگر میرے اللہ کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی اور وہ مجھے ہمت و استقامت نہ دیتا تو شاید میں یہ آزمائش کبھی برداشت نہ کر پاتا۔ مسلمانوں نے مقدمہ دائر کیا، جب معائنے کے لئے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو اس نے مجھے پاگل قرار دے دیا اور اس پر جج نے مقدمہ خارج کر دیا، اس لئے کہ دونوں متعصب ہندو تھے۔ انہیں اپنے فرائض سے زیادہ اپنے جھوٹے بھگوان کی خوشنودی عزیز تھی۔

مجھے ڈیڑھ ماہ تک جیل میں رکھا گیا جب بھی میں کچھ کہنا چاہتا، دو دو تین تین ہندو سپاہی مجھے مارنا شروع کر دیتے اور اس وقت تک مارتے رہتے جب تک میں بے ہوش نہ ہو جاتا۔ بعض اوقات میں مار سے گھبرا جاتا اور شیطان مجھے ورغلانے لگتا کہ بہتر ہے دوبارہ ہندو ہو جاؤں۔ یہ بات مجھے اور پریشان کر دیتی، میں خدا کے حضور جھک جاتا اور دست دعا دراز کرتا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت کرنے کے بعد (غلط راستے کی طرف) نہ پھیر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت فرما، بے شک تو ہی دینے والا ہے'' (آل عمران)

اور بھی بہت سی دعائیں جو یاد تھیں میں اللہ کے حضور مانگتا رہا ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک دعا جو بنی اسرائیل، ظالم فرعون کے ظلم سے نجات کے لئے خدا سے مانگا کرتے تھے۔

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو ان لوگوں سے نجات دے جو کافر ہیں۔''

(سورۂ یونس)

دوسری دعا کا تعلق بھی فرعون ہی کے ظلم سے ہے اور یہ دعا وہ ہے جو فرعون کے بارے میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اللہ سے مانگی تھی:

''اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر ڈال دے اور فرمانبرداری کی حالت میں ہم کو موت دے۔'' (سورہ اعراف)

ڈیڑھ ماہ بعد مجھے ہندوؤں کے حوالے کر دیا گیا۔ ہندوؤں نے پہلے میرے ماں باپ کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی، طرح طرح کے لالچ اور دھمکیاں دیں مگر میں کسی طرح بھی دوبارہ ہندو بننے کو تیار نہ تھا۔ تنگ آ کر انہوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنا لیا، مجھے اپنا انجام اس نومسلم لڑکی کی طرح نظر آنے لگا میں سوچنے لگا، جانے ہندو مجھے کیسی کیسی اذیتیں دے کر قتل کریں گے یا پھر اس نومسلم لڑکی طرح مجھے بھی زندہ جلا دیں گے۔ کیا میں یہ سب کچھ برداشت کر پاؤں گا۔ دل کہتا کہ جس اللہ نے پہلے والا ظلم و تشدد برداشت کرنے کی ہمت دی تھی وہی اللہ آئندہ برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔ میں نے ہندوؤں کے قبضے سے بھاگنا چاہا مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار اب میرے لئے کوئی نئی نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے میرے ساتھ یہی سلوک ہو رہا تھا۔ اب بھی متعصب ہندو بھوکے کتوں کی طرح مجھ پر پل پڑے، کوئی بال کھینچ رہا تھا اور کوئی گالیاں دے رہا تھا، ان سب اپنوں اور بیگانوں میں صرف ایک میری بھابھی مایا تھی جو مجھے ان خونی ہندوؤں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، گاؤں کے مسلمان بھی بے بس تھے، پولیس کے خوف سے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

دور دور سے پنڈت، ٹھاکر اور سادھو آئے ہوئے تھے۔ وہ ہر حالت میں مجھے ہندو بنانا چاہتے تھے، مجھے اس قدر مارا گیا کہ میں بے ہوش ہو گیا، ہوش آیا تو میرے پاؤں میں موٹی رسی بندھی ہوئی تھی اور مجھے گھسیٹتے ہوئے شنکر مندر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ آزمائش کے اس لمحے میں ماں باپ، بہن بھائی سب میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے بلکہ وہ بھی دوسرے ہندوؤں کی طرح میرے خون کے پیاسے بن چکے تھے۔ وہ مجھے مسلسل گھسیٹتے رہے، میری ساری پشت شدید زخمی ہو چکی تھی، راستے میں کبھی بے ہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آ جاتا۔ معلوم نہیں وہ اس قدر اذیت دے کر مجھے کیوں قتل کرنا چاہ رہے تھے، وہ مجھے نومسلم لڑکی کی طرح آگ کیوں نہیں لگا دیتے تا کہ میں جلد ہی مر جاؤں اور اس قدر اذیت سے جان چھوٹ جائے۔ شاید ارد گرد کے دیہات میں جو شودر اور ہریجن مسلمان ہوئے تھے ان سب کا بدلہ وہ مجھ سے لے رہے تھے۔ میں ایک بے بس شکار کی طرح ان کے قابو میں آ چکا تھا اور ہر کوئی مجھے نوچ رہا تھا، قہقہے لگائے جا رہے تھے اور میرے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی گندی گالیاں دی جا رہی تھیں۔

اس اذیت کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مجھے دی جا رہی تھی تکلیف سے میرا برا حال تھا، راستے کے کنکر اور کانٹے میرے جسم میں چبھتے جا رہے تھے، میں خدا سے دعا مانگنے لگا:

"یا اللہ! میری موت کو آسان کر دے اور میری زندگی کا
خاتمہ ایمان پر لانا، یا اللہ مجھے اس اذیت سے نجات دلا۔"

اس حالت میں بھی جب میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتا تو مجھے سکون محسوس ہوتا اور یوں لگتا جیسے مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں۔ شنکر مندر ہمارے گاؤں سے تقریباً سوا کلومیٹر دور ہے، گھوسی کے قریب ندول گاؤں ہے۔ ندول اور چمبریا گاؤں کے بیچ میں ایک جنگل ہے اور وہیں جنگل میں یہ مندر ہے، مندر کے سامنے ایک تالاب ہے، اس کا نام ڈنگواں تالاب ہے، اس کے کنارے شمشان گھاٹ ہے، جہاں ہندو اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ اب ہندو مجھے یہاں زندہ جلا دیں گے۔ اللہ سے ملاقات کی خوشی میں ایک لہر سی میرے پورے جسم میں دوڑ گئی میں اپنے آپ کو اس دنیا سے بہت دور

دوسری دنیا میں دیکھنے لگا۔ ''موت کا منظر، مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ جو کتاب پڑھی تھی اس کا بیان کردہ ایک ایک منظر میرے ذہن میں گھومنے لگا۔ اللہ کے حضور میرے دل سے دعا نکلنے لگی:

''یا اللہ! دوزخ سے بچانا، قبر کا حساب آسان کرنا، اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب کرنا، اور اپنے دیدار کی سعادت بخشنا۔''

مندر میں لے جا کر میرے کپڑے اتار کر جلا دیے گئے اور پیلے رنگ کی دھوتی پہنا دی گئی، راکھ لا کر میرے بدن پر ملی گئی اور ماتھے پر تلک لگایا گیا، انہوں نے میرا سر منڈا دیا اور چٹیا (بودی) چھوڑ دی، سور کے دو بچے لائے گئے، ان کو قتل کر کے ان کے خون سے مجھے غسل دیا گیا، پھر پنڈت آیا، اس نے کتھا شروع کی وہ رامائن پڑھنے لگا۔ یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ ہندو مجھے زندہ جلانے سے پہلے اپنی رسومات ادا کر رہے ہیں، ان سب رسومات کو دیکھ کر میں خدا سے عرض کرنے لگا کہ ''یا اللہ! میرا ان رسومات سے کوئی تعلق نہیں، تو جانتا ہے کہ میں یہاں بے بس ہوں، اس لئے مجھے معاف کر دینا''۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کتھا مکمل کرنے کے بعد پنڈت نے اعلان کیا کہ محمد علی رام چندر ہو گیا۔ یہ اعلان سن کر ہندو خوشی سے ناچنے لگے، مٹھائی تقسیم کی گئی اور ہندو ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔

میرے لئے یہ فیصلہ غیر متوقع ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ بھی تھا، مرنے کے لئے میں تیار ہو چکا تھا اور ہندو جس طرح کی زندگی مجھے دینا چاہتے تھے وہ مجھے قبول نہیں تھی۔ میں رام چندر بن کر ایک لمحہ بھی نہیں گزارنا چاہتا تھا اور محمد علی بن کر ہزار بار موت کو گلے لگانے کو تیار تھا۔ میرے لئے زندگی کے یہ لمحات پہلی تمام اذیتوں سے بھی زیادہ اذیت ناک تھے ان کی مبارکبادیں اور خوشی کے قہقہے میرے سینے میں خنجر کی تیز نوک بن کر چبھ رہے تھے، میں زیادہ برداشت نہ کر سکا اور اعلان کر دیا:

''ہندوؤ! سن لو تم لوگ مجھے دوبارہ ہندو نہیں بنا سکتے۔ میں خدائے واحد کو چھوڑ کر پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ

ریز نہیں ہو سکتا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں، مجھے مسلمانوں کے پاس جانے دو۔"

یہ کہنا تھا کہ انہوں نے پھر مجھے مارنا شروع کر دیا، وہ وقفوں وقفوں سے مارتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی، مجھے مندر کے اندر بند کر دیا اور تالے لگا کر سارے ہندو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مندر میں بند کرتے وقت پنڈت نے کہا: "تم بھگوان کے دشمن ہو، تم بھگوان کی شکتی کے منکر ہو، تم ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتے ہو، آج رات بھگوان کی کرپا (طفیل) سے جن اور بھوت تمہیں کھا جائیں گے۔"

"اگر رام چندر ہوتا تو شاید کھا جاتے مگر خدائے وحدہ لاشریک کی قسم، میں اب محمد علی ہوں، جن بھوت میرا نام سن کر ہی خاک ہو جائیں گے۔" میرے منہ سے نکلا مندر میں کالی مائی کلکتے والی کا خوفناک بت تھا، اس کے علاوہ گنیش اور ہری کرشن بت تھے۔ گائے ماتا کے بت بھی تھے، رات کے سناٹے میں میں مندر کے اندر تنہا تھا اور ایک خوفناک منظر تھا، اگر مسلمان ہونے سے پہلے مجھے یہاں اس طرح رات گزارنا پڑتی تو شاید خوف کے مارے میں چند لمحوں میں مر جاتا، لیکن اب تو مجھے اپنے خدا پر کامل یقین تھا کہ یہ پتھر اور مٹی کے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن اس کے باوجود دل میں ایک خوف تھا۔ آخر ساری زندگی ان بتوں کو بھگوان سمجھ کر پرستش کرتے ہوئے اور ان کے مافوق الفطرت کارناموں کے سینکڑوں من گھڑت قصے سنتے ہوئے گزاری تھی، اس لئے ابھی تک لاشعور میں ان کا خوف باقی تھا، شاید اس خوف کو ذہن سے نکالنے کے لئے ہی میرے اللہ نے مجھے یہاں بند کرایا تھا اس خوف کو دور کرنے کے لئے میں ساری رات اللہ کا ذکر کرتا رہا جو آیات اور دعائیں یاد تھیں وہ پڑھتا رہا۔

میری پشت شدید زخمی تھی، اس لئے چت لیٹ کر نہیں سو سکتا تھا، ویسے بھی درد کی ٹیسیں پورے جسم سے اٹھ رہی تھیں اور رواں رواں دکھ رہا تھا۔ جانے رات کو کس وقت اور کس طرح اللہ نے نیند دے دی اور شدید تکلیف میں اس نیند سے اللہ تعالیٰ بعد میں بھی مجھے نوازتا رہا۔ دوسرے دن سارے ہندو مجھے زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے، مگر ان بت پرستوں کی قسمت میں گمراہی لکھی جا چکی تھی، اس لئے یہ سب کچھ دیکھ کر بھی وہ حق کو

قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ تسلیم کر لیتے کہ مٹی اور پتھر کے بھگوان کسی شکتی یا طاقت کے مالک نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ کسی انسان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں الٹا کہنے لگے''ہمارا بھگوان رحم دل ہے، وہ تمہیں سیدھے راستے پر آنے کا مزید موقع دینا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے تجھے جنوں اور بھوتوں سے بچائے رکھا اس لئے ہم تم سے کہتے ہیں کہ جتنی جلدی ہو سکے ہندومت کو دوبارہ قبول کر لو۔ اگر تم نے ہندومت کو جلدی قبول نہ کیا تو پھر بھگوان کی ناراضگی تمہیں بھسم کر کے رکھ دے گی۔''

میں ان کی بات سن کر ہنسا کہ پتھر کے بتوں میں بھی دل ہے اور وہ بھی رحم دل ہیں۔ میں نے ان سے کہا:''تمہارے یہ مٹی اور پتھر کے بھگوان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہاں اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لئے نہیں جلنا چاہتے تو اسلام قبول کر لو۔''

ایک دفعہ پھر مجھ پر تشدد شروع ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ ان ظالموں سے مجھے بچانے والا یہاں کوئی نہیں، لیکن دل نے اس کی تردید کرتے ہوئے گواہی دی کہ میرا اللہ تو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے، اور اللہ سے بڑا محافظ بھلا کون ہو سکتا ہے؟''بے شک اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور کیسا اچھا مددگار!'' پچھلے چوبیس گھنٹوں سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا، اور نہ کھانے کو مجھ کچھ دیا گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے بھوک برداشت کرنے کی ہمت دی ہوئی تھی۔ میرے ماں باپ اور بہن بھائی تو دوسرے ہندوؤں کے ساتھ مل کر مجھے مار ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایک میری بھابھی ہی رحم دل تھی جس نے مجھے گھر میں بھی ان ظالموں سے بچانے کی کوشش کی تھی، اور پھر جیل سے بھی رہائی کے لئے اس نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ اب بھی اس نے بڑی منتوں اور کوششوں سے ان پنڈتوں اور پجاریوں سے میرے لئے کھانا لانے کی اجازت لی تھی، جانے اس کے لئے اس نے کیا کیا جھوٹ بولے ہوں گے، میری اس حمایت پر میرے بھائیوں سے اسے مار بھی پڑی تھی لیکن جس طرح اس نے میرا ساتھ دیا وہ میں کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک رحم دل بہن اور پیار کرنے والی ماں کا حق ادا کیا۔ وہی صبح و شام مندر میں کھانا لے کر آتی۔

مندر کے دن اور راتیں میرے لئے بہت اذیت ناک تھیں۔ زخموں کا درد نہ دن کو چین سے بیٹھنے دیتا نہ رات کو آرام سے سونے دیتا۔ میں اس بت کدے میں دن رات رو رو کر اللہ سے دعا کرتا "اے اللہ! تو حق ہے، اسلام حق ہے، تیرا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی برحق ہے، اے اللہ! اگر میری زندگی ہے تو پھر مجھے ان ظالم کافروں سے نجات دلا دے، اگر نہیں تو پھر مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے، کافروں کی مار اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی" اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔ میرے ذہن میں اللہ نے ایک بات ڈال دی کہ مجھے اب یہاں سے رات کو فرار ہونا چاہیئے۔

مندر بہت وسیع و عریض تھا اور رات کو یہاں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ فرار مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں تھا۔ مندر کی دیواریں بہت اونچی تھیں میں نے جائزہ لیا کہ میں بتوں کے اوپر چڑھ کر روشن دان تک پہنچ سکتا ہوں، اگر ایک عدد رسی مل جائے تو اسے بت کی گردن سے باندھ کر روشندان کے ذریعے باہر لٹکا کر آرام سے باہر نکل سکتا ہوں۔ میں نے بھابھی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا، دوسرے دن جب وہ کھانا دینے آئی تو میں نے اپنے منصوبے کا اس سے ذکر کیا۔ منصوبہ سن کر اس نے کہا "ہائے! آپ بھگوان کے سر پر چڑھ کر بھاگیں گے؟" لیکن ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے سب کچھ کروں گی۔ رات کو جب وہ کھانا دینے آئی تو اپنے کمر سے باندھ کر ایک رسی بھی لے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ جہاں تم نے اب تک میری اتنی مدد کی ہے وہاں میرا ایک آخری کام بھی کر دینا۔ فلاں مسلمان کو پیغام دے دینا کہ میں آج رات یہاں سے بھاگ کر آؤں گا اور وہ مجھے پیپل کے درخت کے قریب ملیں۔

بھابھی میرے یہاں سے فرار ہونے پر خوش بھی تھی اور افسردہ بھی۔ اس نے جاتے ہوئے کہا "رام چندر!" "نہیں بھابھی میرا نام محمد علی ہے" میں نے تصحیح کی۔ چلو محمد علی ہی سہی، مجھے تم اپنے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہو، مجھے اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ تم جب یہاں سے چلے گئے تو پھر شاید میں زندگی بھر تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں لیکن تمہیں یہاں اس طرح پٹتے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ تم نے جتنے دکھ اٹھائے ہیں میرے دل پر بھی اتنے ہی زخم لگے ہیں، میں راتوں کو تمہارے لئے روتی رہی ہوں، میں نے تمہارے

بھائی، ماں اور باپ کو بہت سمجھایا مگر میری کوئی نہیں سنتا، یہاں سے جانے کے بعد تم مجھے یاد تو بہت آؤ گے، مگر مجھے اطمینان اور خوشی ہے کہ تم اس عذاب سے چھوٹ جاؤ گے۔ میری دعا ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ بھگوان تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں خوش رکھے''۔

''بھگوان نہیں اللہ کہو بھابھی جان''میں نے کہا تو وہ ہنس کر بولیں، چلو اللہ ہی کہہ لو۔ اتنی رحمدل بھابھی سے بچھڑنے کا مجھے بھی بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جانے لگی تو میں نے سوچا کہ اس مدد پر اس کا شکریہ ہی ادا کر دوں، میں نے آواز دے کر اسے واپس بلایا اور کہا''بھابھی جان مصیبت میں جب ماں باپ اور بہن بھائی سب ساتھ چھوڑ گئے اور خون کے پیاسے ہو گئے تو میرے خدا کے بعد صرف تم ہو جس نے میری مدد کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کن الفاظ میں تمہارا شکریہ ادا کروں میں تمہاری یہ محبت اور شفقت زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھولوں گا۔ میری خاطر تم نے جس طرح مار کھائی ہے، اور تکلیفیں اٹھائی ہیں میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں اتار سکتا''۔

میں نے دیکھا کہ بھابھی کی آنکھوں میں آنسو بھر چکے تھے اور وہ دوپٹے سے انہیں پونچھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ان کی کی آواز سسکیوں میں دب کر رہ گئی اور وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

کالی مائی کی پتھر کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی، میں نے رسی اس کی زبان سے باندھی اور روشن دان سے باہر نکال دی، میں اس کام سے فارغ ہوا تو یکلخت میرے ذہن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ گھوم گیا۔ جب شہر کے لوگ باہر میلے میں گئے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں داخل ہو کر کسی بت کا سر اڑا دیا، کسی کا کان، کسی کی ناک اور کسی کے ہاتھ، میں نے سوچا کیوں نہ میں بھی اس بت خانے کا وہی حشر کر کے سنت ابراہیمی کا ثواب کماؤں۔ میرا جسم زخموں سے چور چور تھا، زخم خراب ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود میں نے سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، میں نے مندر کے اندر لگے ہوئے پوسٹر پھاڑ دیے اور ایک اینٹ اٹھا کر بتوں کا حلیہ بگاڑنے لگا اور کسی کی ناک، کسی کا ہاتھ، کسی کا کان، اور کسی کی آنکھ ضائع کر دی۔ مرغ کی اذان سے وقت کا اندازہ لگایا اور رسی کے ذریعے روشن دان کے باہر کود گیا۔

مسلمان پیپل کے قریب میرا انتظار کر رہے تھے، میرے جسم پر صرف ایک دھوتی تھی، میں نے اپنے اوپر گزرنے والے حالات سے مختصراً مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے کار میں سوار کیا اور جون پور کے ''ریاض العلوم'' میں لے آئے۔ جونپور ہمارے گاؤں سے ۱۰۰ کلو میٹر دور ہے مولانا عبدالحلیم صاحب وہاں کے مہتمم تھے، ہم لوگ کچھ دیر ان کے پاس رہے اور پھر مولانا صاحب کے حکم کے مطابق بمبئی روانہ ہو گئے۔

بمبئی میں حاجی شمس الدین صاحب کے پاس قیام ہوا۔ یہ بھی میرے گاؤں کے رہنے والے اور ہمسائے تھے۔ حاجی صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان کا بمبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے وہ جمعیت العلمائے ہند کے اہم عہدیدار بھی ہیں اور طیبہ کالج مدن پورہ کی انتظامیہ کے بھی سیکریٹری ہیں۔ میں شدید زخمی تھا، مجھے فوراً ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، میری پشت کی کھال سے کئی آپریشنوں کے بعد سینکڑوں کنکریاں اور کانٹے نکالے گئے جو گھسیٹنے کے دوران میری کھال میں چبھ چکے تھے۔ چھ ماہ تک میں ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ اسی دوران میرا ختنہ بھی ہوا۔ حاجی صاحب کے پاس تقریباً ایک سال رہا اس کے بعد مجھے دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں میں تین سال تک رہا، ان تین برسوں میں ابتدائی اردو، قرآن ناظرہ اور درجہ اولیٰ کا امتحان پاس کیا۔

اس دوران مجھے اپنی بھابھی کی یاد آتی رہی لیکن اس سے جا کر مل نہیں سکتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ گھر والے بھی مجھے تلاش کرتے رہے کیونکہ مجھے دوبارہ ہندو بنانے کی خواہش ان کی پوری نہیں ہوئی تھی ایک دن مجھے پتہ چلا کہ حاجی صاحب بمبئی سے گاؤں جا رہے ہیں میں نے اپنی بھابھی کے نام انہیں ایک خط دیا اور تاکید کی کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ گھر والوں کو نہ جانے کس طرح میرا پتہ چل گیا اور مجھے پکڑنے کے لئے دوسرے ہندوؤں سمیت بمبئی آ پہنچے ان کی ایماء پر پولیس مدرسے اور حاجی صاحب کے گھر بار بار چکر لگاتی رہی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حاجی صاحب نے دوسرے علماء سے میرے بارے میں مشورہ کیا کسی نے مشورہ دیا کہ اسے سعودی عرب بھیج دیا جائے اور کسی نے کہا ایران، آخر فیصلہ ہوا کہ پاکستان سب سے اچھا رہے گا۔ مجھے بعد میں جہاد افغانستان میں دلچسپی

ہوئی اور میرا دل میدان جہاد میں جانے کے لئے بے قرار ہونے لگا۔ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگیں۔ اسی شوق کی تکمیل میں، میں نے ۱۹۸۷ء میں افغانستان کی طرف سفر کیا، صوبہ پکتیا میں الفتح غنڈ کے قریب فیض پوسٹ پر قیام ہوا۔ سرفراز صاحب ہمارے کمانڈر تھے میں یہاں سولہ دن رہا، اس دوران میں نے اسلحے کی ابتدائی ٹریننگ لی اور حاجی چھاؤنی پر حملے میں بھی شرکت کی۔ دوسری دفعہ جمعیت المجاہدین کے امیر کے ساتھ خوست کے قریب باڑی کے علاقے میں گیا۔ یہاں ایک ہفتہ رہا اور لڑائی میں شرکت بھی کی، اس لڑائی میں ایک بارودی سرنگ سے امیر صاحب کی بائیں ٹانگ اڑ گئی، خون فوارے کی طرح بہنے لگا لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی زندگی کی آخری سانسوں میں بھی ہمیں جہاد کی تلقین کرتا رہا۔ آدھ گھنٹے کے بعد شہید ہو گئے اسی معرکے میں ایک مجاہد عبدالستار ملتانی کا بھی پاؤں شدید زخمی ہو گیا۔ ٹانگ کاٹنے کا کہا تو اس نے خود ہی اپنی پنڈلی جو تھوڑے گوشت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی کھینچ کر علیحدہ کر دی۔ بروقت طبی امداد نہ ملنے اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے یہ بھی شہید ہو گئے۔

میں صوبہ پکتیا میں ارگن اور خوست کے قریب مانٹری کنڈو کے محاذ پر بھی گیا، باڑی کے محاذ پر کمانڈر خالد زبیر بھی میرے سامنے شہید ہوئے اور خالد محمود اور عبدالرحمٰن کی ٹانگیں بھی کٹ گئیں۔

میں جب بھی افغانستان گیا میری ہمیشہ خواہش رہی کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کے اعزاز سے نوازے لیکن شاید ابھی تک میں اپنے آپ کو شہادت کے قابل ثابت نہیں کر سکا۔

سابقہ نام :ڈاکٹر راجر جارودی **سابقہ مذہب**:عیسائیت **ملک کا نام** :فرانس

ایک فرانسیسی عیسائی ملحد نے کس طرح اسلام قبول کیا

فرانسیسی نومسلم اور ممتاز فاضل ڈاکٹر راجر جارودی نے جنہیں شاہ فیصل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ہونے والی تقسیم انعامات کی تقریب میں خدمت اسلام کا نصف ایوارڈ دیا گیا، انہوں نے ایک تقریر میں اپنے مسلمان ہونے کے اسباب ومحرکات پر روشنی ڈالی۔

یہ تقریر فرانسیسی میں تھی جس سے اُس کا عربی ترجمہ ہوا اور اس سے پھر اسے اردو کا جامہ پہنایا گیا۔ اس وجہ سے بعض مقامات پر مصنف کے مفہوم تک پہنچنے میں کچھ اشکال پیش آنے کا احتمال ہے۔ لیکن یہ تقریر ایک سابق عیسائی، ایک ملحد، ایک کمیونسٹ کے قبول اسلام کی داستان ہے اس لئے اس کی اپنی ایک علمی اہمیت ہے۔

ڈاکٹر راجر جارودی علامہ اقبال کے بھی بڑے مداح ہیں اور ان کی مراکشی عرب بیگم نے تو مجھے کہا کہ ہمارے لئے تو پاکستان کی پہچان اقبال ہی سے ہے۔ اس تقریر میں بھی آپ کو کہیں کہیں فکر اقبال کی جھلک نظر آئے گی۔

اب تقریر ملاحظہ فرمایئے!

''میں جو کچھ کہوں وہ کوئی اعتراف نہیں بلکہ ایک پون صدی پر محیط زندگی میں پیش آنے والے واقعات ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں جب میں اپنی عمر کے بیسویں سال میں پہنچا تو اس وقت وہ اقتصادی بحران اور کساد بازاری جس نے ۱۹۲۹ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا وہ یورپی ممالک تک کا احاطہ کر چکی تھی۔

صنعتی دنیا میں ستر کروڑ افراد بے روزگاری کا شکار ہو چکے تھے اور بچوں کو

دودھ تک ہاتھ نہیں آتا تھا، ہزاروں دودھیل گائیں ہالینڈ کے مذبح خانوں میں لے جائی جارہی تھیں، گندم کو شعلوں کی نذر کیا جارہا تھا اور جینوا کی بندرگاہ میں تو لوگ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے آپس میں دست و گریباں ہو پڑتے تھے۔

۱۹۳۳ء ہی وہ سال ہے جس میں ہٹلر نے اپنے ملک میں زمام حکومت سنبھالی اور یہی وہ وقت تھا جب اٹلی میں فاشزم نے پر پرزے نکالے اور مسولینی نے ایتھوپیا کو تباہ کرنے کے لئے تیاری کا آغاز کیا۔ اس کے تین سال بعد ہٹلر اور مسولینی کی شہ پاکر فرانکو نے جمہوریہ اسپین سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ میں شعور و آگہی کی عمر کو پہنچا تو میرا خیال تھا کہ میں دنیا کا انجام دیکھ رہا ہوں اور اس کے آخری ایام میں زندگی بسر کر رہا ہوں، اس مضطرب دنیا میں جب اندیشے اور وسوسے دل کو گھیرے ہوئے تھے میں نے زندگی کے دو اہم فیصلے کئے جن کے لئے میں نے پہلے اپنے آپ کو قابل نہیں پایا تھا۔

میرے والدین دینی لحاظ سے ملحد تھے، مگر میں نے مسیحیت اختیار کرنے کو ترجیح دی، سیاسی نقطہ نگاہ سے میرے والدین تقلید پسند تھے، مگر میں ۱۹۳۳ء میں ہی کمیونسٹ پارٹی فرانس کے ساتھ منسلک ہوگیا، مسیحیت کو اختیار کرنے کا فیصلہ میں اس لئے کیا تھا کہ:

''میں اپنی زندگی کو کسی قدر بامعنی تو بناؤں''

یہ شاندار مقولہ کیرک گارڈ کا ہے جو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے ضمن میں کہا ہے اور یہی مجھے نسل ابراہیم سے ملانے کا موجب بنا۔ مہلک انتشار میں کھینچ کر لے جانے والے حکماء کی دانش میں مخفی دیوانگی کی حقیقت جب مجھ پر منکشف ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ جب عقل و دانش توقف کرتی ہے تو پھر ایمان کا آغاز ہوتا ہے۔

میں نے اشتراکیت کو ایک ایسی دنیا میں اختیار کیا جو تشدد کے سامنے جھک چکی تھی، اور ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے اندر وہ فعالیت پیدا کروں جس کا میں لمبے عرصے سے فقدان محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اشتراکیت کے پیروکار، انتشار و افتراق تک کھینچ کر لے جانے والی سرمایہ داری اور نازیت کے بدترین دشمن ہوتے تھے۔ اور اس زاویہ نگاہ نے ہمارے اوپر ایک دہشت طاری کردی تھی۔ صدی کے تیسرے حصہ تک اعصابی ٹوٹ پھوٹ کے خطرے کے باوجود میں نے کوشش کی کہ اس

زنجیر کے دونوں سروں کو پکڑ رکھوں۔

مارکسزم میرے لئے ایک عقیدہ یا نظریہ حیات نہیں بلکہ ایک ایسی تاریخی پیش رفت اور اقدام کے طور پر آیا جس سے فنی اور علمی طور پر ایک وقت کے لئے کسی معاشرے میں بنیادی تنازعات کو حل کیا جا سکتا تھا اور ایسا منصوبہ بنایا جا سکتا تھا جو ایسے پروگرام پر محیط ہو، باقی رہا عقیدہ سو وہ میری زندگی کو ایسا مقصد عطا کرتا تھا جس سے میرے عمل کو فعالیت ملتی تھی، مجھے اس میں کوئی تضاد و تنافر نہیں بلکہ تکمیل و اتصال کا پہلو نظر آتا تھا۔ اتنے طویل عرصہ میں مسیحیت اور مارکسیت میں رابطہ و تعلق ایجاد کرنے میں لگا رہا مگر نہ میں اس پر نادم ہوں نہ معذرت خواہ۔ جب میں بچہ تھا تو مغرب میں شہزادہ عبدالکریم کو استعماری جنگ کے خلاف لڑتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا اور مجھے اس وقت ان کی صفوں میں کام کرنے پر بڑا فخر ہوتا تھا۔ وہ تن تنہا اسپین میں روایت پسندوں کو معاہدۂ میونخ کے خلاف منظم کرتے تھے جس کے تحت چیکوسلواکیہ کو ہٹلر کے پاس فروخت کر دیا گیا تھا۔

مجھے اپنے صداقت پر ہونے کا اس وقت اور یقین ہو گیا جب فرانس کو ہٹلر کے سامنے شکست سے دوچار ہونا پڑا اور مجھے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کو طارن کے علاقہ میں ایک لڑاکا دستہ تشکیل دینے کے الزام میں روک دیا گیا۔ مجھے ۲۳ ماہ قید کی سزا سنائی گئی اور یہ عرصہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑا۔ آزادی کے بعد ابتدائی سالوں میں ہونے والی کشمکش اور ویت نام کی نئی سامراجی جنگ میں بھی نبرد آزما ہوئے مگر اب ہمارے شعور و دانش کے راستے بدل گئے تھے، اور بوڈاپسٹ سے پراگ تک کے واقعات نے ہمیں ۱۹۱۷ء سے تجسم اختیار کرتے اشتراکیت کی کچھ مختلف صورت دکھائی اور اسٹالن گراڈ میں محنت کشوں اور مجبوروں کی مضطرب امیدوں نے بھی کئی گوشے بے نقاب کئے۔ اسٹالن کی غلطیوں اور جرائم کی رسوائی بخشنے والی بیسویں کانفرنس کے نتیجے میں کی جانے والی اصلاح کی کوششیں بھی کیتھولک چرچ کی احیائے دین کی جدوجہد کی طرح مکمل ناکامی سے دوچار ہوئیں تو میں نے ۱۹۶۴ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام میں نے ''چرچ کی لعنت سے گفتگو تک'' رکھا یعنی ایک مارکسی کا خطاب مجلس کلیسا تھا۔

یہ کتاب ۱۴ زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور اس کا مقدمہ ایک جرمن عیسائی فادر کارل راحنر نے لکھا جو مجلس کلیسا میں الٰہیات کے متخصص علماء میں سے ایک عالم تھے۔ یہ آخری چیخ تھی جس کے ذریعہ ہم نے مضطرب دنیا کو برادرانہ گفتگو کی دعوت دی جس سے محبت کا شعور کوسوں دور ہو چکا تھا، ہمارے نوجوانوں میں امید کی جو شمع روشن ہوئی تھی وہ ۱۹۶۸ء کے موسم بہار میں ہی بجھ گئی کیونکہ اسی سال ہمارے نوجوانوں نے یہ راز پالیا کہ ترقی کا مغربی نمونہ جو زیادہ سے زیادہ اور برق رفتار پیداوار کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کا ''انقلابی'' وصف اس نظام کو ایسے ہی دوسرے بحرانوں سے ہمکنار کرنے کا موجب ہے۔

اسی سال میں اس تصور نے جنم لیا کہ متبادل نظام ہونا چاہیے جس کے تحت زندگی بسر کی جاسکے اور یہ کہ مغربی دنیا کوئی ایسا نظام فراہم کرنے سے قاصر ہے، مغربی دنیا سے ہماری مراد تمام مغرب ہے خواہ یہ مغربی بلاک ہو یا مشرقی کیونکہ وہ ممالک جو اشتراکی کہلاتے ہیں وہ بھی اور ان کا اتباع کرنے والی اشتراکی پارٹیاں خود بھی اسی ترقی کا نمونہ بن چکی ہیں۔ جلد ہی وہ مدنیت جس کے تحت یہ ترقی پروان چڑھ رہی تھی الزامات کی زد میں آگئی، اور ہمیں ایک ایسے بحران کا سامنا کرنا پڑا کہ زندگی کے معنی ہی محض سوال بن کر رہ گئے۔ پھر ایسا کذاب پروپیگنڈہ کرنے والے پیدا ہوئے جو سالوں تک ہمارے نوجوانوں کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ ہماری زندگی اور مشترک تاریخ کے کوئی معنی نہیں۔

ایک مشہور ترین عالم حیاتیات، حیاتیاتی سطح پر زندگی کے بعض ادوار کی توجیہ کرنے والے علم کو زندگی کے تمام پہلوؤں کو پھیلا کر اس کی ایسی تعبیر کر رہا ہے جس کا مقصد ہمیں اس بات کا قائل کرنا ہے کہ ہمارا وجود محض ''ضرورت'' اور ''اتفاق'' کی بناء پر قائم ہے نہ کہ کسی انسانی ولالت کی وجہ سے، ہمارا یہ مشہور فلاسفر انفرادیت پسندی اور انانیت یعنی تصوریت مطلقہ (یعنی یہ کہ صرف میں ہی موجود ہوں اور فکر صرف اپنے ہی تصورات تک رسائی حاصل کرسکتی ہے) تک جاتا ہے اور زندگی کی یوں تعریف کرتا ہے کہ زندگی ایک لاعلاج خواہش ہے اور دوسرے ہی جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ ادیب ناول نگار (Absurdity) کا راگ الاپتے ہوئے کہتا ہے کہ واحد برا امکان یہ ہے کہ ہم تصور

کرلیں کہ انسان بھلا ہو جائے گا وہ مسلسل اس نوع کے اقوال ہمارے کانوں میں ڈالتا رہتا ہے اس کا ایک قول میں یہاں نقل کرتا ہوں:

''انسان صرف حرکت کرنی والی ایک پتلی ہے جسے ہیاکل نے ایک اسٹینڈ پر رکھ دیا ہے۔''

''معبود کی موت'' کا اعلان کرنے والے بعض علمائے لاہوت، یا ہر چیز کی موت کا اعلان کرنے والے پر چارکوں کی خرافات کے بعد انسان کی موت کا اعلان کرنے والا یہ آخری آدمی ہے۔ موت وحیات کے معنوں سے ایسا تجاہل مطلق زوال روما کے بعد تاریخ میں کم ہی دیکھنے میں آیا ہے، یہ درست ہے کہ عیسائیت نے اپنی تاثیر کم ہونے، اپنے الہیاتی نظریے کی وجودت ماند پڑنے اور ایسے فیشنی عقائد کی گھات سے ہٹ جانے کے باوجود ان مسائل کو عمدہ طریق سے پیش کیا ہے، مگر صرف ہماری انفرادی اور داخلی زندگی کے لئے یہ تفریق کر کے کہ جو اللہ کا ہے اللہ کو دو جو قیصر کا ہے قیصر کا دو مسیحیت نے ہمارے سامنے یہ بالکل واضح نہیں کیا کہ قیصر کو کس طرح تصرف کرنا چاہیئے۔

مسیحی مذہب کو یہ دوغلا پن (Nicee) کے دور سے اس سمت میں لے جانے پر منتج ہوا کہ وہ علم سے لے کر سیاست تک ہر سطح پر ہر معرکہ میں پسپائی اختیار کرے اور انجام کار میدان کو وضیعت کے لئے چھوڑ دے جس میں علم محض سائنس بن جاتا ہے کہ صرف اس بات پر اکتفا کیا جائے کہ علم کی قدرت میں ہے، کہ وہ معرفت بشریت کے انتہائی دائرے میں آنے والے مسائل تک رسائی حاصل کرے اور تکنیکی مہارت پیدا کر کے ٹیکنوکریسی کی شکل اختیار کرے، سیاست میں میکاولی بن جائے اور اگر اشتراکیت کی صورت اپنا لے انسانیت کی گری ہوئی شکل اپنے لے یا اسٹالنیت میں بدل جائے۔ یہ تمام اقدار اعلیٰ نمونے کے بگڑے ہوئے مفہوم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور قیصر کے درمیان اس تفریق سے انکار کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں رسول بھی ہیں، سربراہ مملکت بھی، شوہر بھی، والد بھی، جج بھی ایک عملی آدمی بھی اور سپہ سالار بھی۔ آپ کے ہاں عقیدہ اور سیاست میں یا عقل اور عقیدہ میں کبھی کوئی تفاوت نہیں ہوا۔ کیونکہ عقلیت کسی بھی غرض تک پہنچنے کے لئے وسائل کو منظم

کرنے کی کیفیت کی نہیں بلکہ اس غرض کو اختیار کرنے کی نمائندگی کرتی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے اعتبار میں صرف حادثہ ظاہرہ ہی نہیں ہے بلکہ جواہر طبعیہ سے لے کر اقوال انبیاء علیہم السلام تک ایک دلالت کرنے والی علامت ہے، کیونکہ وحی قرآنی اشیاء کے درمیان پائے جانے والے ان روابط کی تحصیل میں (جو ہمیں ان پر حاکم قوانین سے مطلع کرتے ہیں) اور ان کے جمع کرنے والے کل کے درمیان تعلق قائم کرنے میں فرق نہیں کرتی اور یہی وہ علاقہ اور تعلق ہے جو ان اشیاء کو معنی عطا کرتا ہے۔

جو چیز فکر اسلامی کو ئی لحاظ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ عقل کے دو اساسی وظائف (اسباب و علل کا کھوج اور مقاصد سے بحث) میں تفریق کیے بغیر عقل پر مکمل انحصار رکھتے ہوئے اول الذکر کو اجازت دیتا ہے کہ وہ استقراء واستنتاج کے ذریعے حوادث ظاہرہ سے قوانین ونظریات تک رسائی حاصل کرلے اور ثانی الذکر کو یہ رخصت دیتا ہے کہ وہ ایک مقصد سے دوسرے کی طرف رجوع کرے، ادنیٰ مقاصد سے اعلیٰ مقاصد کی جانب چلے حتیٰ کہ انتہائی مقاصد یعنی اساسی مفروضات تک پہنچ جائے۔ جامعہ اسلامیہ قرطبہ جب پورے مغرب میں روشنی پھیلانے کا مرکز تھا تو وہ ہمیں اس منہاج پر پورے انکسار کے ساتھ قائم رکھتے ہوئے نقائص کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ آج جس چیز کو ہم علم کا نام دیتے ہیں مناسب یہ ہے کہ ہم نہایت عاجزی سے اسے مغربی علم کا نام دیں، کیونکہ یہ بگڑی ہوئی عقل کا نتیجہ ہے یہ ہمیشہ سوال کرتا ہے ''کیسے'' اور کبھی ''کیوں'' کے بارے میں نہیں پوچھتا کہ ہم چاند پر کس طرح چڑھیں گے یا ایٹم بم کس طرح بنائیں گے۔ حالانکہ اہم سوال یہ ہے کہ چاند پر ہمارا چڑھنا اور ایٹم بنانا کیوں ضروری ہے؟ عقل اس کی حدود کو نہیں پاسکتی کیونکہ وہ مقاصد سے بحث کرنے سے انکار کرتی ہے اور اس زنجیر کے سرے یعنی اساسی مفروضات تک پہنچنے سے عاجز ہے، لیکن جہاں تک ایمان کا تعلق ہے وہ ایسی عقل ہے جو مقاصد کا کھوج لگانے اور انتہائی مقصد کے انکشاف میں ناکامی سے دوچار کرنے والی ان خامیوں سے پاک ہے۔

ایمان وہ عقل ہے جس کی کوئی حد نہیں، اور وہ ایسی عقل ہے جو تحقیق وتجسس کے بعد ان مقاصد کو پالیتی ہے اور اساسی مفروضات کو یاد رکھتی ہے یہ اپنے مقاصد اور

مفروضات کے اعتبار سے کھلی عقل ہوتی ہے تا کہ اپنے آپ کو منور کرنے والی وحی کو قبول کرے کیونکہ یہ مقاصد کے بارے میں سوال کرتی ہے اور یہ سوال اس حیوان سے بعید ہے جو اپنی فطرت اور جبلت کے میٹنگ پاٹ ہی کا قیدی بنا ہوا ہے۔ ایک ایسا حیوان ہونے کے ناطے جو اپنی زندگی اور موت کے بارے میں سوال کر سکتا ہے انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جو قبریں اور عبادت گاہیں بناتی ہے۔ قبریں زمانہ خلود سے معبد حادثہ ظاہرہ سے معنیٰ کی جانب سفر کی کوشش ہے۔

مسلمان آدمی نماز بھی پڑھتا ہے اور مساجد بھی بناتا ہے اور یہ دونوں چیزیں خلاصہ کائنات ہیں جب وہ طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز پڑھتا ہے تو نظام کائنات کے وسط میں ہوتا ہے اور نماز کی حرکات انسان میں ان اساسی تحرکات کا اعادہ کرتی ہیں جو وجود کی تمام سطحوں پر موجود ہیں، سو جو آدمی نماز پڑھتا ہے تو وہ پہاڑوں پر کھڑی فصلوں اور درختوں کی مانند ہوتا ہے، رکوع کرتا ہے تو کھجور کی ٹہنی یا جاندار چیزوں کے زمین یا پانیوں پر جھکنے کی مانند نیچے ہوتا ہے۔ وہ اپنا سر سرچشمۂ حیات کے سامنے جھکاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور پھر اس طرح کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ ستارے غائب ہو کر پھر طلوع ہوتے ہیں تا کہ افق پر چکر لگائیں، نماز انسان کو فطرت یا کائنات کے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ منسلک کرتی ہے۔

تمام دنیا میں مختلف مساجد کے قبلے کعبہ کے گرد پھیلے ہوئے وہ دائرے ہیں جن کا مرکز ایک ہے اور یہ وحدت علیہ کی جانب اشارہ ہے، طول وعرض کی بلد کی مناسبت سے نماز کے بدلتے ہوئے اوقات میں ہم کرہ ارض کے تمام کناروں کو ڈھانپنے والی خضوع وخشوع والی عبادت کی لہروں میں ایک محاذ کو بلند ہوتے اور دوسرے کو گرتا دیکھتے ہیں۔ مساجد ان متباین ثقافتوں کے ورے اس عقیدہ کی وحدت کی تعبیر ہے یہ بلند ستونوں والی مساجد قاہرہ کی ابن طولوں کی مسجد سے قرطبہ تک قیروان وتلمان سے گزرتے ہوئے جامع قرویین وکتبیہ تک اور درمیانی مساحت کی یہ بڑے بڑے گنبدوں والی مساجد بیت المقدس کی مسجد صخرا سے استنبول کی مسجد سلمانیہ تک اور یہاں سے ایران وسطی ایشیا اور اصفہان کی مسجد شاہ سے سمرقند کی جامع بی بی خاتون تک۔

سب مصری یونانی اور بازنطینی وایرانی تین مختلف ثقافتوں کے باوصف ایک ہی عقیدہ کو بیان کرتی ہیں، جبکہ مسیحی کلیسا ہمیں ایک نہ ختم ہونے والی دنیا میں لے جاتا ہے، لیکن مسجد یہاں بھی ہمیں حرکت میں لاکر محفوظ رکھتی ہے گویا ہم ایک صاف وشفاف شیشے میں ہیں۔ یہ اسلامی توحید کی جھلک ہے اور یہی قوت مختلف ثقافتوں کے درمیان روابط و تعلق کا دروازہ کھولنے والی ہے۔ جیسا کہ گوئٹے نے ایک مرتبہ کہا تھا:

''اگر اسلام سے مراد خدا کی آواز پر لبیک کہنا ہے تو ہم سب مسلمان ہیں اور مسلمان مریں گے۔''

ایک سوال کرنے والا یہ سوال کرسکتا ہے کہ یہ اسلام ہے کہاں جس کو تم ان مثالوں کے ذریعہ بیان کرتے ہو اور وہ معاشرہ کہاں ہے جسے مسلم معاشرہ کا نام دیا جاسکتا ہے؟ میرا حق ہے کہ میں اس کی تردید یوں کروں کہ نقشے پر یا تاریخ میں وہ سوسائٹی کہاں ہے جسے مسیحی یا اشتراکی معاشرے کے نام دینا ممکن ہے، مختلف تمدنوں کے چلن میں امانت ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم مسیحیت اور اسلام یا مارکسیت کے درمیان موازنہ سے احتراز کریں کہ انہیں کیسا ہونا چاہئے تھا اور فی الواقعہ کیسی ہیں۔

میں یہاں مسیحیت اور فرانکو کو مخلط نہیں کروں گا جو دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ''بادشاہ مسیح'' کی نمائندگی کر رہا ہے اور نہ مسیحیت اور حداد کا موازنہ کروں گا۔ جس نے اپنے خونخوار لشکر پر ''مسیحی ملیشیا'' کا لیبل لگانے کی جسارت کی، بیگن ایک کبھی مجھے عاموس، ایوب اشعیا، یا مرقیل کو فراموش نہیں کرواسکے گا۔ اس کی مراد یہ ہے کہ ہم تحدیات عصر کا مقابلہ کرنے کے لئے ماڈرن ہو جائیں، ایک مسلمان ہونے کے اعتبار سے ماڈرن ہونے کا مطلب مغرب کی تقلید نہیں۔ مصر پر نابلیوں کے حملے کے بعد اسلام کے لئے سب سے بڑی مصیبت میرے خیال میں ماڈرن ہونے یا مغربیت اختیار کرنے کی کشمکش بنی تھی۔ اسلام کی نظر میں زندگی یہ ہے کہ فرد اپنی فطرت پر قائم رہے اجتہاد کے لئے ذہن کھولے اور قرآن کریم میں تحقیق کرے عرف کے متعلق نہیں کہ وہ ہلاک کر دیتا ہے بلکہ فکر کے متعلق کہ وہ زندہ کرتا ہے۔

قرآن کریم اپنے اندر روح کی فکر رکھتا ہے جس سے اس زندہ تاویل تک پہنچا

جا سکتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے سو ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم ان کی رمزوں کو کھولیں، کیونکہ استعارہ اور دلالت کو ملا دینے کا مطلب وحی کے سامنے احترام کے ساتھ کھڑے ہو جانا نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس میں ایسی چیز تلاش کریں جو ہمیں اپنی ذاتی حد بندیوں سے آگے نکلنے میں مدد دے۔

مثلاً بدھ کہتا ہے کہ جب وہ انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کرتا ہے تو احمق انگلی کی طرف دیکھتا ہے۔ سو اجتہاد کا دوسرا حتمی اصول یہ ہوا کہ ہم یہ امر نہ بھولیں کہ کتاب خواہ توریت ہو یا انجیل یا قرآن وہ قبائل کی زندگی میں الٰہی تدخلات کی حکایت ہے اور وہ ہمیشہ تاریخی شکل میں مکمل اور بھرپور جواب دیتا ہے، اور ایسا جواب وحی الٰہی کے ذریعے ہی ممکن ہے، لیکن اس کی تعبیر و تشریح اس قوم کی زبان اور رسوم و رواج کو سامنے رکھ کر ہی ہوگی۔ اس جواب کا سمجھنا اور اس کا احترام کرنا نص کی تکرار نہیں بلکہ اس روح کو استعمال کرنا ہے جسے کسی دوسرے زمانے اور معاشرے کی مشکلات حل کرنے کے ضمن میں قرآن نے بیان کیا ہے، اور ہمیں اس کے ذریعہ اپنے عہد اور اپنے معاشرے کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہم کسی آیت کو اس کے سیاق سے علیحدہ کر کے اس طرح نہ پڑھیں کہ گویا وہ ہمارے فوجداری قانون کی شقوں میں سے کوئی شق ہے یا ہمارے علم کے قوانین میں سے کوئی قانون ہے بلکہ اسے سیاق قرآن و سنت میں رکھ کر دیکھیں کیونکہ یہی سیاق کسی حکم کو وزن اور معنی عطا کرے گا۔ جان جارس کا کہنا ہے کہ آباؤ اجداد سے خلوص رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی باقی رہ جانے والی چیزوں کی حفاظت کی جائے بلکہ یہ ہے کہ اس گرم شعلے کو منتقل کیا جائے جس نے انہیں حرکت و عمل پر آمادہ کیا۔ اسلام اس طور سے زندہ ہے اور ہم اسے اسی انداز میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنے ہی اصول اور مبادیات کے مطابق وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ آج اس دنیا کو خوش بخت بنا دے جو اپنے انتشار کے لحاظ سے آٹھویں صدی کے زمانہ عروج کے انتشار سے کسی طرح کم نہیں۔ اس درمیانی عرصہ میں دو عظیم قوتیں ساسانی اور بازنطینی

شاہیت کی شکل میں ابھریں مگر انہیں بھی توڑ پھوڑ کروہی قوتیں کھوکھلا کر رہی تھیں جنہیں ہم آج بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اسلام نے لاکھوں انسانوں، مردوں اور عورتوں کو حقیقت انسانیت یعنی حقیت الٰہیہ سے روشناس کرانے اور انہیں نئی اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ عطا کرنے کی قوت دی ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے زندگی بھر مجھے اس نقطہ کی تلاش رہی ہے۔جس پر فنی، سیاسی اور عقائدی سب اعمال کا اتحاد ہو جائے۔سو اسلام میں مجھے وہ عقیدہ مل گیا جو ایک ہی وقت میں حسن وخوبی والا دین بھی ہے اور عملی ضابطہ اخلاق بھی۔ میں اسلام میں داخل ہوا مگر مجھے کسی ایسی چیز کا انکار نہیں کرنا پڑا جو حضرت مسیح علیہ السلام میری زندگی میں لے کر آئے تھے۔ کیونکہ قرآنی مسیح اسلام کی بشارت دینے والے رسول تھے اور مارکسزم نے مجھے مختلف معاشرں کے تجزیئے اور معاشرے کے ان پر اثرات کی جو تعلیم دی ہے اس سے بھی مجھے منکر نہیں ہونا پڑا۔ کیونکہ اسلامی عقیدہ کسی علم کا استعباد نہیں چاہتا اور کسی ٹکنیک ومہارت کورد نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس انہیں اس طرح ملا دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے بن جائیں۔ اسلام میری زندگی میں کسی ٹکڑے کی شکل میں نہیں بلکہ مکمل شکل میں آیا ہے۔ میں نے اپنی عمر کے بیسویں سال میں ۱۹۳۳ء میں یہ خواب دیکھا تھا کہ میں دلالت وفعالیت کو جمع کردوں، اور میری یہ سب سے بڑی خوشی ہے کہ میں اس صدی کے نشیب وفراز اور اس کے تند وتیز تغیرات سے بھری ہوئی تاریخ کے برعکس اپنی زندگی کی اساس مکمل ہوتے دیکھ لوں اور یہ محسوس کرلوں کہ میں ستر سال کی عمر میں بھی اپنے بیسویں سال کے خواب کے ساتھ مخلص رہا ہوں۔

میں نے مغرب میں جس وقت احیائے اسلام کو اپنے اہتمام کا مرکز بنایا اس پر اب چالیس سال بیت چکے ہیں آج ہم اس مہم سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہم اپنے منابع یعنی اس تخلیقی روح کی طرف رجوع کریں جو فاتح اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی زندگی میں مدینہ منورہ کے معاشرہ میں مسجد کا کردار کیا تھا اور اسلام کے لئے کس طرح یہ ممکن ہوا کہ وہ ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں ہمالیہ کے پہاڑوں سے لے کر اسپین اور فرانس کے

پہاڑوں تک پھیل گیا۔ اب ہم مدینہ منورہ کی مثال لیتے ہیں۔ اور ہمارے لئے صحیح بخاری و مسلم کا مطالعہ یہ دیکھنے کے لئے کافی ہے کہ مسجد مدینہ صرف نماز کی جگہ نہیں تھی بلکہ وہ معاشرے کی پوری زندگی کے لئے دھڑکتے ہوئے دل کی حیثیت رکھتی تھی، جنگ اور صلح کا فیصلہ یہیں ہوتا تھا، زکوٰۃ کی مقداروں اور اس کی تقسیم کی تعیین بھی یہیں ہوتی تھی، ہر ایک کے حق کی ادائیگی یہیں ہوتی تھی منڈی کے احوال کا جائزہ بھی یہیں لیا جاتا تھا، اور معاہدات کی صحت بھی یہیں جانچی جاتی تھی۔

اور ایک حرفی طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس مسجد میں ہونے والی ہر نماز روزانہ زندگی کے معمولات کے حاشیے پر نہیں ہوتی تھی بلکہ ساری زندگی خواہ وہ انفرادی ہو یا خاندانی، اقتصادی ہو یا سیاسی و ثقافتی اللہ تعالیٰ کی نگرانی کے تحت بسر ہوتی تھی۔ اور شریعت الہیہ زندگی کے تمام اعمال پر حاوی تھی قانون کی شکل میں نہیں بلکہ شریعت کی شکل میں ایک ایسی اساس کے طور پر جو انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام نتیجہ خیز اعمال کے پس پردہ کارفرما ہوتی ہے۔ یہ مسجد غیر مسلم دنیا پر کھلی ہوتی تھی اور اپنے نور کی روشنیاں اس پر پھیلاتی تھی۔ جب نجرانی عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں بلایا تا کہ وہ عملی طریق سے ابراہیمی عقیدہ کی وحدت کو بیان کریں۔ یہ وہ پہلی مثال ہے جسے پوری طرح سمجھ کر ہمیں مغرب کی مساجد اور وہاں ہونے والے مسلم اجتماعات کو ایک نیا انداز دینا چاہیئے تا کہ وہ اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بن سکیں۔

معاشرے کی تمام سرگرمیوں میں ہم اس طریق سے شرکت کریں کہ وہ بارآور ہوں اور ہدایت کی تلاش کرنے والے مغربی غیر مسلموں کے دلوں پر ایک اثر چھوڑیں۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام کس طرح پھیلا یہ عسکری جنگ وجدل کے ذریعے نہیں بلکہ ایک ایسے عقیدے کی اشاعت سے ہوا جس نے پرانی اور بدلتی ہوئی مدنیت کے سائے میں زندگی بسر کرنے والے لاکھوں افراد کو زندگی کا ایک مقصد دیا۔ تمام اکناف و اطراف میں جب ماضی کے اصحاب امتیاز پر اسلامی تغلب قائم ہوا تو ان قبائل نے آزاد کرنے والے مسلمان عساکر کو خوش آمدید کہا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا تلوار سے نہیں ہوا کیونکہ دین میں جبر نہیں ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور

توحید پسندوں کے دین کو پھیلانے سے ہوا جس سے کیفیت انتقال اور تنقیدی فکر نے یہ قوت پائی کہ رومی، بازنطینی، ایرانی، ہندی اور چینی ثقافت کو اسلامی عقیدہ کے ذریعے ایک حیات نو عطا کرے اور یہ عالمی ترقی کے لئے ایک مثال ہے۔

لاکھوں عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور مختلف اصول رکھنے والے توحید پرستوں نے اسلام میں اپنی گمشدہ متاع پالی اور پورے شعور سے اسے قبول کرلیا۔ اپنے ماضی سے انکار کر کے نہیں بلکہ یہ تحقیق کر کے کہ جس چیز کی وہ اس ماضی میں خواہش رکھتے تھے وہ بہتر اور عمدہ رنگ میں اسلام کے دامن میں موجود ہے۔

یہ وہ دوسری مثال ہے جسے ہمیں اپنے مؤثر عمل کے ذریعے بیان کرنا چاہیئے اسلام کی وہ اساسی اقدار رفعت اور وحدت جن کا ہم جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں وہ دو بلاکوں میں (جن میں سے ہر ایک اللہ اور مقصد حیات کو بھول چکا ہے) بٹے ہوئے اس عالم کو ایک نئی زندگی دینے پر قادر ہیں، انکے ماضی سے انہیں منکر کرنے کے بعد نہیں بلکہ انہیں اس سے بہت زیادہ عطا کرنے کے بعد۔ اس ثقافت نے یورپ میں قرطبہ میں کئی صدیوں تک روشنی پھیلائی مگر اب اس کے باوجود وہاں کسی زبان میں ان خصائص کی تحقیق کی سہولت میسر نہیں جنہوں نے اسلامی قرطبہ میں اسالیب تعلیم کو امتیاز بخشا تھا بلکہ قرطبہ میں معروف معنوں میں کوئی یونیورسٹی یعنی درجہ بندی اور اسپشلائزیشن والا کوئی اور ادارہ ہی نہیں جو علمی درجات اور مناصب عطا کر سکتا ہو۔ اس طرح ہمیں دوسرے انسانی علوم کا مطالعہ اور ان پر بحث کرنی ہوگی۔ یہ منصوبہ عمومی طور پر مغرب سے تعلق رکھتا ہے لیکن اسی کے ذریعے وہ دو علاج میسر آ سکتے ہیں جو اس تہذیب کو درپیش زوال سے روکنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

۱:...... وجود مادی سے اوپر رکھنا اور ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ انسان ان وضعی بنیادوں کے سامنے آجائے جن پر علوم کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

۲:...... انفرادی و قومی جھگڑوں کے خلاف اتحاد، کیونکہ یہی رعب پر قائم توازن برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

مادی وجود سے اوپر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خالق واحد کے سامنے اپنی

عبودیت کا ادراک اور ہدایت پانے کی ضرورت کا احساس کریں۔ اتحاد کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ ہم میں سے ہر فرد سے دوسرے کے انجام کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ مغربی دنیا بشریت کا احاطہ کرنے والے ان دونوں بعدوں کو بھول چکی ہے اور یہی اس کی ناکامی کا گہرا سبب ہے، جب انسان اللہ اور اس کے احکام کو بھول جاتا ہے تو انسانی معاشرہ اپنی انسانیت کھو دیتا ہے، اور انسان کی زندگی قوت، عارضی، سامان زیست، افراد، معاشروں، خاندانوں اور رعب پر قائم توازن کی اغراض بدل جاتی ہے۔

اس مضطرب صورت حال میں مغربی نوجوانوں کی بے مقصد زندگی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے دو امیر ترین ممالک امریکہ اور سویڈن میں خودکشی کی خواہش رکھنے اور اس کے قریب پہنچنے والوں کی تعداد قیاس سے بھی باہر ہے، اس لئے اب ہمارا بنیادی کردار یہ بنتا ہے کہ ہم یہ واضح کریں کہ اسلام کے ابدی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے عقل اسلامی کی روشنی میں قرون اولیٰ کی مانند آج بھی ان مشکلات کو حل کر سکتے ہیں جن کے حل سے مغرب عاجز آ گیا ہے اور اس طرح زندگی اور تاریخ کو کوئی معنی اور مقصد دیا جائے۔ مسلمان مغرب کی جانب صبح کا پیغام لے کر جا سکتے ہیں اور اسلام میں یہ استطاعت ہے کہ وہ قرون اولیٰ ہجری کی اپنی وہ شوکت واپس لائے جب اس نے اپنے پر ہمالیہ اور اسپین و فرانس کے پہاڑوں (Pyrenean) پر پھیلائے ہوئے تھے۔

مغربی تہذیب نے خواہ وہ امریکی ہو یا روسی اپنی ناکامی کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔ تیسری دنیا وسائل کی کمی کے سبب اور مغربی دنیا بے مقصدیت کی وجہ سے مر رہی ہے، مغربی علوم اور مہارتوں نے منحرفین اور گمراہی کے سامنے طاقتوں کے پہاڑ لا کھڑے کئے ہیں۔ چونکہ یہ قوت عارضی سامان زیست اور ترقی کیلئے ہی استعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ ان علوم اور مہارتوں نے رعب پر قائم توازن کا نام ''امن'' رکھ دیا ہے۔ اور یہی دونوں محاذ آراء بڑی طاقتوں کے بلاکوں کو پورے کرہ ارض کے خاتمہ کی جانب لے جا سکتا ہے۔ لاکھوں مغربی لوگ جو اس تباہ کن خطرہ کا احساس رکھتے ہیں اور

دنیا میں سچی نیتیں رکھنے والے وہ لاکھوں افراد جو اس تاریک رات میں قلق و اضطراب کے ساتھ اپنی زندگی، موت اور مشترکہ تاریخ کے بارے میں بحث کرتے ہیں، ان تمام لوگوں کے پاس اسلام اس صراط مستقیم تک لے جانے والا نور لاسکتا ہے جس تک اللہ ہی اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے۔

ہمارا ادارہ جس کا مرکز جنیوا میں ہے اس نے یہ راستہ اپنایا ہے کہ وہ کسی مسلمان ملک، کسی اسلامی ملک کے تنظیمی ڈھانچے یا ان کے درمیان جاری جنگوں کے خلاف فیصلے صادر نہیں کرتا، کیونکہ اس کا قیام ہی اس غرض کے لئے عمل میں نہیں آیا۔ ہمارے اسلامی ادارے کے سامنے سب سے پہلے یہ ہے کہ وہ اہل مغرب سے مخاطب ہو اور اسلام کا حقیقی چہرہ انہیں دکھائے اور اسلام کی نشانیوں کا حلیہ بگاڑنے والے جدید استعماری و یہودی پروپیگنڈے کا مقابلہ کرے اور یہ واضح کردے کہ اسلام قرآن وسنت کے موروثی خزانوں کی تعلیمات کے ذریعے ایسی باثمر تجدید کرسکتا ہے کہ ان مشکلات کا حل پیش کرے جن کا حل کرنے سے مغرب آج عاجز آچکا ہے۔

خاص طور پر انسانی نشو ونما اور ثقافتی مشکلات کا حل اسلام ہی پیش کرسکتا ہے، کیونکہ پانچ صدیوں تک خدا کے وجود کی منکر انفرادیت مغرب کو اس جانب لے گئی ہے کہ اس نے اپنی عقل کو گروہوں اور قبائل کے جھگڑوں میں ہی لگایا ہوا ہے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تعلیمات الٰہیہ سے نور حاصل کرنے والی دانش کو اس کے دو حقیقی و کامل بُعد لوٹا دیں۔ خالق و باری اللہ تعالیٰ اور مقاصد کے کھوج میں پایا جانیوالا بعد حکمت و اسباب و وسائل تلاش کرنے والا بُعد علم۔ جامعہ قرطبہ میں اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء فزکس سے لے کر طب اور فقہ سے لے کر ادب تک ہر شعبے میں پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ایسا بھرپور کورس تیار کریں کہ اس کے مطالعہ سے باقاعدہ نتائج برآمد ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم جامعہ قرطبہ کا نصاب شائع کریں اور اس کی نمایاں خصوصیات یعنی اس مضبوط تعلق کو سامنے لائیں جو علم تطبیق (باکون نے اقرار کیا ہے کہ اس نے اس علم کی مبادیات قرطبہ میں ابن الہیثم سے سیکھیں) حکمت میں پایا جاتا ہے جو بحث اور مطالعہ کے مقاصد کو متعین کرتی

ہے پھر اس کا ربط وحی الٰہی سے کریں جو علم کی ان کوتاہیوں کی نشاندہی کرتی ہے جو اس سے آخری مقصد تک نہیں سبب اول تک پہنچنے اور مقاصد سے بحث کرتے ہوئے اسباب حکمت کی تلاش میں سرزد ہوتی ہیں۔

دوسرا مرحلہ اس جامع عقل کا ماضی سے نکل کر آج کی دنیا میں ایک فعال کردار ادا کرنے اور ''کیسے'' کی بجائے ''کیوں'' کا سوال اٹھانے کا ہے، اس سے ہم حکمت و دانش اور وحی کے درمیان پائے جانیوالے فرق ایٹم بم، فضائی ہتھیار بندی اور ان مسائل کے ابعاد اخلاقی تک پہنچیں گے۔ ان مزعومہ انسانی علوم کے تجزیاتی مطالعہ کی تجویز بھی دینا ہوگی۔ اس تجزیاتی مطالعہ کی مثال پولیٹیکل اکانومی کے نوبل پرائز یافتہ مصنف کی ہے ہمیں یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ اس کتاب میں ریاضی کے مواد کے باوجود اتنا علم نہیں ہے کہ جو محض مصلحت کی بناء پر حرکت میں آنے والے پروڈیوسر اور صاف انسان کے معین تصور کا کوئی مذہبی جواز فراہم کر سکے۔ یہ تصور انسان کی حقیقی انسانیت ہی کے متناقض ہے۔

ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم کسی خاص قوم کے لوک ورثہ کا نہیں بلکہ بشریت کا دفاع کر رہے ہیں، کیونکہ اسلام اپنے آغاز ہی سے تقلید ماضی نہیں بلکہ مستقبل کا منصوبہ ہے، اور آباؤ اجداد سے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حرکت میں لانے والے گرم شعلہ کو ایک دوسرے تک مسلسل منتقل کیا جائے۔

سابقہ مذہب: کمیونسٹ **اسلامی نام**: عطاء اللہ **ملک کا نام**: پولینڈ

خدا کی تلاش کی تڑپ نے مجھے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا

"دنیا بھر میں مایوس انسان خواہ کمیونسٹ ہوں یا سرمایہ دار پریشانی سے نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ نہیں لے لیتے۔"

ان خیالات کا اظہار پروفیسر عطاء اللہ گوپانسکی نے کیا، انہوں نے ستمبر ۱۹۷۴ء میں اسلام قبول کیا، پروفیسر عطاء اللہ قرون وسطیٰ کی اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں، پولینڈ میں وہ سالیڈریٹی سے وابستہ رہے وہ ان ہزاروں لیڈروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے سالیڈریٹی کے لئے انتھک کام کیا وہ تمبر ۱۹۸۱ء میں گرفتار کر لئے گئے اور ایک سال جیل میں رہے، وہ افغان جہاد کے بہت بڑے حمایتی ہیں، انہیں پولینڈ کی خفیہ پولیس اور اس کے سربراہ نے دھمکی دی کہ وہ امریکہ چلے جائیں جہاں وہ آجکل دعوت کے کام میں مصروف ہیں۔ پروفیسر گوپانسکی حال ہی میں دہلی گئے تھے اور انہوں نے ایڈمینس کے دفتر کا دورہ کیا اور مسٹر یو، اے آصف سے بات چیت کی جس کا موضوع ان کے اسلام لانے اور دوسرے امور سے تھا۔ ان سے جو سوالات کئے گئے ان کے جوابات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

سوال:...... حقیقتاً وہ کیا وجوہات تھیں جن کے باعث آپ نے اسلام قبول کیا؟

جواب:...... میں اب ایک چالیس سالہ مسلمان ہوں، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی مجھے یہ کہے کہ میں کیوں مسلمان ہوا۔ بلکہ میں یہ کہنا بہتر سمجھوں گا کہ میں اسلام کی طرف واپس

آیا کیونکہ ہر شخص مسلمان پیدا ہوتا ہے لہٰذا میں بھی مسلمان پیدا ہوا تھا مگر میرے والدین عیسائی تھے اور ایسے علاقے میں رہائش پذیر تھے جہاں لادین حکومت قائم تھی کیونکہ کمیونسٹ لادین ہیں۔ میری اسلام کی طرف واپسی بڑی تکلیف دہ تھی اور مجھے بڑے تلخ تجربات پیش آئے، اسلام کا شگوفہ میرے دل میں پھوٹا اور پھر یہ پھول بن گیا اسلام ہی میری زندگی کا رہنما ہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ میں کیسے اسلام کی طرف راغب ہوا۔ اس وقت میں بارہ برس کا تھا، میں نے ٹی وی اور اخبارات میں الجزائر کے مجاہدین کی جنگ آزادی کے حالات و واقعات پڑھے جو ایک نوآبادیاتی طاقت سے جہاد کر رہے تھے۔ مجھے ان میں دلچسپی پیدا ہوئی میں نے ہائی اسکول کے امتحان کے بعد پولش ملٹری اکیڈمی میں داخلہ لے لیا۔ دو برس بعد ۱۹۶۸ء میں مجھے چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا کیونکہ ہم نے چیکوسلاویکہ پر حملے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ ایک بہت مشکل دور تھا، انہوں نے مجھ پر جسمانی و دماغی طور پر تشدد کیا۔ میں نے جب ملٹری اکیڈمی میں داخلہ لیا تھا اس وقت میں ایک اعتدال پسند مارکسٹ تھا اور چی گوبرا میرا ہیرو تھا۔ مگر دوران حراست میں اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔

بہرحال اس وقت میرے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا عیسائیت، میں نے بائبل کا مطالعہ کیا، پروٹسٹنٹ مصلحین کو پڑھا، ماوئن لوتھر، جان کلیوں، اور دوسروں کا مطالعہ کیا اور خدا سے دعا کی مگر مجھے اس سے سکون حاصل نہ ہوا۔ مجھے بائبل میں متضاد باتیں پڑھنے کو ملیں جس کا تاریخ سے کوئی تعلق نہ تھا اور ان کے عقائد سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوئی۔ مجھے عیسائیت مطمئن نہ کر سکی، اسی دوران پولینڈ میں ۱۹۷۰ء میں حکومت تبدیل ہوگئی اور میں رہا کر دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گومکا ویلڈ یسوف کو برطرف کر دیا گیا اور ایڈورڈ گیریک برسر اقتدار آیا میں نے ایم اے تاریخ میں داخلہ لے لیا۔ ڈومیلنکن اور جیس نے کوشش کی کہ میں راہب بن جاؤں مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں، مجھے ان کے فلاسفروں اور مذہبی تعلیمات میں خدا کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ یونیورسٹی میں انتہائی تعلیم یافتہ اور نرم مزاج اساتذہ تھے۔ مگر ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

تمام عیسائیوں اور پادریوں کا دستور تھا کہ وہ خدا سے محبت کی تو بہت باتیں کیا کرتے تھے مگر مجھے یہ تجربہ ہوا کہ وہ عوام سے نفرت کرتے ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے اور گرجے وہ جگہ ہیں جہاں قومیت کو محفوظ رکھنے کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے۔ کیتھولک پولینڈ میں اور پروٹسٹنٹ جرمنی میں یہ کام کر رہے ہیں، خدا کی تلاش کی تڑپ نے مجھے اس پر مجبور کیا کہ میں بدھ ازم کا مطالعہ کروں۔ ہندوؤں کی تعلیمات کو جانوں مگر مجھے خدا کا صحیح تصور کہیں نہیں ملا، کہیں متضاد باتیں تھیں کہیں اپنی ذات کو تکلیف میں مبتلا کرنا تھا۔ میں ان باتوں سے مطمئن نہیں ہوا اور مغرب کے لوگوں کی طرح میں نے الجھا ہوا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جیسے ہی کرتے ہیں۔ ایک مستشرق طالبہ جس کا ۱۹۷۹ء میں انتقال ہو گیا مجھے ملی اور تحفتاً مجھے قرآن کریم کی ایک جلد دی۔ قرآن کریم چونکہ عربی میں تھا میں کچھ نہیں سمجھ سکا مگر اسے میں نے بڑے احترام سے اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیا۔ ۱۹۷۲ء میں مجھے قرآن کریم کا پولش ترجمہ کا ایک دارالمطالعہ میں مل گیا یہ ترجمہ ۱۸۸۵ء میں ایک پول مسلمان یحییٰ مرزا نے کیا تھا۔ اس طرح میں نے پہلی مرتبہ اپنی زبان میں خدا کا لفظ پڑھا اور اس نے مجھ پر بہت اثر کیا اور یہ وقت تھا جب میں نے خدا کو ڈھونڈ لیا تھا اور اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔

یہ ذہنی اطمینان اور دلجمی مجھے اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی گو کہ میں نے عیسائیت، بدھ ازم اور ہندومت کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد ۱۹۷۲ء میں مجھے اپنے مقالہ کو مکمل کرنے کے لئے استنبول ترکی جانا پڑا۔ اسلام اور ترکی کی شہنشاہیت کے بارے میں پولینڈ کے لوگوں کی معلومات پندرہویں اور سولہویں صدی کے دور کی تھیں۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ترکی میں اذان سنی مجھے یہ اس قدر اچھی لگی اور اس نے مجھ پر اس قدر اثر کیا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

لہٰذا میں مسجد میں داخل ہوا اور یہ ستمبر ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے میں جب پولینڈ لوٹا تو ایک مسلمان تھا میں نے اپنے آپ کو پولش مسلم یونین میں رجسٹرڈ کرا لیا۔ اس کے بعد میری زندگی میں عظیم تبدیلی آ گئی اور یہ ایک روحانی تبدیلی تھی، بعد میں، میں نے پی

ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۸۰ء میں پروفیسر ہو گیا اور یہ وہ وقت تھا کہ جب میں نے کمیونسٹ پارٹی سے اپنا نام واپس لے لیا۔ میں نے دمشق شام میں ایک برقعہ پہننے والی خاتون سے شادی کر لی، میری اہلیہ کا نام مادیان بنت عبدالرحمٰن ہے انہیں بخاری شریف زبانی یاد ہے، وہ صرف بیوی ہی نہیں بلکہ سنت سکھانے میں میری استاد بھی ہیں اور زندگی میں وہ میری بہترین دوست ہیں۔ ہمارے تین بچے ہیں ان کے نام خالد، طارق اور سمیہ ہیں۔

۱۹۸۰ء میں، میں پولینڈ کی کوئلے کی کانوں کا مشیر تھا اور فولاد کا کام کرنے والوں کی انجمن سالیڈریٹی تحریک میں شریک تھا۔ میں لیخ ویلسا سے واقف تھا اور اس کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ سالیڈریٹی کی تحریک میں شریک لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراؤں اور انہیں بتاؤں کہ افغانستان میں جہاد کیوں ہو رہا ہے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کی نصف شب کو پولینڈ کی حفاظتی پولیس نے مجھے اور سالیڈریٹی کے ہزاروں افراد کو گرفتار کر لیا اور ہمیں چھ مختلف کیمپوں میں روس کی سرحد کے قریب نظر بند کر دیا گیا، میں نے ایک سال کی سزا کاٹی اسیری کے زمانے میں میری اہلیہ نے مجھے حلال غذا فراہم کرنے کا اہتمام کیا ایک سال بعد ہم رہا کر دیے گئے۔ میں مزید تین ماہ زیر حراست رہا۔ رہائی کے بعد ۱۹۸۲ء میں مجھے وارننگ دی گئی کہ پولینڈ کی خفیہ پولیس مجھے قتل کر دے گی اسی سال میں نے امریکہ سفارتخانے میں سیاسی پناہ لے لی۔ میں مع اپنی بیوی اور بچوں کے اب امریکہ میں مقیم ہوں اور امریکی شہری ہوں میں وہ پہلا پولش باشندہ ہوں جس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد حج کیا ہے۔

۱۹۸۸ء میں میں نے افغان مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور گلبدین حکمت یار کا خصوصی مہمان رہا اور وہ اب میرے پسندیدہ فرد ہیں۔

سوال:...... عیسائیت اور اسلام میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

جواب:...... میرے لئے صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو خدا تک رسائی کا ذریعہ ہے جبکہ عیسائیت بے ربط اور فضول باتوں کا مجموعہ ہے، اور یہودیت کی بہت سی باتیں اس میں شامل ہیں، یہ بہت الجھا ہوا اور متضاد باتوں کا مجموعہ مذہب ہے۔ اور اس میں

قدیم یونانی میتھالوجی شامل ہے۔

سوال:...... قرآن کریم اور بائبل میں آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کیا مرتبہ ہے؟

جواب:...... بائبل کا عیسیٰ ایک قدیم یونانی ہے، جبکہ قرآن کریم میں عیسیٰ علیہ السلام ایک محبت کے لائق پیغمبر ہیں جو اپنا مشن مکمل نہ کر سکے اور آسمان پر چلے گئے اور بعد میں آ کر مسلمان رہنما کی طرح دجال کے خلاف جہاد کریں گے۔

سوال:...... پولینڈ میں جن حالات سے آپ کا سابقہ ہوا اور وہ واقعات جن کی وجہ سے آپ کو ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں پناہ لینی پڑی کیسے حالات تھے؟

جواب:...... میں صرف پولینڈ کا ایک سیاسی پناہ گزین نہیں ہوں بلکہ پولش تہذیب سے میں نے ہجرت کی ہے آج کل میں اسلامی کتابوں کا پولش زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ افغانستان کے جہاد میں میری حمایت کی وجہ سے مجھے بہت سختیاں جھیلنا پڑیں اور مشکلات سے واسطہ پڑا۔ کے جی بی نے میری خلاف مشہور کیا کہ میں ایک بنیاد پرست ہوں، میں نے بلغاریہ میں مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سرگرمیوں کی مذمت کی۔ مجھے ایک ریڈیو پروگرام دیا گیا کہ میں روسی سپاہیوں کو پڑھ کر سناؤں کیونکہ میں روسی زبان جانتا ہوں، میں بخارا اور تاشقند جا چکا ہوں۔

سوال:...... سوشلسٹ ممالک میں کمیونزم کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:...... سوشلسٹ ممالک میں اس کی کوئی وقعت نہیں اور کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا، جب کہ ایک کمیونسٹ دوسرے کمیونسٹ سے نفرت کرتا ہے، اسلام وہ واحد نظریہ حیات کی حیثیت سے ابھر رہا ہے جو دنیا کے لئے راہ نجات ہے۔

سوال:...... پولینڈ میں مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟

جواب:...... پولینڈ میں مسلمانوں کو لیخ ویلسا سے کوئی امداد اور حمایت حاصل نہ ہوگی تاہم بعض مسلمان اس کی ضرور حمایت کریں گے میں اس کی حمایت نہیں کرتا وہ ایک مذہبی عیسائی ہے اگرچہ وہ افغان مسئلہ کی حمایت کرتا ہے میں ماضی میں اس کے بہت قریب رہا ہوں اور سالیڈریٹی کے لئے میں نے بہت کام کیا ہے۔

سوال:..... آپ کا جہاد افغانستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟
جواب:..... اسلام کامیاب ہوگا انشاء اللہ اور اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے، افغان مجاہدین کفر کے مقابلے میں جہاد کر رہے ہیں، اسلام ہمیشہ اپنے شہداء کے خون سے سربلند ہوتا ہے، شہدا اُمت کا بہترین سرمایہ ہوتے ہیں۔ میں ٹیکساس کے تین شہدا کا دوست رہا ہوں، جب میں افغانستان کے اندرونی علاقوں میں گیا میں نے ہزاروں مجاہدین سے ملاقاتیں کیں جو بیرن ممالک سے آئے ہوئے تھے میرے خیال میں یہ مجاہدین اسلام کی اعلیٰ ترین خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں نے جناب ڈاکٹر عبداللہ عزام سے ملاقات کی ہے جو حال ہی میں شہید ہوئے ہیں۔

جب میں پشاور میں تھا یا افغانستان میں قیام پذیر تھا تو میں نے مجاہدین کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں دیکھا۔

سابقہ نام : گلز گلبرٹ **اسلامی نام**:عبداللہ گلبرٹ **ملک کا نام** :فرانس

فرانسیسی گلوکار عبداللہ گلبرٹ

پیرس میں مقیم شہرہ آفاق مصنف عالم دین اور مفکر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ چند برس قبل فرانس میں گلز گلبرٹ نام کا ایک ایسا شخص رہتا تھا جو اپنے ذوق مزاج اور پیشے کے اعتبار سے مشہور ماہر موسیقار تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھا اور موسیقی کے فن پر عبور بھی رکھتا تھا حسن اتفاق کہ اس نے کسی مسلمان قاری کو قرآن پڑھتے ہوئے سن لیا اور پھر تو وہ قرآن کا شیدائی بن گیا اور اس کے نزدیک یہ موسیقی تھی اور اس کا وہ اس طرح غیر معمولی شیدائی ہوا کہ اکثر و بیشتر فرمائش کر کے قاری صاحبان سے قرآن سنا کرتا، لیکن جب ایک مرتبہ اسے بتایا گیا کہ قرآن نثری کتاب ہے اور اسے شاعری سے دور کا بھی واسطہ نہیں، تو اس کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ وہ سوچتا رہتا کہ شاعری خواہ کسی زبان کی ہو وہ بہر حال مترنم ہوتی ہے، اسے گایا جاسکتا ہے، اس کے مصرعوں کی تقطیع کی جاسکتی ہے اور اسے خاص اوزانوں پر جانچا جاسکتا ہے، لیکن دنیا کی کسی زبان کی نثر میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی۔ اس میں نہ اوزان ہوتے ہیں اور نہ اسے کسی طرح گایا جاسکتا ہے۔ یہ منفرد و یکتا صلاحیت عربی زبان میں ہے کہ وہ نثر ہے مگر پھر بھی اسے گایا جاسکتا ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ عجیب و غریب اور منفرد خصوصیت اس میں کیسے پیدا ہوگئی؟

اس سوال کا جواب پانے کے لئے گلز گلبرٹ نے عربی زبان سیکھنی شروع کر دی اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ روانی سے قرآن پاک پڑھنے لگا۔ اس نے جیبی سائز کا ایک قرآن پاک خرید لیا، وہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اور اکثر و بیشتر اس کا مطالعہ کرتا رہتا۔ اس نے قرآن کی متعدد چھوٹی سورتیں زبانی یاد کر لیں اور انہیں خوش الحانی سے پڑھتا رہتا حتیٰ کہ کچھ ہی عرصے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور عبداللہ گلبرٹ نام اختیار کیا۔

میری موصوف سے ملاقات بیس سال پہلے استنبول میں ہوئی۔ اس نے اپنے

نظریے یا انکشاف کی وضاحت کی کہ شاعری یا منظومات کو ریاضی کے کلیوں کی طرح مختلف اوزان پر جانچا پرکھا جاسکتا ہے لیکن دنیا کی کوئی نثر خواہ وہ کلاسیکل ہو یا ماڈرن، اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔ یہ انفرادیت صرف عربی اور وہ بھی قرآنی عربی کو حاصل ہے کہ اس کی آیات کو شاعری کے اوزان کی طرح جانچا جاسکتا ہے اور ایک لفظ اگر ادھر ادھر ہو جائے تو تجوید کا جاننے والا فوراً اس سے باخبر ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا تھا، لازماً یہ وحی الٰہی ہے اور یہی سبب ہے کہ میں اس پر ایمان لے آیا ہوں۔

میں استنبول میں تھا کہ ایک روز وہ میرے پاس یونیورسٹی میں آیا اور سخت برہم اور جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے کہا ”یقیناً ہمارے مسلمان بزرگوں نے کسی طرح قرآن پاک کا ایک ٹکڑا گم کر دیا ہے“ وضاحت کرتے ہوئے وہ کہنے لگا ”سورہ نمبر ۱۱۰ ﴿اذا جاء نصر اللہ﴾ میں لوگ پڑھتے ہیں ﴿افواجا فسبح﴾ اور موسیقی کے اصولوں کے مطابق یہ ناممکن ہے۔“

اللہ کا شکر ہے کہ مجھے فن تجوید سے بھی کچھ شناسائی تھی، اس لئے میں نے اسے بتایا کہ ”نہیں، اس آیت کو پڑھنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں بلکہ اسے ﴿افواجن فسبح﴾ ﴿افواجاً فسبح﴾ بھی پڑھا جاسکتا ہے“ یہ سن کر وہ اچھل پڑا، اس کا سارا اضطراب سکون میں بدل گیا اور کہنے لگا ”واہ! بہت خوب، مسئلہ حل ہو گیا، فن اور موسیقی کا ایک لازمی تقاضا پورا ہو گیا لایئے میں آپ کے ہاتھ پر ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔“

عبداللہ گلبرٹ کو ترکوں سے بڑی محبت تھی، پیرس میں وہ ترکوں کی مسجد میں جمعہ کے لئے آیا کرتا اور وہیں اس سے ملاقات ہوا کرتی۔ افسوس! وہ کچھ عرصہ بیمار رہ کر وفات پا گیا، اللہ مغفرت کرے۔ (بحوالہ ہم کیوں مسلمان ہوئے)

سابقہ نام: اوبنگ براؤن **سابقہ مذہب**: عیسائیت

اسلامی نام: محمد رؤف براؤن **ملک کا نام**: کینیڈا

اذان نے میری دنیا بدل دی

محمد رؤف براؤن (کینیڈا)

کینیڈا کے پاپ اسٹار اوبنگ براؤن نے گزشتہ دنوں جدہ میں اسلام قبول کرلیا، اب ان کا مسلم نام محمد رؤف براؤن رکھا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق بتایا جاتا ہے کہ مذکورہ پاپ اسٹار جو کینیڈا میں عالمی شہرت یافتہ ڈانسر اور گلوکار مائیکل جیکسن کے بھائی جمی جیکسن کے ساتھ اپنے شو منعقد کیا کرتا تھا، جمی جیکسن کے اسلام قبول کرنے کے بعد لفظ ''اسلام'' سے پہلی دفعہ مانوس ہوا۔ براؤن جس کی پیدائش اور پرورش کیتھولک گھرانے میں ہوئی، اپنے دوست جمی جیکسن کے حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد سعودی عرب سے آئی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی جانب راغب ہوا، نیز جمی جیکسن کی زندگی میں اسلام کے بعد آنے والی یک لخت تبدیلی نے اس کو سوچنے پر مجبور کردیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے موضوع پر کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کی حقانیت مجھ پر واضح ہوتی چلی گئی، ورنہ اس سے قبل اسلام کو میں ایک دہشت گرد اور از کار رفتہ دین سمجھتا تھا، مگر کتابوں کے مطالعہ نے مجھے پر ایک نئی دنیا روشن کردی، اسلام کا پیغام میرے دل کو چھونے لگا جس نے میرے اندر اسلام کی مزید معلومات حاصل کرنے کا داعیہ پیدا کردیا۔ اتفاق سے میں اپنی والدہ کے پاس نیویارک گیا، جہاں میری قیام گاہ کے قریب ہی پانچ وقت بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی، چنانچہ ہر اذان کی آواز میرے دل کی دنیا میں ہل چل مچانے لگی۔ اس کے بعد جذبہ شوق کی رفتار مجھے مصر اور سعودی عرب لے گئی، جہاں میں نے نہایت قریب سے مسلم معاشرے اور ماحول کا مطالعہ کرنے کے بعد بالآخر اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا

سابقہ مذہب: عیسائیت

اذان میرے روحانی سفر کا آغاز تھی

میں ایک کیتھولک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا، میرے والد کے خاندان کے لوگ زیادہ تر پادری تھے جب کہ میری والدہ ایک نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا اور اولاد نرینہ تھا بچپن ہی سے میرے ساتھ کھیلنے والا کوئی نہیں تھا، میری بہنیں مجھ سے کافی بڑی تھیں اور وہ ہر وقت اپنے اسکول کی پڑھائی میں مصروف رہتی تھیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنا زیادہ تر وقت اپنی آیا کے ساتھ گزارتا تھا یا پھر کھیلنے کے لئے گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میری زیادہ تر دوستیاں گھر سے باہر ہوئیں میرے دوستوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی جو اتفاق سے بہت بڑی تعداد میں میرے گھر کے آس پاس آباد تھے۔ میرے گھر میں مسلمانوں سے نفرت کی جاتی تھی اور اسلامی کلچر کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا۔ مقامی ٹیلی ویژن سے ہر جمعرات کو مسلمانوں کے لئے اسلامی پروگرام نشر ہوتا تو فوراً ٹیلی ویژن بند کر دیا جاتا میرے والدین نے مجھے ایک کیتھولک اسکول میں داخل کرایا جہاں میری دوسری بہنیں بھی پڑھتی تھیں۔ تاہم ابتدائی عمر ہی سے میری دوستی عیسائی لڑکوں کے بجائے مسلمان لڑکوں سے زیادہ رہی۔

بچپن کی زندگی میں جو منفی عکس اپنے خاندان سے میں نے قبول کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے ایک انتہائی شریر اور تنگ کرنے والا بچہ سمجھا جانے لگا، گھر میں ہونے والی ہر ٹوٹ پھوٹ اور خرابی کا ذمہ دار مجھے تصور کیا جاتا خواہ میں نے وہ کام کیا ہوتا یا نہ کیا ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا اور گھر کے ماحول سے مجھے نفرت ہونے لگی گھر سے توجہ نہ ملنے کی بناء پر میرا تعلیمی ریکارڈ ماسوا انگریزی زبان

زیادہ اچھا نہیں تھا جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے مذہبی عقائد یعنی عیسائیت کے بارے میں جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونے شروع ہوئے ان کا جواب گھر میں کوئی بھی مجھے دینے کو تیار نہیں تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے سوالات کو کبھی سنجیدگی سے لیا ہی نہیں گیا اور میں مجبور ہو کر ان سوالوں کا جواب کتابوں میں تلاش کرنے لگا یا دوستوں سے اس موضوعات پر بحث کرنے لگا جو زیادہ تر مسلمان تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیت کے بارے میں منفی تاثر میرے ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا، میرے مسلمان دوستوں کے پاس میرے ہر اعتراض کا جواب موجود تھا جو دل میں تیر کی طرح جا کر لگتا تھا لیکن عیسائیت کے بارے میں ان کے سوالوں کا میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں عیسائیت اور اسلام دونوں مذاہب کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگا اگر عیسائی ہونے کے ناطے مجھے مسلمانوں سے دور ہو جانا چاہیے تھا لیکن میرے ان مسلمان دوستوں کا اخلاص اور محبت ایسی تھی کہ جو مقناطیس کی طرح مجھے اپنی طرف کھینچے رکھتی تھی۔ انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے میرے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو اور نہ انہوں نے کبھی میرے مذہب کا مذاق اڑایا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف پیغمبر مانتے تھے بلکہ اتنا ہی احترام اور عزت دیتے تھے جتنی میں خود دیتا تھا۔

جب میرا کالج میں داخلہ ہوا تو اتفاق سے وہاں بھی مسلمان طلبہ کافی تعداد میں موجود تھے۔ آہستہ آہستہ میں ان کی مذہبی سرگرمیوں میں بھی شامل ہونے لگا گھر سے دور اور اپنے سگے رشتہ داروں کی بے التفاتی بھی میرے لئے سخت جذباتی صدمہ کا سبب بنی ہوئی تھی اور میں غیروں میں محبت تلاش کرنے پر مجبور تھا۔ اس دوران سچ کی تلاش کا عمل بھی جاری تھا کہ میں ایک انتہائی عجیب وغریب روحانی تجربے سے دوچار ہوا ایک صبح جس کی صحیح تاریخ مجھے یاد نہیں لیکن سال یقیناً ۱۹۹۳ء تھا میں نیند سے اچانک بیدار ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا، غیر ارادی طور پر میں اپنی جگہ سے اٹھا اپنا چہرہ اور ہاتھ پاؤں دھوئے اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا، ٹھیک اسی وقت قریبی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی اگرچہ میں اذان کی یہ آواز روز ہی سنا کرتا تھا لیکن آج اذان کا ایک ایک لفظ میرے کانوں سے

میرے جسم میں اتر کر رگ و پے میں سرائیت کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور میرے جسم کا رواں رواں ایک عجیب جذبے سے سرشار ہو رہا تھا، سرشاری اور جذبات کی یہ کیفیت میرے لئے بالکل نئی تھی میں اس سرشاری کو کبھی کوئی نام نہ دے سکا لیکن اس کی شدت کو اس کے لمس کو میرا رواں رواں محسوس کر رہا تھا۔

اذان نہ جانے کس وقت ختم ہوئی مجھے خبر نہ ہوئی لیکن یہ اذان سرشاری اور جذبات کی ایسی جوت میرے احساسات میں جگا گئی کہ میری زندگی کا رخ بدل گیا، اگرچہ میں نے زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کیا لیکن اپنے ایمان اور یقین کو مزید پختہ کرنے کے لئے میں نے ایک مسلمان دوست سے رہنمائی حاصل کرنا شروع کر دی اس نے مجھے پڑھنے کے لئے کئی کتابیں دیں اور بڑے تحمل سے میرے ہر سوال کا جواب دیا۔

میرے اس روحانی انقلاب میں سب سے بڑی رکاوٹ میری ماں بن رہی تھی میرا اس سے ماں بیٹے کا جو نازک رشتہ تھا وہ بار بار ایک دیوار بن کر میرے اور اسلام کے درمیان آ جاتا تھا ماں اور اسلام میں سے کسی ایک کا انتخاب میری زندگی کا مشکل ترین امتحان تھا بار بار میرا ایمان ڈگمگانے لگتا تھا درست فیصلے تک پہنچنے میں مجھے کئی ماہ کا عرصہ لگا۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا اور میں نے اسلام کی خاطر اپنی ماں سے قطع تعلق کر لیا ۱۹۹۴ء کے شروع میں میں نے مسجد میں نماز مغرب کے بعد اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا یہ میری زندگی کا ایک انتہائی جذباتی اعلان تھا، میرے اساتذہ اور میرے ساتھی طلبہ مجھ سے چمٹ گئے اور اس طرح ٹوٹ کر محبت کا اظہار کرنے لگے کہ میں رو دیا۔

جب میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک مرتبہ پھر میرے خاندان نے میری سخت مخالفت کی اپنے خاندان کی نظر میں تو میں کافر ہو چکا تھا اور یہاں کوئی نہیں تھا جو میرے شادی کی تجویز لے کر لڑکی والوں کے پاس جاتا، تاہم میرے مسلمان دوست پھر میرے کام آئے میری شادی بے حد سادگی اور خاموشی سے انجام پائی۔

جب میری ماں کا انتقال ہوا تو بد قسمتی سے میں اسے دیکھنے کے لئے نہ جاسکا مرتے دم تک اس کی خواہش یہی رہی کہ اس کا بیٹا کسی طرح پرانے عقیدے پر لوٹ آئے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا جو حق کو پالے اور پھر اسے گم کر دے تو اس سے بڑھ کر بد قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔

سابقہ مذہب: عیسائیت

اسلام میرا انتخاب

''دین اسلام انسانی جبلت کا خاصہ ہونے کے ناطے دین فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم سنتے ہیں کہ دنیا بھر میں واحد پاکیزہ اور خالص انسانی طرز زندگی کے طور پر اسلام لاکھوں نومسلموں کے دلوں کی دھڑکن بن رہا ہے تو ہمیں چنداں حیرت نہیں ہوتی، اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہر پانچ نومسلموں میں سے چار خواتین ہیں، اور یہ بات بجائے خود اس پروپیگنڈے کا تارو پود بکھیر دیتی ہے کہ اسلام عورتوں کو محبوس کر دینے والا مذہب ہے۔ زیر نظر تحریر بھی ایک ایسی ہی نومسلمہ کے سفر ہدایت کی روداد ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا مذہب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہبر مان لیا ہے۔''

غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہونے کے ساتھ ہی میرا اکیلے خالق پر یقین تھا جس پر تمام غائب و موجود کا انحصار ہے۔ اگرچہ میرے والدین بدھ مت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے مستقل مزاجی سے خدائے واحد کی پرستش کی اور اس کی طرف ہمیشہ رجوع کیا۔ عیسائی ماحول میں تعلیم پانے کی وجہ سے میری شناخت شروع ہی سے عیسائی کے طور پر ہوئی۔

بدقسمتی سے اسلام کے متعلق میرا علم بے حد محدود تھا اور میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ شرق اوسط میں بسنے والی چند غیر مہذب اقوام کا مضحکہ خیز مذہب ہے جو نامعقول حد تک

ناروااور جبر پر مبنی ہے خصوصاً عورتوں کے لئے۔ میرا تصور یہ تھا کہ مسلم عورت کمتر خیال کی جاتی ہے اور محض ایک منفعل گھریلو خادمہ کے طور پر زندہ رہتی ہے اور تشدد سہتی ہے اور اپنے شوہر کی چار بیویوں میں جاری ازدواجی محبت حاصل کرنے کی دوڑ میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہنا جس کی مجبوری ہے ان نظریات میں سے اکثر کو میں نے سنی سنائی پر یقین کر کے اپنایا تھا ٹی وی پر ایران اور سعودی عرب کے بارے میں چند دستاویزی فلمیں دیکھ کر میں نے اس بات پر یقین کرلیا تھا جس میں عورت کو اک عجیب سے لباس میں محبوس کر کے دکھایا گیا تھا۔ یونیورسٹی پہنچنے پر مختلف پس منظر رکھنے والے کئی مسلمان طالب علموں سے میرا واسطہ پڑا۔ لاشعوری طور پر میں ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے مذہب کے متعلق مزید جاننے اور سمجھنے کی امنگ نے خود مجھے حیران کر دیا میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی مطمئن زندگی گزار رہے تھے اور جس کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اور خود میرے ساتھ کرتے تھے، متاثر کن تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ مذہب کے ساتھ ان کا والہانہ لگاؤ تھا، اس مذہب کے ساتھ جسے غلط اور منفی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا جارہا تھا۔

غیر شعور طور پر اسلام بتدریج میرے دل میں جگہ بنانے لگا اور اس کے متعلق جوں جوں میرا علم بڑھتا گیا، یہ مجھے اتنا ہی محبوب لگنے لگا حتیٰ کہ میرے اپنے مذہب عیسائیت سے بھی آگے نکل گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اسلام کے بارے میں میرا ماضی کا تاثر کس قدر غلط تھا اور عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقوق واحترام اور بلند مرتبے کے متعلق علم نے تو مجھے مبہوت ہی کر ڈالا۔ اب میں نے اسلامی انداز زندگی اور بودی امریکی اصطلاحی ''قدامت پسندی'' دونوں کی حقیقت دریافت کر لی تھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر کھلے ذہن کا مالک ناقص دلیل رکھتا ہو تو اسے طاقتور دلیل اور سچ کو قبول کر لینا چاہیے، خواہ کہیں ملے، یہی معاملہ میرا تھا نت نئی شہادتیں، ہر دفعہ کوئی نئی گرہ کھولتی چلی گئی اور لٹریچر دستیاب ہونے لگا جو میرے ذہن کو قائل اور دل کو مائل کرتا چلا گیا۔ اب تو مجھے اسلام کے متعلق سب کچھ معلوم کرنے کا جنون سا ہوگیا، اسلام کے ماننے والوں کے

ساتھ وابستگی تو مجھے بہت پہلے ہی محسوس ہونے لگی تھی ، اسلام کی یہ خوبی کہ زندگی کے ہر پہلو میں بے مثال رہنمائی فراہم کرتا ہے سب سے بڑھ کر جاذب توجہ تھی ، بالآخر وہ گھڑی آ گئی جب میں اس بارے میں یکسو ہو گئی کہ عیسائیت بطور مذہب کے کئی نقائص کا مجموعہ ہے اور میری اسلام کے بارے میں سابقہ رائے جہالت پر مبنی تھی ۔ چنانچہ ایک دوپہر تقریباً بیس افراد کے سامنے میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور باقاعدہ مسلمان ہو گئی ، میں یقیناً اس خوش بختی والے دن کو اور اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ میری زندگی پہلے ہی سال میں کس قدر بدل گئی ، مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام کی طرف آنا کیسے لگا اور کیا کیا مسائل درپیش آئے ، کسی ترس اور رحم کی طالبہ بن کر میں اس موضوع پر زیادہ گہرائی میں جانا نہیں چاہتی ، تاہم چند تجربات کا ذکر ضرور کروں گی ۔

پہلا رمضان شروع سے آخر تک ایک آزمائش کا دور تھا ، تقریباً ہر روز گھر میں جھگڑے ہوتے ، طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی جاتی ، مضحکہ اڑایا جاتا اور دھمکیاں دی جاتیں ۔ کئی دفعہ میرے کمرے میں اودھم مچا کر اسے ادھیڑ کر رکھ دیا گیا ، پراسرار طور پر کتابیں غائب ہو گئیں اور غلیظ قسم کے ٹیلی فون مجھے اور میرے دوستوں کو کیے جاتے ۔

اس طرح کے واقعات بھی بارہا پیش آئے کہ گھر کا دروازہ مجھ پر بند کر دیا جاتا یا مجھے بھوکا رکھنے کے لئے جان بوجھ کر سور کا گوشت پکایا جاتا ، یہاں تک کہ تادم تحریر میری ڈاک مجھے بعد میں موصول ہوتی ہے اور اس میں تانک جھانک پہلے سے کی جا چکی ہوتی ہے ۔ نہ صرف مجھے گھر میں آنے اور کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے بلکہ مالی طور پر بھی خود بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے ، ٹیلی فون ہی واحد ذریعہ رہ گیا ہے کہ جب موقع میسر آئے تو چپکے سے کسی مسلمان سے رابطہ کر کے مزید اسلامی تعلیمات سیکھوں ۔ مجھے اپنی تحریروں اور مسجد جانے کو ہمیشہ چھپانا پڑتا ہے اور مسلم دوستوں سے ملنے پر کڑی پابندی ہے کہ کہیں وہ مجھے مزید بھٹکا نہ دیں ۔ نماز اس وقت تک نہیں پڑھ سکتی جب تک یقین نہ ہو جائے کہ کوئی آس پاس نہیں ہے ، اسی طرح رمضان کے دوران اپنی مسرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتی ، میں ابھی تک حجاب اوڑھنے کی نعمت سے محروم ہوں جبکہ اسلامی تعلیمات پر گفتگو یا کسی

مسلمان عالم سے سیکھا ہوا سبق دہرانے کا موقع بھی نہیں ملتا، میں چاہتی ہوں کہ مسلم دنیا اور اسلام پر میڈیا کے ذریعے سے اچھالے جانے والے کیچڑ کے خلاف دفاعی جنگ لڑوں اور میرے والدین اس ضمن میں جو بوسیدہ خیالات رکھتے ہیں ان سے مسلسل نبرد آزما ہوں۔

والدین جب مجھ سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں تو ناقابل برداشت ہو جاتا ہے، اسی لئے میں شروع میں خود کو حد درجہ غیر محفوظ خیال کرتی کہ والدین مجھے مسلسل اذیت سمجھنے لگے ہیں، رمضان کے پورے مہینے میں میری ماں مجھ سے ایک لفظ نہیں بولی جبکہ دوسروں کو مخاطب ہو کر مجھے ہمیشہ یہ بات سناتی رہتی کہ میں نے خاندان کا نام ڈبو دیا ہے اور سخت غداری کی مرتکب ہوئی ہوں، میری ایک نہیں سنی جاتی اور مجھے بار بار کوسا جاتا ہے، جیسے میں نے ناقابل معافی جرم کیا ہے اور کسی کو معاشرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ پھر بھی مجھے کوئی شکوہ نہیں اور نہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ میری زندگی عذاب ہوگئی ہے، اس کے برعکس میں پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن اور پرسکون ہوں، یہ حالات بیان کرنے کا مقصد تو آپ کو یہ باور کرانا ہے کہ آپ لوگوں کو مواقع میسر ہیں مگر اکثریت دین کی قدر نہیں کرتی۔ کاش آپ لوگ محسوس کر سکیں کہ مجھ جیسے نئے اسلام لانے والوں کو جب دین سے دور، مجبور اور لاچاری کے عالم میں رکھا جائے تو ہمارے دل پر کیا گزرتی ہے، کاش سب لوگ دین کی قدر کرنا سیکھ لیں۔

سطحی طور پر ان مشکلات پر نظر ڈالی جائے تو لگے گا کہ مسلمان ہو کر سوائے دکھوں کے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، حالانکہ یہ تاثر قطعی غلط ہے، اسلام نے تو مجھے عظیم انعامات سے نوازا ہے، جب میں ان انعامات کا سوچتی ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جنت میں رکھے ہوئے ہیں تو میرا رواں رواں شکر گزاری اور مسرت کی انوکھی کیفیات محسوس کرتا ہے۔

میں نے اگرچہ اسلام کو حق اور سچ سمجھ کر قبول کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ یہ میرے اندر کس قدر تبدیلیاں لے آئے گا، اب میں حیران ہوں کہ اسلام کے ذریعے

مجھے کس قدر علم حاصل ہوا ہے۔ اسلام میرے خیالات میں کس قدر رچ بس گیا ہے، امت مسلمہ کے حوالے سے میرے احساسات کس قدر بڑھ گئے ہیں اور کیسے میں ہر گزرتے ہوئے لمحے میں پہلے سے بہتر مسلمان بنتی جارہی ہوں، یوں لگتا ہے کہ زندگی کی مسلسل ترقی کا نام اسلام ہے، یہ تو گویا ہر حلیہ پر چھا جاتا ہے اور روح کی ہر جہت کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

> ''اللہ کا ارشاد ہے کہ...... میرا بندہ میرے نزدیک آتا رہتا ہے...... حتیٰ کہ میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

میں اپنے ذاتی تجربے کو بلاکم وکاست اسی طرح پاتی ہوں۔ فقید المثال طور پر میں نے ایک مذہب کے ذریعے سے انسان کے انفرادی اور سماجی رویوں کے بارے میں علم حاصل کیا، اسی طرح جیسے جیو فزکس اور فلکیات کا ادراک حاصل کیا۔ جوں جوں اسلام سے میری شناسائی بڑھتی جارہی ہے میرا یقین پختہ تر ہوتا جارہا ہے کہ اسلام نے انسان کو درپیش آج کے سماجی و معاشی مسائل کا حل پہلے ہی پیش کر رکھا ہے۔

پچھلے ایک سال میں میری اسلامی معلومات بہت وسیع ہوئی ہیں۔ میں نے کئی قرآنی آیات کا زیادہ تفصیل سے مطالعہ کیا ہے، اس دوران کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے قرآن کے مستند ہونے یا اسلام کے دور حاضر کے سماج سے متعلق مسائل حل کرنے کے بارے میں کوئی شک گزرا ہو۔

مجھے اپنی شناخت مل چکی ہے۔ میری خود اعتمادی میں اضافہ ہوا ہے، آج میں ایک مضبوط، باصلاحیت عورت ہوں جو اپنے وجود سے پوری طرح آگاہ اور اپنی زندگی

کی جنگ لڑنے کے سلسلے میں زیادہ محفوظ اور تیار ہے۔ اس مضمون سے اگر مجھے کچھ حاصل ہوا ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رحمت کو بیان کیا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''وہ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔''

ہاں واقعی مجھ پر اس کی رحمت ہوئی ہے اور میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جنہیں ہدایت کی روشنی ملی اور جن کو قلب سلیم عطا ہوا ہے۔ (بشکریہ ندائے اسلام آسٹریلیا)

غیر مسلموں کے قبول اسلام کے مختصر واقعات

''اسلام کے مداح صرف ہم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں سمیٹنے کے لئے ایک الگ کتاب چاہیئے۔ میں یہاں صرف چند اسماء پر اکتفاء کروں گا، اور زیادہ توجہ ان نومسلموں پہ دوں گا جو اسلام کے کسی پہلو سے متاثر ہونے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اور اسلام پر طویل بیان دیے تھے۔''

مشہور پاپ سنگر صابر ابوالاعلیٰ (مصر)

صابر ابوالاعلیٰ مصر کے مشہور پاپ سنگر اور موسیقی کے استاد تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے چُن لیا اور وہ اس ''فن'' سے تائب ہو کر مصر کی راسخ العقیدہ جماعت ''الجماعت الاسلامیہ'' سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں ۳۲ سالہ صابر ابوالاعلیٰ اپنے ۲۴ سالہ بھائی محمود کے ساتھ نظر بند ہیں اور ان دونوں بھائیوں پر قاہرہ کی ایک فوجی عدالت میں جرمن سیاحوں کے قتل کے الزام میں مقدمہ چل رہا ہے۔ فوجی عدالت کے ججوں کا رویہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو یقینی سزائے موت دے دی جائے گی۔

صابر ابوالاعلیٰ نے پورے ایمانی جذبات کے تحت عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں عدالت کی طرف سے متوقع سخت سزا کی کوئی پرواہ نہیں، ہمیں یورپ اور یہودیوں کی طرف اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مقابلے میں شہادت فی سبیل اللہ زیادہ پسند اور قبول ہے۔

مشہور فلپائنی اداکار رابن کا قبول اسلام

فلپائن کے مشہور اداکار رابن پوڈیلا نے بھی فن کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول

کرلیا ہے ان دنوں وہ اسلحہ رکھنے کے جرم میں ۲۱ سالہ قید کاٹ رہے ہیں۔ ۲۴ سالہ رابن کا کہنا ہے کہ اسلام نے مجھے جذباتی اور روحانی طور پر مزید مستحکم بنادیا ہے۔ اس سال میں نے جیل میں پہلی بار رمضان کے روزے بھی رکھے ہیں۔ انہوں نے فلپائنی عوام سے کہا کہ وہ تعصب اور جھوٹ ونفرت کو ختم کر کے اسلام کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔

لارڈ فاروق کا قبول اسلام

پورا نام رائٹ آنریبل سر راؤلینڈ جارج ایلنسن ہیڈ لے تھا۔ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے، کیمبرج میں تعلیم پائی ۱۹۱۸ء میں اسلام لائے، اسلامی نام فاروق رحمت اللہ رکھا گیا، اور ۱۹۲۸ء کے قریب میں فوت ہو گئے۔ ان کی تصانیف میں سے ''اے ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام'' بہت مشہور ہے۔ اسلام لانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''میں کسی کے کہنے پر مسلمان نہیں ہوا، بلکہ یہ تبدیلی میرے طویل مطالعہ وفکر کا نتیجہ تھی۔ میں نے زندگی کے متعلق کچھ اصول و نظریات قائم کیے تھے، جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق نکلے۔ اسلام اور عیسائیت دونوں ملتے جلتے مذہب ہیں، یہ ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں، ان کے بنیادی اصول ایک ہیں اگر فرق ہے تو صرف فروع میں، میں ایسے ہزارہا افراد کو جانتا ہوں جو ذہنا مسلمان ہیں لیکن تنقید کے خوف سے اعلان نہیں کرسکتے۔''

ہملٹن کا قبول اسلام

سر چارلس ایڈورڈ آرچی بالڈ ہملٹن انگلستان کا بیرن تھا، فوج میں بھی رہا ۱۹۲۶ء میں اسلام لایا، اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا، یہ لکھتا ہے کہ:

> ''میرے لئے عیسائیت ایک چیستان تھی، اور اسلام کی آواز گویا میرے ضمیر کی آواز تھی، عیسائیت انسان کو فطرتاً گنہگار سمجھتی ہے اور اسلام اسے معصوم قرار دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کا یہ فیصلہ زیادہ معقول ہے۔''

الیگزینڈر رسل کا قبول اسلام

محمد الیگزینڈر رسل ویب ریاست کولمبیا (امریکہ) کے ایک شہر ہڈسن کا رہنے والا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوا، بڑے ہو کر سیاست اور جرنلزم میں نام پایا، ۱۸۸۷ء میں اسلام لایا، اور ۱۹۱۶ء میں فوت ہو گیا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے ایک بیان میں کہا:

"میں اس لئے مسلمان ہوا ہوں کہ صرف اسلام ہی انسان کی روحانی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے، میں بیس سال کی عمر میں کلیسا کے بے جان نظام سے متنفر ہو گیا تھا اس کے بعد مل، لاک، کانٹ، ہیگل، فشٹے اور اسی قسم کے دیگر علماء و حکماء سے ملا۔ ان لوگوں نے مجھے نباتی و حیوانی زندگی نیز ایٹم وغیرہ کے متعلق تو بہت کچھ بتایا۔ لیکن یہ نہ سمجھا سکے کہ روح کیا ہے؟ اور بعد از مرگ وہ کہاں چلی جاتی ہے، ان سوالات کا جواب اسلام نے فراہم کیا، میرا قبول اسلام کسی فوری جذبے کے تحت نہیں بلکہ مسلسل دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا نتیجہ تھا۔

اسلام کا ماحصل اللہ کی مشیت کے سامنے جھک جانا ہے اور عبادت اس کا سنگ بنیاد ہے، یہ عالمگیر محبت، اخوت، مروت، نیز پاکیزگی قول و عمل کی تعلیم دیتا ہے، میرے خیال میں یہ دنیا کا بہترین اور عظیم ترین مذہب ہے۔"

لیمر ٹین

لیمر ٹین ایک فرانسیسی مستشرق تھا اس کی تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکی اس نے اپنی کسی کتاب میں پیغمبر اسلام پر بھی کچھ لکھا تھا جس کا ترجمہ جنگ اخبار میں شائع ہوا ہے۔ چند جملے یہ ہیں:

"پیروان اسلام نے صرف ایک صدی میں ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر، مراکش، اسپین اور سندھ فتح کر لیا تھا، اگر نصب العین کی بلندی اور نتائج کی درخشندگی، کمال قیادت کا معیار بن سکتی ہے

تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی اور رہنما کو قطعاً پیش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ایک عظیم مفکر، بلند پایہ خطیب اور بے نظیر مقنن تھے۔ آپ نے شہروں اور قلعوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دلوں کو بھی فتح کیا۔ اور تقریباً بیس ممالک میں آسمانی بادشاہت قائم کی۔ لاؤ ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو، جن سے انسانی عظمت کرنا پا جا سکتا ہے اور پھر اس سوال کا جواب دو، کہ کیا محمدؐ سے بڑا کوئی انسان ہو سکتا ہے؟"

لارڈ ربرٹن کا قبول اسلام

لارڈ ربرٹن انگلستان کا ایک نواب تھا۔ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے برسوں لاہور کی بستی اچھرہ میں رہا۔ اس کا کام خیر کی تبلیغ تھا، یہ گلی گلی گھوم کر لوگوں کو دیانت، صداقت، محبت اور خدمت کا درس دیا کرتا تھا۔ آخر یہیں پر اپنے ایک مسلمان دوست امیر الدین کی ترغیب پر مسلمان ہو گیا۔ اس کا اسلامی نام جلال الدین رکھا گیا، ایک بیان میں کہتا ہے:

"عیسائیت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان فطرتاً گنہگار پیدا ہوا ہے، خدا کے متعلق یہ تصور قائم کرتا ہے کہ وہ بے رحم اور سنگدل ہے، مجھے اس عقیدے سے نفرت ہو گئی، اور میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا یہ مجھے بہت پسند آیا، کیونکہ یہ ایک سادہ اور فطری مذہب ہے۔ خلوص، محبت، تحمل، اور ہمہ گیر اخوت کا داعی۔"

محمد امان کا قبول اسلام (جرمنی)

محمد امان کا جرمنی نام معلوم نہ ہو سکا۔ یہ ایک نیم سیاسی مشنری تھا جو عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام لے آیا۔ اسلام کے متعلق اس کے تاثرات یہ ہیں:

"اسلام کے بنیادی اصول اس قدر معقول، فطری اور جاذب توجہ ہیں کہ کوئی طالب صداقت ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً توحید کو لیجئے، اس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اول: انسان ماسوا اللہ کی غلامی سے نکل جاتا ہے۔

دوم: توہمات سے بچ جاتا ہے۔

سوم: نوعِ انسان کو مساوات واخوت کی ایک محکم اساس مل جاتی ہے۔

اسی طرح آخرت کا عقیدہ اور یہ تصور کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ اور سب کچھ دیکھ رہا ہے، انسان کو گناہ سے بچاتا ہے، اسلام کی صلوٰۃ باقاعدگی سکھاتی ہے۔ اور صوم ضبطِ نفس کا درس دیتا ہے۔ کون نہیں مانتا کہ باقاعدگی اور ضبط، عظیم وصالح افراد کی صفات ہیں۔

میں نے کمیونزم، نازی ازم اور جمہوریت کا بھی مطالعہ کیا ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک باوقار اور شریفانہ زندگی کے اصول صرف اسلام میں ملتے ہیں۔''

ڈاکٹر لی آن کا قبول اسلام

ڈاکٹر لی آن ایم اے، پی ایچ ڈی، ایل ایل بی، انگلستان کا ایک سائنس دان تھا اس نے ۱۸۸۶ء میں اسلام قبول کیا اور اسلامی نام ہاورن مصطفیٰ رکھا، اس نے ایک موقع پر کہا:

''اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد عقل پر رکھی گئی ہے۔ عقل انسانی دماغ کی ایک اہم قوت ہے، جسے کلیسا قطعاً خاطر میں نہیں لاتا، لیکن اسلام کا حکم یہ ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے اسے عقل پہ پرکھو، اسلام اور صداقت مترادف الفاظ ہیں اور کوئی شخص عقل کی مدد کے بغیر صداقت تک نہیں پہنچ سکتا۔''

ڈاکٹر بینائسٹ کا قبول اسلام

پیرس کا یہ ڈاکٹر (طبیب) ۱۹۵۳ء میں اسلام لایا، اس کا اسلامی نام علی سلمان رکھا گیا۔ اس نے قبول اسلام کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''میں پیرس کی ایک کیتھولک فیملی سے تعلق رکھتا ہوں، تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں خدا اور عیسائیت ہر دو سے منکر ہو گیا تھا، کیونکہ عیسائیت

اور خصوصاً کیتھولزم کے اصول عقل کی رسائی سے باہر تھے، عیسی کو خدا اور
کو باپ، بیٹا اور روح القدس کا مجموعہ تسلیم کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔
چنانچہ میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس میں بعض ایسے سائنسی
حقائق پائے، جنہیں ماڈرن سائنس نے آج دریافت کیا ہے، اور مجھے یقین
ہو گیا، کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔"

ڈاکٹر رالف بیرن کا قبول اسلام

ڈاکٹر رالف آسٹریا کا رہنے والا تھا۔ یہ بچپن ہی میں اسلام کی طرف مائل ہو گیا تھا، آغاز شباب میں جب یہ ترکی کی سیاحت کو گیا تو وہاں یہ مساجد میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا رہا۔ اس نے ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کیا، اور اپنا نام عمر رکھا۔ ۱۹۳۹ء میں یہ مدراس یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہا یہ کئی کتابوں کا مصنف تھا جن میں سے ایک کا اردو ترجمہ "علم الاقوام" کے عنوان سے انجمن ترقی اردو دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ اسلام کے متعلق کہتا ہے کہ:

> "اسلام اسی صداقت کا نام ہے جو سب سے پہلے آدم علیہ السلام پر آشکار ہوئی تھی، اور آخر میں محمدؐ پر، اسلام کو قبول کرنا گویا عیسائیت ہی پہ دوبارہ ایمان لانا ہے، مذاہب میں وحدت خدائی ہے اور اختلاف انسانی۔ اسلام انسانی اخوت کا داعی ہے اور رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی اختلافات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔"

ڈاکٹر جزمینس کا قبول اسلام

ڈاکٹر جزمینس، بوداپسٹ (ہنگری) یونیورسٹی میں پروفیسر تھا، دوسری جنگ سے ذرا پہلے ہندوستان بھی آیا اور کچھ عرصہ ٹیگور کی درسگاہ شانتی نکیتن میں رہا۔ پھر دہلی کی جامعہ ملیہ میں چلا گیا، اور وہیں مشرف بہ اسلام ہوا اس کا اسلامی نام عبدالکریم تھا۔ اس نے ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۰ء میں زندہ تھا۔ اس نے اپنے ایک خواب کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

''ایک رات رسول اسلام میرے خواب میں آئے اور فرمایا کہ بے جھجک قدم اٹھاؤ، صراط مستقیم تمہارے سامنے ہے۔ پھر یہ فصیح و بلیغ آیت تلاوت فرمائی:

﴿الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً وخلقناكم ازواجاً وجعلنا نومكم سباتاً وجعلنا الليل لباساً وجعلنا النهار معاشاً﴾

﴿کیا ہم نے زمین کو بستر، اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا؟ کیا ہم نے تمہیں مرد و زن کی صورت میں پیدا نہیں کیا؟ کیا ہم نے نیند کو سکون اور رات کو پردہ پوش اور دن کو کسب معاش کے لئے موزوں نہیں بنایا؟﴾

''اس خواب کے بعد مجھ پر اسلام کی صداقت کا آشکارا ہوگئی میں جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں پہنچا، اور وہاں اعلان اسلام کردیا، اس پر ہر طرف سے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ کئی ہزار انسانوں نے اٹھ کر مجھ سے معانقہ کیا، نیز میرے ہاتھ چومے، میں اخوت ومحبت کے اس منظر سے بے حد متاثر ہوا اور میری روح سے مسرت کی اتنی بڑی لہر اٹھی جس کی لرزشیں زندگی بھر باقی رہیں گی۔''

ڈاکٹر مارقس کا قبول اسلام

ڈاکٹر مارقس ایک جرمن صحافی تھا، اسلام لانے کے بعد حامد مارقس کہلانے لگا، لکھتا ہے کہ:

''اولاً میں اس اخلاقی وروحانی انقلاب سے متاثر ہوا، جو اسلام نے پیدا کیا تھا، ثانیاً اس حقیقت سے کہ اسلامی تعلیمات سائنس کی جدید تحقیقات سے متصادم نہیں۔ ثالثاً اس بات سے کہ اسلام ایک فرد کو آزادی سے محروم نہیں کرتا بلکہ آزادی کی جائز حدود متعین کرتا

ہے، رابعاً یہ وسعت ظرف ونظر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور صداقت کو جس
ماخذ سے بھی ملے، لے لیتا ہے۔"

ولیم برشل بشیر کا قبول اسلام

کیمبرج سے بی اے اور لندن یونیورسٹی سے ایل ڈی کی ڈگری لینے کے بعد فوج میں بھرتی ہوگیا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں جرمنوں کے خلاف لڑا۔ زخمی ہوگیا اور جرمنوں نے اسے سوئٹزرلینڈ کے ایک ہسپتال میں بھیج دیا، جب یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو ایک دن اس نے بازار سے قرآن پاک کا ایک فرانسیسی ترجمہ خریدا اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اعلان کیا کہ:

"مجھے قرآن کے مطالعہ سے بے اندازہ روحانی مسرت ہوئی ہے میں یوں محسوس کر رہا ہوں گویا لافانی صداقت کا آفتاب مجھ پر تجلیاں برسا رہا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ بہترین لباس اسلام ہے بہترین کلاہ ثنائے ایزدی اور بہترین رشتہ خدا سے محبت ہے۔"

کرنل ڈانلڈ راک ویل کا قبول اسلام

امریکہ کا یہ شاعر، نقاد اور مصنف لکھتا ہے کہ:

"میں اسلام کی سادگی، مساجد کی مقدس فضا اور پانچ وقت کی عبادت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اسلام میں کچھ اور خوبیاں بھی ہیں، مثلاً

الف: یہ پہلے انبیاء و صحائف کا مداح ہے۔

ب: اس نے خواتین کو حق جائیداد دیا۔

ج: انسان کو افراط و تفریط سے بچایا۔

د: شراب، قمار اور سود سے روکا۔

ہ: صحیح جمہوریت کا سبق دیا۔

و: غریب کو امیر کا ہم مرتبہ بنایا، رنگ اور نسل کے امتیازات ختم کیے۔

ز: تمام مابینی واسطے ہٹا کر انسان کا تعلق براہ راست خدا سے قائم کیا۔"

آرائیل کلیما کا قبول اسلام

ہالینڈ کا یہ صاحب قلم ۱۹۵۴ء میں لاہور آیا اور مسلمان ہو گیا، قبول اسلام کی وجوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مجھے اسلام کی یہ چیزیں پسند آئیں:

اول: خدا اور اس کی صفات کا حسین تصور۔

دوم: یہ عقیدہ کہ انسان کسی واسطے کے بغیر اللہ سے تعلق قائم کر سکتا ہے۔

سوم: کہ زید کے گناہوں کی سزا عمر کو نہیں ملے گی۔

چہارم: یہ انسانوں میں مساوات کا قائل ہے اور رنگ و نسل کے امتیازات کا دشمن۔

پنجم: یہ روح و مادہ کو ایک ہی حقیقت کے دو رخ سمجھتا ہے۔"

والٹر موزگ، سیف الدین کا قبول اسلام

یہ اپنی کہانی یوں بیان کرتا ہے کہ:

"میں ۱۹۴۳ء کو برلن میں پیدا ہوا تھا، وہاں سے میرے والدین ارجنٹائنا چلے گئے۔ چونکہ میرا مقصد مشنری بننا تھا۔ اس لئے میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے لگا، ایک روز اتفاقاً قرآن کا ایک ہسپانوی ترجمہ مجھے مل گیا میں نے اسے نفرت سے کھولا، لیکن جب اسے ختم کیا تو اسلام سے محبت میرا ایمان بن چکی تھی۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے باطل سے صداقت، غلط سے صحیح، ظلمت سے نور اور عیسائیت سے اسلام کی طرف رہنمائی کی۔ مجھے قرآن میں تمام سوالات کے جوابات اور شکوک کا حل مل گیا ہے، میری تاریکیاں نور میں، اور میرا اضطراب سکون میں بدل گیا ہے، اللہ نے مجھے اپنے نور کی طرف اس زور سے کھینچا ہے کہ میں نے سپر ڈال دی ہے۔ مجھ پر تمام حقائق روشن ہو گئے ہیں، اب میں خدا، کائنات اور اپنے آپ کو سمجھنے لگا ہوں، اور میری دنیا یکسر بدل گئی ہے۔"

جان ویبسٹر محمد کا قبول اسلام

انگلینڈ کا یہ نومسلم ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوا، اور ۱۹۳۳ء میں اسلام قبول کیا، یہ لکھتا ہے کہ:

''عیسائیت زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی یہ دنیا کو شیطان کی بازی گاہ، اور انسان کو فطرتاً گنہگار سمجھتی ہے۔ اگر ہم مسیحی تعلیمات پہ پوری طرح عمل کریں تو صرف راہب بن سکتے ہیں اور نہ کریں تو خطا کار رہ جاتے ہیں۔ اسلام وہ مذہب واحد ہے جو اس قسم کی پیچیدگیوں سے معرا ہے۔''

زجرسکی، اسماعیل کا قبول اسلام

پولینڈ کا یہ سماجی کارکن ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوا، اس کا والد رسماً عیسائی تھا اور عملاً ملحد۔ دوسری جنگ کی تباہ کاریاں دیکھ کر اسے خیال آیا کہ زندگی کا مقصد پیٹ بھرنا نہیں کچھ اور بھی ہے، جب انسان مقصد اعلیٰ ترک کر دیتا ہے تو خدا اسے راہ راست پہ لانے کے لئے سزائیں دیتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی یہ سچے مذہب کی تلاش میں نکل پڑا اور اسلام پر ایک پمفلٹ پڑھنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں مسلمان ہوگیا۔ اس کے تاثرات یہ ہیں:

''اسلام ہی زندگی کے اصل مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ یہ وہ شاہراہ ہے جو آسمانی بادشاہت تک پہنچاتی ہے میں اسلام کے بعض احکام خصوصاً زکوٰۃ، میراث، امتناع سود، حج اور محدود تعدد ازواج سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اسلام سرمایہ داری اور کمیونزم کے مابین ایک راہ اعتدال ہے رنگ ونسل کے امتیازات سے ماورا۔''

بیٹرس بے۔ عبداللہ

برطانوی فوج کا یہ میجر پہلی جنگ سے کچھ پہلے برما میں متعین تھا اس کا تعلق ملٹری پولیس سے تھا۔ یہ لکھتا ہے کہ:

''مجھے ہر روز ایک کشتی کے ذریعے ادھر اُدھر جانا پڑتا۔ ملاح کا نام شیخ علی تھا، چٹاگاؤں کا رہنے والا نہایت صاف ستھرا رہتا تھا، اور

دن میں کئی بار قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کرتا تھا میں اس کی پارسایانہ زندگی کو دیکھ کر اسلام کے متعلق سوچنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس مذہب نے ایک ناخواندہ ملاح کو اس قدر متقی، دیانتدار، سچا اور مہذب بنایا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ یہ یقین پچیس برس تک ایک راز بن کر میرے سینے میں نہاں رہا، لیکن جب یہ ظہور کے لئے بے تاب ہو گیا تو میں ۱۹۲۸ء میں یروشلم کی ایک مسجد میں چلا گیا اور اسلام کا اعلان کر دیا۔ میں ہر روز ہر نماز کے بعد، اس ملاح کو دعائیں دیتا ہوں جس کے پاکیزہ عمل نے مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا تھا۔ برما میں مجھے بدھ راہبوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن میں ان سے اسی لئے متاثر نہ ہوا کہ ان میں زندگی سے فرار کا پہلو بہت نمایاں تھا اور فعالیت مفقود۔"

نپولین:

فرانس کے مشہور شہنشاہ نپولین بونا پارٹ نے ایک مرتبہ کہا تھا:

"موسیٰ نے وجود خدا کا اعلان بنی اسرائیل کے سامنے کیا تھا، مسیح نے رومی دنیا کے سامنے اور محمدؐ نے دنیا کے قدیم ترین براعظم یعنی ایشیا کے سامنے۔ محمدؐ نے اس دنیا کو ابرہیمؑ، اسماعیلؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے خدا کی پرستش کی طرف بلایا۔ جسے آریاؤں اور چند دیگر مذہبی اقوام نے بت پرست بنا دیا تھا۔ وہ وقت دور نہیں جب میں دنیا کے تمام تعلیم یافتہ دانا اور مہذب انسانوں کو قرآن کریم کی صداقتوں پر دوبارہ جمع کروں گا۔ قرآن وہ واحد کتاب ہے جس کی تعلیمات میں صداقت ہے اور جو دنیا کو مسرت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔"

جان ایف سی لی

ملایا کا یہ عیسائی کیمبرج سے فارغ التحصیل ہے ۱۹۶۴ء میں اسلام لانے کے بعد اس نے ایک اخباری بیان میں کہا:

''میں اس لئے اسلام لایا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات حکمت ودانش پر مبنی ہیں۔ یہ مساوات کا قائل اور بددیانتی و بے انصافی کا دشمن ہے۔ یہ ایک گال پہ تھپڑ کھانے کے بعد، دوسرا گال پیش نہیں کرتا بلکہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ مانگتا ہے۔''

روفی حسین:

انگلستان کا یہ مبلغ لکھتا ہے کہ:

''کہ عیسائیت کے بعض اصول مثلاً مسیح کی خدائی، کفارہ وغیرہ میرے لئے ناقابل فہم تھے۔ اسی لئے میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پہلے یہودیت کا جائزہ لیا اور پھر ہندودھرم کا میں نے جب بھارت میں ایسے دس کروڑ اچھوت دیکھے جو اس امید پر جی رہے تھے کہ شاید اگلے جنم میں وہ برہمی یا کھتری بن جائیں۔ تو میں اس فاشی مذہب سے متنفر ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے بدھ مت کا مطالعہ کیا وہاں سنیاس، یوگ اور بھگتی کے سوا کچھ بھی نہ پایا۔ اس تعلیم پر چند منتخب افراد تو عمل کر سکتے ہیں لیکن عوام کے لئے یہ بے کار ہے، اس کے بعد میں اسلام کی طرف متوجہ ہوا اور ۱۹۴۵ء میں مسلمان ہو گیا۔ میں اس تبدیلی پر بہت نازاں ہوں کیونکہ اسلام ہی نے یورپ کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا تھا میرے بعض احباب کا تاثر یہ ہے کہ میں نے الٹی زقند لگائی ہے یہ ان کی بھول ہے۔ اسلام ایک عظیم و تابعدار تہذیب ہے جسے دنیا کے تمام دانش مند بنظر احترام دیکھتے ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام میں امیر و غریب کا تفاوت اتنا کم ہے کہ کسی مسلم ریاست میں کمیونزم آ ہی نہیں سکتا۔''

تھامس اروِنگ

کینیڈا کا یہ سماجی کارکن لکھتا ہے کہ:

''میں محمدؐ پر اس لئے ایمان لایا ہوں، کہ اس تاریک دور میں محمدؐ جیسے مصلح کی شدید ضرورت تھی، میں نے برسوں سوچا، اور زندگی کے کچھ اصول وضع کیے جنہیں تعلیمات اسلام کے عین مطابق پایا۔''

اوورنگ۔فوزالدین محمد:

ہالینڈ کا یہ نومسلم کہتا ہے کہ:

''میں اسکول میں عربی بھی پڑھتا تھا، جس کی وجہ سے بار بار آیات اور احادیث سے واسطہ پڑتا اور میں مائل بہ اسلام ہوتا گیا۔ ایک مرتبہ ہاتف اصفہانی کی ترجیعبند سامنے آ گئی۔ یہ نظم ایک ایسی مضطرب روح کی آواز تھی، جو تلاش صداقت میں ہر سُو آوارہ ہو چونکہ میری اپنی کیفیت بھی یہی تھی اس لئے میں شاعر کا ہم نوا بن گیا، اور اسلام لے آیا۔''

میتا۔عمر

جاپان کا یہ فاضل لکھتا ہے کہ:

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے دولت اسلام سے نوازا، جاپان والے زمانا تو مہاتما بدھ کے معتقد ہیں لیکن عملاً باغی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدھ کا بلند اور پیچیدہ فلسفہ عوام کی سمجھ سے باہر ہے۔ اگر مسلمان مشنری میرے ہم وطنوں کو اسلام کے اصولوں سے روشناس کرائیں تو بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔ کیونکہ اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہے، پیچیدگیوں سے معرا حیات کے ہر پہلو پر حاوی، جسے نہ تو سمجھنا مشکل ہے اور نہ اس پر عمل کرنا۔ جاپان کے لوگ مادیت میں پڑ کر مضطرب ہو گئے ہیں اور وہ اس سکون کی تلاش میں ہیں جو محبت، صداقت، خلوص، دیانت اور

دیگر محاسن میں ملتا ہے اور اسلام انہی محاسن کا نام ہے۔"

ماری۔محمد علی

یہ جاپانی اپنی کہانی یوں بیان کرتا ہے کہ:

"۱۹۳۰ء میں مجھے منچوریا جانے کا اتفاق ہوا وہاں پیجنگ کے قریب ایسے مسلمان دیکھے جو بڑے خداترس اور پارسا تھے، میں ان کی زندگی سے بہت متاثر ہوا اور رفتہ رفتہ مسلمان ہو گیا۔

دوسری جنگ کے بعد جاپان میں عیسائیت پھیل رہی ہے گو یورپ خود عیسائیت کو چھوڑ چکا ہے لیکن آپنے نوآبادیات میں اسے بدستور استعماری مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہے۔عیسائیت ہمارے مسائل کو حل نہیں کر سکتی، ہمارے اضطراب کو صرف اسلام دور کر سکتا ہے۔

میرا یہ ایمان ہے کہ اللہ کا یہ عظیم پیغام بہت جلد ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔اور یہ زمین جو اس وقت اضطراب کا ایک جہنم ہے فردوس سکون بن جائے گی۔"

ایچ ایف فیلوز:

برطانوی بحریہ کا یہ افسر، جو دونوں لڑائیوں میں جرمنوں کے خلاف لڑتا رہا ایک بیان میں کہتا ہے کہ:

"دوران ملازمت مجھے بحریہ کی ایک کتاب ہدایات مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔اس میں تمام مباحات ممنوعات کی تفصیل درج تھی جزاؤ سزا کا ذکر، برطانیہ کی بحری طاقت اس لئے عظیم ہے کہ اس کے ملاح، سپاہی اور افسر اس کتاب ہدایات کے پابند ہیں۔قرآن ویسی ہی ایک کتاب ہدایات ہے زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ اس کا مقصد نوع انسان کو جلیل وجمیل بنانا ہے۔یہ آسمانی مذاہب کا آخری مکمل ایڈیشن ہے۔"

تکوچی ۔محمد سلیمان:

جاپان کا یہ نومسلم کہتا ہے:

میں اس لیے مسلمان ہوا ہوں کہ:

الف: اسلام عالمگیر اخوت کا داعی ہے۔

ب: بدھ ازم اور عیسائیت میں ایک راہب کو عبادت کے لئے بستیوں سے دور جنگلوں اور پہاڑوں میں جانا پڑتا ہے، لیکن اسلامی مساجد بازاروں اور گلیوں میں ہوتی ہیں مطلب یہ کہ اسلام کا تعلق زندگی سے ہے جو بازاروں اور گلیوں میں نظر آتی ہے نہ اس سے جو ایک راہب غاروں میں بسر کرتا ہے۔

ج: چونکہ اسلام کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔اس لئے اس نے انسانی تہذیب چمکانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

د: اسلام زندگی کے ہنگاموں اور ہمہموں میں چمکتا ہے، لیکن باقی مذاہب شور و غوغا سے دور بھاگتے ہیں۔

ہ: یہ روح و مادہ دونوں پہ برابر برابر نظر رکھتا ہے، عصر رواں کی مادی تہذیب نے اقوام عالم کی روحانیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اور روح کی صفات جمیلہ مثلاً محبت، رحم، مروت، ایثار اور انصاف وغیرہ کو ختم کر دیا ہے اس خلاء کو صرف اسلام پُر کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے اسلام کا مستقبل بہت روشن نظر آتا ہے۔"

ایس اے بورڈ:

امریکہ کا یہ باشندہ ۱۹۲۰ء میں اسلام لایا تھا، اس کا اسلامی نام صلاح الدین رکھا گیا ہے، یہ ایک بیان میں کہتا ہے کہ:

"میں اسلام کی تین چیزوں سے بہت متاثر ہوا ہوں:

اول: توحید یعنی یہ عقیدہ کہ کائنات کا خالق و مالک ایک ہے، اگر کسی

اسکول میں دو ہیڈ ماسٹر یا کارخانے میں دو آقا ہوں تو وہاں کوئی نظم وضبط نہیں رہتا۔ دو آقاؤں کو راضی رکھنا کھیل نہیں اسلام صرف ایک آقا کا قائل ہے۔ یہی خیر وشر، نور وظلمت، بہار وخزاں اور مسرت وغم کا خالق ہے۔

دوم: اسلام زید کو عمر کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔

سوم: اسلام جس ملک میں بھی پہنچا، وہاں کے باشندوں کو ظلمت وغلاظت جہالت اور بد اخلاقی کی پستیوں سے نکال کر علم، نور، اور تہذیب کی بلندیوں سے روشناس کیا۔ جب عرب اسپین میں پہنچے تو وہاں جہالت و غلاظت کے سوا کچھ نہیں تھا وہ نہانے اور دھونے تک سے ناآشنا تھے، ان کے میلے کپڑے بدن سے یوں جھڑ جاتے تھے جیسے خزاں میں درختوں کے سوکھے پتے، لیکن عربوں کے اثر سے وہ لوگ علم وتہذیب کے اس مقام پر پہنچے کہ دنیا بھر کے طلبا ان کی درسگاہوں میں جانے لگے۔"

بی ڈیوسی

یہ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوا، تعلیم ختم کرنے کے بعد عیسائیت کے متعلق متردد سا ہوگیا اور سوچنے لگا کہ نوجوان اس مذہب سے کیوں بھاگ نکلے ہیں؟ یہ صرف کلیساؤں تک کیوں محدود رہ گیا ہے؟ اور اپنے پیروؤں کے عمل پر کیوں اثر انداز نہیں ہوتا؟ چنانچہ یہ عیسائیت کو چھوڑ کر پہلے کمیونسٹ اور پھر فاشسٹ بنا، لیکن اس کا اضطراب باقی رہا۔ ایک دن اس نے "اسلامک ریویو" کا ایک پرچہ کسی بک اسٹال سے خریدا اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ یہ لکھتا ہے کہ:

"میں اسلام سے بہت مطمئن ہوں، کیونکہ یہ میری تمام مادی وروحانی آرزوں کی تکمیل کرتا ہے۔"

تھامس کلیٹن۔ محمد

امریکہ کا یہ نومسلم لکھتا ہے کہ:

"ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ کسی اسلامی

ملک میں گیا، وہاں ایک دن ہم کسی گاؤں میں گھوم رہے تھے کہ ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کی صدا ہمارے کانوں سے ٹکرائی ہم وہیں رک گئے، دیکھا کہ ہر گھر اور ہر گلی سے لوگ عبادت گاہ کی طرف جا رہے ہیں انہوں نے صفیں باندھیں امیر، غریب، حاکم، محکوم، عالم، تاجر، سیاہ اور سفید کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کئی بار سجدے میں گرے آخر میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور پھر اللہ کے نام کا ورد کرتے ہوئے مسجد سے باہر نکل گئے۔ میں اس منظر سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام کے متعلق سوچنے لگا، اور چند ماہ بعد مسلمان ہو گیا۔''

جے ڈبلیو لوگراف:

یہ انگلستان سے تعلق رکھتا ہے اسلام کے متعلق کہتا ہے کہ:

''قرآن وہ واحد کتاب ہے جس کے الہامی ہونے پر بے شمار تاریخی دلائل موجود ہیں۔ اور محمدؐ وہ واحد رسول ہیں جن کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں۔

اسلام ایک ایسا فطری اور سادہ سا مذہب ہے جو اوہام و خرافات سے پاک ہے۔ قرآن نے اس مذہب کی تفصیل پیش کی اور رسولؐ نے اس پر عمل کر کے دکھایا، قول و عمل کا یہ حسین امتزاج کہیں اور نظر نہیں آتا۔''

ٹی ایچ میکبارکل

آئرلینڈ کا یہ نو مسلم کہتا ہے کہ:

''گو میری ولادت ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی تھی۔ لیکن میں جوانی ہی میں عیسائیت کی پیچیدہ تعلیمات سے برگشتہ ہو گیا تھا، جب میں اسکول سے نکل کر یونیورسٹی میں پہنچا تو اپنے لئے ایک مذہب اختراع کیا۔ ایک دن ایک چھوٹی سی کتاب ''اسلام اینڈ سویلیزیشن'' میرے ہاتھ لگ گئی۔ اسے پڑھا تو احساس ہوا کہ مجھے

صرف اسلام ہی مطمئن کر سکتا ہے، یہ مذہب اتنا وسیع ہے جتنی انسانیت، یہ امیر و غریب، سیاہ و سفید، اور شرقی و غربی سب کا مذہب ہے تمام امتیازات سے بالاتر۔"

ڈیوس وار نگٹن فرائی:

آسٹریلیا کا یہ طالب علم لکھتا ہے کہ:

"اسلام میری زندگی میں یوں داخل ہوا جیسے خزاں زدہ چمن میں بہار، اس کی تابدار، شفاف اور حیات بخش تعلیمات نے میری روح کو گرما دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عصر رواں کو صرف اسلام ہی مطمئن کر سکتا ہے۔"

بی۔ کارے۔ فاروق:

زنجبار کا یہ پارسی ۱۹۴۰ء میں مسلمان ہوا تھا۔ قرآن کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"قران کا گجراتی ترجمہ پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ صرف یہی کتاب انسانی اخوت، مساوات، محبت، رحم، عدل اور انسانیت کبریٰ کا درس دیتی ہے اور مسلمان اس کتاب کی وجہ سے دنیا میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔"

تھامس کارلائل:

انگلستان کا یہ ادیب و فلسفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مداح تھا، اپنی مشہور کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لکھتا ہے کہ:

"محمدؐ اور اس کے پیرووں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا صحراء پہ ایک بجلی گری، دہلی سے غرناطہ تک ایک آسمانی آگ بھڑک اٹھی، اور چار سو اجالے پھیل گئے۔"

ارک سن۔محمود:

یہ سویڈن سے تعلق رکھتا ہے۔۱۹۵۰ء میں اسلام لایا، اور وجہ یہ بتائی کہ:
''اسلامی تعلیمات مبنی بہ عقل ہیں۔قرآن جابجا دلائل سے کام لیتا ہے، اور اپنے پیروؤں کو تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔اسلام تمام کائنات کا مذہب ہے، یہ خدا کو صرف خدائے اسلام نہیں بلکہ رب العالمین سمجھتا ہے۔''

محمد المہدی:

آسٹریلیا کا یہ نومسلم لکھتا ہے کہ:

''ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مستشرقین کی کتابیں ہیں جن میں اسلام کو بدترین رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔لیکن میں آزادانہ تلاش صداقت کا قائل ہوں، پچھلے دنوں جب میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا تو دو چیزوں سے بڑا متاثر ہوا:

اول: کینو (شمالی نائیجیریا) کی حسین مسجد سے۔

دوم: مسلمانوں کی سادگی، خلوص، محبت اور وسعت ظرف سے۔اس کے بعد میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔اور مسلمان ہو گیا میرا یہ ایمان ہے کہ عیسائیت سے بےزار یورپ، بالآخر اسلام ہی سے مطمئن ہوگا۔

افریقہ میں بار بار مجھے یہ منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ عیسائیت قبول کرنے والے، تثلیث و کفارہ جیسے ناقابل فہم عقائد سے گھبرا کر دوبارہ ملحد ہو جاتے ہیں۔لیکن کسی نومسلم کو اسلام ترک کرتے نہیں دیکھا، کیونکہ اسلام مذہب عقلی ہے اور اس کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔''

یونٹس۔موسیٰ:

تانگانیکا (افریقہ) کا یہ نومسلم ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوا، بعد از تعلیم پہلے عیسائی بنا اور پھر ۱۹۶۴ء میں اسلام قبول کر لیا:

''میں عیسائیت کے بنیادی عقائد یعنی تثلیث، کفارہ وغیرہ سے ہمیشہ غیر مطمئن رہا کچھ عرصہ ہوا ایک پڑھے لکھے مسلمان سے میری دوستی ہوگئی اس نے اسلام پر اس رنگ میں روشنی ڈالی کہ میں مسلمان ہوگیا مسلمان گذشتہ انبیاء وصحائف پہ ایمان رکھتے ہیں اور گرجوں کی طرح ان کی مساجد میں مقدسین کی مورتیاں نہیں ہوتیں۔''

ڈاکٹر سی۔ ایف۔ اینڈریوز کی رائے:

''تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ پر، جب تمام دنیا بتوں کی پرستش کر رہی تھی، اسلام نے لا الٰہ الا اللہ کی ندا بلند کی۔ اگر آج کی دنیا میں خدا کا ایک واضح اور غیر مبہم تصور ملتا ہے تو اس کی وجہ مسلمانوں کی انتھک اور طویل جدوجہد ہے۔''

تموان فرینک اسلام کے سائے میں

تموان فرینک جو کئی گرجا گھروں کے صدر رہ چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۱ء کو یوگنڈا کے شہر مساکا میں ایک عیسائی گھر میں پیدا ہوئے ابتدائی اور ثانوی تعلیم وتربیت کیمیا اور گوما میں حاصل کی۔ اسی دوران انہوں نے زراعتی علوم بھی سیکھے، پھر ان کا رجحان عیسائی مذہب کی طرف بڑھ گیا اور انہوں نے گوما کی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ لے لیا، فراغت کے بعد وہ ایک گرجا گھر کے پادری مقرر ہوگئے، مذہب پرستی اور عیسائیت پسندی کے سبب انہیں یوگنڈا کے کئی گرجا گھروں کا صدر بھی بنایا گیا۔ اور اپنے زمانہ صدارت میں انہوں نے بیاگا (Buyaga)، مریمبر (Marembar)، ماگیری (Magiri)، دینو (Dino)، روکنیا (Rukunya)، کیوتیرا (Kyotera)، اور کاموزندا (Kamuzinda) میں بہت سے گرجا گھر تعمیر کروائے، اور آخر میں یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور کفالت کے لئے ایک ادارہ بھی کھولا جس میں دو ہزار یتیم بچوں کی پرورش کی سہولت تھی، اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ میرا دل ہر وقت فکر مند اور بے چین رہتا تھا کہ میں ہدایت پر نہیں ہوں۔

جنت میں دخول کا باعث اسلام ہے:

وہ کہتے ہیں کہ موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بہت سی چیزوں نے مجھے حیرت اور شک وتذبذب میں ڈال دیا، چنانچہ میں حق کی تلاش میں لگ گیا، اور کئی اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا تو مجھے یقین کامل ہوگیا کہ دین اسلام ہی دین حق ہے، اور صرف یہی مذہب مرنے کے بعد جنت میں دخول کا باعث ہے، تو میں نے گرجا گھر کی خدمت سے علیحدگی اختیار کرلی اور دیگر گرجا گھروں کی صدارت سے ۲۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کو استعفیٰ دیدیا۔ پھر میں نے اسلامی لٹریچر اور کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو میرے دل کو سکون اور اطمینان نصیب ہوا۔ اور میرا ذہن اسلام کے لئے ہموار ہوگیا چنانچہ ۲۲ فروری ۱۹۹۶ء بروز جمعرات کمبالا شہر کے مسجد میں داخل ہوکر بھرے مجمع میں اسلام قبول کرلیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر توحید ورسالت کی گواہی دی، اور اپنا نام مصطفیٰ تموان رکھا۔ میرے اسلام قبول کرنے کے بعد میری اہلیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ جو اس سے قبل گرجا گھر کے داخلی امور کی نگراں تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم لوگ اب اسلامی تعلیمی وتربیتی ادارہ دارالارقم میں توحید ورسالت کی بنیادی باتیں اور اسلام کے ارکان عملی طور پر سیکھ کران پر عمل کر رہے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا فریضہ:

مصطفیٰ تموان کہا کہنا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے بعد اپنے علاقہ میں دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دوں گا، تاکہ ان کی راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کروں اور انشاء اللہ میں اپنی آخری سانس تک یہ خدمت انجام دیتا رہوں گا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

مائیکل شہلوب، شہرت یافتہ اداکار

مصر کے شہرت یافتہ اداکار مائیکل شہلوب نے مذہب اسلام قبول کرکے اپنا اسلامی نام عمر شریف رکھا ہے اور وہ اب عمرہ کے لئے سعودی عرب پہنچ گئے ہیں

انہوں نے اپنے مذہب اسلام کا اعلان پیرس میں مصری قونصل جنرل کے سامنے کیا، انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے انہیں دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

فلپائن کا عیسائی فلم ایکٹر کا قبول اسلام

فلپائن کے عیسائی فلم ایکٹر بوڈیلا نے اسلام قبول کر کے اس سال فریضۂ حج ادا کیا اور ان کا اسلامی نام عبدالعزیز رکھا گیا۔ حج کے دوران سعودی عرب میں وہ جہاں بھی گئے سعودی عرب میں فلپائن کے برسر روزگار باشندوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سعودی عرب میں اخباری نمائندوں کو اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتایا کہ میرے قبول اسلام میں مطالعہ اور ایک افریقی مسلمان نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مذہب اسلام سمجھنے کے لئے کھلے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ بھلے و برے کا فیصلہ وہ خود کر سکیں۔ انہوں نے بتایا کہ اسلام فلپائن کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے اسلام کے تذکرے کے بغیر فلپائن کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے فلپائن کی موجودہ حکومت کی تائید کی اور کہا کہ حکومت کی پالیسی سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دوری کم ہوئی ہے۔

مشہور باسکٹ بال کے کھلاڑی بوری بارنیس نے اسلام قبول کرلیا:

امریکہ کا مشہور باسکٹ بال کھلاڑی بارنیس پروفیشنل باسکٹ بال کھیلنے کے لئے اسرائیل آیا ہوا تھا، اس نے سیزن ختم ہونے کے بعد امریکہ واپس جانے سے پہلے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، بارنیس نے اسلام قبول کرنے کی وجہ اپنے دوست اور ماہر نفسیات ڈاکٹر سعد المصری کے وعظ کو قرار دیا، دونوں امریکہ میں ورجینیا یونیورسٹی میں ہم جماعت تھے، بارنیس کا اسلامی نام بلال رکھا گیا ہے، واضح رہے کہ بارنیس کے قبول اسلام کی رسم جبل ابوغنیم کے سامنے فلسطینیوں کے ایک احتجاجی کیمپ میں ادا کی گئی۔ جبل ابوغنیم میں یہودیوں کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے منصوبے پر فلسطینی احتجاج کر رہے تھے۔

فلپائن کا فلم اسٹار اداکار جیل میں اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا

یہ رپورٹ تو صرف امریکی جیلوں میں اسلام کی مقبولیت پر خاص طور پر لکھی

جارہی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی جیلوں میں قیدیوں کی اپنے سابقہ مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کے رفتار میں مسلسل تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ایک تازہ اطلاع کے مطابق فلپائن حکومت نے ملک کی فلمی دنیا کے ایک ایکشن سپر اسٹار اداکار ''واین یاڈیلا'' کو غیر قانونی آتشی اسلحہ رکھنے کے الزام میں سترہ سال قید کی سزا سنا کر جیل میں بند کردیا۔ چند ماہ قبل جیل میں انہوں نے بغور اسلام کا مطالعہ کیا اور مسلمان ہونے کا اعلان کردیا اور اپنا نیا نام عبدالعزیز رکھ لیا ہے۔ دو ماہ قبل ۲۵ سالہ نومسلم عبدالعزیز نے اپنی بیوی اور تین بچوں سمیت باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلیا۔ لہٰذا ان کی ۲۴ سالہ بیوی ''ہیز بی'' کو دلہن کے روپ میں بڑی عزت اور احترام کے ساتھ جیل کے سوشل ہال میں لایا گیا۔ جہاں اسلامی طریقہ کے مطابق دونوں کا (دوبارہ) نکاح ہوا۔ ان کی شادی میں ۴ ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور اسے ۲۴ کمپنیوں کی طرف سے اسپانسر کیا گیا۔ فلپائن کے پریس نے اسے ''ویڈنگ آف دی ایئر'' قرار دیا ہے۔

اس واقعہ کے ردعمل کے طور پر فلپائن کی جیلوں میں بند قیدیوں نے خاص طور پر اور لوگوں میں عمومی طور پر اسلام سے تعارف کرنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔

ممباسا کے گرجا گھر کے پادری نے اسلام قبول کرلیا

ممباسا کے علاقہ میں واقع ایک بستی غیر سینی کے گرجا گھر کے ایک پادری ''میتھو بونایا'' نے ۲ نومبر ۱۹۹۵ء بروز جمعرات اسلام قبول کرلیا ہے اور اپنا نام عمر رکھ لیا ہے۔ مسٹر میتھو بونایا ۱۹۶۲ء میں اپنے آبائی وطن غیر سینی میں پیدا ہوئے۔ کلیۃ اللاھوت سے عیسائیت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سند فراغت حاصل کی اور ممباسا میں الاخوۃ الافریقیۃ نامی گرجا گھر کے پوپ مقرر ہوئے۔ اور وہیں عیسائیت کی تعلیم و تربیت دینے لگے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے گروہوں کے ساتھ رہ کر اسلامی تعلیمات، اسلامی دعوت و تبلیغ اور مذہب اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے تھے۔ اور گذشتہ سال جب ''تنزانیہ'' سے دعوت و تبلیغ کے لئے ایک جماعت آئی اور ممباسا کے علاقوں میں اپنے اجتماعات منعقد کیے تو انہوں نے زبردست مخالفت کی بلکہ کثرت سے ایسے ایسے سوالات کرتے تھے کہ اس جماعت کے لوگ اپنے دعوتی عمل

سے باز آجائیں۔ اس اسلامی مخالفت اور عیسائیت نوازی کی بنیاد پر گرجا گھر کی مجلس انتظامیہ نے طے کیا کہ ان کو مزید تعلیم کے لئے امریکہ کے بڑے ادارہ میں بھیجے۔

لیکن گذشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا، اور ان کے لئے حق کو واضح کر کے ہدایت دی۔ چنانچہ اسلام کی حقانیت ان کے دل پر جم گئی اور جمعرات کے دن ۲ نومبر ۱۹۹۵ء کو کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام پر ثابت قدم رکھے، اور اسلام کا داعی بنائے۔

دوسرے دن جمعہ کو گرجا گھر کی مجلس میں جا کر وہاں کنجیاں اور جو کچھ بھی ان کے پاس تھا سب واپس کر دیا۔ بعض پادریوں نے انہیں عیسائیت کی طرف لوٹنے کی پھر دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بلکہ خود موصوف عمر صاحب نے ان پادریوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

سوئٹزرلینڈ کے ایک معروف رہنما کا قبول اسلام

سوئٹزرلینڈ کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی ایس پی کے اعلیٰ عہدے پر فائز اور پارلیمنٹ میں جنرلسٹ کے طور پر معروف رہنما نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعلان پارلیمنٹ کے ایوانوں میں کیا، انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ میں اسلام کی حقانیت کو قبول کرتا ہوں، اسلام وہ حقیقت ہے جسے غیر متعصب باشعور انسان قبول کر ہی لیتا ہے، ہمیں اس حقانیت کو واضح کرنا ہے، عرصۂ دراز سے مسلمان قومیں خواب غفلت کا شکار ہیں انہیں بھی اب بھرپور انداز سے اسلام کا دامن تھامنا ہوگا کیونکہ عزت اور کامیابی کا واحد راستہ رحمۃ للعالمین کا اسوۂ حسنہ ہے۔ پیش نظر رہے کہ موصوف نے اپنا نام احمد خوبرو رکھا ہے اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد سے ان کے لئے ترقی کے تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں اور انہیں پارٹی سے نکالا جا چکا ہے۔

یوسف اسلام، عیسائی گلوکار:

گذری ہوئی صدی کی ساتویں دہائی کے مشہور عیسائی گلوکار یوسف اسلام (کیٹ اسٹون) نے موسیقی ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے وہ آج کل اسلامی اسکالرز

کی کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں ان کے والدین یونان سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔ یوسف اسلام نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا کہ ۱۹۸۱ء میں لندن میں ہونے والے میوزیکل شو کے موقع پر ایک بک اسٹال سے ان کو اسلامی معلومات سے متعلق ایک کتاب ملی جس کے مطالعہ کے بعد ان کی زندگی بدل گئی اور انہوں نے سچے دل سے خدا اور اس کے احکامات کو تسلیم کر کے اسلام قبول کر لیا۔ یوسف اسلام کا کہنا ہے کہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو انسانی رواداری کی تلقین کرتا ہے ان کا کہنا ہے کہ اسلام قبول کر کے ان کے دل کو جو سکون و راحت حاصل ہوئی ہے جبکہ اس سے قبل موسیقی سے وہ سکون حاصل نہ ہو سکا جس کی تلاش میں وہ برابر رہے۔

اسلام کی حیرت انگیز اشاعت

تاریخ میں اسلام پر بار بار یہ الزام لگایا گیا ہے۔ اس کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی اور اس الزام کو دور کرنے کے لئے مسلم مؤرخین میں سے کتنوں نے جی توڑ کوشش بھی کی ہے۔ لیکن یہ بات رہ جاتی ہے کہ مسلمان جہاں بھی گئے۔ وہاں وہاں انہوں نے عامۃ الناس کے سامنے تین چیزیں رکھیں، یا تو قرآن لو یا جزیہ دو اور اطاعت قبول کرو۔ دونوں میں سے کوئی چیز پسند نہ ہو تو تمہاری گردن پر گرنے کے لئے ہماری تلوار موجود ہے یہ بڑی ہی کارگر تدبیر رہی ہو گی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف اسی تدبیر سے اتنی جلدی اسلام کیسے پھیل گیا۔ اسلام کی غیر معمولی رفتار ترقی کے متعلق مصنف لکھتے ہیں:

''اسلام کے ظہور کو صرف ۸۰ سال ہوئے تھے کہ اتنے ہی زمانے میں ایک طرف تو اس کا پرچم ہندوستان پہنچ گیا اور دوسری جانب وہ بحر اعظم اٹلانٹک کے ساحل پر لہرانے لگا محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی اور وفات ۶۳۲ میں ۶۲۲ء میں انہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی جس سے اسلام کا واقعی آغاز مانا جاتا ہے۔ لیکن ۷۰۰ء آتے آتے اسلام عراق، ایران اور وسط ایشیا میں پھیل گیا اور ۷۱۲ء میں سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اور اسی سال اسپین میں حکومت قائم ہو گئی ہجری سال کے سو برس پورے ہوتے ہوئے یعنی ۷۲۲ تک مسلمانوں کی سلطنت کی طرح طاقتور حکومت دنیا میں کہیں موجود نہیں تھی۔ تاریخ میں رومن سلطنت عظیم الشان سلطنت سمجھی جاتی ہے، لیکن اس کی تاریخ میں چھ سو سال صرف ہوئے تھے، لیکن عربوں کی وسیع سلطنت اسلام کے ظہور سے صرف سو سال کے اندر پھیل گئی۔

اسلام کی طاقت

مشہور امریکی میگزین نیوز ویک (۳ فروری ۱۹۹۲) کی کور اسٹوری وسط ایشیا کے بارے میں ہے۔ اس کی سرخی اس نے ان الفاظ میں قائم کی ہے۔ وسط ایشیاء کا وسیع علاقہ سوویت اقتدار سے آزادی کے بعد اپنی اسلامی تشخص کی تلاش میں:

Central Asia: freed from soviet rule a vast region searches for an Islamic Identity

روس کی سرحدیں ریاستیں، ازبکستان، قازکستان، کرغیزستان، ترکمانستان، تاجکستان، سوسال پہلے مسلم ریاستیں تھیں ۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو اس نے جلد ہی توسیع کی پالیسی اختیار کی ۔ وسط ایشیاء کی ان تمام ریاستوں کو اپنے قبضہ میں لے کر جبری طور پر ان کے اوپر کمیونسٹ نظام نافذ کردیا گیا۔ اس پورے علاقہ پر ستر سال سوویت یونین کا قبضہ رہا۔ یہاں تک کہ حالات میں تبدیلی ہوئی اور ۱۹۹۱ء کے آخر میں یہ تمام ریاستیں آزاد ہوگئیں۔

ان ریاستوں کے بارے میں مسلسل ایسی خبریں آرہی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ستر سال تک اشتراکی قید میں رہنے کے باوجود وہاں کے مسلمانوں نے اسلام سے اپنا تعلق باقی رکھا اور جیسے ہی آزادی ملی ان کی اسلامیت اچانک نمایاں ہوگئی جو اشتراکی جبر کی بناء پر لوگوں کے دلوں میں اور ان کے گھروں میں چھپی ہوئی تھی۔

مذکورہ نیوز ویک کی ٹیم نے علاقہ کا براہ راست جائزہ لینے کے بعد بتایا ہے کہ سعودی علماء کثیر تعداد میں قرآن کریم کے نسخے لے کر اس علاقے میں آگئے ہیں تا کہ ''پرافٹ محمد کے پیغام'' کو لوگوں کے درمیان پھیلائیں۔ کمیونسٹوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں یہاں کا رسم الخط جبری طور پر بدل کر روسی رسم الخط کردیا تھا اب نئے حکمراں دوبارہ اس اس کو عربی رسم الخط میں تبدیل کررہے ہیں۔

اشتراکی دور حکومت میں یہ ناممکن تھا کہ باہر کا کوئی ادارہ اس علاقہ میں دینی مدد پہنچا سکے۔ آج مختلف اسلامک ممالک آزادانہ طور پر یہ کام کررہے ہیں۔ سعودی عرب نے تخمیناً ایک بلین ڈالر وسط ایشیاء میں پہنچایا ہے تا کہ وہاں کے دینی کاموں کو فروغ حاصل ہو۔ وہ مزید سات بلین ڈالر تاشقند کے مذہبی بورڈ کو دے رہا ہے تا کہ امام اسماعیل البخاری کے مزار کے ساتھ ایک بڑا اسلامک سینٹر قائم کیا جاسکے۔

سعودیہ کا اسلامک بینک ایک منصوبہ کو تین لاکھ ڈالر کی مدد دے رہا ہے تا کہ دوشنبے میں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا جاسکے۔ اسی طرح دوسرے مسلم ممالک بھی اس علاقہ میں اسلام کے فروغ کے لئے مختلف طریقہ سے اپنا تعاون دے رہے ہیں۔ نیوز

ویک نے مزید لکھا ہے کہ دوسال پہلے تاجکستان میں صرف اٹھارہ مسجدیں تھیں آج مسلم ذمہ داروں کے بیان کے مطابق یہاں پچیس ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں۔

دین محفوظ طاقت ہے

۱۹۴۷ء سے پہلے کے زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی ایک پادری صاحب دہرہ دون میں تقریر کررہے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک مجمع ان کی تقریر سن رہا تھا۔ وہ اپنی تقریر میں یہ ثابت کررہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں اور انسانوں کی نجات صرف اس میں ہے کہ وہ آپ کی ابنیت اور کفارہ کے عقیدہ پر ایمان لائیں۔

مجمع میں ایک نوجوان مولوی بھی موجود تھے وہ جلد ہی مدرسہ سے پڑھ کر نکلے تھے۔ پادری کی تقریر سن کر انہیں جوش آ گیا۔ انہوں نے کھڑے ہوکر کہا آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں، خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ مولوی ابھی نوعمر تھے جبکہ پادری کافی تجربہ کار ہو چکا تھا۔ اس نے مولوی صاحب کو اپنے دلائل میں اس طرح الجھایا کہ بظاہر وہ لاجواب ہونے لگے۔

مجمع میں ایک جاہل مسلمان بیٹھا ہوا تھا جو معمولی تجارت کر کے اپنا کام چلاتا تھا۔ اس کو یہ منظر دیکھ کر غیرت آئی۔ وہ اٹھ کر مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ بیٹھ جایئے، یہ پادری جاہل ہے، اور میں بھی جاہل ہوں جاہل کا مقابلہ جاہل ہی کرسکتا ہے، یہاں عالم کا کوئی کام نہیں۔

اس مسلمان نے پادری صاحب سے کہا! اب بتایئے کہ آپ کیا کہتے ہیں، پادری نے پراعتماد لہجہ میں دہرایا کہ ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

مسلمان نے بات کو مزید پختہ کرنے کے لئے کہا کہ آپ کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ میاں ان کے باپ ہیں، پادری نے کہا ہاں! اب مسلمان نے پوچھا کہ، اچھا یہ بتایئے کہ اللہ میاں کی عمر کتنی ہوگی، پادری نے کہا کہ بے وقوف یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اللہ میاں ازل سے ابد تک ہیں۔ ان کی عمر کیسے متعین کی جاسکتی ہے۔ عمر تو اس کی ہوتی ہے جو محدود ہو، خدا تو لامحدود ہے، مسلمان نے دوبارہ سوال کیا

کہ ٹھیک ہے آپ یہ بتایئے کہ اتنی لمبی زندگی میں اللہ میاں کے یہاں کتنی اولادیں ہوئیں؟ پادری نے کہا صرف ایک عیسیٰ مسیح، وہ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ مسلمان نے کہا لاحول ولاقوۃ، مجھے دیکھو میری عمر ۵۲ سال ہے اور میں ۱۲ بچے پیدا کر چکا ہوں، اللہ میاں کی عمر اربوں اور کھربوں سال سے بھی زیادہ ہے اور اب تک ان کے یہاں صرف ایک اولاد ہوئی۔ جب میرے جیسے آدمی کے یہاں ۱۲ اولادیں ہو گئیں تو اللہ میاں کے ایک ہی کیوں؟ عوام نے یہ سن کر فوراً تالی بجائی، پادری صاحب نے کچھ جواب دینا چاہا مگر تالیوں کی گونج میں ان کی آواز دب گئی، لوگوں نے پادری سے کہا کہ بس اب بات ختم ہوگئی تمہارے پاس مسلمان کی بات کا کوئی جواب نہیں۔ اگلے دن اشتہار چھپ گیا کہ دہرہ دون میں مناظرہ ہوا اس مناظرہ میں مسلمانوں کی جیت ہوئی اور پادری صاحب بری طرح ہار گئے۔

اسلام ایک محفوظ اور غیر محرف مذہب ہے، اور مسیحیت ایک غیر محفوظ اور محرف مذہب ہے، اسی فرق کا یہ کرشمہ تھا کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ پادری کے مقابلہ میں ایک جاہل مسلمان کو فتح حاصل ہوئی۔

اسلام کی اثر انگیزی

شیخ محمد بدر الاسلام فضلی بی اے، بی ٹی (علیگ) ہندوستان سے جاپان گئے، انگریزی دور کی ہندوستانی حکومت نے ان کا تقرر ٹوکیو کے اسکول آف فارن لینگویجز میں کیا تھا وہاں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

مسٹر فضلی دسمبر ۱۹۳۰ء میں سمندری جہاز سے جاپان پہنچے۔ وہ اپریل ۱۹۳۲ء تک وہاں مقیم رہے جاپان کے حالات اور اپنے سفر کی روداد پر انہوں نے اسی زمانہ میں ایک کتاب "سیاحت جاپان" لکھی تھی۔ یہ کتاب چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۳۴ء میں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) سے شائع ہوئی تھی۔ مطبع کا نام کتاب پر "جامع برقی پریس دہلی" لکھا ہوا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں جو واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ انسائیکلوپیڈیا میں اسلام پر مقالہ لکھنے کے لئے ایک جاپانی فاضل نے اسلام کا

مطالعہ کیا اس سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ یہاں ان کے اپنے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں:

''جمعہ کے روز نماز کے لئے مسجد گیا، پچاس نمازی جمع ہو گئے ہر شخص ہیٹ کے نیچے ایک گول مخمل کی ٹوپی پہن کر آیا تھا، نیچے کی منزل میں اور زینہ پر بہت سی کھونٹیاں دیوار پر لگی ہوئی ہیں۔ ہیٹ ان پر ٹانگ دی اور گول ٹوپی پہن کر اوپر کے ہال میں جہاں نماز ہوتی ہے جمع ہوئے، بعض لوگوں نے نیچے کی منزل میں وضو بھی کیا۔ نماز کے بعد نمازیوں سے مصافحہ ہوا، یہیں ایک جاپانی صاحب سے بھی تعارف ہوا۔ یہ بھی نماز میں شریک تھے۔ ایک روسی مسلمان مسٹر صابر جمیل نے مجھ کو اور جاپانی مسلمان صاحب کو جن کا نام مسٹر سیورو تھا، اسی وقت چائے نوشی کی دعوت دی۔ صابر صاحب مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان میں رہتے ہیں ان کی اہلیہ محترمہ عائشہ نے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارت کی۔ مسٹر سیورو سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی، میں نے دریافت کیا کہ اسلام کی کس خوبی نے آپ کو اس طرف مائل کیا، انہوں نے بیان کیا کہ ان سے جاپانی انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کے متعلق آرٹیکل لکھنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ اور تحقیق کے بعد خود بخود اسلام کی حقانیت ان پر روشن ہوگئی۔ اور بغیر کسی خارجی تحریک کے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کی بے شمار خوبیاں ہیں مگر دو خوبیوں نے خصوصاً ان پر بڑا اثر کیا اول توحید اور ثانیاً مذہبی رواداری مسٹر سیورو ٹوکیو میں تنہا جاپانی مسلمان ہیں، ان کے علاوہ تمام جاپان میں معدودے چند جاپانی مسلمان ہیں۔ (سیاحت جاپان صفحہ ۱۱۳-۱۱۱)

دین فطرت

کراچی سے ایک انگریزی ہفت روزہ یقین انٹرنیشنل کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ ۲۲ اگست ۱۹۹۱ء کے ایک مضمون کا عنوان ہے، میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟ (Why did I embrace Islam?)

یہ ایک نومسلم مسٹر چیمپئن (Darly Champion) کی کہانی ہے وہ ساؤتھ آسٹریلیا کے شہر ایڈیلیڈ میں ایک مسیحی خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ان کے اندر

تلاش حق کا جذبہ تھا۔ ۱۲ سال کی عمر میں اسکول پارٹی کے ساتھ ایک بار وہ ایک مقامی مسجد میں گئے۔ یہ مسجد سو سال پہلے ان افغانیوں نے بنائی تھی جو ساربان (Camel driver) کے طور پر یہاں لائے گئے تھے۔ اس مسجد کی سادگی کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کے اندر یہ شوق پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب کا مطالعہ کریں۔

بعد میں وہ میڈیا انڈسٹری میں داخل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں انہیں سڈنی آنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں ان کی ملاقات کچھ مسلمانوں سے ہوئی۔ ان سے انہوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ حاصل کر کے پڑھا۔ مزید مطالعہ کے بعد وہ یکم جون ۱۹۸۲ء کو سڈنی کی ایک مسجد میں گئے اور کلمہ شہادت ادا کر کے اسلام قبول کر لیا۔ آسٹریلیا میں ڈھائی لاکھ مسلمان ہیں۔ ان میں تقریباً دو سو نو مسلم ہیں۔

موصوف نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام قمر القلب رکھا ہے ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں اسلام قبول کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ میں نے اسلام کو از سر نو دریافت کیا ہے، میرے بارے میں آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ تبدیلیٔ مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ وہ اس مذہب کو دوبارہ دریافت کرنے کا قصہ ہے جو میری فطرت میں پہلے سے موجود تھا۔

I didn't embsrace Islam. I re-discovered Islam in myself. What you have heard is not a tale of conversion. but a story of rediscovery of my natural self embodied in Islam

اسلام دین فطرت ہے، وہ ہر آدمی کا اپنا مذہب ہے، اسلام کو قابل قبول بنانے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ لوگوں سے معتدل تعلقات قائم کئے جائیں اور اسلام کے مثبت پیغام سے انہیں باخبر کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کھنچ کر اسلام کی طرف آ جائیں گے۔

کون سا مذہب

ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۸۸۸۔۱۹۷۵) ہندوستان کے مشہور مصنف اور فلسفی تھے۔ان کی ایک کتاب وہ ہے جس کا نام مذہب اور کلچر (Religion & culture) ہے۔اس کتاب میں انہوں نے دکھایا ہے کہ مذہب انسان کے لئے لازمی طور پر ضروری ہے کہ مذہب کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں کہ سوال مذہب یا بے مذہب کا نہیں ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کس قسم کا مذہب:

There is no question of religion or no religion but what kind of religion

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے جس قسم کے مذہب کی وکالت کی ہے وہ مذہب وہ ہے جو وحدت ادیان پر عقیدہ رکھتا ہو۔یعنی یہ تصور کہ ایک ہی آفاقی حقیقت ہے جو ہر مذہب میں ظاہری فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ یہ نظریہ دراصل جُز پر کُل کو قیاس کر کے وضع کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ دو مختلف سچائیوں میں جزئی فرق ہو سکتے ہیں، تاہم اس جزئی فرق کے باوجود دونوں سچائیاں ایک مانی جائیں گی۔ مگر جب فرق کلی نوعیت کا ہو، مثلاً ایک مذہب کہے کہ خدا ہے، اور دوسرا مذہب کہے کہ مستقل بالذات حیثیت سے خدا کا کوئی وجود نہیں، اس طرح کے فرق جہاں پائے جائیں وہاں کوئی ایک ہی مذہب سچا ہوگا نہ کہ دونوں مذہب۔

مذہب کی ایک قسم وہ ہے جو ذاتی تجربات کو مذہب کی بنیاد بناتی ہے۔اس قسم کا مذہب سراسر نا قابل قبول ہے کیونکہ اصل سوال استناد کا ہے۔ ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو مذہب بنے، اس کو مستند نہیں کہا جاسکتا، اس لئے وہ قابل قبول بھی نہیں ہو سکتا۔

وہ کون سا مذہب ہے جس کو اختیار کیا جائے۔ خالص علمی اعتبار سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مذہب جو ثابت شدہ ہو۔یعنی وہ مذہب جو تاریخ کے معیار پر مستند ثابت ہو، وہ مذہب جس کا پیغمبر تاریخی پیغمبر ہو، جس کی دی ہوئی کتاب اپنی اصل صورت میں محفوظ ہو، جو تاریخ کی کسوٹی پر پوری طرح معتبر قرار پاتا ہو۔

اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اسلام اور فطرت دونوں ایک دوسرے کے مثنیٰ ہیں۔ اسلام کو جاننے کے بعد آدمی اس طرح اس کو قبول کرتا ہے، گویا وہ اس کے اپنے دل کی بات ہو۔

چرچ کلب کی شکل میں

ڈاکٹر رالف سسن اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک (امریکہ) میں کمیونیکیشن کے پروفیسر ہیں۔ ۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء کو ان سے اسلامی مرکز میں تفصیلی ملاقات ہوئی، اس ملاقات میں میں نے انہیں اسلام کے تصور توحید، تصور رسالت اور تصور آخرت سے متعارف کیا، گفتگو کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے کیا آپ چرچ جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ پہلے جاتا تھا مگر اب نہیں جاتا، اس کی وجہ بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ چرچ کے اندر بڑا عجیب ماحول ہوتا ہے، نقش و نگار، موسیقی، مختلف آوازیں، اور طرح طرح کے رسمی اعمال، مجھ کو تو چرچ عبادت گاہ کے بجائے ایک کلب جیسا معلوم ہوتا ہے۔

It looks like a club, not a place of worship.

امریکی پروفیسر نے جو بات چرچ کے بارے میں کہی وہی تمام دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لئے صحیح ہے۔ موجودہ زمانے میں مذہبی بگاڑ نے تمام دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا ماحول ایسا بنا رکھا ہے کہ وہ عبادت گاہ کے بجائے کلب سے مشابہ ہو گئے ہیں، دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے مقابلہ میں اسلامی مسجد انتہائی سادہ ہوتی ہے اسلامی مسجدیں واقعی عبادت گاہ نظر آتی ہیں جبکہ دوسری عبادت گاہیں اپنے ظاہری حلیہ کے اعتبار سے کلب دکھائی دیتی ہیں، مساجد کی اس سادگی اور ان کے اندر فطری عبادت کے ماحول نے ان مساجد کو ایک قسم کی زندہ تبلیغ بنا دیا ہے۔ ان کو دیکھنا بذات خود اپنے اندر ایک تاثیری طاقت رکھتا ہے، مسجد اپنی ذات میں اسلام کی تبلیغ ہے۔

ہم ساری دنیا میں مسیحیت کا پیغام پہنچا رہے ہیں

عیسائیت کا دعویٰ

یہ ۳۱ جنوری ۱۹۷۶ء کا واقعہ ہے جب کہ راقم الحروف لیبیا جاتے ہوئے ۳۶ گھنٹے کے لئے روم (اٹلی) میں ٹھہرا تھا۔ روم کی یادوں میں سے ایک یاد وہ جرمن پادری ہے جس وہاں میری ملاقات ہوئی۔

Dr. Hans Georg Asmussen propst. Beselerstrab 28-2240 Heide.telephone (0481) 3220 W. Germany.

ایک موقع پر میں نے دیکھا کہ موصوف عربی انجیل کا مطالعہ کر رہے ہیں، اس سے میں نے سمجھا کہ وہ عربی زبان جانتے ہیں، گفتگو کے دوران میں نے کہا مجھے بائبل اور اس کے متعلقہ لٹریچر کے مطالعہ کا شوق ہے، میرے پاس انگریزی میں چھپی ہوئی چیزیں موجود ہیں، مگر میں بائبل کا مکمل عربی ترجمہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

میرا مقصد صرف ناشر کا پتہ پوچھنا تھا کہ وہاں سے عربی بائبل منگائی جا سکے، مگر پادری موصوف نے ناشر کا پتہ بتانے کے بجائے خود میرا پتہ دریافت کیا اور اپنی ڈائری میں میرا پتہ نوٹ کرتے ہوئے کہا ''میں آپ کو عربی بائبل بھجواؤں گا''

اس واقعہ کو تقریباً ایک برس گزر چکا تھا اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ پادری صاحب یا تو اپنا وعدہ بھول گئے یا انہوں نے کتاب روانہ کی اور وہ کسی وجہ سے مجھ تک نہ پہنچی۔ مگر فروری ۱۹۷۷ء کی ایک تاریخ کو ڈاک میں ایک پیکٹ ملا، کھولا تو اس کے اندر پرانے اور نئے عہد نامہ پر مشتمل ''الکتاب المقدس'' کا ایک نیا نسخہ موجود تھا، فولڈنگ جلد کے ساتھ بائبل پیپر پر چھپا ہوا یہ خوبصورت نسخہ ۱۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ روانگی میں تاخیر کا امکانی سبب کیا تھا، پرنٹ لائن کے مطابق بائبل کا یہ عربی نسخہ کوریا میں ابھی ۱۹۷۶ء میں چھپا ہے۔ غالباً پادری موصوف کے پاس یا ان کے ادارہ میں عربی نسخے ختم ہو گئے تھے اور جب کوریا سے چھپ کر وہ انہیں پہنچے ہیں تو حسب وعدہ انہوں نے فوراً اس کی روانگی کا انتظام کیا۔

پادری موصوف کے نام جب میں نے شکریہ کا خط روانہ کیا تو خیال آیا کہ کاش ہم بھی اس طرح شکریہ کے خطوط وصول کرنے کی پوزیشن میں ہوتے۔ آج ساری دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جو قرآن کو اپنی زبان میں پڑھنا چاہتے ہیں مگر ہم ان کو قرآن کے ترجمے ان کی زبان میں اس طرح فراہم نہیں کر سکتے جس طرح مسیحی حضرات دنیا کی تمام زبانوں میں اپنی مقدس کتاب کو دوسروں تک پہنچا رہے ہیں۔

قرآن کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کی طرف خدا کے آخر منذر (آگاہ کرنے والے) تھے آپ نے قرآن کے ذریعے انذار کی یہ ذمہ داری ادا فرمائی اور اپنے بعد کتاب اللہ کو محفوظ حالت میں چھوڑ گئے کہ وہ قیامت تک لوگوں کے لئے آگاہی کا ذریعہ بنتی رہے۔

آپ کے بعد یہ قرآن کس طرح لوگوں تک پہنچے گا، اس کا ذریعہ امت محمدی ہے، امت محمدی کی پہلی اور لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کی آواز کو تمام اقوام عالم تک پہنچائے مگر افسوس کہ آج ساری دنیا میں کوئی بھی ادارہ خاص اس مقصد کے لئے قائم نہیں حتیٰ کہ مسلمان اپنی اس ذمہ داری کے شعور تک سے غافل ہو چکے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو یہ کہا تھا کہ ''میں بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں'' کے پاس بھیجا گیا ہوں، مگر آپ کے پیروؤں کے جوش تبلیغ نے مسیحیت کو ساری دنیا کے لئے قابل مطالعہ بنا دیا۔ اس کے برعکس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ میری بعثت سارے عالم کے لئے ہے مگر آپ کے پیروؤں کے اندر یہ آگ نہیں بھڑکتی کہ آپ کے پیغام کو سارے عالم تک پہنچائیں۔ جرمن پادری کی طرف سے میں نے عربی بائبل کا نسخہ حاصل کیا تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زبان حال سے کہہ رہا ہو ''دیکھو تم اسلام کا پیغام پھیلانے میں ناکام رہ گئے اور ہم ساری دنیا میں مسیحیت کا پیغام پہنچا رہے ہیں''۔

ظالم کا دل دہل گیا

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری قبائل نے اسلامی سلطنت پر حملہ کیا اور عراق، ایران، ترکستان میں مسلم تہذیب وسلطنت کو زیروزبر کرڈالا۔ مگر اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں کو نرم کیا اور تقریباً پوری کی پوری قوم مسلمان ہو کر اسلام کی پاسبان بن گئی، اس زمانہ کے دعوتی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جارہے تھے، اتفاق سے انہی دنوں ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور شکار کے لئے نکلا ہوا تھا۔ یہ شہزادہ تاتاریوں کی چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا جو ایران پر حکومت کررہی تھی، شیخ جمال الدین ایرانی چلتے ہوئے اس علاقہ میں پہنچ گئے جہاں شہزادہ شکار کھیل رہا تھا۔ تاتاری اس زمانے میں ایرانیوں کو منحوس سمجھتے تھے شہزادہ کے سپاہیوں نے شکارگاہ میں ایک ایرانی کی موجودگی کو برا فال سمجھا اور ان کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ اس گستاخ ایرانی کو شہزادہ کے پاس لے گئے۔ شہزادہ ان کو دیکھ کر سخت برہم ہوا، غصہ کی حالت میں اس کی زبان سے نکلا تم ایرانیوں سے تو ایک کتا اچھا ہے شیخ جمال الدین تاتاری کے اس نفرت انگیز سوال کو سن کر سنجیدہ انداز میں بولے ''اگر ہم کو سچا دین نہ ملا ہوتا تو یقیناً ہم کتے سے بھی زیادہ برے ہوتے۔''

تاتاری اگرچہ وحشی تھے مگر ان میں فطری مردانگی کا جوہر موجود تھا وہ منافقت سے خالی تھے، یہی وجہ ہے کہ شیخ کا یہ جواب تغلق تیمور کے لئے سخت جھنجھوڑنے والا ثابت ہوا، اس نے حکم دیا کہ جب میں شکار سے فارغ ہو جاؤں تو اس ایرانی کو میری خدمت میں حاضر کرو۔ شیخ جمال الدین جب حاضر کیے گئے تو وہ ان کو تنہائی میں لے گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ دین کیا ہے، شیخ جمال الدین نے نڈر ہو کر اس کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ اس گفتگو نے تاتاری شہزادہ کا دل ہلا دیا۔ بے دینی کی حالت میں مرنا اسے بڑا خطرناک معلوم ہونے لگا۔ وہ اس پر آمادہ ہو گیا کہ اسلام قبول کرلے، تاہم ابھی وہ ولی عہد تھا، بادشاہ نہ تھا، اس نے کہا کہ اس وقت اگر میں اسلام قبول کرتا ہوں تو میں اپنی رعایا کو اسلام کے دین پر نہیں لاسکتا۔ اس نے شیخ جمال الدین سے کہا ''اچھا اس وقت تم جاؤ جب تم سنو کہ میری تاج پوشی ہوئی ہے اور میں تخت پر بیٹھ گیا ہوں تو اس وقت تم

میرے پاس آنا۔

شیخ جمال الدین اپنے گھر واپس آگئے اور اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب کہ تغلق تیمور کی تخت نشینی کی خبر انہیں معلوم ہو، مگر یہ وقت ان کی زندگی میں نہیں آیا، یہاں تک کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے اس وقت انہوں نے اپنے لڑکے شیخ رشید الدین کو بلایا اور تاتاری شہزادہ کا قصہ بتا کر کہا کہ دیکھو میں ایک مبارک گھڑی کا انتظار کر رہا تھا، مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آنا میری زندگی میں مقدر نہیں۔ اس لئے تم کو وصیت کرتا ہوں کہ جب تم سنو کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوئی ہے تو تم وہاں جانا اور اس کو میرا سلام کہنا اور بے خوفی کے ساتھ اس کو شکار کا واقعہ یاد دلانا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کا سینہ حق کے لئے کھول دے۔

اس کے بعد شیخ جمال الدین کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی وصیت کے مطابق ان کے لڑکے شیخ رشید الدین تاتاری شہزادہ کی تخت نشینی کا انتظار کرنے لگے، جلد ہی ان کو خبر ملی کہ تغلق تیمور تخت پر بیٹھ گیا ہے، اب وہ اپنے وطن سے روانہ ہوئے، منزل پر پہنچے تو دربانوں نے خیمہ کے اندر جانے سے روک دیا کیونکہ ان کے پاس دربانوں کو بتانے کے لئے کوئی بات نہیں تھی کہ وہ کیوں بادشاہ سے ملنا چاہتے ہیں اس کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ خیمہ کے قریب ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈال کر ٹھہر گئے۔

ایک روز وہ فجر کے لئے اٹھے، اول وقت تھا اور فضا میں ابھی سناٹا چھایا ہوا تھا انہوں نے بلند آواز سے اذان دینا شروع کی، یہ آواز خیمہ کے اس حصہ تک پہنچ گئی جہاں شاہ تغلق تیمور سو رہا تھا بادشاہ کو ایسے وقت میں یہ آواز بے معنی شور معلوم ہوئی، اس نے اپنے ملازموں سے کہا کہ دیکھو کہ یہ کون پاگل ہے جو اس وقت ہمارے خیمہ کے پاس شور کر رہا ہے۔ اس کو پکڑ کر ہمارے پاس حاضر کرو، چنانچہ شیخ رشید الدین فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیئے گئے۔

اب بادشاہ نے ان سے سوال و جواب شروع کیا کہ تم کون ہو اور کیوں ہمارے خیمے کے پاس شور کر رہے ہو؟ شیخ رشید الدین نے اپنے والد شیخ جمال الدین کی پوری کہانی سنائی اور کہا کہ آپ کے سوال کے جواب میں جب میرے والد نے کہا تھا کہ اگر ہم کو سچا دین نہ ملا ہوتا تو یقیناً ہم کتے سے بھی زیادہ بدتر ہوتے تو آپ نے کہا تھا کہ

اس وقت میں کچھ نہیں کہتا مگر جب میری تخت نشینی ہو جائے تو تم میرے پاس آنا۔ مگر اس کے انتظار میں میرے والد کا آخری وقت آ گیا، اب ان کی وصیت کے مطابق میں آپ کے پاس وہ بات یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

بادشاہ نے پورے قصہ کو غور کے ساتھ سنا، آخر میں بولا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے میں تمہارے انتظار میں تھا اس کے بعد اس نے اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ ایک راز میرے سینہ میں تھا جس کو آج اس ایرانی فقیر نے یاد دلایا ہے، میرا ارادہ ہے کہ میں اسلام قبول کرلوں تمہاری کیا رائے ہے؟ وزیر نے کہا کہ میں بھی یہی راز اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہوں، میں سمجھ چکا ہوں کہ سچا دین یہی ہے، اس کے بعد بادشاہ اور وزیر دونوں شیخ رشید الدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد بقیہ درباریوں نے بھی اسلام قبول کرلیا، بادشاہ کے قبول اسلام کے بعد پہلے ہی دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا اور بالآخر ایران کی پوری تاتاری قوم نے بھی۔

حق کی طاقت

ابرہہ (Abrames) قدیم یمن (جنوبی عرب) کا حبشی عیسائی حکمران تھا۔ اس نے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا مسیحی کلیسا بنایا۔ چونکہ جزیرۂ عرب کا سب سے زیادہ مقدس عبادت خانہ کعبہ کو سمجھا جاتا ہے اور زیادہ تر لوگ اسی کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے ابرہہ نے چاہا کہ وہ کعبہ کو ڈھادے تاکہ تمام لوگ اس کے بنائے ہوئے عبادت خانہ میں آئیں۔ اور اس طرح عرب کا مذہبی مرکز مکہ سے صنعاء کی طرف منتقل ہو جائے۔

اس منصوبہ کے مطابق، ابرہہ ۵۷۰ء میں یمن سے مکہ کے لئے روانہ ہوا اس کا لشکر ۶۰ ہزار مسلح آدمیوں پر مشتمل تھا اس کے ساتھ ایک درجن ہاتھی تھے جو آگے آگے چل رہے تھے، اس واقعہ کی تفصیلات بہت لمبی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مکہ کے سردار عبدالمطلب کو جب معلوم ہوا کہ اس قسم کا بے پناہ لشکر کعبہ کو ڈھانے کے لئے مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ خود اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے، چنانچہ انہوں نے بیت اللہ میں داخل ہو کر اللہ سے دعائیں کیں اس سلسلہ میں ان کے بہت

سے اشعار کتابوں میں آئے ہیں۔ ان کا ایک شعر یہ تھا

یارب لاارجولهم سواکا

یارب فامنع منهم حماکا

"اے میرے رب! ان کے مقابلہ میں تیرے سوا میں کسی سے امید نہیں رکھتا، اے میرے رب! تو ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔"

اس طرح عبدالمطلب نے کعبہ کو اللہ کے حوالے کیا اور قبیلہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بستی سے نکل کر پہاڑوں میں چلے گئے اور وہاں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ابرہہ اپنے لشکر کے ساتھ بڑھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ حدود حرم پر پہنچا تو اس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اس کو مار مار کر زخمی کر دیا گیا مگر وہ آگے نہ بڑھا، اسی دوران بے شمار چڑیوں کے جھنڈ فضا میں ظاہر ہوئے ان کی چونچ اور ان کے پنجوں میں کنکریاں تھیں، انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر گرائیں تو وہ گولیوں کی بارش کی مانند ان پر برسنے لگے، ابرہہ سمیت پورا لشکر بھس کی طرح چورا چورا ہو کر رہ گیا، یہ واقعہ مکہ کے قریب وادی محسّر میں پیش آیا۔

اس واقعہ کے بعد عربوں نے قدیم رواج کے مطابق بہت سے اشعار لکھے اور ان میں اپنے جذبات اور مشاہدات کا اظہار کیا۔ ابوقیس بن الاسلت کا ایک شعر یہ ہے:

فلما اتاکم نصر ذی العرش ردهم

جنود الملک بین ساف وحاصب

"پھر جب تمہارے پاس عرش والے کی مدد آ گئی تو اس بادشاہ کے لشکر (پرندوں) نے ان کو مٹی اور پتھر سے مار کر پسپا کر دیا۔"

(سیرۃ ابن ہشام، الجزء الاول صفحہ ۶۲)

ابرہہ کا مذکورہ واقعہ ۵۷۰ء میں پیش آیا تھا، اس کے ٹھیک ۵۸ سال بعد ۶۲۸ء میں اسی مکہ کی سرحد پر ایک اور واقعہ اس سے مختلف صورت میں آیا۔ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ ہے جو اسلامی تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

سچائی کی فتح

تیرھویں صدی ہجری کے وسط کا واقعہ ہے کہ جبکہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ کاندھلہ (ضلع مظفرنگر، یوپی) کی جامع مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں میں نزاع شروع ہوگئی۔ یہ نزاع مسجد سے متصل ایک زمین کے بارے میں تھی۔ مسلمان اس زمین کو مسجد کی ملکیت قرار دے کر مسجد میں شامل کرنا چاہتے تھے اور ہندوؤں کا اصرار تھا کہ یہ قدیم مندر کا حصہ ہے، جھگڑا بڑھا تو معاملہ عدالت تک پہنچا اور کئی سال تک اس کا مقدمہ چلتا رہا۔

مجسٹریٹ انگریز تھا، جو شواہد اس کے سامنے پیش کیے گئے وہ اتنے قطعی نہ تھے کہ ان کی بنیاد پر وہ کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر سکے۔ بالآخر مجسٹریٹ نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے الگ الگ گفتگو کی۔ اس نے مسلمانوں سے کہا کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا ہندو ہے جو یہ گواہی دے کہ یہ زمین مسجد کی ملکیت ہے، اگر تم کسی ایسے ہندو کا نام بتاؤ تو میں اس کے بیان پر زمین کا فیصلہ کر دوں گا۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم کسی ہندو کا نام نہیں بتا سکتے، یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اور ہم کو کسی ہندو سے یہ امید نہیں کہ ایسے مذہبی معاملہ میں وہ جانب داری کے بغیر بالکل سچ بات کہہ سکے اور یہ گواہی دے کہ زمین مسجد کی ملکیت ہے۔

اس کے بعد مجسٹریٹ نے ہندوؤں کو بلایا اور کہا کیا تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتا سکتے ہو جو تمہارے دعویٰ کی تصدیق کر دے اور یہ گواہی دے کہ یہ زمین مندر کی ملکیت ہے۔ اگر تم ایسے کسی مسلمان کا نام بتاؤ تو میں اس کے بیان پر زمین کا فیصلہ تمہارے حق میں کر دوں گا۔ ہندوؤں نے باہم مشورہ کیا، اس کے بعد انہوں نے مجسٹریٹ سے کہا یہ مسئلہ قومی عزت کا معاملہ بن گیا ہے اس لئے بہت مشکل ہے کہ کوئی مسلمان یہ گواہی دے کہ یہ زمین مندر کی ہے تاہم ہماری بستی میں ایک بزرگ ایسے ہیں جن سے ہم کو امید ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔

ہندوؤں نے جس مسلمان کا نام بتایا وہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے والد مولانا محمود بخش (م ۱۲۵۸ھ) تھے مجسٹریٹ کا کیمپ اس وقت کاندھلہ کے قریبی موضع ایلم میں تھا۔ اس نے فوراً مولانا محمود بخش کے یہاں پیغام بھیجا کہ وہ کچہری پہنچ کر متعلقہ

مسئلہ میں اپنا بیان دیں، مجسٹریٹ کا بھیجا ہوا آدمی جب مولانا موصوف کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہیں دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے دوبارہ اپنا چپراسی بھیج کر کہلوایا کہ اس کا انتظام رہے گا میں یا کوئی دوسرا انگریز آپ کے سامنے نہ پڑے۔ آپ مہربانی کر کے تشریف لائیں، کیونکہ آپ ہی کے بیان پر ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ ہونا ہے۔ اس نے مزید کہلوایا کہ آپ کی مذہبی کتاب قرآن میں یہ حکم ہے کہ کسی معاملہ میں کسی کے پاس گواہی ہو تو وہ اس کو پیش کرے، وہ ہرگز اس کو نہ چھپائے۔

اب مولانا محمود بخش کاندھلوی مجسٹریٹ کی عدالت میں تشریف لائے مجسٹریٹ خیمے کے اندر دروازہ کے پاس بیٹھ گیا مولانا دروازہ کے پاس باہر کی طرف کھڑے ہو گئے، ہندوؤں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد خیمے کے باہر جمع تھی ہر ایک ملے جلے جذبات کے ساتھ منتظر تھا کہ دیکھئے آج کیا پیش آتا ہے، اندر بیٹھے ہوئے مجسٹریٹ نے بلند آواز سے پوچھا کہ مولانا محمود بخش صاحب یہ بتائیے کہ یہ متنازعہ جگہ ہندوؤں کی ہے یا مسلمانوں کی ہے مولانا نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے، مسلمانوں کا دعویٰ اس کے بارے میں غلط ہے، مجسٹریٹ نے مولانا محمود بخش صاحب کے اسی بیان پر اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ زمین ہندوؤں کو مل گئی، یہ زمین کاندھلہ کی موجودہ جامع مسجد کی جنوب مشرقی دیوار سے ملی ہوئی ہے، ہندوؤں نے مجسٹریٹ کے فیصلہ کے فوراً بعد یہاں مندر تعمیر کر دیا، اب بھی اس جگہ پر وہ مندر موجود ہے۔

مسلمان کچہری سے اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کے چہرے اداس تھے اور ان کے دلوں میں شکست کا احساس چھایا ہوا تھا۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ "مولوی نے قوم کو غیروں کے سامنے رسوا کر دیا" مسلمانوں کو معلوم نہ تھا کہ قانون کی عدالت کا فیصلہ اگر چہ ہو چکا ہے مگر اخلاق کی عدالت کا فیصلہ ابھی باقی ہے مولانا محمود بخش کی اس سچائی اور بے لاگ حق پرستی کا ہندوؤں پر بہت اثر پڑا۔ وہ مولانا کی سچائی کے واقعہ میں اس دین کی سچائی کو دیکھنے لگے جس نے ان کے اندر یہ زبردست قوت پیدا کی کہ وہ ایک نہایت نازک قومی معاملہ میں بھی انصاف سے نہیں ہٹے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاندھلہ کے کئی ہندو خاندان اسلام سے متاثر ہوئے اور مولانا بخش کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ان نو مسلم خاندانوں میں سے ایک گھرانہ ۱۹۴۷ء تک کاندھلہ میں موجود تھا جو تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا۔

مسلمان اپنا مقدمہ ہار گئے مگر اسلام اپنا مقدمہ جیت گیا۔ دو شخصوں یا گروہوں میں جب بھی کوئی نزاعی معاملہ پیش آتا ہے تو عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی نظر مفاد اور مصلحت کی طرف چلی جاتی ہے جس چیز میں بظاہر فائدہ نظر آئے، جو قومی وقار کے مطابق ہو، جس میں دنیوی سربلندی حاصل ہوتی ہو، آدمی بس اس کی طرف جھک جاتا ہے، مگر حقیقی کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ معاملہ کو حق اور ناحق اور انصاف اور بے انصافی کی نظر سے دیکھا جائے۔ جو طریقہ حق کے مطابق ہو اس کو اختیار کر لیا جائے، اور جو طریقہ حق کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیا جائے یہ اصولی موقف ہے اور اس دنیا میں بالآخر اصولی موقف کامیاب ہوتا ہے، نہ کہ افادی موقف۔

اشاعت اسلام

ہندو دھرم میں یہ مانا گیا ہے کہ سچائی ایک ہے، مگر اس کے راستے جدا جدا ہیں۔ وہ مختلف مذاہب کی سچائی کے مختلف راستے تصور کرتا ہے، چنانچہ ہندو دھرم ہر مذہب کے احترام کی اپیل کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ پچھلے ہزار سال سے ہندوستان میں مذہب بدلنے کا عمل جاری ہے۔ مگر ہندو دھرم پر عقیدہ رکھنے والوں نے کبھی اس کو برا نہیں مانا، کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق یہ سچائی کی طرف جانے والے ایک راستہ کے بجائے دوسرے راستہ کے ذریعہ سچائی کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے کے ہم معنی تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب ڈسکوری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مذہب کی تبدیلی پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ سیاسی سبب سے ہوتا ہے نہ کہ مذہبی سبب سے۔

ہندو سنسکرتی کی یہ روایت ۱۹۴۷ء کے بعد ملک کے کانسٹی ٹیوشن (دستور) میں بھی باقاعدہ طور پر شامل کر دی گئی۔ چنانچہ دستور کی دفعہ ۲۵ میں ملک کے ہر شہری کا یہ ناقابل تنسیخ بنیادی حق قرار دیا گیا ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے مانے، جس مذہب پر چاہے عمل کرے اور جس مذہب کی چاہے تبلیغ کرے۔

اسی آزادانہ فضا کا یہ نتیجہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی ہندوستان میں کثرت سے لوگ اسلام قبول کرتے رہے، اور آج بھی ہر روز ملک کے مختلف علاقوں میں لوگ اپنی ضمیر کی آواز کے تحت مسلسل اسلام قبول کر رہے ہیں، مثال کے طور پر دہلی کے

انگریزی روزنامہ ٹائمز آف انڈیا کے شمارہ ۲۵ جون ۱۹۹۵ء میں صفحہ ۱۳ پر نام کی تبدیلی کے زیر عنوان یہ اعلان شائع ہوا کہ:

I Arvind Kumar, son of Shri prem Kumar, r/o 67/6 Zamrud pur Greater Kailash part-1 New Delhi 110048, by faith Hindu, would hereafter be called as Ateeq and has embraced Islam (The Times of India, New Delhi, June25, 1995)

میں اروند کمار ولد شری پریم کمار ساکن زمرد پور، گریٹر کیلاش، نئی دہلی، ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والا ہوں۔ مجھے اب عتیق کے نام سے پکارا جائے گا۔ اور میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

اس طرح کے اعلانات اخباروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ مثلاً ٹائمز آف انڈیا کے شمارہ ۲۲ مارچ ۱۹۹۶ء میں شائع شدہ ایک اعلان کے مطابق، مسٹر اکھلیشو رکمار ولد مندر یکا سنگھ ساکن ۴/۵۵۷ نیو چندراول، کملانگر، نئی دہلی نے بتایا کہ انہوں نے اپنا نام بدل لیا ہے اور اب ان کا نیا نام عمران صدیق ہے۔

اسی طرح ٹائمز آف انڈیا کے شمارہ ۲۷ مارچ ۱۹۹۶ء میں شائع شدہ ایک اعلان کے مطابق، مسٹر شیام لال ولد سرجی رام، موضع شاہ پور، ڈاک خانہ ہرسولی، ضلع الور، (راجستھان) نے اپنا نام اور مذہب تبدیل کرلیا ہے، ان کا نیا نام محمد سلیم ہے، اور اب ان کا مذہب اسلام ہے۔

اسی شمارہ (ٹائمز آف انڈیا ۲۷ مارچ ۱۹۹۶ء) میں چھپنے والے ایک اور اعلان کے مطابق، مسز شاردا بنت مسٹر ریش، موضوع مجری، ڈاک خانہ بہرور، ضلع الور نے اپنا نام سائرہ بیگم رکھ لیا ہے اور ہندو دھرم کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا ہے۔

اس طرح کے واقعات ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلسل ہورہے ہیں، ان میں سے کچھ اخبار میں آتے ہیں، اور بیشتر اخبارات میں نہیں آتے، یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہندوستان میں مکمل آزادی حاصل ہے، یہاں کے ہر شہری کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس مذہب کو چاہے چھوڑے اور جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔

فرانس میں اسلام

یہ اچنبھے کی بات ہے کہ پچھلے ۲۰ برسوں میں اسلام فرانس کا دوسرا سب سے زیادہ اہم مذہب بن گیا ہے، وہ صرف رومن مسیحیت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ پروٹسٹنٹ مسیحیت سے وہ بہت آگے ہے، فرانس کے ۱۷ صوبائی مرکزوں میں مستقل اماموں کے ساتھ مساجد قائم ہیں۔ رومن کیتھولک چرچ اکثر تین چوتھائی خالی رہتے ہیں مگر پیرس کی مسجد میں جمعہ کی نمازوں میں پانچ ہزار سے چھ ہزار تک آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ آنگن اور ملحقہ کمروں تک بھرے ہوتے ہیں تاکہ نماز اور خطبہ کو لاؤڈ اسپیکر پر سن سکیں۔ عید الفطر کا تہوار جو رمضان کے ختم پر ہوتا ہے اس میں نمازیوں کا اجتماع گیارہ ہزار تک پہنچ جاتا ہے۔ مسجد کے چاروں طرف سڑکوں پر لوگ جھکے ہوئے عبادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اندازہ ہے کہ فرانس میں ۱۴ملین عامل کیتھولک ہیں، بمقابلہ بپتسمہ لینے والے کیتھولک کے کہ ان کی تعداد زیادہ ہے، مسلمان دوسرے نمبر پر ہیں جن کی تعداد نو لاکھ ہے، اور بدھسٹ کی تعداد ۸۰ ہزار ہے۔ ۱۹۳۹ء سے پہلے مسلم آبادی فرانس میں اتنی کم تھی کہ ان کے بارے میں کوئی سرکاری اعداد و شمار موجود نہ تھے، مگر دوسری عالمی جنگ کے بعد مسلم آبادی بڑھنا شروع ہوئی ہے۔ بہت سے مسلم خاندان فرانس میں آباد ہو گئے، خاص طور پر شمالی افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات کے، بعض اوقات ان کو خوف و ہراس کی حالت میں رہنا پڑتا تھا۔

۱۹۵۴ء کے بعد مہاجرین کا سیلاب بہت تیزی سے بڑھا، یہ سلسلہ ۱۹۷۰ء تک جاری رہا، شمالی افریقہ سے آنے والے مسلم خاندانوں کے علاوہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد سیاہ افریقہ سے بھی فرانس میں داخل ہوئی۔ اب فرانس کے مسلمان زیادہ تر مزدور طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے تقریباً ۲۵۰۰۰۰ پیرس کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ مارسلز میں ۵۰۰۰۰ے مسلمان ہیں اور لیونس میں ۳۰۰۰۰ ان میں سے کچھ پروفیسر ہیں، دوسرے وہ ہیں جو لکھ پڑھ نہیں سکتے، واحد چیز جو ان میں مشترک ہے وہ اسلام کا عقیدہ ہے۔

حمزہ ابوبکر پیرس کی مسجد کے مسلم انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں، مسلمانوں کے اس

مختلف النوع طبقہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا "میں نے محسوس کیا کہ میں ان لوگوں کے مذہبی اختلافات کو ختم نہیں کرسکتا۔ اس کے بجائے مجھے چاہیئے کہ سب کو مشترک روحانی خوراک دینے کی کوشش کروں جو کسی ایک فرقہ وارانہ مزاج سے آزاد ہو۔

آسٹریلیا کا پہلا مسلمان

۱۸۶۰ء میں ایک مسلمان آسٹریلیا میں داخل ہوا تھا۔ آج آسٹریلیا میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے، ملک میں جگہ جگہ نئی نئی مسجدیں بن رہی ہیں ابتداء میں جو مسلمان آسٹریلیا پہنچے وہ شتربان (Camel Driver) تھے جو اونٹوں کی نگہداشت اور ساربانی کے لئے یہاں لائے گئے تھے ۸۰ سال سے زیادہ عرصہ مسلمان اسی حیثیت سے آسٹریلیا میں رہے۔

پہلا مسلمان شخص جو آسٹریلیا پہنچا، اس کا نام دوست محمد تھا، وہ ایک کشمیری پٹھان تھا۔ اس کے ساتھ ۲۴ اونٹوں کا قافلہ تھا اور وہ ملبورن اور برک کے درمیان اونٹوں کے ذریعہ سواری اور بار برداری کا کام کیا کرتا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں سرٹامس ایلڈر نے ۱۲۰ اونٹوں کا قافلہ بنایا اس کو ساربانوں کی ضرورت تھی، چنانچہ اس نے کراچی سے ۱۲ ساربانوں کو بلایا اسی طرح افغانستان، ہندوستان اور موجودہ پاکستان سے ساربانی کے کام کے لئے مسلمان آسٹریلیا پہنچتے رہے۔

آسٹریلیا کے لوگ ان مسلمانوں کو عام طور پر "افغان" کہتے تھے جو مختصر ہوتے ہوتے بالآخر صرف غان (Ghans) رہ گیا۔ اونٹوں کے ذریعہ سواری اور بار برداری کا کام اتنا بڑھا کہ ایک بار بیک وقت پانچ سو اونٹ باہر سے منگوائے گئے۔ یہ ساربان اپنے مخصوص پیشہ کے ساتھ بعض معمولی تجارتی کام بھی آسٹریلیا میں کرتے تھے۔

اونٹوں کے قافلے زیادہ تر ایڈیلیڈ، فارینا، ماری، اوڈناڈٹا اور الائس کے راستوں پر چلتے تھے۔ اس پورے راستہ میں ان لوگوں نے جگہ جگہ عبادت کے لئے مسجدیں بنالیں، اسی طرح دوسرے جن راستوں پر وہ چلتے تھے وہاں وہ مسجد بھی بنالیتے تھے، یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ چٹائیاں بھی رکھتے اور جہاں مسجد نہ ہوتی، راستہ کے کنارے چٹائی بچھا کر نماز پڑھ لیتے۔

۱۸۷۰ء کے بعد آسٹریلیا کے صحراؤں میں ریلوے لائن کا منصوبہ بنا اور بالآخر ٹرانس آسٹریلیا ریلوے وجود میں آئی۔ اس ریلوے لائن کے لئے سروے کا جو کام برسہا برس تک ہوتا رہا اس میں مسلم ساربانوں کے اونٹ بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ ان اونٹوں کے ذریعہ سرکاری کارکن اور سامان صحراؤں میں سفر کرتے تھے۔ مگر جب ریلوے لائن بن گئی تو یہی ریلوے تھی جس نے آسٹریلیا میں اونٹوں کو اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو بے جگہ کر دیا۔ اس کے بعد یہ کاروبار ختم ہونے لگا، مسلمان آسٹریلیا سے رخصت ہونے لگے۔ آور مان خان آخری مسلمان تھا جو ۱۹۵۰ء میں آسٹریلیا کو چھوڑ کر اپنے وطن کراچی واپس آ گیا، اس نے تقریباً ۵۰ سال آسٹریلیا میں گزارے۔

پھر بھی بعض خوش قسمت مسلمانوں کو آسٹریلیا میں روزگار ملتا رہا، مثلاً ۱۹۷۵ء میں آسٹریلیا کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ وہ چار اونٹ شاہ خالد (سعودی عرب) کی خدمت پیش کرے۔ اس کے لئے حکومت نے محمد عالم اور صالح محمد کی خدمات حاصل کیں، جنھوں نے سمپسن صحراؤں کے چار جنگلی اونٹ پکڑے اور ان کو تربیت دے کر اس قابل بنایا کہ وہ سعودی حکمران کو بطور تحفہ پیش کئے جا سکیں۔

مسلم ساربانوں کی خاص شاہراہ وہ تھی جو ایڈیلیڈ سے الائس اسپرنگ کو جاتی ہے۔ راستہ پر اب جدید وضع کی ٹرینیں دوڑتی ہیں۔ تاہم قدیم ''افغانی ساربانوں'' نے ۱۸۸۹ء میں ایک مسجد بنائی تھی اس علاقہ میں اب اگرچہ مسلمان نہیں ہیں مگر بروکن ہل ہسٹاریکل سوسائٹی نے ۱۱۵ سال بعد بھی اب تک اس کو محفوظ رکھا ہے۔ اب مسجد کے ساتھ جلد ہی ''افغان میموریل ہال'' حکومت کے اہتمام میں بننے والا ہے، یہ ہال اور اس قسم کی دوسری چیزیں دراصل اس بات کا نشان ہیں کہ آسٹریلیا مسلم ملکوں خاص طور پر عربوں سے تعلقات بڑھا رہا ہے، پیٹرول نے آج کی دنیا میں عربوں کی اہمیت بڑھا دی ہے اور اسی کے ساتھ اسلام کی بھی۔

۱۹۵۱ء سے مسلمانوں کی نئی قسم آسٹریلیا میں داخل ہونا شروع ہوئی ہے، یہ مختلف ملکوں کے طلبہ ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں ان کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تھی، اسی طرح مسلم سفارت خانوں کا عملہ بھی مسلمانوں کی تعداد بڑھا رہا ہے برسبن میں ۱۹۰۷ء میں ایک مسجد بنائی گئی تھی جو اب خستہ حالت میں تھی۔ اب یہاں کے مسلم طلبہ نے اس کی نئی تعمیر کا

منصوبہ بنایا، اس کی لاگت کا اندازہ ۷۵ ہزار آسٹریلیائی ڈالر تھا۔ مسجد ۱۹۷۰ء میں بن کر تیار ہوگئی مگر اس کی لاگت اصل اندازہ کے مقابلہ میں صرف نصف رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر مزدوروں کا کام کیا۔

سڈنی نہ صرف آسٹریلیا کا سب سے بڑا شہر ہے بلکہ یہاں مسلم آبادی بھی سب سے زیادہ ہے، یہاں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۵۰ ہزار ہے، آسٹریلیا کی سب سے بڑی مسجد بھی جلد ہی یہاں مکمل ہو جائے گی۔ اس کی لاگت کا اندازہ پانچ لاکھ آسٹریلیائی ڈالر ہے اسی طرح ملبورن میں پانچ لاکھ آسٹریلیائی ڈالر کی لاگت سے ایک مسجد تیار ہوئی ہے اس کی لاگت زیادہ تر بیرونی مسلم ملکوں کے عطیات سے پوری کی گئی ہے مثلاً صباح، سعودی عرب، بحرین، کویت۔ سعودی عرب نے آسٹریلیا میں مساجد کی تعمیر کے لئے خصوصی طور پر پچاس ہزار ڈالر کی رقم دی ہے۔

جاپان میں اسلام

جاپان میں بدھ ازم کا آغاز اس طرح ہوا کہ کوریا کے راجہ نے شاہ جاپان (یماتو) کو ۵۳۹ء میں ایک تحفہ بھیجا یہ تحفہ دو چیزوں پر مشتمل تھا گوتم بدھ کا مجسمہ اور ان کی تعلیمات کا ایک مختصر صحیفہ، کوریا کے راجہ نے لکھا کہ یہ سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے جو میں آپ کو بھیج سکتا ہوں۔ اس طرح بدھ ازم ایک مذہبی تحفہ کی شکل میں چھٹی صدی عیسوی میں جاپان میں داخل ہوا۔ اور تھوڑے دنوں بعد شہزادہ شوتو کو (۵۷۴-۶۲۱) کے زمانہ میں جاپان کا سرکاری مذہب بن گیا۔ مین اینڈ ہز گاڈ *Man and his God*

عجیب بات ہے کہ یہی واقعہ اب سے پچاس برس پہلے جاپان میں اسلام کے حق میں پیش آیا، مزید اس اضافہ کے ساتھ کہ اس بار شہنشاہ جاپان نے خود یہ فرمائش کی تھی کہ اسلام کو اس کے ملک میں بطور "تحفہ" بھیجا جائے۔ ۱۸۹۱ء کا واقعہ ہے جب کہ عالم اسلام میں بے تحاشا بڑی بڑی شخصیتیں موجود تھیں، مگر اس پیش کش کے جواب میں کچھ نہ کیا جا سکا، حالانکہ اگر بروقت اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تو آج نہ صرف جاپان بلکہ شاید ایشیا کی تاریخ دوسری ہوتی۔

جاپان کا پرانا قومی مذہب شنتو ہے۔ مگر اس کی کوئی مقدس کتاب نہیں، یہ

مذہب سے زیادہ قومی روایات کے ایک مجموعہ ہے، کنفیوشین مذہب تیسری صدی میں چین سے اور بدھ مت چھٹی صدی عیسوی میں کوریا سے جاپان آئے، جاپان کی بیشتر آبادی انہیں تینوں مذاہب کو مانتی ہے۔ سولہویں صدی کے نصف آخر میں عیسائی مذہب پرتگیزیوں کے ذریعے جاپان میں داخل ہوا، اور بہت سے جاپانیوں کو مسیحی بنانے میں کامیابی حاصل کی، مگر یہ پرتگیزی استعماری ذہن کے تحت جاپان میں داخل ہوئے تھے، مذہب کی آڑ میں انہوں نے جاپان کی سیاست پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ چیز جاپانیوں کو بے حد ناگوار تھی، پہلا پرتگیزی مشنری فرانس زیویر ۱۵۴۹ میں جاپان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے پچاس سال بعد مسیحیوں کے خلاف جاپان میں داروگیر شروع ہوگئی، یہاں تک کہ ۱۶۱۲ء میں ایک سخت فرمان جاری کیا گیا جس کے مطابق نہ کوئی مسیحی باہر سے آسکتا تھا اور نہ جاپان کا کوئی شہری مسیحی مذہب کو اختیار کرسکتا تھا۔ اس کے بعد ہزاروں عیسائی قتل کردیئے گئے، ہزاروں نے عیسائیت کو چھوڑ کر دوبارہ اپنے آبائی مذہب کو اختیار کرلیا۔ عیسائیت کے مقدس نشان صلیب اور مسیح و مریم کے مجسموں کو توڑ ڈالا گیا۔ ۱۸۵۳ تک عیسائیت کو جاپان سے بالکل ختم کردیا گیا تھا۔

مگر اٹھارویں صدی میں یورپ میں جو فکری انقلاب آیا اس نے صورت حال کو دوبارہ مغرب کے موافق کردیا۔ اس صدی میں یورپ نے سیاسی اور سماجی علوم کی ازسرنو تدوین کی، اس نے ثابت کیا کہ فرد کی آزادی وہ سب سے بڑی چیز ہے جو کسی سماج یا ریاست کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے، اس فکری سیلاب نے ساری دنیا میں ان لوگوں کو دفاع کی پوزیشن میں ڈال دیا جو فرد کی آزادی کو ختم یا محدود کرکے اپنا سماجی نظام بنائے ہوئے تھے۔ ایسی تمام قومیں اپنے حق میں استدلال کی طاقت سے محروم ہوگئیں، ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ مغرب کے فکری یلغار کے آگے ہتھیار ڈال دیں۔

شہنشاہ میجی کے عہد سلطنت (۱۹۱۲۔۱۸۶۸) میں ایک طرف جاپانی شہروں کی تعمیر کے لئے یورپ اور امریکہ کے عمارتی نقشے درآمد ہونا شروع ہوئے۔ دوسری طرف وہاں کے نظریات وافکار بھی جاپان پہنچے جن میں آزادی رائے کا نظریہ سرفہرست تھا۔ اس کے اثر سے سابق فیصلے پر نظر ثانی ہونے لگی ۱۸۷۳ میں خلافت مسیحیت قانون کو منسوخ کردیا گیا ۱۸۸۹ میں مغربی طرز کا دستور بنا جس میں جاپانیوں کے لئے مذہبی

آزادی کا اعلان کیا گیا۔ اب پھر یورپ اور امریکہ کے عیسائی مشنری جاپان پہنچنے لگے، اور عیسائیت کی تبلیغ دوبارہ شروع ہوئی تاہم بے پناہ سرمایہ خرچ کرنے کے باوجود عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں کی تعداد میں کوئی نمایاں اضافہ نہ ہو سکا۔

زمانہ کے فکری دباؤ کے تحت قانون میں تبدیلی تو ہوگئی، مگر جاپان کے ہوش مند لوگ اب بھی خائف تھے کہ عیسائیت کو تبلیغ کی آزادی دینا ملک میں مغربی استعمار کے داخلہ کا سبب نہ بن جائے، چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں جب عیسائیت کے خلاف قانون کو ختم کیا گیا اسی زمانہ میں حکومت جاپان نے کچھ ایسی حفاظتی تدبیریں بھی کیں جن سے عیسائیت کو سیاسی خطرہ کی حد تک جانے سے روکا جاسکے، انہی میں سے ایک یہ بھی تھا کہ شہنشاہ جاپان (میجی) نے ۱۸۹۱ میں ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی (۱۹۱۸۔۱۸۴۲) کے نام ایک خصوصی مکتوب روانہ کیا۔ اس نے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے سلطان ترکی کو لکھا تھا کہ ''ہم دونوں مشرقی بادشاہ ہیں، ہماری اور ہماری قوم کی مصلحت یہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوں۔ اور ملتے رہیں، اور ہم دونوں کے درمیان تعلقات مضبوط ہوں تاکہ ہم مغربی قوموں کا مقابلہ کرسکیں جو تمام مشرقی سلطنتوں کو ایک نظر سے دیکھتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں مذہبی آزادی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر مغربی قومیں اپنا مذہب پھیلانے کے لئے جاپان میں اپنے مبلغین بھیج رہی ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے، ہم پسند کریں گے کہ آپ اپنے مبلغین یہاں بھیجیں جو آپ کا مذہب اسلام یہاں کے لوگوں کو بتائیں، اس طرح امید ہے کہ آپ کے اور ہمارے درمیان معنوی رشتہ قائم ہوگا۔''

شہنشاہ جاپان کی طرف سے خط ملنے کے بعد سلطان عبدالحمید نے شیخ الاسلام، ناظر المعارف، اور دوسرے علماء اور اہل فکر کو جمع کیا اور پوچھا کہ اس معاملہ میں کیا کیا جائے۔ لوگوں نے رائے دی کہ آستانہ (ترکی) میں جو اسلامی مدارس ہیں، ان سے کچھ علماء منتخب کیے جائیں اور ان کو جاپان بھیجا جائے۔ اس مجلس میں سید جمال الدین افغانی (۱۸۹۷۔۱۸۳۸) بھی شریک تھے، آخر میں سلطان نے کہا کہ آپ بھی اپنی رائے دیں، انہوں نے کہا ''یہ علماء تو خود مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ پھر وہ جاپانیوں کو اسلام سے قریب کرنے کا سبب کیسے بنیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ

لوگوں کو باقاعدہ تربیت دے کر تیار کیا جائے جو موجودہ زمانہ کی رعایت سے اسلام کی تبلیغ کی خصوصی صلاحیت رکھتے ہوں، پھر ان کو جاپان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے بھیجا جائے، اس وقت سلطان صرف یہ کریں کہ میکاڈو (شہنشاہ جاپان) کے جواب میں شکریہ کا خط بھیج دیں اور یہ لکھ دیں کہ آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔ ہم جلد ہی اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ سلطان نے کچھ تحفہ تحائف کے ساتھ ایک خط شہنشاہ جاپان کو بھیج دیا (حاضر العالم الاسلامی، از امیر شکیب ارسلان)

فرانس زیویر (۱۵۵۲۔۱۵۰۶) جب ۱۵۴۹ میں گوا سے جاپان پہنچا تو مخالف حالات کے باوجود اس نے جاپانی زبان سیکھی اور مسیحیت کی تبلیغ شروع کی۔ مگر موافق حالات کے باوجود عالم اسلام میں کوئی جاپانی زبان سیکھنے کے لئے نہ اٹھا۔ سید جمال الدین افغانی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کام کے لئے موزوں ترین شخص تھے۔ سلطان عبدالحمید ان سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا۔ اگر وہ سلطان سے کہتے کہ آپ ایک ادارہ قائم کر دیجئے، میں اس کو چلاؤں گا اور اس میں جاپانی زبان میں اسلامی کتابوں کے ترجمے اور جاپان میں تبلیغ کرنے والے افراد تیار کروں گا تو سلطان فوراً راضی ہو جاتا، مگر جمال الدین افغانی کو اپنے سیاسی مشاغل سے فرصت نہ تھی ان کے نزدیک سب سے بڑا کام یہ تھا کہ انگریزی اور فرانسیسی استعمار کو ''قبر میں اتار دیا جائے'' وہ مغربی قوموں کا سیاسی اقتدار ختم کرنے کے لئے بے چین تھے۔ ایسی حالت میں کفر وشرک کو دنیا سے ختم کرنے کی بے چینی ان کے اندر کس طرح پرورش پاتی۔

فرانس میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے

اسلام فرانس میں تیزی سے بڑھ رہا ہے، پورے ملک میں کثرت سے مسجدیں بن رہی ہیں، فرانس کے وزیر داخلہ چارلس پاسکا نے اپنے عملہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس نئے اور عجیب مظہر پر ایک رپورٹ تیار کر کے انہیں دیں جس کو انہوں نے ''ہزار مسجدوں کا فرانس'' کہا ہے۔ پندرہ سال کے اندر فرانس میں مسجدوں کی تعداد ایک درجن سے ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

علم سیاست کے پروفیسر گلیز کپل کی ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام

ہے ''مضافات اسلام'' اس میں انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ اس مغربی ملک میں ایک اسلامی فرانس وجود میں آ رہا ہے، اس کے مطابق، فرانس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ملین ہے۔ ۳۲ سالہ پروفیسر کپل کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہ بات غیر واضح ہے کہ فرانس کے مسلمان ایک روز یہاں کے قومی دھارے میں ضم ہو جائیں گے یا نہیں۔ اکثر مبصرین کا خیال ہے کہ فرانس کی سوسائٹی اور اس کا کلچر اتنا طاقتور ہے کہ مسلمان دھیرے دھیرے یہاں کی سوسائٹی میں ضم ہو جائیں گے، دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں کے مسلمان اپنی شناخت کو محفوظ رکھیں گے اور کیتھولک، پروٹسٹنٹ یا یہود کی طرح ایک علیحدہ فرقہ بن کر باقی رہیں گے۔

فرانسیسی مسلمانوں کی سب بڑی اکثریت شمالی افریقہ کی سیاہ فام نسل سے تعلق رکھتی ہے جو یا تو مہاجر ہیں یا پاسپورٹ پر یہاں رہ رہے ہیں۔ کچھ ترک مسلمان ہیں صرف مٹھی بھر ایسے لوگ ہیں جو اصلاً فرانسیسی ہیں اور مذہب تبدیل کر کے مسلمان بنے ہیں۔ فرانسیسی مسلمان زیادہ تر غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بہت سے ہیں جو بالکل جاہل ہیں۔

فرانس یورپ کا اہم ترین ملک ہے فرانس جیسے ملک میں تین ملین مسلمانوں کا اجتماع انہیں مغربی دنیا میں اسلام کی دعوت و اشاعت کا زبردست موقع دے رہا ہے مگر دعوتی ذہن نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ساری توجہ صرف اس پر لگی ہوئی ہے کہ اس مغربی ملک میں وہ اپنی گروہی شناخت کو باقی رکھ سکیں۔ دعوت و تبلیغ کا ذہن آدمی کے اندر آفاقیت پیدا کرتا ہے اور قومی شناخت کا ذہن صرف محدودیت۔

قتل عام
یورپ میں اسلام کی روشنی
یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات
نوجوان تباہی کے دہانے پر
سنت نبوی اور جدید سائنسی تحقیقات